مراثی انیس
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیسؔ

مکمل

جلد اوّل

انتیس (۲۹) مرثیے

خصوصاً

گیارہ ایسے معرکتہ الآرا مراثی شامل ہیں جن کا دنیائے ادب میں بلند ترین مقام ہے

نیز ۳۵ رباعیات اور تین سلام

جن کا ایک ایک شعر خزینۂ ادب کا دُرِ شاہوار ہے

مقدمہ

سید احتشام حسین صاحب

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۳

تصنیف	...	میر ببر علی انیس
مقدمہ	...	سید احتشام حسین
ترتیب	...	ثاقب حسین نقوی
طابع	...	شیخ نیاز احمد
مطبع	...	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد اشاعت	...	۱۰۰۰ سیٹ
مقام اشاعت	...	کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سال اشاعت	...	۱۹۵۹ء
قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے	...	بتیس روپے ۳۲/- روپے
قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں	...	چھتیس روپے ۳۶/- روپے

شمس العلماء مولوی الطاف حسین حالی کی تحریر کا عکس

دو رباعیاں میر انیس کی شان میں

اُردو! گو رواج چار سو تیرا ہے
شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس
اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اسکی بہار
دونوں کو جب دعویٰ سا کہ ہمارا تھا انیس

میر ببر علی انیس لکھنوی
ولادت سنہ ۱۸۰۵ء وفات ۱۸۷۴ء

پیش لفظ

جولائی ۱۹۵۶ء کی کسی تاریخ کو شیخ نیاز احمد صاحب مالک مطبع نے "مراثی انیس" کی ترتیب و تدوین نیز کتابت کا کام میرے سپرد کیا تھا۔

عرصے سے میری بھی دلی خواہش تھی کہ "مراثی انیس" ادبی حیثیت سے مکمل طور پر شائع ہوں۔ تاکہ میر انیس کے محاسن کلام شائقین کلام اور باذوق طبقے کے سامنے آسکیں۔ چنانچہ میں نے حامی بھرلی۔

لکھنؤ واپس پہنچ کر میں نے کلام انیس کی ترتیب کا کام شروع کر دیا۔ کچھ دنوں کی تگ و دو کے بعد رفتہ رفتہ سب ایڈیشن جمع ہوگئے ــــ کیسے؟ کیوں کر؟ اور کہاں کہاں سے؟ اس میں جو جو پریشانیاں میرے سامنے آئیں، وہ میں ہی جانتا ہوں۔ بہرحال کسی طرح کتابت کا کام شروع کرایا۔ لیکن اُس وقت ترتیب کے متعلق کچھ سوچا بھی نہیں۔

مراثی انیس کی چار جلدوں کے چار ایڈیشن یکے بعد دیگرے نول کشور میں شائع ہوئے پانچویں اور چھٹی جلدیں بھی لکھنؤ کے ہی ایک غیر معروف مطبع نے شائع کی تھیں۔ لیکن وہ ایک ہی بار چھپ کر ناپید ہوگئیں۔ ان جلدوں کا کلام مجھے جناب [illegible] سے مل سکا جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں

اس کے بعد نظامی پریس بدایوں میں دو ایڈیشن تین جلدوں میں طبع ہوئے، جس کی ترتیب و تدوین نیز تصحیح کا کام جناب نظم طباطبائی صاحب مرحوم کے ہاتھوں انجام پایا ــ طباطبائی صاحب نے اپنے یہاں مذہبی نیز ابتدائی زمانے کا کلام شامل نہیں کیا۔

تصحیح کا کام بھی گزشتہ مطبوعات کی نسبت اُس میں بہت کچھ ہوا۔ بعض جگہ جناب موصوف نے اپنی سخن سنجی، تجربہ اور مجالس میں سُنے ہوئے مراثی کے ماتحت تصحیح کی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ بڑی حد تک جناب موصوف کامیاب ہوئے ہیں اور مجھے ان نسخوں سے بہت کچھ ملا ہے۔ لیکن یہ جلدیں کلیاتِ انیس نہیں ہیں، بلکہ انتخاب ہی کہلایا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ میر صاحب کے مطبوعہ کلام میں سے چوتھائی کے قریب اُن میں شامل نہیں ہے۔

نول کشور کے نسخوں میں جو فاش غلطیاں چلی آرہی ہیں، ان کی درستی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہاں آخری ایڈیشن آسی صاحب کے زمانے میں چھپا اور شاید اسی طرح چھپ گیا جیسے پہلے چھپتا چلا آیا تھا۔ موصوف نے اس تصور سے کہ مراثی صرف رونے رُلانے والوں کے لیے ہی لکھے گئے ہیں اور اس صنف کا ادب سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے تصحیح کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ لہٰذا ان کی شکایت بھی کیا کی جاسکتی ہے۔

بہرحال یہ تمام ایڈیشن جمع ہونے کے بعد سب سے پہلے ان کی ترتیب کا اہم ترین سوال میرے پیش نظر تھا۔

موجودہ ترتیب

بہت کچھ سوچنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ مراثی کی ترتیب کچھ اس طرح کی جائے کہ ہر جلد میں میر صاحب مرحوم کی اوائل عمری، نوجوانی اور کہنہ مشقی کے دور کا کلام جمع ہو جائے۔ اس صورتِ حال کو سب سے پہلے میں نے اپنے محترم بزرگ جناب سید مسعود حسن صاحب ادیب، نیز جناب احتشام حسین صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور آپ دونوں حضرات نے اس سلسلے میں میری ہمت افزائی کی۔

چنانچہ ترتیب اس طرح ہو گئی کہ ہر جلد میں ہر دور کا کلام جمع کر دیا۔ تاکہ شائقین اپنے اپنے نظریات کے مطابق ہر جلد میں ہر دور کے کلام کا مطالعہ کر سکیں ــــ ایک طالب علم کو بھی میر انیس کا کلام ایک ہی جلد میں مختلف ادوار کے لحاظ سے مل سکے۔ ایک ناقد کو میر انیس کے متعلق سب کچھ لکھنے کے لیے ایک ہی حصے سے مل جائے۔ ایک ادیب اگر میر صاحب کے کلام کا شائق ہے تو اس کو بھی ایک ہی جلد سے ہر قسم کا کلام مل جائے۔ ایک تاریخ ادب لکھنے والا بھی ایک حصے کو پیش نظر رکھ کر سب کچھ لکھ سکے۔ اسی طرح ایک مرثیہ خواں کو بھی ایک ہی کتاب سے تمام شہدائے کربلا کے حالات مل جائیں ــــ چنانچہ ہر جلد میں میر صاحب کا ابتدائے عمر سے لے کر کہنہ مشقی تک کا علی الترتیب التزام رکھا گیا ہے۔

اغلاط کی تصحیح

مراثی انیس کے متعدد ایڈیشن نول کشور میں شائع ہوئے۔ مگر ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ صورت بگڑتی ہی گئی۔ اُن میں سینکڑوں مصرعے بحر سے گرے ہوئے ہیں۔ لایعنی ہیں۔

کسی مصرع کی ردیف غائب ہے۔ کسی کا قافیہ نہیں ہے اور ایسی غلطیاں تو لا تعداد ہیں، جو تعلیم یافتہ اور با مذاق طبقے کے خیال میں کلام کا ستیاناس کر دینے والی ہیں۔
اغلاط کی تصحیح کا کام میرے لیے مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن تھا۔ میں نے کتابت تو شروع کرا دی، لیکن قدم قدم پر غلطیوں کا تصور میرے رونگٹے کھڑے کر دیتا۔
مجھ جیسے مبتدی کے لیے ایک ایسے شاعر کا کلام جس نے اپنی زندگی میں تقریباً دو ڈھائی لاکھ اشعار کہے ہوں، تصحیح کا کام ناممکن سا تھا۔ لیکن جناب مسعود حسن صاحب کی سرپرستی نے میری ہمت کو بڑھائے رکھا۔
میں نے اوّلاً ترتیب اس کے بعد جگہ جگہ اغلاط کی تصحیح میں آپ ہی سے مدد لی اور میں آپ کا جتنا بھی مرہونِ منت ہوں، وہ کم ہی ہے کہ میرے محترم بزرگ نے ہر حیثیت سے میری ہمت افزائی فرمائی۔ حتیٰ کہ میر صاحب مرحوم کے غیر مطبوعہ کلام نے جو کچھ آپ کے پاس موجود ہے، میں نے کافی استفادہ حاصل کیا۔ وہ تمام کلام میر انیس مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر اس زمانے کی روش کے مطابق صفحات کے نمبر بھی نہیں ہیں۔ نیز ہر مرثیہ نامکمل ہے۔ بلکہ بعض بعض مراثی لکھتے لکھتے درمیان سے چھوڑ کر اور وہیں سے دوسرا مرثیہ شروع کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اُن مراثی سے کیا مدد مل سکتی تھی۔ اُن مراثی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ میر صاحب کی افتادِ طبیعت تھی کہ جب کوئی مرثیہ لکھتے لکھتے کسی دوسرے موضوع کا خیال آتا یا طبیعت گھبرا جاتی تو اس کو چھوڑ کر دوسرا مرثیہ وہیں سے لکھنا شروع کر دیتے — اور اسی وجہ سے اُن کے غیر مطبوعہ مراثی میں کوئی مرثیہ بھی مکمل نہ مل سکا۔
میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ کا غیر مطبوعہ کلام علاوہ جناب موصوف کے کسی دوسری جگہ نہ مل سکا۔ البتہ صرف دو مراثی میر صاحب کے مکان پر محمد بادی صاحب لائق کے پاس موجود ہیں۔ جو اُن کے پاس اُسی وقت سے چلے آرہے ہیں لیکن وہ دونوں مطبوعہ ہیں۔ اس وقت جناب مسعود حسن صاحب کی تحقیق ہمارے لیے مشعلِ راہ ہو سکتی ہے۔ ابھی کچھ دن ہی کی بات ہے کہ آپ نے میر صاحب کے سات معرکتہ الآرا مراثی کا مجموعہ "روحِ انیس" کے نام سے دوبارہ شائع فرمایا ہے۔ جس میں ایک مقدمہ بھی شامل کیا ہے اور ایک مسلسل نظم بھی ترتیب دے کر شائع کی ہے، جو لکھنؤ میں رزم نامۂ انیس کے نام سے آپ ہی کی نگرانی میں چھپی ہے۔
میں نے اپنے کام کی تکمیل کے لیے آپ ہی کو ذریعہ بنایا اور قدم قدم پر تمام اغلاط کی تصحیح نیز دوسرے مشورے حاصل کرتا رہا اور آپ نے انتہائی محبت اور شفقت سے ہر چیز بتائی درحقیقت اگر آپ بزرگانہ خلوص کا برتاؤ نہ کرتے تو یہ ترتیب نامکمل رہ جاتی اور اگر ہو بھی

جاتی تو اطمینان بخش نہ ہوتی۔

آپ کے ساتھ ہی ساتھ میں اپنے محترم بزرگ جناب احتشام حسین صاحب کا دروازہ بھی برابر کھٹکھٹاتا رہا اور آپ نے قدم قدم پر اپنے زریں مشوروں سے نوازا۔ میں نے اُن دنوں آپ دونوں حضرات کے گھٹنے نہیں، بلکہ دن کے دن خراب کئے ہیں۔ یہاں ایک بات اور لکھ دینا ضروری ہے، جو میں پروفیسر صاحب کا ہی کارنامہ سمجھتا ہوں اور وہ آپ کی تبحرِ علمی، اور ذوقِ سلیم کا بیّن ثبوت ہوگا۔

ایک جگہ ایک بند کا پانچواں اور چھٹا مصرع یوں چھپا ہوا ہے اور ہر ایڈیشن میں اسی طرح ہے ؎

دولت نہیں ملتی تجھے منصب نہیں ملتا وہ دیں گے بھلا کیا جنھیں پانی نہیں ملتا

ایک مصرعے میں "منصب" دوسرے میں "پانی" عجیب سی بات ہے۔ ہر ایڈیشن میں یوں ہی ہے نظامی پریس بداوں کی جلدوں میں یہ مرثیہ شامل ہی نہیں ہے۔ ان دونوں مصرعوں کی تصحیح کے لیے میں کئی ماہ سرگرداں رہا۔ سب کو سنایا۔ ہندوستان، پاکستان کا کوئی آدمی نہ چھوڑا۔ جس کے سامنے یہ مصرعے نہ رکھتے ہوں۔ کسی نے اپنی طرف سے ایک مصرع کہہ دیا۔ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ ان مصرعوں کو اسی طرح شائع کردوں اور ایک نوٹ لکھ دوں، مگر طبیعت مطمئن نہیں ہوئی۔ کافی دنوں کی کاوش کے بعد تھک کر بیٹھ رہا۔ چنانچہ ایک دن پروفیسر صاحب نے خود ہی فرمایا۔ نقوی صاحب! ذرا وہ مصرعے پڑھیئے تو، جس کے قافیے غلط ہیں۔ میں نے پڑھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ذہن میں اُسی وقت سے ایک اُلجھن تھی۔ جب آپ نے پہلی بار یہ مصرعے سُنائے تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کاتب کی ستم ظریفی سے ان مصرعوں کا یہ حال ہوگیا ہے۔ اس کے بعد یہ مصرعے اس طرح پڑھے ؎

دولت نہیں ملتی تجھے منصب نہیں ملتا
وہ دیں گے بھلا کیا جنھیں پانی نہیں ملتا

غلطی پکڑ لینے کے بعد بات بالکل سطحی ہو جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت ان مصرعوں کے لیے میں نے بہت تگ و دو کی۔ آخر کار کامیابی اسی در سے ہوئی۔ جو میرے لیے قابلِ ذکر ہے اور میں آپ کی بزرگانہ شفقتوں کا ذکر کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

کتابت کے دوران میں ہی ایک بار پھر پاکستان آیا اور اپنے بھائی جناب نسیم صاحب امروہوی سے جو عصرِ حاضر کے بہترین مرثیہ گو شاعر ہیں، بڑی امداد لیتا رہا اور آپ نے کتابت کی غلطیوں بھرے گرے ہوئے مصرعوں تیز زبان کے اعتبار سے بعض غلطیوں کی تصحیح فرمائی اور بعض

مصرعے جو وزن سے گرے ہوئے تھے اور ہر ایڈیشن میں اُسی طرح چھپے ہیں، اس کی تصحیح ایک شاعر ہی الفاظ کو بغیر بدلے ہوئے کر سکتا تھا۔ ایسی جگہوں پر آپ نے تصحیح کی۔ مثلاً یہ مصرع ہر جگہ اس طرح چھپا ہوا ہے ع

رہی عزورے نفرت سیہ کاروں کو

"سیہ" وزن سے گر گیا ہے۔ آپ نے اس کو اس طرح کر دیا۔ ع

رہی عزورے نفرت سیاہ کاروں کو

ایک دُوسرا مصرع اس طرح چھپا ہوا ہے۔ ع

ایک ایک کا مُنہ رو رو کے تکتے ہیں وُہ بچے

اب اس طرح ہو گیا ہے

رو رو کے مُنہ اک ایک کا تکتے ہیں وُہ بچے
اور بھوک کے صدمے سے بلکتے ہیں وُہ بچے

اس طرح لاتعداد فنی غلطیاں آپ نے تصحیح کیں، جو میرے لئے ناممکن تھیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ بعض بعض مصرعے ہر ایڈیشن میں مختلف چھپے ہیں۔ ان کے لیے بڑی دشواری پیش آئی کہ سب میں صحیح تر کون مصرع ہے۔ مثلاً حسب ذیل مصرعے ہر ایڈیشن میں مختلف الفاظ میں ملتے ہیں۔ مثلاً

ایک ایڈیشن میں ہے

بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا — بیٹھوں کہاں یہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

دُوسرے ایڈیشن میں ہے

بستی مری اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا — بیٹھوں کہاں یہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

تیسرے ایڈیشن میں ہے

بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا — شادی کہاں کی گھر تو عزاخانہ ہو گیا

چوتھے ایڈیشن میں ہے

دنیا تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا — بیٹھوں کہاں یہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

ان چاروں صورتوں میں پہلی صورت ہی مناسب نظر آئی اور ہمارے مطبوعہ ایڈیشن میں وہی مصرع شامل کئے گئے ہیں۔

آخر میں جب میں نے پروف پڑھنا شروع کئے اور پھر بھی بعض مقامات پر کوئی الجھن نظر آئی تو وقار عظیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے مشورے لیتا رہا۔

حقیقتاً میں آپ کی ہمہ دانی کا مُعترف ہوں کہ آپ نے جو لفظ جس جگہ پر بتایا، اُس کے لیے مجھے یقین سا ہو گیا کہ دراصل یہ لفظ اسی طرح ہو سکتا ہے۔

مجھے بڑا تعجب ہوتا تھا کہ باوجود دو سال کی محنت و کاوش کے بھی سینکڑوں غلطیاں باقی رہ گئی تھیں اور میں نے پروف کے پڑھنے کے زمانے میں لاہور میں رہ کر روزانہ آپ سے ہی مدد لی۔ میں روزانہ ہوٹل سے آپ کے پاس جا کر تمام اغلاط کو درست کر لیا کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آخری منزل میں جب کسی بیمار پر سکرات کا عالم طاری ہو اور کوئی مسیحا نظر آ جائے تو اس نیم مردہ جسم میں جان آ جاتی ہے۔ بس وہی کام وقار صاحب نے میرے ساتھ کیا اور انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ — متعدد ایسی غلطیاں جو مونث کی جگہ مذکر اور مذکر کی جگہ مونث چھپ گئی تھیں، درست کیں۔

ایسی اغلاط کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جن میں ایک لفظ کی ردوبدل سے مصرع وزن سے گر گیا ہے یا بہ کے بجائے "سے" کے استعمال کرنے سے مصرع معنویت اور صنفِ کلام کے لحاظ سے کہیں بلند ہو جاتا ہے۔

ایسے مصرعے تو لاتعداد ہیں۔ لیکن چند ضروری مصرعے نقل کر دینا چاہتا ہوں۔

مثلاً ایک مصرع اس طرح چھپا ہوا ہے۔ — کیوں کر کٹیں گی شب میں یہ راتیں فراق کی

اب اس طرح ہو گیا ہے۔ — کیوں کر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

یا مثلاً یہ مصرع اس طرح تھا۔ — محروم پھر اوداں سے نہ جا کر کوئی مخلوق

اور اب اس طرح ہو گیا۔ — محروم پھری واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق

ایک مصرع اس طرح چھپا تھا۔ — کچھ نیند بھی خادم کو چلی آتی ہے آقا!

یہ مصرع اپنی جگہ پر بامعنی ہے۔ لیکن اس طرح بہت اچھا ہو گیا — کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا!

ایک مصرع اس طرح تھا۔ — اللہ رے جنگ میں شہِ ذی قدر کی شکوہ

اب اس طرح کر دیا گیا۔ — اللہ رے جنگ میں شہِ ذی قدر کا شکوہ

آخر میں میں اپنے مخلص دوست سید تصدق حسین صاحب خالد کا بھی انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے کتابت کی صحت، ترتیب اور اغلاط کی تصحیح وغیرہ میں قدم قدم پر میرا ساتھ دے کر بہت سے مرحلوں کو آسان بنا دیا۔ مجھے بعض اوقات تو لفظ لفظ پر اُن سے مشورے لینا پڑتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ یکجا قیام کے باعث بڑی آسانیاں بہم پہنچ سکیں —
آپ کے بعد میں اپنے دوست ظفر صاحب کانپوری سابقہ مدیر "ماہنامہ کتاب" لاہور کا بھی

تہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے لاہور میں کتابت اور اغلاط کی تصحیح میں ہر امکانی امداد دی۔ موصوف کو خود بھی مرثیے سے بڑا شغف ہے اور بڑے ذوقِ سلیم کے مالک ہیں۔ اگر لاہور میں آپ کا سہارا نہ مل جاتا تو پرُوفوں کا پڑھنا میرے لیے امرِ محال سا ہو جاتا۔

زیرِ نظر مجموعہ

ان تمام حضرات کے پُورے پُورے تعاون کے بعد بھی بعض جگہ ایسی اغلاط رہ گئیں۔ جو میر انیسؔ جیسے بلند پایہ شاعر کے شایانِ شان نہیں۔ مثلاً بعض مقامات پر بند کا پانچواں چھٹا مصرع مکرر آگیا ہے اور وہ ایک ایسے شاعر کے لیے ناممکن سا معلوم ہوتا ہے جس نے لاکھوں کی تعداد میں شعر کہے ہوں۔ وُہ غالباً کاتبوں اور کاپی نیز پرُوف پڑھنے والوں کی بے توجہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی مصرع ہی مکرر آجاتا تو تصور کیا جا سکتا تھا کہ وہ مصرع میر صاحب کو بہت پسند ہو اور انھوں نے دو جگہ استعمال کر لیا ہو۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ مثلاً

روشن ہو میں آنکھیں شہِ والا نظر آئے ؎

بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے

مندرجہ بالا بیت جلد دوم کے مرثیہ نمبر ۲۱ میں صفحہ ۳۲۵ پر ہے اور اسی مرثیے میں چند بند بعد پھر لکھ دی گئی ہے اور وہاں بڑی بھونڈی اور بے موقع معلوم ہوتی ہے۔ نہ وہاں اس کا کوئی تعلق پہلے چاروں مصرعوں سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی فاش غلطی صرف کتابت ہی کی مرہونِ منت ہو سکتی تھی۔ لیکن اب اس کو درست کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح اس مرثیے میں "مطلع" جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا (جلد اول مرثیہ ۲۶)

پہلے بند کا چھٹا مصرع۔ دو بہنیں رونے والیاں تھیں اک حسینؑ تھے

یہ ہی مصرع ایک دوسرے مرثیے میں بند کا چھٹا مصرع ہی ہے اور وہاں بھی قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میر انیسؔ کو یہ مصرع پسند ہو اور دُوسرے بند میں بھی لگا دیا ہو۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔

تیسرے موقع پر۔ یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

یہ مصرع بھی مکرر کتابت ہوا ہے ـــ بہرحال یہ سب غلطیاں ایسی ہیں، جن کی تصحیح کا ہم کو اپنی طرف سے کوئی حق نہیں پہنچتا اور ان کو بجنسہٖ اسی طرح نقل کر دیا گیا ہے ـــ یا بعض ایسی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، جن کی درستی کا صریحاً کوئی جواز نہیں ملتا اور ان کو اسی طرح چھوڑ دینا پڑا۔ مگر یہ سب غلطیاں کتابت نیز پروف پڑھنے والوں کی بے اعتنائی کا نتیجہ ہیں۔

اضافات

اب تک نول کشور بُک ڈپو لکھنؤ کی طبع شدہ جلدوں میں صرف ایک سو ساٹھ[۱۶۰] مراثی شامل ہیں۔ میں نے اپنے مجموعے میں کچھ مراثی ترطباطبائی صاحب کے مجموعے سے لیے ہیں اور کچھ پانچویں اور چھٹی جلدوں سے۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک مراثی انیس کا کوئی مجموعہ اتنا بسیط اور مکمل شائع نہیں ہوا ہے، جس میں اتنے مراثی شامل ہوں۔

موجودہ جلدوں میں علاوہ سلام اور رُباعیات کے ایک سو انتیس[۱۲۹] مراثی شامل ہیں۔ جس میں تقریباً سولہ ہزار[۱۶۰۰۰] بند ہیں اور اگر ان کو تین سے ضرب دے دی جائے تو لگ بھگ اڑتالیس ہزار[۴۸۰۰۰] اشعار ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی میر انیس مرحوم کا ایسا لاتعداد کلام موجود ہے، جو جناب مسعود حسن صاحب کے پاس ہے۔ لیکن اس میں سے کوئی ایک مرثیہ بھی مکمل نہیں کہلایا جا سکتا۔ اُن مراثی میں کہیں مطلع نہیں ہے اور کسی مرثیے کا مقطع ہی نہیں ہے۔ بعض ادھورے اور نامکمل ہیں۔ نہ اُن پر صفحات کے نمبر ہی ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ یہ مرثیہ مکمل ہے یا نہیں؟

خدا سے دعا ہے کہ میں اپنی محنتوں میں کامیاب ہو سکا ہوں اور پچھلے تمام مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں زیرِ نظر مجموعہ بہتر ثابت ہو سکے۔

میں اپنے مالکِ مطبع جناب شیخ نیاز احمد صاحب کی ہمت اور ادب نوازی کو جتنا بھی سراہوں، وہ کم ہوگا کہ آپ نے اس دور میں اتنی ضخیم کتاب کی اشاعت کا عزم فرما کر ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ خداوندِ عالم بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ آپ کو اس کا اجر عنایت فرمائے۔ آمین!

فقط "والسّلام"

نائب حسین نقوی امروہوی

۱۷ فروری ۱۹۵۶ء

لاہور

مُقدّمہ

(پروفیسر سیّد احتشام حسین صاحب - لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ)

عالمی ادب پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ادیب اور شاعر محض اس وجہ سے اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکے کہ اُن کے موضوع پر تنگ خیالی سے نگاہ ڈالی گئی اور اس کے صرف ایک رُخ کو پیشِ نظر رکھ کر یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کی اپیل محض ایک خاص گروہ کے لیے مخصوص ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فنی صلاحیت، شاعرانہ بصیرت، تخلیقی قوت اور قدرتِ بیان کا اعتراف بھی دبی زبان سے کیا گیا۔ اس حیثیت سے میر انیسؔ کا شمار ان فن کاروں میں ہوتا ہے۔ جن کا سارا شاعری سرمایہ مسلمانوں کے ایک خاص فرقے کے لیے وقف ہے۔ ایک اعلیٰ پائے کے فن کار اور شاعر پر اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ اُس کے پُر خلوص انتخابِ موضوع کو اس کی مذہبیت یا تنگ نظری پر محمول کر کے اس کی شاعرانہ عظمت کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے اور صرف اس وجہ سے کہ اس کے موضوع کو کچھ لوگوں نے محدود یا فرقہ وارانہ قرار دے دیا ہے، اُسے اُس توجہ کا مستحق نہ سمجھا جائے، جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ ایسی صورتیں یکجا ہو گئیں جنھوں نے اس عام بے توجہی کے لیے فضا بھی تیار کر دی۔ مثلاً مرثیے کو اصنافِ ادب میں وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو قصیدہ، مثنوی یا غزل کو حاصل تھی۔ بگڑا شاعر مرثیہ گو کا فقرہ اس عام تصور کا غماز ہے۔ خود مرثیہ گویوں نے بہت دنوں تک اس کی جانب شاعرانہ حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ دکن اور شمالی ہند کے دورِ متقدمین کے سیکڑوں مرثیہ گویوں میں سے کسی نے وہ اہمیت اور شہرت حاصل نہیں کی جو مثنوی نگاروں اور غزل گویوں کو حاصل رہ چکی تھی۔ محض از راہِ ثواب یا رونے رُلانے ہی کے لیے مرثیہ لکھنا اتنا عام تھا کہ شعراء اُس کی ادبی حیثیت کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ سوداؔ نے اپنے مرثیے کے دیوان اور بعض تنقیدی نظموں میں اسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی

ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہاں صرف اُردو مرثیے کا ذکر ہے۔ جہاں بہ حیثیت صنف کے مرثیے کا جو کچھ بھی عروج ہوا، وہ اُس مرثیہ کا ہوا، جو واقعاتِ کربلا پر مشتمل تھے۔ جب اٹھارھویں صدی میں مرثیہ اُس ادبی منزل پر پہنچا کہ انیسؔ کے ہاتھوں اس کا تاج محل تیار ہوگیا، اس وقت بھی اس سے متعلق یہ ذہنی کیفیت الگ نہیں کی جا سکی کہ مرثیہ کوئی مخصوص ادبی صنف نہیں ہے۔ اس کا مقصد تو محض ایک محدود طبقے کے جذبات کو برانگیختہ کرکے رونا رُلانا ہے۔ اس کی ادبی اور شاعرانہ حیثیت کی طرف مولانا شبلیؒ کے متوجہ ہونے کے بعد تنگ نظری کے کچھ بادل چھٹے۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اب بھی مرثیہ کم و بیش اسی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔

دوسرا بڑا سبب یہ تھا۔ مرثیے کا ادبی عروج ایران میں شاہانِ صفویہ کے دور میں اور ہندوستان میں ابتداً شاہانِ گولکنڈہ اور بیجاپور کے عہد میں، اور پھر ان سب کے بعد شاہانِ اودھ کے زمانے میں لکھنؤ میں ہوا۔ ایسا ہونا فطری بھی تھا کیونکہ ان تمام شیعہ حکومتوں کے زمانے میں واقعۂ کربلا کی نشر و اشاعت اور اس سے جذباتی وابستگی کے لیے جتنے سامان وہاں فراہم ہو سکتے تھے، وہ دوسری صورتوں میں ممکن نہ تھے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مرثیے کے عروج کے اس تاریخی سبب کو مرثیے کے مطالعے میں رُکاوٹ بننے دینا ایک غیر ادبی فعل ہوگا۔ دنیا کے ادب کی تاریخ جس طرح تاریخ اور سماج سے اپنے لیے غذا فراہم کرتی ہے۔ شاعر اور ادیب ہمدرد، مناسب اور پسندیدہ ماحول کی تلاش میں رہتے ہیں۔ خاص زمانوں میں مخصوص خیالات اور تصورات کی داد ملتی ہے اس لیے اگر شعراء ماحول کی مطابقت کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی خاص صنفِ ادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ کسی خاص مذہب یا مسلک کی پابندی سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر وہ اس فضا کو اظہارِ خیال کے لیے سازگار پاکر اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اگر محض شیعہ حکومتوں کی سرپرستی کسی صنفِ ادب کو ترقی دینے میں مکمل طور پر معین ہوتی تو فنِ مرثیہ گوئی کی تکمیل ایران اور گولکنڈہ میں ہو جانا چاہیے تھی۔

تاریخی حیثیت سے جو کچھ بھی ہو، لیکن ادبی نقطۂ نظر سے مرثیہ نگاروں کو محض اس وجہ سے خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی کہ ان کا عروج شیعہ حکومتوں کے عہد میں ہوا اور نقادوں نے مراثی کو شیعہ حکومتوں کی سرپرستی یا شیعی خدمت سے منسوب کرکے اس کی ادبی حیثیت کو نظر انداز رکھا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اودھ کے نوابوں اور بادشاہوں

کے زمانے میں لکھنؤ میں تعزیہ داری کا عروج ہوا اور محرم نے وہ اہمیت اختیار کر لی جو دنیا کے کسی اور خطے میں اسے حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ محرم کے اس طرح اہمیت حاصل کرنے میں اگر ایک طرف شاہی سرپرستی یا مذہبی جذبات کا ہاتھ تھا تو دوسری طرف وہ تہذیبی طاقتیں بھی کام کر رہی تھیں، جو ہندوستان کی کئی صدیوں کی تہذیبی آمیزش کا نتیجہ تھیں۔ اگر ہم تہذیبی اور ادبی ارتقا کے اُن پہلوؤں کو نظر انداز کر دیں، جو گزشتہ کئی سو سال میں وجود میں آیا تھا تو ہم میر انیسؔ اور ان کی شاعری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کوئی شاعری محض کسی مخصوص گروہ کی سرپرستی یا مخصوص نقطۂ نظر کی ترجمانی سے ترقی کی ساری منزلیں طے نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عام ادبی اور تہذیبی روایت کا جزو بھی ہو، اُس کے بہترین عناصر کو پیش بھی کرتی ہو اور اس کے سرمائے میں اس کی وجہ سے اضافہ بھی ہوتا ہو۔ اگر مرثیے کی ترقی اس کسوٹی پر پوری نہیں اُترتی تو یقیناً ہمیں اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ ہم اسے وہ ادبی مرتبہ نہ دیں جو دوسرے اصناف کو دیا جاتا ہے۔ لیکن مرثیوں اور خاص کر میر انیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ اس بات کو واضح کر دے گا کہ وہ نہ صرف فارسی اور اُردو ادب کے اعلیٰ ترین درجے کے حامل ہیں، بلکہ عام ادبی سرمائے میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔

یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ اُن تمام اسباب کا جائزہ لیا جائے، جن کی وجہ سے مرثیے کو وہ ادبی اہمیت نہیں دی گئی، جس کا وہ مستحق تھا۔ اس میں شک نہیں کہ واقعۂ کربلا کے متعلق جو مراثی لکھے گئے۔ ابتدا ہی سے ان کے ساتھ یہ تصور وابستہ ہو گیا تھا کہ وہ محض رونے رُلانے کا ذریعہ تھا۔ لیکن اس کی ترقی یافتہ صورت پر نظر رکھ کر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کا مقصد اگر محض رونا رُلانا ہوتا تو اس میں بہار و خزاں، فلسفۂ زندگی اور فلسفۂ اخلاق، رزمیہ معرکہ آرائی اور ایسے دوسرے عناصر کی جگہ کہاں تھی! میر انیسؔ اور دوسرے شعراء نے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ مرثیے کا اصل مقصد جذباتِ حماست کو برانگیختہ کرنا ہے، نہ اس حقیقت پر پردہ ڈالا کہ مرثیہ لکھتے وقت عقیدتاً وہ ثوابِ اُخروی کا تصور بھی رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے مرثیے کے محدود چوکھٹے میں جو تصویریں سجائی ہیں، جو رنگ آمیزی کی ہے اور صناعی کا جو کمال دکھایا ہے، وہ براہِ راست محض رونے رُلانے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ان کے اندر وہ شاعرانہ اور خلاقانہ بصیرت تھی، جو کسی صنف کی رسمی اور میکانکی حدوں کی پابند نہیں ہوتی، بلکہ اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے دائرے کو وسیع کرتی ہے۔ انھیں باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر میرا خیال یہ

ہے کہ اب تک ہمارے نقادوں نے مرثیے کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔

میر انیس کے مرثیوں کا باقاعدہ مطالعہ کرنے سے پہلے چند مبادیات پر نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔ بدقسمتی سے اس مقدمے میں اُن کی تفصیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن مطالعہ کرنے والوں کو اُن کی طرف متوجہ کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ فن کے مطالعے میں اگر ایک بڑی حقیقت بھی نظر انداز ہو جائے تو نتائج غیر صحت بخش ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہر وہ شخص جو مراثیِ انیس کا مطالعہ ادبی اور تنقیدی نظر سے کرنا چاہتا ہے، وہ ان باتوں پر نگاہ رکھے تو اس کی منزلیں آسان ہو جائیں گی۔ مرثیے کا مفہوم ابتداءً کیا تھا اور اس میں آہستہ آہستہ کس طرح تغیر ہوا؟ جو تغیرات ہوئے اُن کے اسباب کیا تھے؟ موجودہ دَور کے بعض ناقد مرثیے کے سلسلے میں ایپک اور ڈرامے کی بحث بھی لاتے ہیں۔ مرثیے کا مطالعہ کرتے ہوئے انھیں پیش نظر رکھنا چاہیے یا نہیں؟ مرثیوں میں واقعۂ کربلا کی جو تصویر پیش کی گئی ہے، وہ کس حد تک تاریخی حقائق پر مبنی ہے؟ کیا مرثیے کی واقعہ نگاری کو تاریخی وقائع نگاری کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں یہ سوالات بھی پیدا ہوں گے کہ مرثیوں میں جو کردار پیش کیے گئے ہیں اور جو فضا تیار کی گئی ہے، وہ عربی ہے یا ہندوستانی؟ اس سے مرثیے کی خوبیوں اور خامیوں پر کیا روشنی پڑتی ہے؟ کیا مرثیہ نگاروں کے پیشِ نظر کوئی مخصوص فلسفۂ حیات تھا، جس کی بنیاد پر انھوں نے واقعۂ کربلا کو پیش کیا ہے؟ پھر ان تمام باتوں کے ساتھ مرثیے کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بحث بھی اُٹھ سکتی ہے کہ حقیقت نگاری کا کیا مفہوم ہے اور میر انیس نے کس حد تک اس کی پابندی کی ہے؟ ایک آخری سوال بھی اٹھ سکتا ہے کہ مرثیے میں جو اخلاقی تصورِ زندگی پیش کیا گیا ہے وہ کس قسم کے سماج اور کس قسم کے لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؟ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ میر انیس کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے والے کو اُن کے حالاتِ زندگی، ماحول، عقائد اور خیالات سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس ماحول میں مرثیے نے اتنی ترقی کی، اس کے بنیادی عناصر کیا تھے۔

میں نے ان اہم پہلوؤں کو وہ مبادیات قرار دیا ہے، جن کے جانے بغیر نہ تو مرثیے سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے نہ اس پر تنقید کے لیے قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ لوگوں نے ان باتوں کو سامنے نہیں رکھا۔ اس لیے انھوں نے یہ کہہ کر آسانی سے چھٹکارا حاصل کر لیا کہ مرثیے کا تعلق ایک خاص مذہبی طبقے سے ہے اور جو ادب اس سے متعلق ہوگا، وہ ضرور ایک محدود اپیل رکھتا ہوگا۔ اگر کسی نے توجہ بھی کی تو مرثیے کا ایک مثالی

تصور قائم کر لیا اور اسی کی روشنی میں اس کے عیوب اور نقائص بیان کر دئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مرثیے کے موضوع اور فن کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور تاریخ کی روشنی میں اس کے ارتقاء سے بحث کی جائے۔ تاکہ ایک ادبی صنف کی حیثیت سے اس کا مطالعہ مکمل ہو سکے۔

مرثیے کا لفظ جیسا کہ اس کے معنی سے ظاہر ہے۔ ایک ایسی نظم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جس میں کسی مرنے والے کے خصائص کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہو کہ سننے والوں کے دل اس سے متاثر ہوں۔ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ مرنے والے کی تخصیص کر دیں۔ یعنی جس کا مرثیہ لکھا گیا ہو، وہ اہم ہو اور قابلِ بیان خصوصیات کا مالک بھی ہو، اُس کی قومی اہمیت بھی ہو، اُس کی موت نے لوگوں کو متوجہ بھی کیا ہو، اُس کے مرنے کا اثر تاریخ کی رفتار پر بھی پڑا ہو اور تہذیبی قدریں اُس سے متاثر ہوئی ہوں۔ یہ پابندیاں عاید کرنے کا حق ہمیں حاصل تو نہیں ہے۔ لیکن ہم مرثیے کی آفاقی اہمیت پر نظر کرتے وقت ان پہلوؤں کو سامنے رکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی مرثیے میں ایسی شخصیت کا بیان ہو تو ممکن ہے کہ اس کا مطالعہ کرتے وقت ہم کو مرثیت کے علاوہ بعض اور پہلوؤں مثلاً تاریخ، واقعے کی اہمیت، کردار کے مختلف عناصر وغیرہ بھی دیکھنے پڑیں۔ یہ بظاہر یہ مرثیے کے اجزا نہیں ہیں۔ لیکن ایسے مرثیے لکھے گئے ہیں اور لکھے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک اُردو کا تعلق ہے، اُس میں شروع ہی سے زیادہ تر مرثیے واقعۂ کربلا سے متعلق لکھے گئے۔ کسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، یہ تاریخِ عالم کا ایک بہت ہی اہم واقعہ تھا۔ اس میں کئی اہم ترین شخصیتوں اور کرداروں کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ بعض حیثیتوں سے اس میں رزمیہ عناصر بھی داخل ہو گئے تھے اور اس میں تو کسی طرح کا شک ہی نہیں کہ اس کے اندر کچھ ایسے المناک پہلو تھے، جو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ابتدائی مرثیوں میں ان باتوں کو واضح طور پر پیشِ نگاہ نہیں رکھا گیا، بلکہ مرثیہ گویوں نے نہایت سادگی اور اختصار سے اُن تاثرات کا اظہار کر دیا، جو ایک عقیدت مند کے دل میں واقعۂ کربلا کے خیال سے پیدا ہوتے تھے اور چونکہ ان کا مقصد ایک طرح کے جذبۂ عقیدت کو آسودہ کرنا تھا، اس لیے انھوں نے اس سے کچھ زیادہ لکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ اور بات ہے کہ اس سادگی میں بھی کہیں کہیں پُرکاری نظر آجاتی ہے۔ دکن کے مرثیوں میں امام حسینؑ کی شخصیت کے سارے پہلو اجاگر نہیں ہوتے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخصیت ہی نہیں بنتی۔ عقیدت کی آنکھ اس میں جو کچھ بھی دیکھ لے، شاعری سے

اُس کی تصویر کشی نہیں ہوتی۔ واقعے کی اہمیت نمایاں نہیں ہوتی، مقاصد کے تصادم کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ غم والم کا اظہار بھی فن کارانہ نہیں ہوتا۔ اتفاقاً کبھی کسی کے یہاں ادبی حسن پیدا ہو جائے تو ہو جائے، خود شعرا اس کی کاوش کرتے نہیں معلوم ہوتے۔ ولی کے ابتدائی مرثیہ گو جن کا کلام عام طور سے دستیاب نہیں ہوتا، صورتِ حال میں کچھ زیادہ تبدیلی نہ پیدا کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعوری طور پر مرزا سودا ہی نے مرثیہ کو ایک ادبی صنف کی حیثیت سے ترقی دینے کی کوشش کی۔ یہاں اس سے بحث تو نہیں کی جا سکتی کہ سودا کو کس حد تک کامیابی ہوئی۔ لیکن ایک ایسی فضا ضرور تیار ہو گئی، جو مرثیے کی ادبی ترقی میں معین ہو۔ اگر ہم سودا کے تعمیری کام کو مرثیے کے ارتقا کی پہلی منزل قرار دیں تو وہ شکل جو میر ضمیر، میر خلیق، میاں دلگیر اور مرزا فصیح کی کوششوں سے پیدا ہوئی، اسے ارتقا کی دوسری منزل کہہ سکتے ہیں۔ یہاں مرثیے کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرثیے کی ہیئت میں جو تبدیلیاں ہوئیں، انہیں نے اس صنفِ سخن کو ایک ایسی بلندی پر پہنچا دیا جہاں مرثیہ کو دیکھ کر لوگوں کے ذہن میں ایپک اور ٹریجیڈی کا خیال آنے لگا۔ مرثیے کی تعمیری ساخت کے سلسلے میں ایک اہم اور دلچسپ شخصیت میر ضمیر کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مرثیہ کا نیا طرز ایجاد کرنے میں انھیں کو اوّلیت حاصل ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مرثیے میں حسب ذیل بند لکھا ہے ؎

جس سال لکھے وصف یہ ہم شکلِ نبی کے | تھے بارہ سو انچاس ۱۲۴۹ وہ سال نبویؐ کے
آگے کبھی دیکھے تھے یہ طرز کسی کے | اب سب ہی مقلد ہوئے اس طرزِ نوی کے

دس ہیں کہوں سو ہیں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو جو کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

اس بند کو پڑھنے کے بعد کئی اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا سن بارہ سو انچاس کے پہلے میر ضمیر نے خود جو مرثیے لکھے، وہ اس مرثیے یا اس کے بعد کے مرثیوں سے مختلف تھے؟ کیا اُن کے ہم عصر دوسرے شعرا اس وقت تک جو مرثیے لکھتے تھے، اُن میں وہ باتیں نہ تھیں جو اس ۱۲۴۹ھ والے مرثیے میں پیدا کی گئی ہیں؟ وہ کیا خصوصیات ہیں، جو اس مرثیے کو دوسرے مرثیوں سے الگ کرتی ہیں اور جنھیں میر ضمیر نے "طرزِ نوی" کہا ہے۔ اس مختصر سے مقدمے میں ان الجھنوں کے دور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان شعرا کا کلام تاریخی ترتیب سے نہیں ملتا۔ اس لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ میر ضمیر نے مرثیے میں وہ کون سی

خصوصیات پیدا کر دیں، جو میر خلیق کے مرثیوں میں نہیں پائی جاتیں؟ جس مرثیے میں یہ بند آیا ہے، اس میں یقیناً مرثیے کا وہ عام ڈھانچہ تیار ہو گیا، جسے بعد میں میر انیس اور مرزا دبیر نے تکمیل تک پہنچایا۔ یعنی مرثیے کے وہ اجزائے ترکیبی اپنی ابتدائی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں، جن کا ارتقا، بعد میں ہوا۔ اس میں تمہید یا چہرہ بھی ہے، رخصت بھی، سراپا کے کچھ نقوش بھی، آمد اور اخیر بھی، رزم کے مناظر بھی، شہادت اور بین بھی۔ گویا ایک مختصر سے خاکے کے اندر وہ سارا رنگ و روغن نظر آجاتا ہے جس کو زیادہ حسن و تناسب اور تعمیری احساس کے ساتھ میر انیس نے پیش کیا ہے۔ بہرحال تاریخ مرثیہ گوئی کے طالب علموں کے لیے میر ضمیر کی مرثیہ نگاری غور و فکر کا بڑا سامان فراہم کرتی ہے، جس کے نظر انداز کرنے سے میر انیس کے فنی ارتقا، کو بھی مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ انداز بیان اور بعض دوسری خصوصیات کے لحاظ سے خلیق، ضمیر، دلگیر اور فصیح کے مرثیے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کے مرثیے نے وہ وسعت اختیار نہیں کی، جس کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکے کہ ساخت اور ہیئت کے نقطۂ نظر سے انھیں "مرثیے" کے علاوہ کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے۔

یہیں بحث کا وہ پہلو سامنے آتا ہے، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا تھا یعنی اگر مرثیہ محض ان تاثرات غم کے اظہار کا نام ہے، جو کسی شخص کی موت پر انفرادی یا اجتماعی طور پر پیدا ہوتے ہیں تو پھر میر انیس کے مرثیوں کو مرثیہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ غالباً اس الجھن کو دور کرنے کے لیے بعض لوگوں نے مرثیے کو ایپک[1] اور ٹریجیڈی[2] کا مماثل قرار دیا ہے۔ ایپک کا ہر نقاد جانتا ہے کہ ایپک کی کوئی معین تعریف نہیں ہے۔ ڈراما اپنی ساخت کے لحاظ سے ایک ہیئت ضرور رکھتا ہے۔ لیکن اپنی روح میں غم و الم کے ایسے عناصر بھی رکھتا ہے، جو کسی دوسری صنف اور خاص کر مرثیے میں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مرثیے کو ایپک یا ٹریجیڈی کہنا اس حیثیت سے صحیح نہیں ہے کہ ہم ایک کو دوسرے کا بدل قرار دیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر صنف کی کچھ الگ خصوصیتیں ہیں۔ لیکن اس میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہئے کہ شاعری کا کوئی طالب علم مرثیے میں بھی ایپک اور ٹریجیڈی کی خصوصیات تلاش کرے اور جس حد تک ان میں اشتراک پایا جاتا ہے، ان کی بنیاد پر یہ کہے کہ مرثیہ اور ایپک یا مرثیہ اور ٹریجیڈی میں بھی کچھ مشترک باتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ میر انیس بحیثیت ایپک کے ایپک سے اور

[1] ایپک (EPIC) - رزم کا بیان [2] ٹریجیڈی (TRAGEDY) المیہ۔

بحیثیت ٹریجیڈی کے ٹریجیڈی سے ناواقف تھے۔ ٹریجیڈی کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں تھا، اگر وہ کسی ایپک سے واقف تھے تو وہ صرف شاہنامہ ہے۔ یقیناً انھوں نے سکندر نامہ، حملۂ حیدری اور خاور نامہ جیسی نظمیں ضرور پڑھی ہوں گی۔ لیکن کوئی نقاد ان نظموں کو ایپک میں شمار نہیں کرے گا۔ نقادوں نے عام طور سے شاہنامے میں وہ خصوصیات پائی ہیں، جو اُسے ایک طرح کا ایپک بناتی ہیں۔ لیکن انیس ایپک کی خصوصیات سے واقف نہیں تھے۔ انھوں نے شاہنامے کو ایک اعلیٰ پائے کی طویل رزمیہ مثنوی کی حیثیت سے پڑھا ہوگا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ انھیں شاہنامے کی تعمیری تشکیل کا احساس تھا اور یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ وہ مہابھارت[1]، رامائن[2]، ایلیڈ[3]، اوڈیسی[4]، اینیڈ[5]، ڈیوائن کامیڈی[6] اور پیراڈائز لاسٹ[7] سے بالکل ناواقف تھے۔ گویا ایپک کے اعلیٰ نمونے ان کی نگاہوں سے نہیں گزرے تھے۔ اس لیے یہ سوچنا کہ اُنھوں نے مرثیے ایپک کی خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر لکھے، درست نہ ہوگا۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ ابتدائی ایپک لکھنے والے خود ایپک کے فن سے ناواقف تھے اور اپنی تخلیقی قوت کے سہارے ایسی نظم لکھ رہے تھے۔ جنھیں بعد میں ایپک کہا گیا یہی بات میر انیس کے لیے بھی کہی جاسکتی ہے۔ انھوں نے مرثیے کی محدود دنیا میں اُن اعلیٰ نظموں کی شان پیدا کی، جو دوسرے ملکوں کے سرمایۂ شاعری میں ایک بیش بہا مقام رکھتی تھیں۔ جن لوگوں نے مرثیوں میں ایپک کی خصوصیات تلاش کیں، انھوں نے کوئی بڑی غلطی نہیں کی۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود ایپک میں معنوی حیثیت سے اعلیٰ مقصد، بلند اخلاقی، خیر و شر کی کش مکش، ایک بڑے پیمانے پر بڑی طاقتوں کے تصادم، اخلاق کے اچھے اور بڑے نمونوں کی نمائش کا پایا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ساری باتیں کسی نہ کسی حیثیت سے مرثیے میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام حسینؑ کی

---

[1] مہابھارت۔ مشہور سنسکرت ایپک مصنفہ ویاس۔

[2] رامائن۔ سنسکرت ایپک مصنفہ والمیک۔ اودھی زبان میں جو رامائن لکھی گئی۔ اُس کے مصنف تلسی داس ہیں۔ بہت سے لوگ اسے بھی ایپک میں شمار کرتے ہیں۔

[3] ایلیڈ (Iliad) یونانی شاعر ہومر کی مشہور نظم جسے پہلی ایپک قرار دیا جاتا ہے۔

[4] اوڈیسی (Odssey) یہ بھی ہومر ہی کی لکھی ہوئی ایپک ہے۔

[5] اینیڈ (Aeniad) مشہور اطالوی شاعر ورجل کی نظم۔

[6] ڈیوائن کامیڈی (Divine Comedy) ڈانٹے کی مشہور اطالوی نظم۔

[7] پیراڈائز لاسٹ (Paradise Lost) ملٹن کی طویل نظم۔

شخصیت کی عظمت اور واقعۂ کربلا کی غیر معمولی نوعیت نے شاعر کی صلاحیتوں کو بروئے کار آنے میں مدد دی۔ یہاں بھی بہت بڑے پیمانے پر خیر و شر کا تصادم ہے۔ انسانیت اور بہیمیت کا مقابلہ ہے۔ صبر و استقلال کے مقابلے میں بہیمانہ قوتوں کی صف آرائی اور ناقابلِ بیان مصائب کے ہجوم میں امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کی بلندیِ کردار کے نمونے ہیں۔ اس لیے مرثیے کو کچھ باتوں میں ایپک کا مماثل قرار دینا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے، جس پر جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔

یہی حال ڈرامے یا ٹریجیڈی کا ہے۔ میر انیس اس صنفِ ادب سے بھی واقف نہیں تھے۔ لیکن جو واقعہ انھوں نے اظہارِ خیال کے لیے منتخب کیا تھا، اُس میں خود ڈرامائی عناصر کی فراوانی تھی اور ٹریجیڈی بننے کی وہ ساری صلاحیتیں تھیں، جن کا ذکر ارسطو کے وقت سے اس وقت تک تمام نقاد کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ہر آنکھیں رکھنے والا اس حقیقت کو دیکھ لے گا کہ ڈراما اپنی مخصوص ہیئت رکھتا ہے۔ اسٹیج کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُسے اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ دیکھنے اور پڑھنے والے واقعات کو منطقی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہوتے، کرداروں کے عمل سے واقعہ کے اندرونی ربط کو مضبوط بنتے اور اصل کش مکش کو انجام کی طرف جاتے دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں۔ المیہ یا ٹریجیڈی کے بنیادی عناصر پلاٹ، کردار، عمل، کش مکش یا تصادم ہیں۔ مرثیہ ڈراما نہیں ہے۔ لیکن یہ عناصر اس میں پائے جاتے ہیں۔ واقعۂ کربلا میں حالات کئی جگہ ایسے نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں، جہاں اُن میں المیہ کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے۔ خوف اور رحم کے جذبات ابھر کر بہتر اخلاقی قدروں کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور دل میں بلند کرداری کی عظمت اور انسانی ہمدردی کے متعلق ایسے خیالات پیدا کرتے ہیں، جن سے المیہ کا اصل مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس لیے بناوٹ اور ہیئت کے لحاظ سے مرثیے اور ڈرامے میں زبردست فرق نظر آتا ہے لیکن اپنی رُوح میں دونوں گہری یکسانیت رکھتے ہیں۔ ایپک، ٹریجیڈی اور مرثیے کا ذکر ایک ساتھ کرنے کا مطلب کبھی یہ نہیں ہونا چاہئے کہ انھیں ایک ثابت کیا جائے یا ایک کی ساری خصوصیات دوسرے میں تلاش کی جائیں۔ لیکن شعریات کے نقاد کے لیے یہ بھی نامناسب نہ ہوگا کہ وہ مرثیے کے مختلف بیرونی اور اندرونی عناصر ترکیبی، موضوع اور ترتیب واقعات، مقصد اور تصورِ فن پر نگاہ رکھتے ہوئے دوسرے اصناف سے اُن کا مقابلہ کرے اشتراک اور اختلاف کے تمام پہلوؤں پر ناقدانہ رائے دے۔ ایسا کرنے میں یقیناً اُن اصناف میں مشابہت کے بہت سے پہلو نظر آتے ہیں اور چونکہ ایپک کے متعلق

اس وقت کوئی معین نقطۂ نظر موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انیس کا مرثیہ ایک خاص قسم کی ایپک ہے، جو ایسی ہی بعض دوسری نظموں سے کچھ پہلوؤں میں مشابہت رکھتی ہے اور کچھ میں اختلاف۔ جب ارسطو نے ایپک پر بحث کی تھی تو اس کے پیش نظر صرف ہومر کی نظمیں تھیں اور جب سترھویں یا اٹھارھویں صدی کے کسی نقاد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کے سامنے ملٹن کے دور تک کی تمام ایسی نظمیں تھیں، جن پر ایپک کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس بحث کو اور زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ افراط اور تفریط سے بچ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ مرثیہ ایپک نہیں ہے۔ لیکن اُردو زبان کی کوئی دوسری نظم ایپک سے اس قدر مشابہت نہیں رکھتی اور یہی بات ٹریجیڈی کے لیے بھی درست ہے۔

ایک خاص بات جو مرثیے کے فن، بناوٹ اور مقصد سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور جو اس کے ارتقا پر اثر انداز ہوئی۔ وہ اس کے پڑھنے کا طریقہ ہے۔ اکثر نقاد اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مرثیے کے تحت اللفظ پڑھے جانے کی وجہ سے مرثیہ نویسی پر جو اثر پڑا، وہ اس کے ارتقا کے لیے مفید بھی ہوا اور نقصان دہ بھی۔ لکھنؤ میں مرثیے کے منبر پر بیٹھ کر پڑھے جانے کا فن خود اپنی جگہ پر اظہار کمال کا ایک ذریعہ بن گیا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میر انیس نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا، جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بڑے مجمع کے سامنے مرثیہ خواں اپنی پوری قوت صرف کر کے زیادہ سے زیادہ سو ڈیڑھ سو بند پڑھ سکتا تھا۔ اس وقت آواز کو دور تک پہنچانے والے آلات میسر نہ تھے۔ اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ آہستہ آہستہ پڑھے۔ پھر ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جہاں اپنی پوری قوت سے پڑھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بزم، رزم، بین، رخصت، ہر منظر ایک ہی طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔ یہی نہیں، بلکہ جو لوگ مرثیہ خوانی کے فن سے ذرا بھی واقف ہیں، وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بچوں اور بوڑھوں، عورتوں اور مردوں، دوستوں اور دشمنوں کے متعلق مرثیے کے بند پیش کرتے ہوئے آواز اور لب و لہجہ میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا کرنا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جب کسی واقعہ کو بھی بیان کرنے لگتا ہے تو صرف اُن الفاظ پر ہی اکتفا نہیں کرتا جو اُس کے منہ سے نکلتے ہیں، بلکہ اعضائے جسم کے اشاروں سے، چہرے کی ساخت سے اور دوسرے ایسے ذرائع سے بھی کام لیتا ہے، جس سے وہ بیان کو زیادہ قابل فہم بنا سکے اور سننے والوں کو زیادہ سے زیادہ متاثر بھی کر سکے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرثیے کے اُن پہلوؤں کو

جن میں ڈرامائی عناصر پیدا ہو سکتے تھے۔ اسی طرح لکھنے کی بھی کوشش کی گئی۔ جس سے حسب موقع تعجب، خوف یا اچانک تبدیلی کا تصور پیدا کیا جا سکے۔ انیس کے مرثیوں میں ناگاہ، ناگہاں، یک بیک وغیرہ الفاظ اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مرثیوں میں مکمل واقعۂ کربلا بیان کیا جاتا تو وہ ایپک سے زیادہ قریب ہوتے۔ یا کم از کم شاعر کی فنی صلاحیتوں کا زیادہ پتہ چلتا۔ لیکن جب ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ مرثیے مجلسوں میں پڑھے جانے کے لیے لکھے جاتے تھے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ پڑھنے والے کی قوتِ گویائی اور سننے والوں کی قوتِ سماعت سو ڈیڑھ سو بندوں سے زیادہ بڑے مرثیے کی تاب نہیں لا سکتی تھی۔ اس پابندی نے مرثیہ نگاروں کو کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں کیا کہ وہ واقعۂ کربلا کو شروع سے اخیر تک حسن ترتیب و تعمیر کا خیال رکھتے ہوئے ایک ہی طویل نظم میں بیان کر دیں۔ اس طرح ایک طویل ایپک کی صلاحیت جو ان مرثیہ نگاروں اور خاص کر میر انیس میں پائی جاتی تھی، وہ کبھی بروئے کار نہ آسکی۔ لیکن ہر مجلس میں ایک نیا مرثیہ پڑھنے کے التزام نے انھیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ واقعۂ کربلا کے مختلف گوشوں کو کبھی سمیٹ کر اور کبھی پھیلا کر بیان کریں۔ جو بات ایک مرثیے میں صرف ایک مصرع میں کہہ دی گئی ہے، وہ کسی دوسرے مرثیے میں پچاس یا ساٹھ بندوں میں کہی گئی ہے۔ اس طرح گو کبھی کبھی یکسانیت کا احساس ہونے لگتا ہے لیکن نظرِ غائر سے دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ میر انیس نے ایک ہی واقعہ کو مختلف مرثیوں میں اپنی قوتِ بیان سے کتنے مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے۔ یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ میر انیس کے نظریۂ فن یا نظریۂ شاعری سے بحث کی جائے۔ گو اس کا مطالعہ بھی انیس کا صحیح مقام متعین کرنے میں معین ہوگا۔ مگر اتنا کہنا ضروری ہے کہ انیس ایک مخصوص نقطۂ نظر سے حقیقت نگاری کی طرف مائل تھے اور ان کا پابندیوں کے باوجود جو ایک مخصوص مذہبی عقیدے کی وجہ سے اُن پر عاید ہوتی تھیں، انھوں نے واقعات اور مناظر، کردار اور جذبات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر حقائق سے قریب ہی رہتے ہیں۔ وہ جہاں ایک طرف ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کو کمالِ فن سمجھتے تھے۔ وہاں اس کا احساس بھی رکھتے تھے کہ :-

"ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقامے دارد"

اور جس شخص کو اس بات کا احساس ہو کہ جو بات جیسے کہے جانے کی ہے اور جس جگہ کہے جانے کی ہے، اسی طرح اور وہیں کہی جائے۔ اس کے حقیقت پسند ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔

میر انیس کو حقیقت نگار کہہ کر میں نے اپنے سر ایک بڑی ذمہ داری لی ہے۔ کیونکہ حقیقت نگاری کی جو مختلف تعبیریں کی جاتی ہیں، اُن کو دیکھتے ہوئے یہ بحث اُبھر سکتی ہے کہ انیس کس قسم کے حقیقت نگار ہیں۔ قبل اس کے کہ اس پر بحث ہو، چند ضروری باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب ہوگا۔ واقعۂ کربلا تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس کے اسباب وعلل اور اثرات کی نوعیت ہمیشہ زیر بحث رہی ہے۔ پھر بھی اس واقعے کے واضح خط و خال ہیں، جنھیں زمان و مکان کے آئینے میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ حقیقتیں ایسی ہیں، جن میں اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً امام حسینؑ کا حسب نسب، عربی سماج میں اُن کا مقام، یزید سے اُن کا اختلاف، جلاوطنی، کربلا میں مختلف قسم کے مصائب جھیل کر شہید ہو جانا، خاندان کی ذی عزت خواتین کا قید ہونا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں وہ ہیں، جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہو سکتا ہے تو جزئیات میں اور امام حسینؑ کے مقاصد کی تعبیر اور تفسیر میں۔ اور چونکہ میر انیس کے اپنے مرثیوں میں محض واقعۂ کربلا کو ہی بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا ہے، جن کا کچھ حصہ تو تاریخ مقاتل میں پایا جاتا ہے۔ کچھ ان کے عقیدے کا جزو ہے اور کچھ ایسا بھی ہے، جسے اُن کی شاعرانہ تخلیقی قوت وجود میں لاتی ہے۔ لیکن جسے امکان اور قیاس کی حدوں سے باہر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً یہ کہ اگر کسی تاریخ میں اس گفتگو کی تفصیلات نہ ملیں جو امام حسینؑ اور اُن کے بیٹے حضرت علی اکبرؑ کے درمیان رُخصت ہوتے ہوئے ہوئیں تو بھی اُن حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کربلا میں رونما ہو رہے تھے، ان کا تصور کر لینا کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔ بعض نقادوں نے اسے واقعہ نگاری سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے حقیقت پر مبنی ہونے کی کسوٹی یہی ہے کہ کیا اُن کا بیان واقعۂ کربلا کی رُوح کے منافی ہے؟ کیا وہ فطرت انسانی سے بعید ہے؟ کیا اس کی جزوی باتیں کسی تاریخی حقیقت کو جھٹلاتی ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو اس واقعہ نگاری کو حقیقت نگاری قرار دئے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہئے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ جس بات کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ میر انیس واقعۂ کربلا کی تاریخی حیثیت اور ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں اور امام حسینؑ کے دشمنوں کے متعلق کچھ عقیدے رکھتے تھے۔ اُن سے بھی سرِمو انحراف کرنا اُن کے لیے ناممکن تھا۔ تاریخ اور عقیدے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کی روایات سے پیدا ہونے والی کچھ فنی پابندیاں بھی تھیں، جنھیں اچھا شاعر کبھی نظر انداز نہیں کرتا اور سب سے بڑھ کر اودھ کے واجد علی شاہی

ماحول میں بسنے والے سماج کو اپنے خیالات سے متاثر کرنا تھا۔ اُن میں سے کسی چیز کو نظر انداز کر دینے سے انھیں ناکامی ہو سکتی تھی۔ جاگیرداری سماج کے زوال پذیر ماحول میں اخلاق کی قدریں بھی اپنے معنی بدل لیتی ہیں۔ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے معیار میں تبدیلی آجاتی ہے۔ زندگی کے وہ پہلو جو تعیش، نکمے پن اور تنگ ظرفی کی طرف مائل کرتے ہیں، پسندیدہ بن جاتے ہیں۔ اس ماحول میں تاریخ اور عقیدے کا سہارا لے کر ان اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو اُبھارنا جو کسی قوم کے دورِ عروج کا پتہ دیتی ہیں، آسان کام نہ تھا۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے اپنے سامعین کی ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر واقعۂ کربلا کے انھیں پہلوؤں پر سب سے زیادہ زور دیا، جو باطل کے مقابلے میں حق کا، شر کے مقابلے میں خیر کا اور بد اخلاقی کے مقابلے میں اخلاق کا علم بلند کرتے ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ایک ڈرامہ یا منظوم قصہ لکھنے والے کی تخلیقی قوتیں اپنے مقصد کے مطابق واقعات کو ترتیب دینے کیلئے آزاد ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جب کردار تاریخ کے جانے بُوجھے افراد ہوں، (جیسا کہ واقعۂ کربلا میں حصّہ لینے والے کردار ہیں) اُس وقت کسی شاعر یا ادیب سے کردار نگاری کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم مراثی انیسؔ کو غائر نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ان پابندیوں کے اندر آزادی کی جو راہیں نکال لی ہیں، وہ ان کی شاعرانہ عظمت اور تخلیقی صلاحیت کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ انھوں نے اُن کرداروں کو لیا، جن کے ساتھ کچھ تاریخی حقائق اور عقائد وابستہ تھے اور انھیں کو نفسیاتی اور جذباتی حیثیت سے ماننے اور تسلیم کئے جانے کے قابل بنا کر پیش کیا۔ وہ یہ تو نہیں کر سکتے تھے کہ ان کرداروں کو اس سے مختلف بنا دیتے، جیسے کہ وہ واقعی تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی تخلیقی قوت سے کرداروں کے نقوشِ عمل کی زندگی میں اُبھارے۔ نفسیاتی اور جذباتی پیچیدہ راستوں سے گزار کر اُن کی انسانی اور حقیقی خصوصیتوں کا احساس دلایا۔ غلطی سے بعض نقادوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مراثی انیسؔ کے سب کردار ایک سے ہیں۔ غالباً کہنے والوں کے یہاں یہی اُلجھن ہوگی کہ جب کرداروں کی سیرت اور افعال و اعمال معلوم ہیں اور جب شاعر انھیں کے اظہار پر مجبور ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے عقیدے کی وجہ سے وہ انھیں مثالی ہی بنا کر پیش کر سکتا ہے تو پھر سب کی سیرتیں یکساں ہی ہو جائیں گی۔ بعض خصوصیات میں یقیناً ان تمام کرداروں میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن جس شخص نے مراثی انیسؔ کے چار چھ مرثیے بھی سمجھ کر پڑھ لیے ہیں، وہ افراد مرثیہ میں ایک پر دوسرے کا شبہ نہیں کر سکتا۔ شجاعت، صبر، وفا، حسن، بردباری، زہد، تسلیم و رضا، حق گوئی اور غداری

چند اہم صفات ہیں، جو امام حسینؑ اور اُن کے تمام ساتھیوں کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن انھیں کے اندر باریک باریک پہلو پیدا کرکے میر انیس نے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ کوئی شخص مراثی میں امام حسینؑ اور حضرت عباسؓ کے کردار میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔ ہزاروں صفات میں مماثل ہوتے ہوئے بھی اُن میں زبردست فرق ہے اور اسی فرق کو مسلسل ملحوظ کرنا مرثیہ کی کردار نگاری کو خصوصیت بخشتا ہے۔ ہر مرد، ہر عورت، ہر بوڑھا، جوان اور بچہ اپنی انفرادیت رکھتا ہے، جسے میر انیس نے کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ تاریخ ان کی انفرادیت کو نمایاں کرنے سے قاصر رہ جائے، شاعر نے کہیں کوتاہی نہیں کی ہے۔ لیکن یہ بات مرثیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں ہی کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ مثلاً جو یہ نہیں جانتا کہ حبیب ابن مظاہر کون تھے، امام حسینؑ سے اُن کے جذباتی اور ذہنی تعلقات کیا تھے، وہ کن حالات میں کوفہ کی ناکہ بندیوں کا حصار پار کرکے کربلا کے میدان میں پہنچے تھے، خاندانِ رسالت کے متعلق اُن کے کیا عقائد تھے اور وہ یزید کو کیسا سمجھتے تھے؟ وہ پوری طرح حبیب ابن مظاہر کے اُس کردار کا اندازہ نہیں لگا سکے گا جو میر انیس نے پیش کیا ہے۔ مرثیوں میں ان کا ذکر چند بندوں میں ملے گا لیکن ان تمام باتوں کے جانے بغیر کوئی شخص مرثیہ نگاری کا دش کو سمجھ نہ سکے گا۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اگر اہم کرداروں کو لیا جائے تو بہت سی ایسی باتوں کو جاننے کی ضرورت ہوگی جو عام تاریخوں میں نہیں ملتیں، بلکہ مقاتل اور دوسرے ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں۔ یا ان کی بنیاد عقیدے پر رکھی جاتی ہے۔ ان کے متعلق شاعر کے نازک اور لطیف اشارے جن میں جذباتی پس منظر کو اُبھار دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، ان لوگوں کے دل میں کوئی کیفیت نہیں پیدا کرتے، جو اُن سے واقف نہیں ہیں۔ یہ بات پوری دنیا کے شاعری کے لیے صحیح ہے۔ لیکن مرثیوں کے لیے اور زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہاں واقعات اور جذبات کی زنجیریں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ایک واقعہ کے بیان سے بہت سے دُوسرے واقعات نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جب کرداروں کے متعلق ناواقفیت ہو اور اشاروں، کنایوں اور استعاروں کی زبان سمجھ میں نہ آئے، اس وقت یہ سمجھنا کہ شاعر کردار نگاری میں ناکام رہا ہے، شاعر کے ساتھ ناانصافی ہے۔ مرثیہ کی کردار نگاری ناول، افسانے اور ڈرامے کی کردار سازی سے مختلف ضرور ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ میر انیس نے کرداروں کی ظاہری اور باطنی، جذباتی اور ذہنی کیفیات اور نفسیات کا لحاظ ہی نہیں رکھا اور بنے بنائے کرداروں کو بنی بنائی شکلوں میں بغیر

کدوکاوش کے پیش کردیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کرداروں کا عمل ہمیں متاثر نہ کرتا اور نہ ہمیں اُن کے متعلق متجسس نہ بناتا۔ شاید اُن کے کرداروں کے جان دار ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ میرانیسؔ نے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ امام حسینؑ اور اُن کے ساتھی اُلوہی شان رکھتے تھے، عام طور سے کردار کے انسانی پہلوؤں ہی پر زور دیا ہے۔

کرداروں ہی کے سلسلہ میں ایک اور بات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کئی نقادوں نے کہا ہے کہ مرثیہ میں جو واقعہ ہے، وہ سرزمین عرب سے تعلق رکھتا ہے، جو کردار ہیں، وہ بھی عرب کے ہیں لیکن میرانیسؔ (اور دوسرے مرثیہ نگاروں) نے انھیں ہندوستانی لباس میں پیش کیا ہے۔ یہ بات ایک غیر حقیقی فضا پیدا کرتی ہے اور مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ یہ مسئلہ اس حیثیت سے ضرور قابلِ غور ہے کہ مرثیہ نگاروں نے خالصتاً عربی مزاج اور کردار پیش کرنے کے بجائے وہ انداز اختیار کیا ہے، جو ہندوستانی مزاج اور اندازِ طبیعت کے لیے زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ مَیں جب اس بات پر غور کرتا ہوں تو جہاں تک میرانیسؔ کا تعلق ہے چند مقامات کے علاوہ کہیں ایسی صورت نہیں پیدا ہوتی، جس کا اطلاق محض ہندوستانی ماحول اور زندگی پر ہو سکے۔ امام حسینؑ، اُن کے اہل بیت، عزیزوں، بچوں اور ساتھیوں کے متعلق اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ میرانیسؔ انھیں خوبیوں کا مجسمہ اور اعلیٰ ترین صفات کا مجموعہ سمجھتے تھے۔ ان کا ذہن نفاستِ مزاج، پاکیزگیِ ذوق، صدقِ مقالی، شجاعت، بزرگوں کی اطاعت اور احترام، باہمی محبت، عزتِ نفس، خدا رسی اور صبر و شکر کے جس اعلیٰ معیار کا تصور کر سکتا تھا، انھوں نے اسی کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کی مثالی تصویریں ہندوستانی، ایرانی، عربی تمام مردوں اور عورتوں میں یکساں ہی ہوں گی۔ میرانیسؔ انھیں مثالی تصویروں کی مدد سے اپنے کرداروں کو سمجھتے اور سمجھاتے تھے اور اسی میں انھیں کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ ان کرداروں میں کوئی بات عربی مزاج کے منافی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعتراض بلاغت یا حقیقت نگاری کی بنیاد پر نہیں، عقیدے کے فرق کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت زینبؑ، حضرت شہربانو یا بعض دوسری خواتین کو بعض مواقع پر جو روتا یا فریاد کرتا دکھایا گیا ہے، وہ اہل بیت رسالتؐ کی شان اور عربی مزاج کے منافی ہے۔ اوّل تو یہ کہ یہ بات نہ اہل بیت کی شان کے منافی ہے نہ عربی مزاج کے۔ فرق طرز اور مدارج کا ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمیں اُن مواقع کو بھی پیش نگاہ رکھنا چاہئے، جہاں اُن کو اس حالت میں دکھایا گیا ہے۔ کیا حقیقتاً وہ مواقع رونے اور فریاد کرنے کے منافی ہیں۔ انسانی نفسیات کے عام اصولوں کو پیش نظر

رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ چاہے کسی موقع پر ان کا وفور پسندیدہ نہ ہو، لیکن عام طور پر وہ حقائق سے انحراف کا پتہ نہیں دیتے۔ پھر مرثیہ گویوں نے انھیں محض روتا اور فریاد کرتا ہی نہیں دکھایا ہے، وقت آنے پر کوہِ صبر و استقلال بنتے ہوئے بھی پیش کیا ہے۔ ان خواتین کے کردار میں رونے دھونے اور صبر کرنے کے الگ الگ مواقع ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو میدانِ جنگ میں مرنے کے لیے بھیجتی ہیں اور یہ جان کر بھیجتی ہیں کہ ان کا جان دینا کیوں ضروری ہے۔ وہ انھیں روکتیں نہیں، ان کا دل بڑھاتی ہیں، بزرگوں کی بہادری اور جرأت کے قصے سناتی ہیں، جان دینے میں سبقت کرنے کے لیے اپنے حق کی قسم دلاتی ہیں، پردے کے پیچھے سے اُن کے جنگ کرنے کے منظر کو دیکھتی اور ان کی بہادری پر فخر کرتی ہیں لیکن جب اُن کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھتی ہیں تو ایک ماں کی طرح بلک بلک کر روتی ہیں۔ وہ عربی یا ہندوستانی نہیں ہیں۔ ماں ہیں۔ یہ میر انیسؔ کے مرثیوں کا عام انداز ہے، جس سے کسی مقام پر انحراف نہیں ملتا۔ ہاں! اگر وہ اپنے بچوں کو رخصت کرتے وقت یہ فقرہ بھی کہہ دیتی ہیں کہ تمھیں دُولھا بنانے کی آرزو تھی تو یہ بھی ایسی بات نہیں ہے کہ عربی خاتون کے دل میں نہ پیدا ہوتی ہو۔ کہنے والوں نے یہ بات ہمیشہ مبہم شکل میں کہی ہے۔ کہیں اس کی تصریح نہیں کی ہے کہ وہ کون سے پہلو ہیں، جو عربی کردار میں نہیں پائے جاتے، صرف ہندوستانی کردار میں پائے جاتے ہیں۔ ورنہ شاید اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی۔

جہاں تک واقعۂ کربلا کا تعلق ہے۔ وہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن جب وہ شاعر کی زبان سے بیان ہوتا ہے تو تاریخ کے مفہوم میں تاریخ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ مرثیہ نگار تاریخ نگار نہیں ہو سکتا۔ میر انیسؔ نے یہی کیا ہے۔ انھوں نے تاریخی واقعات بیان کرنے کے بجائے وہ فضا پیدا کر دی ہے، جو تاریخ کے منافی نہیں ہے۔ تاثرات اور تصورات، جذبات اور کیفیات کی وہ فضا جو کربلا کے المیہ کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے پر شاعر کے یہاں پیدا ہونی چاہیے، وہ انیسؔ اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ ہم واقعات پر غور کرنے کے بجائے ان سے پیدا ہونے والی فضا کا تاثر قبول کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص جو اس فضا کا تصور نہ کر سکے، مرثیوں سے پوری طرح کیونکر متکیف ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص مرثیہ نگار کے عقیدے میں شریک ہو جائے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جب تک واقعۂ کربلا کا جزوی اور تفصیلی علم نہ ہو، جب تک افراد مرثیہ کے متعلق پوری واقفیت نہ ہو، جب تک مرثیہ میں آنے والی تلمیحوں، اشاروں اور کنایوں کو سمجھنے کی

صلاحیت نہ ہو، مرثیہ کے ادبی اور شعری پہلوؤں سے لطف اندوز ہونا مشکل ہے۔ ارسطو نے تاریخ اور شاعری کے فرق سے بحث کرتے ہوئے موضوعاتِ شاعری کی جس عمومیت پر زور دیا تھا، اُس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تاریخ خاص خاص واقعات کو لیتی ہے اور شاعری عام واقعات کو۔ بلکہ یہ بھی تھا کہ شاعری واقعات کے بجائے فضا کی ترجمانی کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تاریخی واقعات شاعری کے دائرے سے یکسر خارج ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور اس پر شعریات کے کسی ماہر اور ناقد نے اصرار نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکالنا چاہئے کہ شاعر تاریخی واقعات کے بیان میں تاریخ سے بالکل بے نیاز ہو جائے یا انھیں توڑ مروڑ کر بیان کرے۔ ہرگز نہیں۔ بس یہ ہے کہ وہ تاریخ سے انحراف نہ کرتے ہوئے بھی مؤرّخ نہیں ہے، شاعر ہے۔ مراثیِ انیس کے مطالعہ کے وقت اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

اس ضمن میں ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابھی اس صورتِ حال کا جائزہ لیا جا چکا ہے کہ میر انیس نے عربی کرداروں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ خالصتاً عربی نہیں معلوم ہوتے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ نہ صرف کردار نگاری میں، بلکہ رسم و رواج اور بعض دوسرے معاملات کے بیان میں انھوں نے ہندوستانیت کو راہ دی ہے۔ مثلاً حضرت قاسمؑ کی شادی کے ذکر کے سلسلے میں بعض ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے شادی کے ایسے لوازم پر روشنی پڑتی ہے، جن کا تعلق صرف ہندوستان سے ہے۔ یا صندل سے مانگ بھرنے اور دلھن کو تاروں کی چھاؤں میں بیاہ کر لانے کا ذکر ہے، جس سے ہندوستانی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً یہ باتیں ایسی ہیں، جن سے ہندوستانی نقطۂ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن کیا حقیقتاً ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میر انیس نے اس چھوٹی سی بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ عرب اور ہندوستان میں شادی بیاہ کی رسمیں مختلف ہوتی ہیں؟ یہاں میں پھر یہی بات عرض کروں گا کہ ان سے نہ تو حقیقت مجروح ہوتی ہے، نہ کسی قابلِ اعتراض غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ یہاں بھی مرثیہ نگار کا مقصد واقعہ کی تحقیقی شکل کو پیش کرنا نہیں، بلکہ اُس فضا کا پیدا کرنا ہے، جو اس واقعہ کی طرف منسوب کی جا سکے۔ چونکہ میر انیس کا مقصد ایک مجمع کو متاثر کرنا اور ان کے جذباتِ الم کو برانگیختہ کرنا بھی تھا، اس لیے انھوں نے ایسے ہی اشاروں اور استعاروں سے کام لیا، جو اُن کے سامعین کو متاثر کر سکتے تھے۔ واقعہ کی نوعیت میں تبدیلی نہیں ہوئی، اظہار بیان میں تغیر ہوا ہے۔ یہ بات بحث طلب ہے کہ حضرت قاسمؑ کی شادی ہوئی بھی یا نہیں۔ مرثیہ نگار نے عام روایت سے فائدہ

اُٹھایا ہے اور رنج والم کی آگ کو اور تیز کرنے کے لیے اس واقعہ کو بھی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاں کہیں بھی ایسے مواقع آتے ہیں، شاعر واقعہ کو واقع کی حیثیت سے پیش کرنے کے بجائے اس کے جذباتی پہلو پر زور دیتا ہے، تاکہ اس کا ادبی اور شاعرانہ مقصد پورا ہو۔ میرانیسؔ نے اگر ہندوستانی رسموں کا ذکر کیا ہے تو اس کا یہی مقصد ہے۔

یہ بات عرض کی جاچکی ہے کہ ایپک اور ٹریجیڈی نہ ہوتے ہوئے بھی مرثیہ اعلیٰ شاعری کی تمام خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ ان دونوں اصنافِ ادب میں جذبات کی تنظیم اور بلند اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو عالمی ادب میں جتنی اعلیٰ پایہ کی نظمیں ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی زندگی کے انھیں پہلوؤں اور انھیں مقاصد کو بلند کرتی ہیں، جو سماجی اور انفرادی بہتری میں معین ہوں۔ یونانیوں کے یہاں شعرِ محض کا کوئی تصور نہ تھا۔ اُن کے منظومات اور ڈرامے دیوتاؤں، وطن اور انسانوں کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ دُوسرے ملکوں کی اہم ترین نظمیں بھی اسی مقصد کو پورا کرتی تھیں۔ مرثیہ اس خصوصیت میں کسی دوسری نظم سے پیچھے نہیں۔ یہاں وعظ و پند، نصیحت اور تلقین کی ضرورت نہیں۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے عمل سے جو اعلیٰ اخلاقی نمونے پیش کئے ہیں، ان کا ڈرامائی اثر خود متوجہ کرلیتا ہے۔ یہاں یہ بات تفصیل سے نہیں پیش کی سکتی کہ واقعۂ کربلا میں اخلاق کی کون سی اعلیٰ قدریں پوشیدہ تھیں۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی ایک واقعہ بہ یک وقت زندگی کے اتنے اہم پہلوؤں کو پیش کر سکے اور چند مردوں، عورتوں اور بچوں کے عمل سے ان کی ناقابلِ فراموش صورت گری ہوئی ہو۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخلاق اور بد اخلاقی کا جو تصادم کربلا میں ہوا، اُس نے زندگی کے مثبت پہلوؤں کو اور زیادہ روشنی میں پیش کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ نگار اور اس میں میرانیسؔ بھی شامل ہیں، واقعۂ کربلا کو اسلام کی مجموعی تاریخ کے چوکھٹے میں رکھ کر نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں دُور تک اسباب و نتائج کے رشتوں کو بھی نہیں دیکھ رہی تھیں، وہ شعوری طور پر حسینی پیغام کی اشاعت بھی نہیں کررہے تھے۔ اور نہ زندگی کے اس نصب العین کی فلسفیانہ توجیہ کر رہے تھے، جس کے لیے امام حسینؑ نے قربانی دی تھی۔ لیکن پھر بھی چونکہ اس معرکے نے زندگی اور موت، حق اور باطل، نیکی اور بدی کی متضاد قدروں کو ایک دُوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا تھا اور اُن کا مظاہرہ فیصلہ کُن انداز میں ہوگیا تھا۔ اس لیے اگر انھوں نے واقعات کو فلسفیانہ اور فکری پس منظر کے بغیر بھی پیش کردیا تو اس میں وہ سارے اخلاقی پہلو آگئے، جن سے ایسی کش مکش کے موقع پر

انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اگر میر انیسؔ کے مرثیوں سے ہر موقع کی مثالیں پیش کی جائیں تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا ہے کہ میر انیسؔ نے وعظ و تلقین کے دفتر کھولے بغیر افرادِ مرثیہ کے عمل سے اخلاقیات کا ایک لازوال خزانہ پیش کر دیا ہے لیکن کہیں کہیں، اور خاص مرثیوں کی تمہید میں زندگی کے عبرت ناک پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے واعظانہ اور ناصحانہ رنگ بھی اختیار کر لیا ہے۔ اگر ہم مرثیہ کے موضوع کو پیشِ نگاہ رکھیں تو یہ بات کچھ زیادہ قابلِ گرفت نہیں کہی جا سکتی۔ تاہم مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ حصّے مرثیے کے بہترین حصّے نہیں ہیں اصل اخلاقی کشش اُن حصّوں میں ہے، جہاں اپنے مقصد کی صداقت، برتری اور گہرائی پر کامل یقین رکھتے ہوئے بچّے، جوان، بوڑھے، عورت اور مرد سب موت کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں۔ تاکہ امام حسینؑ کے مقصد کو تقویت پہنچے۔ اس طرح مرثیہ (وہ مختصر مرثیے نہیں، جو محض اظہارِ عقیدت کے لیے یا صرف رونے رُلانے کے لیے لکھے جاتے رہے ہیں)، شاعری کے اس اعلیٰ مقصد کو بھی پورا کرتا ہے، جو اُس کے اندر پوشیدہ ہے۔

میر انیسؔ کی شاعری کا وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مدِّ مقابل قرار دیے جا سکتے ہیں، وہ اُن کی انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسی کی مصوری ہے۔ اس میں محاکاتی شاعری، جذبات نگاری، اجتماعی مواقع کی چل پل اور اُن کی مرقع کشی اور انفرادی کشمکش کے مناظر اور ان کی مصوری تمام چیزیں شامل ہیں۔ انہیں جگہوں پر اُن کے کمالِ فن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ واقعۂ کربلا کی تفصیلات سے واقفیت رکھنے والے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ واقعات کی پیچیدگی، عقیدہ کی پابندیاں، جوشِ شجاعت، امام کی اطاعت، قربانی کی خواہش، مقصد کی برتری کا احساس، آخر وقت تک گمراہوں کی اصلاح کی کوشش، محبت اور تعلقات کے مختلف مدارج اور ایسے ہی دوسرے عناصر نے یکجا ہو کر ایسے لاتعداد جذباتی پہلو پیدا کر دیے تھے، جنھیں سادہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے اس پہلو کا مطالعہ سنسکرت اور پراکرت کے قدیم تنقیدی تصورات کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے تو اس کا حُسن پوری طرح نمایاں ہوگا۔ ہندوستان کے قدیم علمائے ادب نے انسانی جذبات کو بنیادی طور سے نو رسوں میں تقسیم کیا تھا، جن میں محبت، نفرت، شجاعت، سکون، حیرت، خوف، غصہ، مسرت اور غم شامل ہیں۔ پھر اُن کے امتزاج اور مدارج سے مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان جذبات کا بیان سادہ ہوگا۔ اگر صرف ان کی شدت اور تخفیف کا تذکرہ مقصود ہو۔ لیکن اگر کہیں خوف، حیرت اور نفرت کے جذبات مل جائیں،

غصہ اور شجاعت ایک ہو جائیں، محبت میں غم کی آمیزش ہو جائے تو پھر ان کو کیمیاوی انداز میں محلول کر کے فن کے سانچے میں ڈھالنا، الفاظ میں قید کرنا آسان نہیں رہ جاتا۔ مرثیوں میں اس کے لاتعداد مواقع آتے ہیں اور میر انیس اکثر نہایت کامیابی سے ان منازل سے گزر جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات کے لیے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں جتنی زیادہ پیچیدگی اور شدت ہے، وہیں انھیں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جہاں بہت سے متصادم اور پُرشور جذبات کی کش مکش ہے، وہاں انھوں نے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے اُسے بڑی خوبی سے ممزوج کر کے پیش کیا ہے۔ اس کی مثالیں حسب ذیل مراثی میں بڑی آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں:-

(۱) جب کربلا میں داخلہ شاہِ دیں ہوا	(۲) نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
(۳) بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر	(۴) فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
(۵) جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے	(۶) پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
(۷) جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج	(۸) جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
(۹) جب رن میں سربلند علی کا علم ہوا	(۱۰) کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
(۱۱) جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا	(۱۲) یہ زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا

یہ چند مرثیوں کا تذکرہ ہے۔ دُوسرے مراثی میں بھی موضوعِ زیرِ بحث کی اچھی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اشارے کے طور پر چند مواقع کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔ امام حسینؑ مدینہ سے رخصت ہو رہے ہیں۔ مستقبل کا پتہ نہیں۔ مدینہ میں اُن کا جو مرتبہ ہے، اس کے پیش نظر ان کے ہم وطنوں، عزیزوں، جاں نثاروں، ساتھ جانے والوں اور نہ جانے والوں کے جذبات۔ حضرت مسلمؑ کے کم سن بچوں کی شہادت کا بیان۔ راستہ کی پریشانیاں۔ سفر کی صعوبتیں۔ حُر کی فوج کا راستہ روکنا۔ مستقبل کی جھلک۔ اپنے بچوں کی پیاس پر دشمن فوج کی پیاس کو ترجیح دینا۔ کربلا میں آمد۔ دریا کے کنارے قیام کرنے پر اختلاف۔ حُر کی زندگی میں کش مکش اور فیصلہ کی رات۔ عون و محمد کے جذبات اور ماں سے گفتگو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان مواقع کو ایک سے زیادہ جگہوں پر میر انیس نے اس طرح بیان کیا ہے کہ محض اُن کی قدرتِ بیان کا نہیں، نفسِ انسانی کے علم کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔

اس مختصر مقدمہ میں منظر نگاری، رزم آرائی، گھوڑے اور تلوار کی تعریف، سراپا کا بیان اور ساقی نامہ وغیرہ کی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ زبان و بیان کی فنی خصوصیات پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق بہت زیادہ اختلاف رائے

نہیں ہے۔ لیکن اس بات کی طرف متوجہ کرنا البتہ ضروری ہے کہ ہر فن پارے کو ہم دو حیثیتوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک اس کی ظاہری ساخت اور اُس کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے، دُوسرے اندرونی وحدت کے نقطۂ نظر سے، جو شروع سے آخر تک موضوع کے تانے بانے میں رنگ بھرتی رہتی ہے۔ انھیں کی مکمل ہم آہنگی سے شاعری میں عظمت اور تاثیر کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اب جہاں تک مراثی انیس کی ظاہری ساخت کا تعلق ہے، ان میں یکسانیت نہ ہونے کے باوجود تمہید یا چہرہ، رخصت، آمد اور سراپا، رجز، جنگ، شہادت اور بین کی ترتیب قائم رہتی ہے۔ کوئی مرثیہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محض شہادت اور بین پر مبنی ہو اور کوئی ایسا بھی جس میں شہادت کے بعد کے واقعات بیان کیے گئے ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مرثیہ میں یہ تمام اجزا پائے جائیں۔ اس ظاہری تقسیم کا تعلق جیسا کہ سرسری نظر سے بھی دیکھنے پر ظاہر ہوگا، موضوعِ مرثیہ سے نہیں ہے۔ یہ ایک واقعاتی ترتیب ہے، جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ موضوع بھی عظیم اور پُر اثر ہے یا نہیں۔ ایک دوسری صورت غور کرنے کی وہی ہو سکتی ہے، جو ہم ناول یا ڈرامے پر غور کرتے وقت کام میں لا سکتے ہیں، یعنی ترتیب واقعات (ابتدا، عروج اور منتہا) کردار، کش مکش اور مقصد کی خصوصیات کی روشنی میں شاعر کی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ۔ یہاں واقعہ کی ظاہری ترتیب اور اندرونی وحدت دونوں پر بیک وقت غور کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ نقاد کا کام ہے کہ وہ مراثی میر انیس کے مطالعہ میں جو طریق کار چاہے استعمال کرے۔ اُسے دیکھنا تو یہی ہوگا کہ جس قسم کا موضوع ہے، اس کی مناسبت شاعر کے احساسِ فن سے ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو کہ واقعہ کی عظمت اور موضوع کی اہمیت کا احساس نہ ہوتا تو میر انیس کے احساسِ فن کو چار چاند نہ لگتے۔ اچھی شاعری سے ایک نظم اچھی بن سکتی ہے، لیکن اسے اعلیٰ بنانے کے لیے ایک عظیم واقعہ ہونا چاہیے، جو انسانی احساس کو جھنجھوڑ سکے اور جس کی مدد سے جذبات کے رشتوں میں بہتر تنظیم پیدا کی جا سکے۔ مختلف جہتوں سے واقعہ کربلا اس کے لیے بہت موزوں اور مناسب تھا اور میر انیس کے فنی شعور نے جس پر عربی، فارسی اور اُردو شاعری کی بہترین روایات کا پرتو پڑ رہا تھا، اس سے بہترین کام لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس زوال پذیر سماجی ماحول میں میر انیس کی شاعری پروان چڑھی۔ اُس میں عقیدے کے سہارے کے بغیر اس طرح کی رزمیہ، اخلاقی اور سنجیدہ نظموں کا تصور مشکل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میر انیس کی شاعری میں بھی بعض مقامات پر صناعی کی بے جا کوششوں میں اُس دور کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ میر انیس کے سوانح حیات پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو

جاتی ہے کہ اُن کی سیرت میں ایسی خصوصیتیں اکٹھی ہوگئی تھیں، جو انھیں اس قسم کی اخلاقی اور رزمیہ شاعری کے لیے موزوں بناتی تھیں۔ ان کی تعلیم کے متعلق ہمارے پاس تفصیلی معلومات نہیں ہیں، لیکن اندرونی شہادتوں پر نظر رکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے عربی فارسی کی صرف درسی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، بلکہ قرآن اور حدیث، منطق اور عروض، بیان و بدیع کا مطالعہ اس طرح کیا تھا کہ اُن سے اپنے موضوع کے سلسلے میں واقف کارانہ انداز میں کام لے سکتے تھے۔ عربی فارسی محاورات، تلمیحات، اقوال، خیالات، امثال اور اصطلاحات کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں اُن کے ذہن میں حاضر تھیں۔ میر انیس کا خاندانی اور مذہبی ماحول بھی ان کی سیرت کی تشکیل میں معین ہوا۔ صرف یہی نہیں کہ اُن کی پانچ پشتیں شبیر کی مداحی میں بسر ہوئی تھیں، بلکہ فارسی اُردو شاعری کی بہترین روایات کو انھوں نے اپنے اندر جذب کیا تھا۔ اس کا زندہ ثبوت اُن کا کلام ہے۔

میر انیس کے جو حالات مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچے ہیں، جن اخلاقی قدروں کو اُنھوں نے سراہا ہے، جن انسانی صفات کی اُنھوں نے تصویر کشی کی ہے، ان سب سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بُردبار، وضعدار، قانع، خوددار، غیور اور نازک مزاج انسان تھے۔ ذاکرِ حسینؑ ہونے کی وجہ سے ان کی کلاہِ افتخار میں ایک ایسا طرّہ بھی آویزاں ہوگیا تھا، جس کے سامنے وہ تاجِ شاہی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس ذہنی کیفیت نے انھیں عزتِ نفس، غیرت، بُردباری، پاسِ وضع اور خودداری کا پرستار بنا دیا تھا اور چونکہ واقعۂ کربلا کے بیان میں انھیں ان اقدار کو مثالی طور پر پیش کرنے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ اس لیے اُن کی شخصیت کو بھی اظہار کا پورا موقع مل گیا۔ فن کاری کے نقطۂ نظر سے یہ بہت بڑی بات ہے کہ فن کار کی شخصیت اس کے موضوع سے ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ چیز تاثیر کا خزانہ بن جاتی ہے اور میر انیس کا سخت سے سخت نقاد بھی اُن کے تاثیرِ کلام کا منکر نہیں ہو سکتا۔

اُردو شاعری کی رفتارِ ترقی میں دربار کو ایک ایسی جگہ حاصل ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے خیالات اور طرزِ اظہار کی مخصوص روایتیں وجود میں آگئی تھیں۔ جو شاعر اس سے محفوظ رہے اُن کے یہاں خیال و بیان میں کچھ تبدیلی ہوئی۔ ورنہ شخصی اور انفرادی اندازِ نظر کے علاوہ شاعری کی دنیا محدود رہی۔ میر انیس نے اس طلسم میں گرفتار ہونا پسند نہیں کیا۔ انھوں نے ذکرِ حسینؑ کو اپنے لیے سب سے بڑا ذریعۂ افتخار سمجھا اور درباری وابستگی کے مقابلے میں آزاد فضا کو اپنے مسلکِ شاعری کے لیے زیادہ مفید پایا۔ اس سے ایک طرف تو انھیں عوام میں عزت ملی اور

دُوسری طرف اُمرا خود اُن کی ناز برداری پر مجبور ہوئے۔ کیونکہ بہت دنوں کے بعد پھر شاعر نے اپنی اہمیت، خُودداری اور بلند منصبی کا مظاہرہ کیا اور شاعر کو سماج میں ایک بلند مقام ملا۔ میر انیسؔ نے اپنے ذاتی مزاج، شاعرانہ غرور اور موضوع کے تقدّس کو یکجا کرکے عوام اور خواص دونوں سے وہ خراجِ تحسین حاصل کیا، جو مشکل ہی سے کسی شاعر کے حصّے میں آیا ہوگا۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مرثیوں نے ایک محدود فضا میں ادبی ذوق کی تربیت کا جو فرض انجام دیا، وہ کسی دوسری صنف سے نہ ہو سکا۔ ایک وقت وہ تھا کہ مرثیہ کو فنِ شعر سے کوئی ربط خاص نہ تھا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے بعد مرثیہ شاعری میں ایک مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ اُسے صرف ادب کی ایک مستند صنف کا درجہ حاصل نہیں ہُوا، بلکہ بہت سے شعراء کے لیے وہ منارۂ ہدایت بن گیا۔ دَورِ جدید کے نہ جانے کتنے شعراء نے انیسؔ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر کسبِ فیض کیا ہے اور اگر مرثیہ کے زندہ عناصر سے تخلیقی رابطہ قائم کیا جائے تو فیض رسانی اور بہتر نتائج برآمد کر سکتی ہے۔ موضوع سے جذباتی آہنگی جتنی شاعری کے لیے ضروری ہوتی ہے، اتنی ادب کے دُوسرے اصناف کے لیے نہیں ہے۔ مرثیہ بیانیہ شاعری کے دائرے میں آنے کی وجہ سے خارجی اندازِ نظر کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن عقیدہ، شخصی میلان اور جذباتی وابستگی کے امتزاج سے اُس کے اکثر حصّے محض بیانیہ نہیں رہ جاتے۔ یہی سبب ہے کہ میر انیسؔ کو جس طرح منازل کے محاکاتی بیان میں کامیابی حاصل ہوئی، اُسی طرح جذبات کی مصوّری میں بھی قدرتِ بیان کے اظہار کا موقعہ ملا اور ان تمام کوششوں میں انھیں جس چیز سے سب سے زیادہ مدد ملی، وہ خود اُن کا موضوع تھا، جس کے واقعاتی اور خوش نما امکانات کو پوری طرح پیش کرنے کے لیے ایک واقعی ایپک کی ضرورت تھی۔

اس مقدمہ کو ختم کرنے سے پہلے اس قدر اور کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پڑھنے والوں کا ایک طبقہ مراثی انیسؔ کو مذہبی اور معتقدانہ نظمیں سمجھ کر نظر انداز کرتا ہے، اُسی طرح ایک اور طبقہ ان کو محض عقیدے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ عقیدے کی آنکھ عیبوں اور خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں ہی پر پردہ نہیں ڈالتی، بلکہ وہ صحت مند نقطۂ نظر بھی پیدا نہیں ہونے دیتی، جو ادبی اور فنّی مطالعہ کے لیے ضروری ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جو لوگ واقعۂ کربلا کو مرکزِ عقیدت بناتے ہیں، وہ مرثیہ میں بیان کردہ واقعات اور تاثرات کو اوّلاً اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے مرثیہ میں ادبیت ہو یا نہ ہو، شاعری ہو یا نہ ہو، فنّی پختگی ہو یا نہ ہو، انھیں وہی عزیز ہوتا ہے۔ لیکن میر انیسؔ کے مرثیوں کے مطالعہ میں اس تنگ نظری کی ضرورت نہیں۔ یہاں واقعات کی جُزئیات اور شاعرانہ تصویر کشی سے

جذباتِ عقیدت کی تسکین بھی ہوتی ہے اور احساسِ فن کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس کا جذبہ بھی آسودہ ہوتا ہے۔ میر انیس نے مرثیہ کو وہ شکل دے دی، جہاں اُس میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوگئی اور اُردو شاعری کے بہت سے وہ پہلو جو تشنہ تھے یا زوال آمادہ تمدنی حالت میں پسندیدہ نہیں رہے تھے، نمایاں حیثیت اختیار کر گئے۔ مثلاً اہم اخلاقی موضوع کو نظم کی بنیاد بنانا، رزمیہ انداز بیان اختیار کرنا، نفسیاتی اور حقیقت پسندانہ پہلوؤں پر زور دینا، شاعری کو فطرت کی مصوری کے لیے استعمال کرنا، زبان کے بہترین عناصر اور سنجیدہ انداز بیان کے اعلیٰ ترین اسلوب سے کام لینا، ان تمام باتوں نے مل کر مرثیہ کو ایک خاص قسم کی نظم بنا دیا، جو اپنی وسعت کے لحاظ سے ایپک اور اپنے تاثر کے لحاظ سے ٹریجیڈی کی سرحدوں کو چھوتی ہے۔ اس میں ایپک کے دائرے میں آنے والی گوناگونی بھی ہے اور ٹریجیڈی کو کامیاب بنانے والی وحدتِ عمل اور وحدتِ زمان و مکان بھی۔

ہومر کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ بھی کبھی کبھی اُونگھ جاتا تھا۔ میر انیس کو غلطیوں اور خامیوں سے پاک سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ ان کے یہاں زبان و بیان کی خامیاں بھی ہیں اور واقعات کے رشتوں اور مناسبتوں کو نظر انداز کر جانے کی کوتاہیاں بھی۔ لیکن خوبیاں ان کی پردہ پوش بن جاتی ہیں۔ تاہم ان کا ادبی اور تنقیدی مطالعہ کرنے والوں کو محاسن کے ساتھ معائب سے بھی واقف ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ نائب حسین صاحب نقوی کے مرتب کئے ہوئے مراثی انیس جنھیں شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کو کلام انیس کے مطالعے کی جانب مائل کریں گے۔ ان مراثی کے مرتب کرنے میں نقوی صاحب نے جو کدو کاوش کی ہے، وہ لائقِ تحسین ہے اور ناشر، جن حسن اور نفاست کے ساتھ اس کو شائع کر رہے ہیں، وہ مستحقِ آفرین ہے۔ میں اپنے بے ترتیب خیالات کو اس خواہش پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ مراثی انیس کا یہ ایڈیشن مقبول ہو اور افراط و تفریط سے بچ کر میر انیس کے تنقیدی مطالعے کا شوق پیدا کرے۔

(پروفیسر) سید احتشام حسین
لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ
یکم ستمبر ۵۸ء

افرادِ انیس

بلاغتِ کلام کو بخوبی سمجھنے کے لیے افرادِ مرثیہ کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ ورنہ کلام میں لطف نہ آئے گا۔ دوسرے یہ کہ چند نام ایسے ہیں، جن کو میر صاحب نے صرف القاب، کنیت یا اپنے عقیدے کے مطابق متعدد ناموں سے نظم کیا ہے۔ لہٰذا مرثیے سے مکمل طور پر محظوظ ہونے اور اس کی خوبیاں نیز صنائع و بدائع سمجھنے کے لیے حسب ذیل ناموں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

حسینی جماعت کے افراد

شمار	نام	وہ نام جن کو مختلف طریقوں سے نظم کیا گیا ہے
۱	جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پیغمبرِ اسلام)	احمدؐ۔ مصطفےٰؐ۔ رسالت مآبؐ۔ رسولِ خداؐ۔ پیغمبرؐ۔ پیمبرؐ۔ رسولؐ۔ رسالت پناہؐ۔ نانآؐ۔ خاتم النبیینؐ۔ خاتم الانبیاؐ۔ ختمِ رسلؐ۔ شافعِ محشرؐ۔ شاہِ لولاکؐ۔ احمدِ مختارؐ۔ ختمی مرتبتؐ۔ محمدؐ۔ نبیؐ۔ خاتم المرسلینؐ۔ سرتاجِ انبیاؐ۔ جدؐ۔ (نیز اس کے علاوہ بھی بعض مقامات پر آپ کے لیے مخصوص نام استعمال کیے ہیں۔)
۲	امام حسین علیہ السلام (میر انیس کے کلام کے ہیرو)	امامِ ابرارؑ۔ امامِ دوجہاںؑ۔ آقاؑ۔ مولاؑ۔ ماں جایاؑ۔ نواسۂ رسولؐ۔ سبطِ رسول الثقلینؐ۔ ابن شاہِ نجفؑ۔ امامؑ۔ وارثِ نبوتؑ۔ وغیرہ۔
۳	اصغر یا علی اصغر۔ (امام حسین علیہ السلام کا شش ماہہ بچہ، جو حرملہ کے تیر سے شہید ہوا)۔	اصغرِ بے شیر۔ معصوم شش ماہہ۔ وغیرہ

۴- اُمِّ سلمہ - (رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ جو امام کی روانگی کے وقت مدینے میں رہ گئی تھیں)-	نانی - اُمِّ سلمہ رض -
۵- اُمّ البنین - (جناب عباسؑ کی والدہ۔ حضرت علیؑ کی زوجہ-)	آپ بھی واقعۂ کربلا کے وقت مدینے میں مقیم تھیں -
۶- بانو (یا شہر بانو) - (امام حسین علیہ السلام کی زوجہ)-	میر صاحب نے کہیں کہیں علی اکبر کی والدہ بھی آپ کو قرار دیا ہے - آپ شاہِ ایران یزدجرد سوم کی بیٹی تھیں - امام زین العابدینؑ کی والدہ تھیں اور نسلِ رسالت آپ ہی سے چلتی ہے -
۷- جعفر یا جعفرِ طیار - (عرب کے مشہور بہادر اور جنگ کے ماہر)-	طیّار بہادر - علمدارِ لشکرِ رسولؐ -
۸- حُر - (سپہ سالارِ لشکرِ یزید) ـــــ	ہراولِ لشکرِ حسینؑ - ہراول - کشتۂ اوّل - حُر - (نوٹ) حُر نے راستے میں امام حسینؑ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی - لیکن روزِ عاشورہ فوجِ یزید سے نکل کر لشکرِ امام میں آگئے اور سب سے پہلے شہید ہوئے) -
۹- حبیب ابنِ مظاہر - (امام حسینؑ کے بچپن کے دوست) -	آپ امام حسینؑ کے دوست تھے - مگر میر انیسؔ نے بعض روایات کے مطابق آپ کو بہت ضعیف لکھا ہے -
۱۰- حمزہؓ - - - - - - - - - - - -	پیغمبرِ اسلامؐ کے چچا - عرب کے مشہور بہادر اور شجاعِ زمانہ -
۱۱- حسنؑ - (حضرت علیؑ کے بڑے بیٹے، امام حسینؑ کے بڑے بھائی)	شبّر - سبز قبا - سیّدِ مسموم - حسنِ مجتبیٰ -
۱۲- زینب - (امام حسینؑ کی بڑی بہن جو کربلا میں معرکے کے وقت موجود تھیں)	بنتِ علیؑ - بنتِ فاطمہؑ - خواہرِ امام - بہن - شاہ کی ہمشیر - اسیرِ ستم -
۱۳- سکینہ - (امام حسینؑ کی بیٹی - قید کی حالت میں شام کے قیدخانے میں آپکا انتقال ہوا)	دُخترِ امام - بالی سکینہ - بھتیجی -

۱۴- صغریٰ یا فاطمہ صغریٰ۔ (امام حسینؑ کی بیٹی۔ آپ مدینے میں ہی رہ گئی تھیں)۔	فاطمہ صغریٰ۔ بیمار دختر۔ دخترِ بیمار۔
۱۵- علیؑ۔ (امیر انیس کے عقیدے کے مطابق پہلے امام)۔	شاہِ کائناتؑ۔ شاہِ نجفؑ۔ شیرِ خداؑ۔ دستِ خداؑ۔ امیر المومنینؑ۔ علمدارِ لشکرِ رسولؐ۔ قاتلِ عنترؑ۔ فاتحِ خیبرؑ۔ اسد اللہؑ۔ شیرِ الٰہیؑ۔ شاہِ مرداںؑ۔ شاہِ لافتیؑ۔ ابوترابؑ۔ نفسِ رسولؐ۔ زوجِ بتولؑ۔ ساقیِ کوثر۔ حیدرِ کرار۔ غیر فرار۔ مشکل کشا۔ حیدرؑ۔ مرتضیٰؑ۔ وغیرہ۔ (بعض مواقع پر ان ناموں کے علاوہ بھی دوسرے لقب استعمال کیے ہیں)۔
۱۶- عباسؑ۔ (حضرت امام حسینؑ کے بھائی۔ علمدارِ لشکرِ حسینؑ۔ آپ اپنے زمانہ کے ثوا تھے)۔	علمدارِ لشکر۔ بھیا۔ چچا۔ عمو۔ ابنِ علی۔ ابنِ شیرِ خدا۔ غلام۔ عباس نامدار۔ سقہ۔ ثوا۔ شیر۔ وغیرہ وغیرہ۔
۱۷- عابدؑ۔ (حضرت امام حسینؑ کے بڑے بیٹے جو روزِ عاشور بیمار تھے۔ اور آپ ہی سے رسولؐ کی نسل چلتی ہے۔ آپ کو بعد شہادت فوجِ یزید نے قید کر لیا تھا۔ آپ کا اصل نام علی ابن الحسینؑ ہے۔)	عابد۔ سیدِ سجاد۔ زین العابدین۔ بیمارِ کربلا۔
۱۸- علی اکبر۔ (امام حسینؑ کے نوجوان بیٹے۔ آپ کربلا میں شہید ہوئے۔ آپ کی مادرِ گرامی کا نام لیلیٰ تھا)۔	ہم شکلِ رسول۔ ہم شکلِ نبی۔ ہم شبیہِ پیغمبر۔ شبیہِ رسول۔ ہم صورتِ پیمبر۔
۱۹- عون و محمد۔ (حضرت زینبؑ کے دو بیٹے)	ورثہ دارِ علمِ اسلام۔ جعفر طیار کے پوتے۔ ورثہ دارِ جعفرِ طیار۔ وغیرہ وغیرہ۔
۲۰- فاطمہؑ۔ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی والدۂ گرامی۔ رسولِ اسلام کی اکلوتی بیٹی۔)	فاطمہؑ۔ ماں۔ اماں۔ بی بی۔ دادی۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲۱- قاسمؓ (امام حسنؑ کے بیٹے۔ آپ نے معرکۂ کربلا میں ازرق نامی پہلوان کو قتل کیا، جو اپنے وقت کا مشہور اور نامور پہلوان تھا۔ اُس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔)	دولہا۔ قاسم۔ گُل بدن۔ بھتیجا۔ بھائی کی نشانی۔
۲۲- کلثوم یا اُمِّ کلثوم۔ (امام حسینؑ کی چھوٹی بہن۔ آپ بھی کربلا میں اسیر کی گئیں)۔	کلثوم۔ اُمِّ کلثوم۔
۲۳- کبریٰ۔ (امام حسینؑ کی بیٹی۔ میر انیسؔ نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ شبِ عاشور آپ کا عقد جناب قاسمؑ سے کیا گیا تھا۔ لیکن یہ روایت مستند نہیں)۔	ایک رات کی دُلہن۔
۲۴- لیلیٰ۔ (امام حسینؑ کی زوجہ۔ جناب علی اکبرؑ کی والدہ)۔	مادرِ علی اکبر۔ لیلیٰ۔ اُمِّ لیلیٰ۔
۲۵- مسلم ابن عقیلؑ۔ (امام حسینؑ کے چچازاد بھائی، جو اُس وقت عرب کے بڑے بہادروں میں شمار کیے جاتے تھے اور آپ ۹ ذی الحجہ کو کوفے میں شہید ہوئے۔)	مسلمؑ۔ ایلچی۔ ایلچیِ امام۔ سفیر۔

یزیدی گروہ

۱- یزید ابن معاویہ۔ عرب کا فاسق و فاجر بادشاہ، جو شراب کو اسلام کے شرعی نقطۂ نظر کے ماتحت جائز سمجھتا تھا۔ گناہوں میں مبتلا تھا۔ امام حسینؑ سے بیعت کا طالب ہوا اور اسی کے حکم سے امام حسینؑ شہید کیے گئے۔

۲۔ عبید اللہ ابن زیاد۔ کوفے کا گورنر تھا۔ حضرت مسلمؑ کو اسی نے شہید کرایا۔ امام حسینؑ کی شہادت میں سب سے زیادہ ہاتھ اسی کا تھا۔ میر انیس نے اس کو زیادہ تر ابن زیاد اور پسر زیاد کے نام سے نظم کیا ہے۔

۳۔ عمر ابن سعد۔ معرکۂ کربلا کا کمانڈنگ آفیسر۔ روزِ عاشور امام کی مخالف فوج یزید کو یہی لڑا رہا تھا۔ اس کو میر انیس نے پسر سعد۔ ابن سعد۔ سعد شوم۔ سعد بد بخت اور بعض جگہ صرف عمر بھی استعمال کیا ہے۔ لفظ "عمر" جہاں جہاں مراثی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اُس کا تعلق صرف عمر بن سعد سے ہی سمجھا جائے۔

۴۔ شمر ذی الجوشن ۔ عرب کا سنگ دل ترین انسان جس نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور آپ کا سر جدا کر کے نیزے پر بلند کیا۔

۵۔ حارث ـــــ کوفے میں ایک چھوٹے سے عہدے پر یزید کی طرف سے مامور تھا۔ حضرت مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کو جو جناب عباسؑ کے بھانجے تھے، اسی نے شہید کیا۔

۶۔ خولی ـــــ یزیدی سپاہ کا ایک سپاہی۔ جب فوج یزید شہادتِ امام کے بعد اہل بیت کو قید کر کے شام کو واپس ہوئی، اس وقت امام حسینؑ کا سر خولی ہی کے نیزے پر نصب تھا۔

۷۔ ارزق ـــــ شام کا نام آور اور یگانۂ روزگار پہلوان۔ اس کی آنکھیں بلی جیسی زرد تھیں۔ اسی نسبت سے ارزق نام رکھا گیا۔ اس کو "قاسم" امام حسینؑ کے بھتیجے نے قتل کیا۔

۸۔ حصین ابن نمیر۔ یزیدی فوج کا ایک سردار، جس نے علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے بیٹے کو برچھی سے شہید کیا۔ میر انیس نے اس کو کہیں حصین اور کہیں صرف ابن نمیر نظم کیا ہے۔

۹۔ حرملہ بن کاہل ـــ عرب کا مشہور ترین اور یگانۂ وقت تیر انداز، جس کا تیر لوہے کی سات چادروں کے پار ہو جاتا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام اپنے شیر خوار بچے علی اصغرؑ کو میدانِ کارزار میں لائے اور فوج یزید سے اس کے لیے پانی طلب کیا۔ اس وقت تمام فوج عمر ابن سعد کی مخالف ہو گئی اور بچے کو پانی پلانے کے لیے بضد ہوئی۔ لیکن

حرملہ نے صف سے نکل کر ایک تیر امام کی طرف پھینکا۔ جس سے علی اصغر شہید ہو گئے۔ اس کو بعض جگہ بن کاہل اور بعض جگہ صرف حرملہ نظم کیا ہے۔

۱۰۔ ہند یا ہندہ — یزید کی بیوی۔ عاشقۂ اہل بیت۔ محبۂ حسینؑ۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ قافلۂ اہل بیت قید ہو کر آیا ہے تو خود قید خانے گئی اور یزید سے مصر ہو کر سب کو آزاد کرایا۔

۱۱۔ جمال —— لشکر یزید کا ایک بزدل اور کمین خصلت سپاہی، جس نے حضرت امامؑ کی لاش سے صرف انگوٹھی اور پٹکا اُتارنے کی خاطر امام علیہ السلام کی اُنگلی اور ہاتھ کاٹ دیا۔

مختصر
سوانح حیات میر انیسؔ مرحوم

عہدِ شاہجہانی میں اس خانوادے کے مورثِ اعلیٰ میر امامی دِلّی آکر مقیم ہوئے۔ علم و ادب کے ذوق نے چند ہی دن میں شہر کے معزز حلقوں میں مقبول کر دیا۔ ہاتھوں ہاتھ دربارِ شاہی میں لیے گئے اور سہ ہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا۔ تقریباً چار پشتیں دِلّی میں گزریں —— اب دِلّی کا چراغ ٹمٹمانا شروع ہوا۔ سلطنتِ مغلیہ پر زوال آیا۔ دہلی کی محفلیں سونی ہو گئیں۔ تہذیب و ادب کے دلدادگان دِلّی چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ میر امامی کے پوتے غلام حسین ضاحک نے فیض آباد کا رُخ کیا۔ فیض آباد اس وقت تاجدارِ اودھ کا دارالحکومت تھا۔ دربار شعرا کی محفلوں سے جگمگا رہا تھا۔ چنانچہ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

میر غلام حسین ضاحک میر انیسؔ کے پردادا ہیں —— کچھ ہی دن میں شاہی نگاہیں لکھنؤ پر پڑیں اور جم گئیں۔ چنانچہ فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو دارالحکومت بنا دیا گیا —— اُس وقت میر حسن میر انیسؔ کے دادا کا عنفوانِ شباب تھا اور آپ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ لیکن ابھی تک لکھنؤ مسکن نہ بنا تھا۔

میر حسن کے بیٹے میر مستحسن خلیق میر انیسؔ کے والد بھی باکمال شعرا کی فہرست میں آتے ہیں۔ آپ نے پہلے غزل ہی کہنا شروع کی اور مصحفی سے تلمذ حاصل کیا۔ لیکن بعد میں مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔

افسوس ہے کہ میر انیسؔ کا سنِ ولادت ہم کو آج تک متحقق نہ ہو سکا —— اور علامہ شبلی جیسے محقق نے بھی ولادت کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا ہے کہ میر انیسؔ تقریباً سنہ ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن اہلِ لکھنؤ اور خاندانِ انیسؔ کے لوگوں کی بالاتفاق یہ رائے ہے کہ آپ کی عمر ۷۲ سال ہوئی اور ایک آخری خط میں بھی میر انیسؔ نے خود حیدرآباد دکن سے اپنے بیٹے کو لکھا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد آپ کا انتقال بھی متحقق ہے۔ نیز مرزا دبیر کی تاریخِ وفات کے اعداد سے اگر بہتر کم کر دیے جائیں تو سنِ ولادت ۱۲۱۹ھ ہی نکلتا ہے۔

بہرحال سنہ ۱۲۱۶ھ کے کسی مہینے میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری کے حالات کا بھی بخوبی پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلے پہل اپنی والدہ سے تعلیم حاصل کی ہوگی۔ آپ فارسی نیز علوم دینیہ میں کافی استعداد رکھتی تھیں — اس کے بعد میر نجف علی فیض آبادی اور مولوی حیدر علی لکھنوی سے عربی و فارسی کی تکمیل کی۔

اوّل تو فطرتاً انتہائی غیور اور سنجیدہ تھے اور پھر لکھنؤ کی اعلیٰ ترین صحبتوں نے معیارِ مذاق کو اور بھی بلند کر دیا۔ ماں کی تربیت نے شائستگی، خوشخوئی، خودداری اور سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لکھنؤ کی پرورش میں نازک مزاجی بھی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ بہترین سوسائٹی ملی۔ اور یہی سب باتیں ایک وقت میں سیرت بن گئیں۔ باپ شاعر، دادا شاعر، پردادا شاعر، اس لیے خود بھی کہہ دیا۔ ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

خودداری، قناعت، نفاستِ طبع، استغنا، یہ سب کچھ فطرت نے ودیعت کی تھیں۔ اور یہی سبب تھا کہ انھوں نے اپنے عہد کے مزاجوں کے خلاف ایک اچھا خاصا جہاد کیا۔ خوشامد پسندی سے بے انتہا نفرت تھی۔ بلکہ بعض اوقات تو صاف صاف اس کا اظہار بھی کر دیا کرتے — چاہے حالات کے پیشِ نظر مضر ہی کیوں نہ ہوتا۔ اپنی ضروریات کے لیے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے اور اسی سیرت نے ایک اعلیٰ شاعر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ نازک مزاجی کی حد یہ تھی کہ خاص ملنے والوں کے لیے بھی اوقات کی پابندی ضروری تھی۔

قد میانہ، مگر مائل بہ درازی۔ سرخ و سفید رنگ۔ متناسب اعضا۔ لباس کی وضع اوائل عمری سے مرتے دم تک ایک سی رہی۔ سر پر چوگوشیا ٹوپی۔ نیچا سفید کرتہ گھٹنیا، جوتا، ایک ہاتھ میں رومال دوسرے میں چھڑی۔ اسی طرح ہمیشہ گھر سے باہر نکلتے دیکھا گیا۔

ورزش کرنے کے عادی تھے۔ فنونِ سپہ گری بھی سیکھے، جس کا اندازہ کلام سے بخوبی ہوتا ہے۔ کھانے میں نفاست کا بڑا خیال رہتا تھا — آخرکار ایک دن وہ آیا جو سب کے لیے آتا ہے اور ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بروز دوشنبہ اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے۔

تاریخ وفات تو اس عہد کے سب شعرا نے کہی۔ لیکن مرزا دبیر کی تاریخ لکھ دینا کافی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک باکمال شاعر دوسرے ہم عصر شاعر سے کتنا خلوص رکھتا ہے۔

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ، و منبر بے انیس

(از مرتب)

لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مراثی انیس

جلد اوّل

اُنتیس (۲۹) مرثیے

خصوصاً

گیارہ ایسے معرکتہ الآرا مراثی شامل ہیں جن کا دنیائے ادب میں بلند ترین مقام ہے
نیز ۳۵ رباعیات اور تین سلام
جن کا ایک ایک شعر خزینۂ ادب کا دُرِ شاہوار ہے

مقدمہ
سید احتشام حسین

ترتیب
نائب حسین نقوی امروہوی

ناشران
شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل) کشمیری بازار، لاہور

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور
سے طبع کرا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا۔

ترتیب کتاب

زیر نظر جلد میں میر صاحب کے حسب ذیل معرکۃ الآرا مراثی شامل ہیں جو اُردو ادب میں بے بہا خزانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ جلد ۲۹ مراثی پر مشتمل ہے جن میں ۳۲۶۹ بند ہیں۔

خاص مراثی

والسلام

احقر — نائب نقوی

فہرست مراثی

جلد اوّل

فہرست رُباعیات

جلد اوّل

فہرست سلام

جلد اول

یا رب چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
اک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی
سب ہوں در یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے در مقصود سے اس درج دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسین کا سموات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کان ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دم تحریر
دیکھے ! کبھی صحبت انجم فلک پیر
یوں تخت حسینان معانی اتر آئے
ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام
سرمست فراموش کرے گردش ایام
واں بادۂ گلگوں جو چھلکے خانۂ نشیں سے
آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
قطع سر اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
مصرع ہو صف آرا صفت لشکر جرار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجر خونخوار
غش ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکن ماہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تائید کا ہنگام ہے یا حیدر صفدر
تو صاحب اکرام ہے یا حیدر صفدر
تنہا ترے اقبال سے تسخیر سخن ہوں
نا قدری عالم کی شکایت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
نیک و بد عالم میں تامل نہیں کرتے
خاروں کے لئے رخ طرف گل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں

کھنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
ہو جائے ہوا بزم سلیماں کی بھی توقیر
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے
جس میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
کوثر کی یہ موج آگہی ہے خلد بریں سے
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
دکھلائے ہمیں سب کو زباں معرکۂ رزم
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی "تلوار"
سر آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
عالم کو دکھا دے یہ روش سیف الٰہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا
امداد ترا کام ہے یا حیدر صفدر
تیرا ہی کرم عام ہے یا حیدر صفدر
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں
کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
تعریف خوش الحانی بلبل نہیں کرتے
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خزف کو
اندھیر یہ ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو
ضائع ہیں دُر و لعل بدخشان و عدن کے
ہے لعل و گہر کے یہ دہن کانِ جواہر
ہیں بند مرصع تو ورق خوانِ جواہر
چنائے رقوماتِ ہنر چاہیئے اس کو
کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو رواج
اے باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سراج
امید اسی گوہر کی وسیلہ اسی گوہر کا
میں کیا ہوں مری طبع ہو کیا اے شہِ شاہاں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
کیا درج کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لا علم ولا علم کی کیا سحر بیانی
نے ذہن میں جودت نہ طبیعت میں روانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طاقت ہو تو کیا ہے
تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعوی کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
ہاں پر یہ ہے کہ اتنی بھی تعقل نہ روا تھی
مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ امرا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی

دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں خزف کو
کھو دیتے ہیں قیمت کے لئے دُرِ نجف کو
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دکانِ جواہر
دیکھے اسے اب ہے کوئی خواہانِ جواہر
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیئے اس کو
ہر وقت جواہر سخن کے تھے طلبگار
ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے
ہے آپ کی سرکار تو اے صاحبِ معراج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
دولت یہی میری یہی توشہ ہے سفر کا
حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخنداں
لکنت نہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
گویا ہوں فقط یہ ہے تری فیض رسانی
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہے
خود سر بگریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
تقصیر کو بخشئے بے جا کیا میں نے
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
تقلید کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
ساری یہ تعلی ہے حمایت پہ علیؑ کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
شعبان کی ہے تاریخ سوم روز ولادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیل سعادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب
شامل ہوا افضال محمد کرم رب
پستی پہ ہیں سب رکن کہیں دین متیں کے
نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہ زمن کی
جولی کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی
اک نسر و ہوائی نہیں قرب ہمارے
ہاں اے فلک پیر نئے سر سے جواں ہو
اے ظلمت غم دیدہ تو عالم سے نہاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
اے شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا
مخدوم دو عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جن کے
اے کعبۂ ایماں تری حرمت کے دن آئے
اے بیت مقدس تری حرمت کے دن آئے
اے سنگ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ سے
اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد
عالم کی تغیر میں بحالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں

دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانی شبیر
مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دلگیر
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبت غم ہو
اور ہے وہ ہم ماہ عزا ایام شہادت
وہ بھی عمل خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
کوثر ہے صلہ اس کا بہشت اس کا صلہ ہے
امید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
ہوتے ہیں علم فوج مضامیں کے نشاں اب
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے
بخشی ہے رضا جائزہ فوج سخن کی
دو طرفی پہ کٹی مضمون کہن کی
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
اے ماہ شب چار دہم نور فشاں ہو
اے روشنی صبح شب عید عیاں ہو
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں
نخل چمن دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
تو نور خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے
اے رکن یمانی تری شوکت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے کوہ صفا اور صفائی ہوئی تجھ سے
اے تربت اعلیٰ شہ عالی کی ہے آمد
کہتے ہیں چمن ماہ جلالی کی ہے آمد
یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر
خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے
یا ختم رسل گوہر مقصود مبارک
یا شاہِ نجف شادیٔ مولود مبارک

رونق ہو سوا نور دو بالا ہے گھر میں
اے امتیو ہے یہ دمِ شکر گزاری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمھاری
کھل گئے بند دلوں میں دل ابن ولی کے

اے ماہِ منظم ترے اقبال کے صدقے
اتری برکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے
قربان سحر عید اگر ہو تو بجا ہے

قربانِ شب جمعۂ شعبان خوش انجام
قائم ہوا دیں اور بڑھی رونق اسلام
خورشید کا اجلال و شرف ہوتے پوچھو
وہ نور سحر اور وہ افشانی انجم
وہ چہچہے رضواں کے وہ حوروں کا تبسم
میکائیل شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینہ کا ہر اک کوچہ و بازار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایوں و معظم
جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
باشندوں کو بستر کی خبر تھی نہ گھروں کی

رونق جو سما پر ہے وہ اب ہو گی سمک پر
صدقے گل تربت ترے پھولوں کی مہک پر
جس خاک پہ ہو نور خدا عرش وہی ہے
یا نور خدا رحمتِ معبود مبارک
یا خیبر کشا اختر مسعود مبارک

اس ماہِ دو ہفتہ کا اجالا ہے گھر میں
ہر بار کرو سجدۂ شکر باری
فردوس محل زینت کی اب جا کے ہے پیاری
ناجی ہوئے صدقے حسین ابن علی کے

شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

پیدا ہوا جس شب گل گلشن کا گل اندام
ہم پلّہ صبح شب معراج تھی وہ شام
کیا قدر تھی اس شب کی شب قدر سے پوچھو
تھی جس کے سبب روشنی دیدۂ مردم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

جو راہ تھی خوشبو جو محلا تھا وہ گلزار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی

رخ رحمت معبود کا تھا جانب عالم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین ادھر درد شکم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
آرام تھا اک دم نہ شہ قلعہ شکن کو
کرتے تھے دعا بادشہ یثرب و بطحا
زہرا ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندہ
نادار ہے اور ناقہ کش و زار و حزیں ہے
ناگاہ در حجرہ ہوا مطلع الانوار
اسمانے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہ جبیں پر
دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
تصویر رسول عربی دیکھ رہے ہیں
مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم
آئے طرف خانۂ زہرا خوش و خرم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نور نظر کا
کی عرض یہ اسمانے کہ اے خاصۂ داور
ارشاد کیا احمد مختار نے ہنس کر
اس چاند کو تاج سر افلاک کیا ہے
میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تم نہیں ماہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
بڑھ کر مدد سید لولاک کرے گا
جس دم یہ خبر مخبر صادق نے سنائی
بو اس گل تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
منھ چاند سا دیکھا جو رسول عربی نے

منھ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
مضطر تھے علیؑ بنت پیمبرؐ کے الم سے
بیچین تھے گھر تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو
یارب ہے تری ذات مقدس مرے مولا!
آسان کرے بار خدا مشکل زہرا
مادر بھی تشفی کے لئے پاس نہیں ہے
دکھلانے لگے نور تجلی در و دیوار
فرزند مبارک تمھیں یا حیدر کرار
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر
نقشہ ہے محمد سے شہنشاہ کا سارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبی دیکھ رہے ہیں
پس شکر کے سجدے کو گرے قبلۂ عالم
فرمایا مبارک پسر اے ثانی مریم
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمد کے جگر کا
نہلا لوں تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
لے کر تو اسے ہے مرا طاہر و اطہر
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے
یہ نور الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
یہ آیت ایماں ہے یہ ہے حجت باہر
کفار کے قبضے کو یہی پاک کرے گا
اسما اسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
ہنسنے لگے سرخی رخ پر نور پہ آئی
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جان آ گئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا
قرآں کی طرح رحل دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا
بوسے لئے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا لقا رونے کا مگر تھام کے رقت
اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
کیوں تم نے بھی دیکھی ہے فرزند کی صورت
پر نور ہے گھر تم کو ملا ہے پسر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں
وہ شمس و قمر کا ہے یہ اک نیر تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ قبلۂ ایماں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرؐ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقام شہ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلام شہ دیں ہے

عالم میں ہے یہ سب برکت آپکے دم سے
سرسبزی دنیا ہے اسی ابر کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر فیض قدم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہ امم سے
کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

فرمانے لگے ہنس کے شہ یثرب و بطحا
بھائی کچھ فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیدِ والا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ رتبہ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلؑ خوش انجام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالق علام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام
یا ختم رسل ہم نے حسینؑ اس کا رکھا نام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے احسان سے تصغیر حسن ہے

ح سے ہے اشارا کہ یہ ہے حامی امت
سمجھیں گے اسی سین کو سین سعادت
ی اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت
ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نور نبوت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حسن میں دس حصہ زیادہ ہے حسن سے

دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا اک جا
ثابت اسی سے ہوا گوہر نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے دی سب ہے جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا ہمت اسے دی ہے ان سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہے
اعلائے معظم ہے کرم ہے ولی ہے ہادی ہے وفادار ہے زاہد ہے سخی ہے

جب کر چکے ذکر کرم مالک تقدیر جبریل نے پاس آن کے دیکھا رخ شبیر
کی عرض علی کہہ کے محمد سے یہ تقریر یا شاہ یہ چہرہ تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پہ تسلیم جھکے ہیں اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہے اس پہ ازل سے نظر رحمت معبود پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذات خدا صاحب فیض و کرم وجود تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

ہے یہ سبب تہنیت و تعزیت اس دم ہے شادی و غم گلشن ایجاد میں توام
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے ظالم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی سجدے میں چھری حلق مبارک پہ چلے گی

ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہ ذیجاہ چھپ جائے گا آنکھوں سے یہی چاند سا ماہ
تاریخ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ نیزے پہ چڑھائیں گے سر پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

چلائے محمد کہ میں بیکل ہوا بھائی اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دل جل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی یہ واقعہ سن کر نہ جیے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخم جگر کی کیونکر کہوں زہرا سے خبر مرگ پسر کی

جس وقت سنی فاطمہ نے یہ خبر غم شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانی مریم بیٹی پہ چھری چل گئی اے سید عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبیر کی گردن

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی ہے ہے یہ سہے گا تعب تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمن جانی ہے ہے مرا محبوب مرا یوسف ثانی
چیرا ہوا صد چاک کفن ہوئے گا اس کا سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہ عالم
اب دن ہے جیتی کا مجھے عاشور محرم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
حیدر ہیں کہاں آ کے دلاسا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
جگر میں آگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تن صد پاش کو ہے ہے
فرمایا محمد نے کہ اے فاطمہ زہرا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ
جیسا ابھی ہوں نہ سند اس پہ کرو یہ فدیہ ہے
اس بات کا غم ہے اگر اے جان پیمبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابد مضطر
ازواج رسول ان رسن دیکھیں گی ان کو

یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
مظلوم حسین آج سے میں ان کو کہوں گی
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صف ماتم
ستارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلک غم
چھلے ہیں ابھی جہلم کی طرح روؤں گی بابا
زہرا کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
ہے ہے مجھے فرزند کا پرسا نہیں دیتے
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو
اے میرے شہید اے مرے بیکس ترے واری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمہاری
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے
کیا مرضی معبود سے بندے کا ہے چارا
جبریل جو آ کر نہیں جانے والا
ہو اول تو بخشش امت کا سبب ہے
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
تربت میں اسے دفن کرے گا وہی آکر
سر پیٹ کے زینب بھی بہن روئیں گی ان کو

جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہ محرم
ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلس ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم
ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پرنور سدا اس کا عزاخانہ رہے گا
خورشید جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے کیا رتبہ ہے اس بزم عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صل علیٰ کا
مشتاق ہے فردوس بریں یاں کی فضا کا
پانی میں بھی یاں کے ہے مزا آب بقا کا
دربار معلےٰ ہے ولی ابن ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسین ابن علیؑ کا

لو یاں سے بس اب مجلس ماتم کا بیاں ہے
وہ فصل خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومی سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشور محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوج خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

اے خضر بیابانِ سخن راہبری کر
مطلع
اے نیر تابانِ خرد جلوہ گری کر

اے درد! عطا لذت زخم جگری کر
اے خوف الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امام ازلی کے
آزاد ہوں صدقے سے حسین ابن علیؑ کے

قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنس شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاع حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا ہے پر نور خوشا محفل عالی
حیدر کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہو کونین کا والی
اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر ہو نہ کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزم عزا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبر کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدر کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبر کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغر کے ہیں مہماں
سب خورد و کلاں عاشق شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشاد نبی ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدر کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم جب مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتش دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
ان کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

مرحوم کے لئے واجب عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقت معین یہ اداطاعت باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لاکہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
فاقے کئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لئے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہو ہوا ہو
پانی ہے خنک مروحہ کش باد صبا ہے
کچھ گرمی عاشورہ کا بھی حال سنا ہو
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگام بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہ دیں پر
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصر خاکی پہ گمان کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہ ابرار
خاک اڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نور خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اختر سیار
شاہد الم فاقہ سے ہے زردی رخسار
بے آبی سے اودے تھے لب لعل گہربار
دنیا میں ترستے رہے وہ آب رواں کو
جن ہونٹوں نے چوسا تھا محمد کی زباں کو

مطلع

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شام غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسر دوش
اکثر طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا رنج
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
کس باغ پہ آسیب خزاں آ نہیں جاتا
ہے عالم فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دم تک
رہتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر
فرزند نہ ملتے ہے نہ ہمشیر کے دلبر
جب نذر کو دربار کمینہ میں گئے ہیں
منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرار امامت
مطلوب یہ ہے زیب بدن رخت کہن ہو
خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا یہ جانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفت ابر
لٹتے ہوئے ماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھا ہے
اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
صدمے کبھی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھے

دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی ہر طرح
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا
گہہ غم کبھی شادی کبھی رنج کبھی آرام
حسرت و درد کہ وہ آغاز یہ انجام
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک
شہ کا نہ پتا ہے کہ یا غربت شہ شد
قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر
رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں
پھر سے لگی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
بانو سے دو عالم کے بنی ہے آخری رخصت
تا بعد شہادت وہی ملبوس بدن ہو
ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت
افسانہ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں
امت کے لئے والدہ صاحب نے سہے جبر
تم پہنو کفن اور نہ بچے ہائے مری تب
ہے ہے شہ خیبر تھیں کن آنکھوں سے دیکھوں
اشک آنکھوں سے ماں کے بہانے پہ چلے
ٹکڑے دل شبر کے لگن میں نظر آئے
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی
و شاد ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ غلطی کا مرنا
اک دن بھی جب گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمھیں لے کے کہاں چھپ چلی بھائی
کس دشتِ پر آشوب میں قسمت مجھے لائی
زہرا کا پسر وقتِ جدائی مجھے روئے
زینب کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا
وہ چاند سا منھ اور وہ بندے کا چمکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
ہم کڑھتے ہیں آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
بی بی کہو کیا حال ہوا اب ماں تمہاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹھے ہیں کہ دم تک

کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
بعد اپنے یہ لٹتا ہوا گھر اور لٹے گا
غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا

یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
فرماتے تھے جاں کاہ جدائی کا الم ہے
وہ کہتی تھی کیوں کر میں اٹھوں اے سرِ تاج
سر پہ جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج
ٹھہرے جو تہِ دم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا

لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
یارب کہیں مر جائے یہ اللہ کی جائی
سب کو تو ہیں روتی ہوں یہ بھائی مجھے روئے
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

فرماتے تھے شہ آؤ نہ جانِ پدر آؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو
کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

ممکن نہیں اب وہ ہیں یا ہم انھیں پائیں
اک دم کے مسافر ہیں ہیں دیکھ تو جائیں
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہِ دلگیر
یہ خادمہ رخصت کے لئے آتی ہے آقا

قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
اٹھو تمھیں روحِ علی اکبر کی قسم ہے
والی انھیں قدموں کی بدولت ہو مرا راج
چادر کے لئے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
قربان گئی تخت الٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
لونڈی سے بہو ہو گئی زہرا و علی کی
چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو
سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوشخو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب

لازم ہے خدا سے طلب خیر بشر کو
آنا ہے تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
کھولے گا وہ رسی سے بندھے ہاتھ تمھارے
زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں
اندھیر زمانہ ہوا آنکھوں کی نظر میں
ٹھہرا نہ گیا واں سے شہِ والا نکل آئے
کچھ پڑھ کے بہ حسرت جانبِ قبلہ شہِ بے پر
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے

وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی کی
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سیدِ خوش خو
ہے ہے اسے اب رسی سے باندھیں گے جفا جو
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا و علی کا
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
ہے شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
سجاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمخوار
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
غش ہو گئی زینب یہ اٹھا درد جگر میں
تھرا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے
کج کی طرف دوش ہیں گردن انور
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میرے نہیں بندے ہیں ترے اے مرے خلاق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امام ازلی کی
میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں
بیڑی میں قدم، طوق میں عابد کا گلا ہو
یہ کہہ کے گریبان مبارک کو کیا چاک
میت ہوئے شبیر کفن بن گئی پوشاک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے
لخت دل شبیر کدھر اس وقت سدھارے
آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں
تنہائی میں ایک ایک کو حضرت نے پکارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
زیور نے عجب حسن خداداد دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرش بریں پر
اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
واللہ تعلی نہیں یہ کلمۂ حق ہے

رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں
بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
نے دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
دو بیٹیاں دو بہویں ہیں اس گھر میں علی کی
یا اہل ستم آگ سے خیمہ نہ جلائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
جس میں تری محبوب کی امت کا بھلا ہو
اور ڈال لی پیراہن پرنور میں کچھ خاک
بس فاتحہ خیر پڑھا بادل غمناک
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا
تھا سو مرے گھوڑے کی رکاب [illegible]
بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
اونچا ہوا افلاک امامت کا ستارا
غل تھا کہ چلا قطب زماں عرش بریں پر
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا
غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
میں یوسف کنعان رسالت کی ہوں تصویر
عالم کے مرقعے میں حسین ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافع محشر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعوئے اعجاز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
اقبال علی خلق پیمبر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طور تجلا ہے ہمارا
نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
رونے کو اگر حیدر صفدر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھا کون جو میاں نہ صمصام نہ لایا
اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
بکیشوں نے جد بھی کئے ہاتھ بھی جوڑے
کعبے کو صفا کر دیا غفران کے کرم سے

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں
فرزند محمد سے جبار کے ہم ہیں
کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے گئے ہیں
یہ فرق یہ عمامۂ سرور زمن ہے
یہ جوشن داؤد ہے جو حافظ تن ہے
دکھلائیں سند دست رسول عربی کی
دیکھو تو یہ ہے کون سے جرار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے

محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبط پیمبر نہیں کوئی
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

سرداری فردوس کا افسر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی زور ہمیں زر ہمیں بخشا
تخت بن داؤد مصلا ہے ہمارا
توصیف مکاں ختم رسل صاحب معراج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا
طاقت تھی کہ عزیٰ کو کوئی لات سے توڑے
بے توڑے وہ بت حیدر صفدر نے نہ چھوڑے
نکلے اشہد اللہ اذاں دے کے حرم سے

جرار پسر حیدر کرار کے ہم ہیں
وارث شہ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
تابوت سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں
یہ تیغ علی ہے یہ کمربند حسن ہے
یہ پیرہن یوسف کنعان محن ہے
یہ مہر سلیماں ہے یہ خاتم ہے نبی کی
کس شیر کے قبضے میں ہے کرار کی تلوار
بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب آگ ہے پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمنِ دیں ہے
نا ہی نہیں غصے سے اجل چیں بجبیں ہے

سب قطع ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تسلیم ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا

گر فیضِ ظہورِ شہ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بجز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی ہے یہی احساں کا عوض واہ
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ
ٹل جائے گی اک دم میں یہاں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فرمایا رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے ادھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
آیا غضبِ اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
کب پنجتنی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے صبر کو دیکھو
لو بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشۂ عزلت خمِ شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس تہ کے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقا نے ظفر تیغ کا در کھول کے نکلا
شہباز اجل صید کو پر تول کے نکلا

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہ نو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
زور ان کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
بجلی سی جو گر کر صف کفار سے نکلی
گر ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
گر پڑ گئی سینے پہ جگر پر کبھی آئی
ٹکڑے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
ہیرا لعل بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
زیبا تھا دم جنگ پری وش اسے گہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
سیب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
سر کھنچے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بڑھی تھی
موجود تھی ہر غول میں اور بے صدا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
کیا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اس کا

دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تا کاسہ سپہر کو شمشیر کی ضو نے
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو
بس نیست ہوئی دم میں ستمگاروں کی ہستی
معلوم ہوا لٹ گئی سب کفر کی بستی
ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے
آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
چلے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا
ندی ادھر اک خوں کی ابلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
رہتی تھی وہ شمشیر سے دولہا کی بغل میں
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
برچھی بھی کٹاری بھی تھی سروہی تھی چھری تھی
دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
موضع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اس کا
تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اس کا
ڈر جاتی تھی منھ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گر صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
جا پہنچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
منھ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضا کے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دوپارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قدر راست سنانوں نے جھکائے
دب دب کے جگر تیر کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ سپر اب ہمیں یا شاہ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبر زہرا نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
ہے بحر غضب نام ہے قہر صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف سے گئی تیغ سے اس غول کے نکلے
جو فوج چڑھی منھ پہ اسے روند کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغ دوسر تول کے نکلے
گویا در خیبر کو علی کھول کے نکلے
دنیا جو بچی روح محمد کا سبب تھا
شبیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منھ موڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے بھتیجی کو پکارے
روٹھے ہوئے آ پہونچے ہیں دریا کے کنارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منھ کو چھپائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر

کی شہ نے جو بیٹے پہ نظر پونچھ کے آنسو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے

جھک جاتے تھے سینے پہ جوشن پئے ابرار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا

شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کے ہمیں آ کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے
عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

اٹھو کہ سکینہ کو پیاسا ہم نہیں لائے
ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر بہ پہلو
سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

منھ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپِ وفادار
نے پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

زخمی ہے نہیں اب تری تکلیف گوارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو پیاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے
تلواریں لئے گرد ہیں اعدا نہ اتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو

شہ نے کہا چند مسافر سے محبت
بتلاؤ سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
بہتر ہے کہ اتروں، نہیں تیورا کے گروں گا
ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا
گو مرحلہ صعب ہے دنیا سے گزرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
منہ یاں پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو

گرتے ہیں سنبھلنے کا نہیں اب نہیں یارا
آپہونچا ہے منزل پہ ید اللہ کا پیارا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا
گھوڑی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
میں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہے سب کا

میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
منھ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر
دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اتریے
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

وہ تو نے کیا، ہوتا ہے جو حق رفاقت
نہ ہاتھ میں نہ پاؤں میں نہ تاب و طاقت
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحب معراج کے رہوار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
تڑپے نہ زہے صبر امام دو جہاں کا
حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا تھا نہ وہ تیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبط نبی کا
بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدان مبارک
نیزے کا بن وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بن کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
تلوار سے دم قطع ہوا چند نفس کا
تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہ ابرار
خوش ہو کے پکارا پسر سعد جفا کار
آخر ہے بس اب کام امام ازلی کا
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
اک سیدہ نکلی در خیمہ سے کھلے سر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ اٹھا کے تھر تھر
ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
فرماتی تھیں غصہ جو اٹھا دیتی تھی معجر
سر ننگے یوں ہی جاؤں گی روضہ پہ نبی کے
اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں

اک تیر جبیں پر بن اشعث نے لگایا
پیکاں سر پہلو عقب سر نکل آیا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا
جو سر پہ لگی تیغ بن مالک بے پیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
تھا حال یہی مسجد کوفہ میں علی کا
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت سے ڈوبے خوں میں لب اطہر
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک
کاندھے پہ چلی ساتھ زرعہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبر خولی خونخوار
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا
شور دہل فتح ہوا فوج میں اک بار
اے خولی و شیث و بن ذی الجوشن جرار
سر کاٹ لو سب مل کے حسین ابن علی کا
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
برقع تھا نہ مقنع تھا نہ اوڑھے تھے نہ چادر
لو فاطمہ آتی ہے بچانے کو پسر کے
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں میں گوہر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں جلاد
پردہ تو گیا ساتھ حسین ابن علی کے
اے سبط نبی ابن علی عاشق باری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمہاری
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

اس وقت شہِ دیں نے سنی زاریٔ خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو دمِ شمشیر کو دیکھا
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حسینا
لو یارِ علی قتل ہوئے آج حسینا
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
قربان بہن اے مرے شیدا مرے سرور
اے فاقہ کش و بیکس و بے پیر شہیدا
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو
بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سید ذی جاہ
بچے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے للہ
اے میرے شہیدا مرے ماں جائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا

جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
زینب نکل آئی کہ ٹھہر جا ابھی دم بھر
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے
دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں
چلائی کہ دو دیر ار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے سر و تن میں جدائی
پہنچیں تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی
پردیس میں بچوں کا ہے تاراج حسینا
ہے بے کفن و گور کے محتاج حسینا
لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی
مذبوح قفا کشتہ خنجر مرے شبیرؑ
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے شبیرؑ
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو
احمد ہیں نہ زہرا نہ حسن ہیں نہ ید اللہ
چھوڑا اسے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
بھیا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

خاموش انیسؔ اب ہے اول سینے میں بے چین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے بین

اب حق سے دعا مانگ کر اے خالق کونین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے اب چین

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچمداں سے
بے تیغ کیے جاتے ہیں شمشیر زباں سے

رُباعی

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و ایماں
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

رُباعی

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فسا
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

رُباعی

دولت کی ہوس ہو نہ طمع مال کی ہو
خواہش منصب کی ہو نہ اقبال کی ہو
ہو ذات تری جواد و غفار و غنی
امید تجھی سے ترے افضال کی ہو

رُباعی

سینے میں یہ دم مثل سحرگاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیسؔ
اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

رُباعی

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر
ہے ابر کرم دست سخائے حیدر
یعقوب و خلیل و یوسف آدم و نوح
سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

طے کر چکے حسینؑ جو راہ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہ گردوں رکاب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اس جناب کو
اک عید ہو گئی خلفِ بو تراب کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کا مل گیا

صحرا پہ ہر طرف شہِ دیں نے نگاہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذائے راہ کی
ہاں اب پسند کرو جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارض پاک سے
الفت ہماری خاک کو ہے یاں کی خاک سے

مشتاق اس نواح کا تھا فاطمہؑ کا لال
رہتا تھا خواب میں بھی اسی دشت کا خیال
آفاق میں یہ ارض مقدس ہے بے مثال
سبزہ یہاں کا رحمتِ خالق سے ہے نہال
اب تک کسی صدف کو نہ ایسے گہر ملے
گردوں کو ایک شب اس کو بہتر قمر ملے

شکر خدا کہ رنج سفر سے ہوا فراغ
غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
خاطر شگفتہ ہو گئی اور دل ہے باغ باغ
طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اس کار و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

عالم میں قدر و منزلت اس کی سوا ہوئی
گرد اس کی بہرِ چشمِ ملک توتیا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
یہ خاکِ پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی
تیغ عذاب حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

کی سرو بوستانِ حسنؑ نے یہ گفتگو
آتی ہے اس زمیں سے گلوئے دلہن کی بو
اکبرؑ یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ نیک خو
یاں کون سی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اُس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل
پانی سے ہاتھ منھ کو لبِ نہر دھوئیں گے
فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
زینب نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی اک شطِ نہر ہے
جنگل میں ہم بشر کے لئے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
بچے بھی مارے ہول کے ہیں تڑپتے سینے میں
اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار
یہ بادِ تند تیر سی ہوتی ہے دل کے پار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے
لوگو مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب
موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہو دل کو پیچ و تاب
دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں
پوچھو کسی سے مسلمِ مظلوم کی خبر
بچوں کے اس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر
دسرا اس کا مقام ہے جا کر قلق کی ہے

پانی بھی خوش گوار ہوا بھی ہے معتدل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل سے متصل
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمے کرو بپا
رہتے ہیں دھوپ میں ابھی بہت بندۂ خدا
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے
محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
بھیّا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
اس دشتِ پُر خطر میں اترنا تو قہر ہے
اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں
نشتر سے کم نہیں رگِ جاں کو یہ سبزہ زار
اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھ کو آتی ہے
کاٹے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغرِ حباب
ڈوبا ہے کون شور ہے کیسا میانِ آب
لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں
تربت مرے غریب مسافر کی ہو کدھر
لاشے بہا دیے اسی دریا میں کھینچ کر
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھ کو آتی ہے
مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر
یاں سوئے گا تو اسے مرے عباس نامور
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیرِ حق کی ہے

غش کھا کے اب میں گر تی ہوں مجھ کو سنبھالیو
اصغر بلک رہا ہے سکینہ کو ہے ہراس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پُر آب میں
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
یہ نہرِ علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن
رہنے میں اس جگہ کے حذر کیا اقربا کا
کچھ مال و زر نہیں اٹھ کا ہو جس کے ڈر
مسکن یہی زمیں ہے یہی بے گھروں کا گھر
انساں کو چاہیے کہ گنا ہوں سے پاک ہو
یہ سن کے بنت فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ
سر پہ اڑا دی ہوا اس سرزمین کی خاک
اترے فرس سے حضرت عباسؑ نیک نام
فراش جاتے تھے کہ برپا کریں خیام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
گھوڑا اڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا
ہٹ جاؤ ابن سعد کے خیمے کی ہے یہ جا
گری میں بند ہوئے گا پانی امامؑ پر
چھپ جائے گی سپاہ کی کثرت سے سب زمیں
دریا بھی سوکھ جائے تو اس کا عجب نہیں
دنیا میں آج شام کے حاکم کا زور ہے
برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوش خصال
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
حملہ کریں جو بڑھ کے اگر آستین کو

عباسؑ کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
خیمے یہاں ہوئے تو ہوئی زندگی سے یاس
ایسا ہی دشت تھا جسے دیکھا تھا خواب میں
اترو نہیں کہ خوف کی جا اگر نہیں ہے بن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
خیمہ یہاں ہوا اگر جناب امیرؑ کا
یکساں ہے بے وطن کے لئے شہر و دشت و در
کیا جانیں اس مقام سے ہو کس طرف سفر
شاید ہماری جان کا اسی بن کی خاک ہو
بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ڈوبے گا بحرِ خوں میں دو عالم کا بادشاہ
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک
جھلائے اونٹ خیمے کے سب کھینچ کر زمام
تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آپہنچی فوجِ شام
شبّر کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی
جلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ڈھونڈھو کوئی کہیں اور جگہ کہ کام کیا
ہو گا نہ کل ہوا کا گزر اس مقام پر
موسم وہ ہے کہ اتریں گے سب نہر کے قریں
جلدی کنارہ کش ہوں کنارے سے شاد ہیں
یاں دوپہر سے شمر کے آنے کا شور ہے
غازی کو شیرِ حق کی طرح آگیا جلال
اب یاں سے کوئی ہم کو ہٹادے یہ کیا مجال
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو

دیکھیں ہٹا تو دو نہیں ہٹنے کے یاں سے ہم
گر واں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
ہم اور خوف جان سے لڑائی کو چھوڑ دیں
گو فوج کم امام دلاور کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے
غصے کے وقت جان کو نہیں جان سمجھتے ہیں
یاں سے کہیں بتوںؑ کا پیارا نہ جائیگا
لاشہ بھی اللہ کے یاں سے ہلا نہ جائیگا
رکھتے ہیں اس زمیں کے لئے سر کو ہاتھ پر
اعدا پکارے تب کہ نہ مانیں گے ہم یہ بات
بولا یہ سن کے بازوئے سلطان کائنات
کیا تم کو ضرب تیغ علیؑ کی خبر نہیں
ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تینوں کو اہل شر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر
اللہ شیر بیشۂ حیدرؑ کو روکئے
عباسؑ کو وہ بڑھ کے پکارے شہ امم
اچھا کنار نہر ہیں پانی سے تم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرض عین ہو
غصہ یہ کس پہ میری طرف تم کرو نظر
پہچانتے نہیں تمھیں بھائی یہ اہل شر
منظور ناریوں کو ہے پانی کا آسرا
بیکس ہیں ہم کو تیغ بجزنا نہ چاہئے
گر جان پر بنے تو بگڑنا نہ چاہئے
مشکل حساب خلق میں آخر فنا تو ہے

برپا کریں گے اب تو یہیں خیمۂ حرم
آل نبیؐ بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں
روح رسولؐ نائب حیدرؑ کے ساتھ ہے
لاکھوں تو ہے یکیں یہ زمیں مر کے ساتھ ہے
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر
اترے گی آگے فوج ہماری لب فرات
ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دست خدا کا ہات
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں
عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکئے
کھینچو نہ تیغ روح علیؑ کی تمھیں قسم
خیمہ کریں گے اور کہیں یاں سے جا کے ہم
بے چین ہوں تو ہم ہیں یہ امت کو چین ہو
تم کو نہ جانے کوئی کس کا ہے یہ جگر
جانے دو آؤ دور کرو دھیان ہے کدھر
کوثر ہے اپنی تشنہ دہانی کا آسرا
غربت میں قافلے سے بچھڑنا نہ چاہئے
امت سے نانا جان کی لڑنا نہ چاہئے
دریا اگر قریب نہ ہوگا خدا تو ہے

کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل
ہمت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل
مانو مرا کہا میں تمہارا امام ہوں
سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہ بحر و بر
دیدیں اگر ان کو آپ مرے ہاتھ باندھ کر
گر یہ بدی کریں شہ کائنات سے
فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار
ہے ابن فاطمہ کی کمر تجھ سے استوار
ہاں یہ ملال ہے کہ سر ان کے کٹے نہیں
حضرت کے حکم سے تو لیا تیغ ہاتھ تھام
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے کہا آ سپاہ شام
لاکھوں ہو گر تو ہو اسے روکا نہ جائے گا
جس وقت یہ سنے شہ ذیجاہ کے کلام
بھائی کو ساتھ لے کے پھرے سید الانام
کہتے تھے راہ میں کہ نہ وار اپنا چل گیا
وقت ایسا اب ہے آ گیا یا سید امم
پانی بھی چھاگلوں میں بہت رہ گیا ہے کم
پانی کے بند کرنے پہ وہ ہیں تلے ہوئے
یہ کہہ کے آیا دھوپ میں زہرا کا آفتاب
حقا کہ تھی سو رحمت حق جس کی ہر طناب
صحن اس کا سب بتول کے پیاروں سے بھر گیا

مالک ہو تم تمہارا ہی دریا پہ ہے عمل
قبضے کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں
ذرے کو تاب کیا ہے بھلا پیش آفتاب
ٹلنا نہ اس زمیں سے کبھی ابن بوتراب
حکم حضور حکم خدا و رسول ہے
مولا عدو کی فوج کی کیا تاب کیا جگر
ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
سر اپنا کاٹ دوں میں انہیں اپنے ہات سے
سر میرا تیرے سر پہ تصدق ہزار بار
بولا وہ با وفا کہ غلامی ہے افتخار
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں
ہٹ جائیں پہلے یہ تو ہٹے آپ کا غلام
ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی ہو جاؤ گے تمام
بگڑے گا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا
پسپا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہ شام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباس نیک نام
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
گرمی میں پیاس لگتی ہے بچوں کو دم بدم
فرمایا شہ نے چاہیئے اللہ کا کرم
جنت کے در ہماری طرف ہیں کھلے ہوئے
برپا ہوئے خیام امام فلک جناب
بے چوبہ فلک نظر آنے لگا حباب
اک آسمان تھا کہ ستاروں سے بھر گیا

خیمے میں اترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمینِ رن کی بھر گئی
اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
جس کے جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوے گا
یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشاں
موجوں کی طرح سب تھے صفیں شیر پیچ یاں
ہلتا تھا دشت کوس دہل اس طرح بجتے تھے
جنگی وہ رومیوں کے پرے شامیوں کے غول
مکار و اہلِ نار و دغا باز و پر دغل
بدخواہِ خاندانِ رسالت پناہ تھے
تلواریں کھینچے بڑھ کے جیسے دو طرف سوار
ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسماں کے پار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
اترا قریبِ خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
خیمہ ہے کس طرف کو شہِ خوش خصال کا
خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے [illegible] تو ہے میری ماں کا مہر
عباسؑ مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگار رنگ حسینؑ
پھروں علیؑ کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے

آ آ کے اس طرف بھی اترنے لگی سپاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ
اک رات میں چڑھی ہوئی ندی اتر گئی
آ پہنچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم
اکثر ہیں بچہ تازِ جوانانِ شام و روم
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوے گا
امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے
خوفِ خدا جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلیں مہیب دیو سے قد ابروں پہ بل
ایسے جلے ہوئے تھے کہ جیسے سیاہ تھے
غل ہو گیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
آگے بڑھے جلو میں نقیبوں کی تھی پکار
زرّیں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چترِ زر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا
آئے تھے یاں اترنے کے خاطر امامِ دہر
ہم نے اٹھا دیا انھیں لیکن بجبر و قہر
شبیر پھر گئے سمجھا کے بھائی کو
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین
خیمہ نہ سائے میں ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
ہے اک علم یہ قلت لشکر کا ہو نشاں
اردو میں جنس غم کے سوا جنس ہو گراں
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں
مطبخ ہے سرد آگ کا اس میں نہیں ہے نام
خاک آبدار خانے میں اڑتی ہے صبح و شام
یاں سیکڑوں کمانیں ہیں فوج اسیر ہیں
یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کمسن صغیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائیں گے
کیا جانے دل میں سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
کچھ آزمودہ کار نہیں کچھ مسن نہیں
ہمشکل مصطفےٰ کو تو اٹھارواں ہے سال
نو دس برس کے ہوں گے زینبؑ کے دونوں لال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہ نامدار
زینبؑ کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار
زہراؑ کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
بتیس سب سوار شہ دیں کے پاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر با حواس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے

سنتے تھے واں سپاہ حسینی کی دھوم ہم
فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ہم نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کارواں
غلّے کی کمی ہے کہ ہے قحط آب و ناں
کل ستّرہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
کیوں کر لڑیں گے بھوکے مظلوم تشنہ کام
دو دو گریں گے خاک پہ ایک ایک تیر میں
کچھ نوجواں ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
پس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگام دار و گیر
ان سے تو تیغ بھی سنبھالے نہ جائیں گے
مقتل میں کھینچ کر انھیں لے آئی ہے قضا
عمریں ہیں چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑیں گے کیا
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہیں
تیرہ برس کا ہے ابھی شبّر کا نونہال
ماں اک جواں ہے حضرت عبّاس خوش خصال
خط اک طرف مسیں بھی کسی کی عیاں نہیں
بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیر خوار
دس ہیں عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار
یہ ستّرہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہیں
غازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہوں گے جواں پانچ کئی ہزار
ہیں تین چار کوس کے گردے میں سب سوار
کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
پیدل ہیں اک طرف تو رسالے ہیں اک طرف
جانباز ہاتھ قبضوں پہ ڈالے ہیں اک طرف
سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہ دیں میں ہیں

ہاتھوں میں پہلوانوں کے ہیں گرزِ گاؤ سر
ہر جا بچھی ہوئی ہیں کمندیں ادھر ادھر
سب لوگ جابجا پئے قتل و ستیز ہیں
بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
اب کوئی دم میں گھر کی حسن کے صفائی ہو

تیغا اٹھا کے کوئی یہ کہتا ہے بد مزاج
دریا پہ ان کو لائے تو پانی کی احتیاج
جب دولت علی کو قضا لوٹ جائے گی
کہتا ہے کوئی تیر کو چلّے میں جوڑ کے
سوئیں گے جب زمیں پہ جھولے کو چھوڑ کے
اصغر کا طوق اپنے پسر کو پہناؤں گا

سنتا تھا یہ کہ کہتا تھا اک شخص بد بلا
جو فاطمہ کی دودھ کی دھاروں سے ہے پلا
وارث نہ کوئی ہوئے گا سید کی لاش کا
کونے کے لوگ کرتے ہیں آپس میں یہ سخن
سر بردہ نہ ہوگی کہ بھائی کو دے کفن
ہے آرزو کہ دولت آلِ عبا لٹے

خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہیں شمار
ایک اک جواں ہے رستمِ میدانِ کارزار
لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے
خنجر ہیں ایک سمت تو بھالے ہیں اک طرف
اور دس ہزار برچھیوں والے ہیں اک طرف
کھینچے ہوئے کمانوں کو سرکش کمیں میں ہیں

ضربت سے جن کے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالوں کی نہر
تیغیں بھی ہیں آبی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں
نوک اس کی سینۂ علی اکبر کے ہوگی پار
آئے تو رن میں حضرت شبیر کا یادگار
تلوار آج زہر میں ہم نے بجھائی ہے

قیمت ہو اس کی شام کا اور روم کا خراج
عباس نامدار کے کاٹوں گا ہاتھ آج
فرزند فاطمہ کی کمر ٹوٹ جائے گی
کندھے گا یہ گلا علی اصغر کا توڑ کے
دونوں کڑے اتاروں گا پہونچے مروڑ کے
سوغات کربلا سے یہی لے کے جاؤں گا

گھوڑے سے جب گریں گے شہنشاہ کربلا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹوں گا اس شاہ کا گلا
لوٹوں گا سب لباس تن پاش پاش کا
اب بعد فتح باندھو نہ زینب کو اور رسن
خیمہ جلا کے لوٹیں گے اسباب پنجتن
دیکھیں کے علی کی بہو کی ردا لٹے

بولا خبر یہ سن کے وہ بانیِ ظلم و جور
کل تک ابھی تو شام سے آجائے گی فوج اور
حاکم ہیں آج زیرِ فلک ہو ہمارا دور
سر کاٹ لیں گے صلح کا ہوگا اگر نہ طور
فرصت اب ایک دم کی نہ ہاں دو حسینؑ کو
بیعت اگر کریں تو اماں دو حسینؑ کو

بولا کوئی کہ ہے انھیں بیعت سے اجتناب
مرنے کو راہِ حق میں سمجھتے ہیں وہ ثواب
کہنے لگا وہ تیرہ دروں کھا کے پیچ و تاب
ہاں اب خیامِ شہ میں پہنچنے نہ پائے آب
پیاسوں پہ تیر یاں سے بھی پڑتے ہیں کس طرح
دیکھیں حسینؑ لاکھوں سے لڑتے ہیں کس طرح

یہ کہہ کے اپنے خیمہ میں آیا وہ خیرہ سر
یاں غازیوں نے رات عبادت میں کی بسر
ظاہر ہوئی جو دن میں شبِ قتل کی سحر
پڑھ کر نماز شہ نے کسی جنگ پر کمر
گردوں نشیں سروں کو ہم پیٹنے لگے
بکھرا کے بال اہلِ حرم پیٹنے لگے

زینبؑ تھی بے حواس پریشان سر کے بال
چلاتی تھی وہ وائی ہے یا شیرِ ذوالجلال
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرتؑ بہن کا حال
غل تھا کہ مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
فرما کے الوداع ہر اک سوگوار سے
خیمے سے نکلے شاہ پیمبر مزار سے

جب صدر زیں پہ دوشِ نبیؐ کا مکیں چڑھا
خاتم پہ جیسے دُرِ نجف کا نگیں چڑھا
گویا کہ آسماں پہ خدیوِ زمیں چڑھا
غل پڑ گیا جہاد پہ ضرغامِ دیں چڑھا
ایک ایک رخ پہ قدرتِ حق کا ظہور تھا
لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

مجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
ہنس کر نظر عزیزوں کے جانب جو کی ذرا
سب باغِ فاطمہؑ نظر آیا ہرا بھرا
تھے اس طرح جوانوں میں رشک ملے ہوئے
ہوں جس طرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

ہنگامِ صبح تھی عجب اس باغ پر بہار
جوں غنچہ مسکراتا تھا ایک ایک گلعذار
نکلے ہوئے تھے چہروں پہ گیسوئے پیچ دار
گھوڑے ہوا تو نکہتِ گل تھے وہ شہسوار
نخلِ جھکے جہاد پہ کمریں کسے ہوئے
خوشبو سے تن کی عطر میں کپڑے بسے ہوئے

قد چھوٹے چھوٹے سروِ گلستانِ اعتدال
شمشاد جن کے سایۂ قامت سے پائمال
چہرے کہ رنگ لالۂ شجاعت سے لال لال
رخ صاف صاف جن پہ نمایاں نہ خط و خال
کیا دخل نورِ حسن میں خالِ سیاہ کو
نقطے کی احتیاج نہیں مہرِ ماہ کو

گلدستۂ حسینؑ میں اکبرؑ سا گلبدن
سنبل کو ڈالے پیچ میں وہ زلفِ پرشکن
مطلب کھلا ہوا ہے خطِ سبز رنگ کا
تھی گرچہ پیاس سے دلِ نازک بے کلی
یوں مسکرائے بات شجاعت کی جب چلی
خوشبو مہک گئی چمنِ کائنات میں
کیا رو ہلال عید کا ابرو کے سامنے
آئینہ دنگ آئینۂ رُو کے سامنے
مضمون صفات قد کا قیامت سے اڑ گیا
عباسؑ نامدار جوانوں میں لاجواب
حمزہؑ کا زور جعفرؑ طیار کا شباب
لڑنے کو فوج کیں سے جب اذن مل گیا ہوا
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ بڑھے جب وہ گلعذار
بھینی کی گرد نزدھا دل سے رہ اچوار
کوہ الم گرا تھا دلِ دردناک پر
آزردہ ہو گئے اس سے یہ بولے شہ امم
بولا یہ کانپ کانپ کے وہ اسپِ خوش قدم
میری طرف حضور نہ رک رک کے دیکھیے
جھک کر جو پشت زیں سے شہِ دیں کی نظر
کہتی ہے آنکھ مل کے قدم پر وہ نوحہ گر
پاؤں کی پھر نہ فاطمہؑ کے نورعین کو
پچھلے سموں پہ رکھے ہے سر دوسری بہن
روکے ہے راہ ذوجۂ عباسؑ صف شکن
صدمے سے تھرتھری ہے تنِ خوش خرام میں

قربان جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن
غل تھا کہ تنگ تر کہیں غنچے سے ہے دہن
یہ حاشیہ لکھا ہے اسی متن تنگ کا
لیکن شگفتہ تھا وہ گلِ گلشنِ علیؑ
جیسے کھلی ہوئی ہو گلِ سرخ کی کلی
بولے تو پھول جھڑنے لگے بات بات میں
بیجا ہے ذکر مشک کا گیسو کے سامنے
پانی گلاب جسم کی خوشبو کے سامنے
قامت کے آگے سرو خجالت سے گڑ گیا
قد سرو باغ حسن تو رخ رشکِ آفتاب
شبیرؑ کا خلق شان و شکوہ ابوترابؑ
سر پر نشان دیں کا پھریرا کھلا ہوا
اس دم فرس پہ قبلۂ عالم ہوئے سوار
حضرت کے منہ کو تکتا تھا پھر پھر کے بار بار
آنکھوں سے اس کے اشک ٹپکتے تھے خاک پر
تو سا کہو گر نہ دے تو بیاد ہی جائیں ہم
قدموں کو میں نہ چھوڑوں گا جب تک ہے دم میں دم
مولا مرے قدم کی طرف جھک کے دیکھیے
دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینبؑ برہنہ سر
اے ذوالجناح دخترِ زہراؑ پہ رحم کر!
لے جا نہ تو یہیں سے چھڑا کر حسینؑ کو
بچے شکار نہ کو ہے بیوۂ حسنؑ
گھونگھٹ دھرے ہوئے پاؤں پکڑے لگی دلہن
ڈالے ہے ننھے ہاتھ سکینہؑ لگام میں

گردن سے لپٹی کہتی ہے بانوئے نامدار
کرتا ہے مجھ کو رانڈ محمد کا یادگار
مر جاؤں گی میں ساتھ جو وارث چھٹ گیا

اترے قدم رکابوں سے حضرت نکال کر
رو کر کہا ابھی سے نہ زینب یہ حال کر
کچھ زور بیقراری دل سے نہ چل سکا

فرمایا تم کو فاطمہؑ کی روح کی قسم
بچوں کو ساتھ لے کے چلے پیچھے حرم
تسکیں نہیں مرے دل پہ اضطراب کو

عباسؑ نے کہا کہ نہیں آپ کا یہ کام
تنہا ہمارے بعد جو رہ جائیں گے امام
حیدر نے دی صدا کہ ادھر دل حزیں بھی ہو

روتے ہوئے فرس پہ چڑھے بادشاہ دیں
رخسار آفتاب تو مہتاب تھی جبیں
جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے

میداں میں جب سواری شاہ امم چلی
فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
سرتاج عرش تھا جو مکیں صدر زیں پہ

جوں جوں قدم بڑھاتا تھا فرسِ خوش خرام
تھا ارض کربلائے معلّےٰ کا یہ کلام
ذرّوں کا اس زمیں کے فلک پر دماغ تھا

بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
عنقا تھے روئے مہر پہ ذرّوں تھا یہ دور
تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبر سرشت ہوں

صدقے میں تیرے اے مرے آقا کے راہوار
کام آ کے ہوں علیؑ کی بہو میں جگر فگار
آگے قدم بڑھا تو مرا راج لٹ گیا

ہاتھوں سے خود حسین کو اٹھایا سنبھال کر
بولی وہ ہاتھ شاہ کی گردن میں ڈال کر
بھائی میں کیا کروں نہ کلیجہ سنبھل سکا

جاؤ ابھی تو آئیں گے مقتل سے پھر کے ہم
رستے سے پھر کے بولی یہ زینبؑ بچشم نم
گھوڑے پہ تم چڑھو میں سنبھالوں رکاب کو

خدمت کے واسطے ابھی حاضر ہے یہ غلام
تب تھامی رکاب شہنشاہ تشنہ کام
زہرا ابھی ہے رکاب میں روح الامیں بھی ہے

تھے پشت زیں پہ شاہ کہ خاتم پہ تھا نگیں
کوسوں فروغ حسن سے روشن ہوئی زمیں
ذرّے زمیں پہ اختر تابندہ ہو گئے

کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی
بدلی ہوا نسیم ریاض ارم چلی
قدسی پروں کو فرش کئے تھے زمین پر

بنتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہِ تمام
گو فرش تھی پہ اب یہ ہوئی عرش احتشام
ہر سنگ ریزہ رشک مہ شب چراغ تھا

ہنستا تھا کہکشاں پہ یہ جلوے کو تھا غرور
ہر سنگریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغ طور
کہتی تھی گرد نکہت باغ بہشت ہوں

وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشید خاوری
وہ صاف صاف آئینۂ چرخ اخضری
وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ حیدری
راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
صدقے سواری شہ گردوں رکاب کے
گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

پہنچا جو اس حشم سے خدیوِ جہانِ دین
صف باندھ کر کھڑے ہوئے سب ناصرانِ دین
کھولا نشانِ مرتضوی نے نشانِ دین
غل پڑ گیا کہ آج دوبالا ہو شانِ دین
قدسی سب اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے
طوبےٰ کا سر بھی جھک گیا تسلیم کے لئے

ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل
پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
جرأت میں بے نظیر شجاعت میں بے عدیل
سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیل ع
فاقوں میں صبر و شکر سے دل ان کے سیر تھے
جانباز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

سر پر عمامے چاند سی پیشانیوں پہ نور
حاضر گلا کٹانے کو سب شاہ کے حضور
لب برگِ گل سے سوکھے ہوئے پیاس کا وفور
یکتا ہر اک مگر نہ تکبر نہ کچھ غرور
پیروِ امام کے تھے نہ کیوں خوش طریق ہوں
آقا حسین سا ہو تو ایسے رفیق ہوں

ہر دم فروتنی کا لبوں پر کلام تھا
شکرِ خدا سے ان کی زبانوں کو کام تھا
ایک ایک دل سے عاشقِ شاہِ امام تھا
آنکھوں میں نشۂ مئے حبِّ امام تھا
ہر حال میں وہ لوگ رضا جوئے شاہ تھے
رخ ان کے مثلِ قبلہ نما سوئے شاہ تھے

ذی جاہ و ذی جلالت و ذی فہم و ذی شعور
مشتاقِ ریاضِ خلد کے مشتاقِ وصلِ حور
ہر شخص نشۂ مئے حبِ علی میں چور
ذکرِ دعا کے نور سے پیشانیوں پہ نور
ذرہ نہ مہر و ماہ میں اور ان میں فرق تھا
اک اک جوان حسن کے دریا میں غرق تھا

ناگاہ فوجِ شام میں بجنے لگا دہل
تیغیں کھنچیں چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
کڑکیں کمانیں آنے لگے ناوکِ اجل
شیروں کے تیوروں پہ پڑے اس طرف بھی بل
تن تن کے ہونٹ جواب کے تھرا کے رہ گئے
تیروں کے زخم شاہ کو دکھلا کے رہ گئے

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرِ خوش نہاد
ہاں اے مجاہدو رہِ حق میں کرو جہاد
جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد
سرخی لبوں پہ آ گئی پایا گلِ مراد
بڑھ بڑھ کے پیادوں نے سواروں سے جنگ کی
اک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

جس غول پر جھپٹ گئے صورت اسد
لاکھوں میں ان کا وار کوئی کر سکا نہ رد
ڈو کرتے تھے وہ مجمع قوم جہول میں
کس کس دلاوری سے وہ خاصان رب لڑے
دریا کے سمت رخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
الحق تھے شیر بیشۂ ہیجا وہ صف شکن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرت چمن
غازی ستمگروں سے وفا کر کے مر گئے
جب داخل جناں ہوئے وہ خاصگان رب
فرزند فاطمہ کو نہایت ہوا قلق
چمکی جو ان کی تیغ تو بجلی چمک گئی
رکتے ہوئے جو معرکہ آرائے کارزار
پیدل نہ ان کی ضرب سے بچتا کوئی سوار
چھوٹے سے بچوں سے ستمگر یہ تنگ تھے
لشکر میں اہل ظلم کے غل تھا کہ الاماں
ان سے کہیں پناہ نہیں زیر آسماں
حضرت پکارتے تھے کہ دو دن کے پیاسے ہیں
پامال کر کے فوج کو جب وہ ہوئے تمام
نکلا جہاد کرنے کو پھر بازوئے امام
روئے امام اس کی جوانی کے واسطے
رخصت ہوا پدر سے علی اکبر دلیر
آخر ہجوم کر کے لیا ظالموں نے گھیر
صدمے سے حال سبط نبی غیر ہو گیا

بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشت ستم کی حد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علی مدد
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں
اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
پیاسے تھے تین روز کے لیکن عجب لڑے
ڈوبے کو مثل شیر درندہ چبا گئے
مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخم تن
قربان بندہ پروری سرور زمن
حق نمک جو تھا وہ ادا کر کے مر گئے
برہم ہوئے نبی کے مرقع کے بھی ورق
صدمے سے ہو گیا رخ انور کا رنگ فق
شیروں کی آنکھ خوف کے مارے جھپک گئی
وان کے جو ان نہ روک سکے نیمچوں کے وار
کر دیتے تھے وہ ایک کو دو اور دو کو چار
گر سر پہ گر کمر پہ کبھی زیر تنگ تھے
وہ بجلیاں چمکتی ہیں بھاگے کوئی کہاں
یہ کس کے شیر ہیں کہ نہیں جن کو خوف جاں
جس کا پسر ہوں میں یہ اسی کے نواسے ہیں
روشن کیا چراغ حسن نے تب اپنا نام
ایسا لڑا کہ ڈوب گئی خوں میں فوج شام
دریا پہ قتل ہو گیا پانی کے واسطے
لشکر کو سر کشوں نے کیا دم میں تہ و زیر
برچھی جگر پہ چل گئی مارا گیا وہ شیر
سا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہو گیا

تنہا کھڑے تھے دل کو سنبھالے ہوئے حسینؑ
ہنستا تھا چرخ کہتے تھے جب ہائے نورِ عین
خیمے کے در پہ بیبیاں روتی ہیں کر کے بین
چلاتی تھی یہ فاطمہ زہراؑ یہ شورِ شین
صدمے ہوں کلیجے پہ کس کس کے داغ کے
افسوس پھول جھڑ گئے سب میرے باغ کے

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بحالِ زار
لائے حسینؑ ہاتھوں پہ اک طفلِ شیر خوار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا فرطِ غش سے ننھا سا مکھڑا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں منہ تھا کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا زیبِ سر
ماتھا تھا چند سے بالوں میں ہالے میں جوں قمر
کفنی بھی وہ جن پہ تصدق دلِ پدر
آنکھیں تو نرگسی پہ تھا سستی زیادہ تر
سلے ہیں دامنِ خلعتِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل ادھر ادھر
خشکیدہ ہونٹ موئے مژہ آنسوؤں سے تر
باچھوں سے تھا نمود ابھی دودھ کا اثر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے بیکل تھی سینہ پر
ننھے سے دل کو ماں سے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اس کا سرد تھا

مہکی ہوئی تھی دشت میں گل سے بدن کی بو
ان گورے گورے گالوں میں تھی یاسمن کی بو
شہ سونگھتے تھے دودھ بھرے اس دہن کی بو
گریباں سے آتی تھی ہر نسترن کی بو
آثارِ مرگ پھولوں سے رخ پر نمود تھے
ہچکی لگی ہوئی تھی مسوڑے کبود تھے

تھے لعلِ لب نگینۂ یاقوتِ احمری
رنگیں ہے جن کے وصف سے باغِ سخنوری
غنچے کا منہ ہے کیا جو کرے ان سے ہمسری
وہ خار یہ رگِ گلِ بستانِ حیدری
تھی نازکی میں ایسی خزاں مارے پیاس کے
تالو سے لگ گئی تھی زباں مارے پیاس کے

روشن گلا تھا شمعِ تجلیِ طورِ حسن
مثلِ ستارۂ سحری تھا وہ نورِ حسن
گھیرے ہوئے تھا ننھی سی ہنسلی کو نورِ حسن
ہوتا ہے جس طرح مہِ نو سے ظہورِ حسن
چھیدیں وہی گلا یہ لعینوں کے جی میں تھا
یاں نبض بیٹھ جانے سے دم دھکدھکی میں تھا

کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر
سینہ تھا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر
گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دم بدم جو دم اس کا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا تھا

صدمے سے پیاس کے رخِ معصوم تھا جو زرد
حضرت فلک کو دیکھتے تھے بھر کے آہِ سرد
ہچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد
آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد
پانی کی جستجو تھی شہِ خوش صفات کو
تکتے تھے چشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

جاری یہ لب پہ تھا کہ نہ آیا تجھے حجاب
اے نہر مر گئے مرے بچے بغیرِ آب
ڈو دن سے خشک ہے چمنستانِ بوتراب
محشر میں دے گی ساقیِ کوثر کو کیا جواب
سیراب سب چرند و پرند و درندے ہیں ہم
شکوہ ترا کریں گے رسولِ خدا سے ہم

یہ کہہ کے شامیوں کو صدا دی بچشمِ تر
کہتا ہے کچھ مجھے عمرِ سعد بے کدھر
نکلا یہ سن کے فوج سے ظالم بکر و فر
پہنے لباسِ فاخرہ باندھے ہوئے کمر
خادم تھے ساتھ ہاتھوں میں پنکھے لئے ہوئے
اور ایک شخص چتر کا سایہ کئے ہوئے

بولے دکھا کے بچے کو شاہِ فلک سریر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر!
مہماں ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے
اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

نالاں ہے تجھ سے روحِ رسولِ فلک اساس
اتنا بھی دل نہ سخت کر اے ناخدا شناس
موجود ہیں صراحیاں پانی کی تیرے پاس
اک گھونٹ دے کہ ہو شہِ دلگیر کی پیاس
بچے پہ ظلم صاحبِ ایماں سے دور ہے
چھوٹے سے مہمان کی خاطر ضرور ہے

برپا ہے اہلِ بیتِ محمد میں شور و شین
در پر کبھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
آنکھیں پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نورِ عین
لایا ہے اس عطش میں ترے پاس اب حسینؑ
تجھ کو قسم ہے روحِ رسالت مآب کی
ٹپکا دے اس کے حلق میں اک بوند آب کی

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ بحر و بر
دل دشمنوں کے ہل گئے تھرا گئے جگر
رویا جھکا کے سر پسرِ سعدِ خیرہ سر
فولاد موم ہو گیا اللہ رے اثر!
مضطر تمام فوج کے پیر و جواں ہوئے
آنکھوں سے مرکبوں کے بھی آنسو رواں ہوئے

بولے یہ ابنِ سعد سے سردارِ فوجِ شام
واللہ اے امیر یہ ہے رحم کا مقام
دیتے ہیں اس کو آب جو کافر ہو فتنہ کام
بے کس ہے وہ غریب تو سید ہے اور امام
کچھ شرم بھی ہے شرمِ مسلماں کے واسطے
دے حکم آب اصغرِ ناداں کے واسطے

تب ابن سعد کرنے لگا شمر سے کلام
کہنے لگا بگڑ کے یہ وہ نطفۂ حرام
پیاسا کریں گے ذبح ہم اس نونہال کو
یہ کہہ کے ابن سعد کے کچھ کان میں کہا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ کربلا
خیر اب مجھے آرزو نہیں اس آبِ بہشت کی
فرما کے یہ حسینؑ چلے سوئے خیمہ گاہ
تنہا کماں کشوں میں گھرا فاطمہؑ کا ماہ
چھایا ستم کا ابر شہِ نامدار پر
آئے جو ہر طرف سے شہِ بحر و بر پہ تیر
غل تھا چلیں حسینؑ کے لختِ جگر پہ تیر
آنسو رواں تھے آنکھوں سے بچے کے حال پر
پیہم پکارتے تھے شہِ آسماں جناب
منہ پھیرتے تھے سب کوئی دیتا نہ تھا جواب
جلدی کماں میں جوڑ کے سرکش نے تیر کو
کتنا بچایا شہ نے اجل سے نہ بس چلا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں سکا جو ہچکی ڈھلا
جو حسرتیں تھیں دل میں تمنا نکال دیں
اک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
رونے لگے صغیر کی صورت کو دیکھ کر
چھوٹا گلا چھدا ہوا اس نونہال کا
کھینچا جو شہ نے تیر تو بچہ دہل گیا
مردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
حضرت نے سر کو پیٹ کے اس طرح آہ کی

اصغر کو خود پلا دے تو پانی کا ایک جام
ہم کو نہیں ہے تابِ عتابِ امیرِ شام
پانی نہ دیں گے بانوئے بیکس کے لال کو
حضرت کے سامنے سے ہٹا تب وہ بے حیا
سمجھا میں تیرے مکر کو اے بانیٔ جفا
لہرا رہی ہیں سامنے نہریں بہشت کی
گھوڑے بڑھا بڑھا کے چلی فوجِ روسیاہ
کھنچے ادھر ادھر سے نہ پائی کہیں پناہ
تیروں کا مینہ برسنے لگا شیر خوار پر
تلوار سے قلم کئے رو کے سپر پہ تیر
آنے دیا نہ شاہ نے لیکن پسر پہ تیر
مثلِ کماں جھکے ہوئے تھے اپنے لال پر
یہ کیا خطا ہے روحِ نبیؐ سے کرو حجاب
نکلا پرے سے حرملۂ خانماں خراب
تاکا نگاہِ قہر سے حلقِ صغیر کو
کڑکی ادھر کمان ادھر چھد گیا گلا
آنکھوں سے شہ نے آنکھیں ملیں منہ سے منہ ملا
ننھی سی باہیں باپ کی گردن میں ڈال دیں
سینے میں فرطِ غم سے لہو ہو گیا جگر
منہ رکھ دیا کھلے ہوئے منہ پر بچشمِ تر
ملنے لگے جبیں پہ لہو اپنے لال کا
خوں جوش کھا کے زخمِ گلو سے ابل گیا
ہچکی کے ساتھ ہونٹھ کھلے دم نکل گیا
تڑپی لحد میں روحِ رسالت پناہ کی

اے اہل بزم پیٹنے رونے کی ہے یہ جا — اولاد والو ہے یہ دم نالہ و بکا
کیا شاہ دیں پہ ظلم ہوئے واحسرتا — گودی میں مر گیا چھ مہینے کا دلربا
پھٹ جائے کیوں نہ جگر شہ خوش خصال کا — ماتم ادھر جواں کا ادھر خورد سال کا

غصے سے حرملہ نے کہا یوں پکار کر — نازاں ہے تیر حلق پہ بچے کے مار کر
مجھ سے نکل کے جنگ اب اے نابکار کر — آتا ہوں ننھی لاش لحد میں اتار کر
سینے پہ میرے تیر لگاتا تو غم نہ تھا — بچہ مرا یہ ناقۂ صالح سے کم نہ تھا

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہ بحر و بر — ناگہ پکاری ڈیوڑھی سے فضہ بچشم تر
یا شاہ اب نکلتی ہے بانو برہنہ سر — اصغر جو رو رہے ہوں تو لے آئیے ادھر
بہنیں ہیں مضطر اور پھوپھی بے حواس ہے — مادر کی گود خالی ہے جھولا اداس ہے

چلائے منہ پھرا کے شہنشاہ مشرقین — اصغر تو کوچ کر گئے لائے کے حسین
فضہ یہ شہربانو سے کہہ دے بشور و شین — گھر میں نہیں اب نہ آئے گا زہرا کا نور عین
جن کی تمھیں طلب ہے وہ سوئے جناں گئے — جاتے ہیں ہم بھی اب وہیں اصغر جہاں گئے

یہ کہہ کے ذوالفقار سے کھودی زمیں یہیں — ہاتھوں سے کی سپرد لحد لاش نازنیں
تربت پہ منہ کو رکھ کے پکارے یہ شاہ دیں — اب سوؤ خوب چین سے اے جگر حزیں
تم یہ نہ جانیو کہ ہیں چھوڑے جاتے ہیں — ہم بھی تمھارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں

یہ کہہ کے اٹھے واں سے بحسرت امام پاک — رخسار پہ لگی تھی مزار پسر کی خاک
بازو سے خوں رواں تھا گریباں تھا چاک چاک — اعدا پہ کی نظر صفت شیر خشمناک
دل دشمنوں کے خنجر ابرو سے کٹ گئے — الٹی جو آستیں تو پرے سب الٹ گئے

نعرہ کیا تو رعد نے گردوں پہ کی فغاں — کھینچی جو تیغ برق پکاری کہ الاماں
اٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیر آسماں — گردش جو دی تو سب تہ و بالا ہوا جہاں
جھکتے زمیں کے روح امیں کے پروں پہ تھے — واں سر پڑے تھے خاک پہ اور تن سروں پہ تھے

جس صف پہ کوند کر وہ گری سر اڑا دیے — بازو کماں کشوں کے برابر اڑا دیے
پھل برچھیوں کے پھول سپر کے اڑا دیے — جو مرغ تیر ادھر سے اڑا پر اڑا دیے
عباس سرکشوں کی جانب ملک عدم چلی — ایسی ہوا بھی گلشن عالم میں کم چلی

شمشیرِ شہ کے وصف میں لکھتا ہوں چند بند ۔۔۔ جوہر شناس بھی یہ کریں گے پسند بند
نیزہ کا جس نے باندھا تھا کر سمند بند ۔۔۔ کاٹا علیؑ کی تیغ نے گرتے ہی بند بند
کیا ضرب تھی کہ فتح کا دروازہ کھل گیا ۔۔۔ اجزائے جسمِ خس کا شیرازہ کھل گیا

بجلی سی کوند کر صفِ اعدا پہ جب گری ۔۔۔ ہر سمت غل ہوا کہ وہ برقِ غضب گری
بیدم تھا جس پہ تیغِ شہِ تشنہ لب گری ۔۔۔ کھلتا نہ تھا کب اٹھ گئی اور سر پہ کب گری
چھلنی تبر سے اس کی فوجِ ستم دردناک تھی ۔۔۔ گردوں پہ تھی کبھی تو کبھی زیرِ خاک تھی

ڈھالوں پہ وہ تیغ برستی چلی گئی ۔۔۔ ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
بجلی سی دونوں باگوں پہ کستی چلی گئی ۔۔۔ دم میں جلا کے خرمنِ ہستی چلی گئی
زخموں کو اس نے آتشِ سوزاں بنا دیا ۔۔۔ ہر نخلِ قد کو سروِ چراغاں بنا دیا

اس تیغ کی برش سے زبردست زیر تھے ۔۔۔ روباہ بن گئے تھے وہ دل جن کے شیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے ۔۔۔ تودے تھے سرکشوں کے کمانوں کے ڈھیر تھے
غُل تھا کہ اے نبی کے نواسے پناہ دے ۔۔۔ اے دو شبانہ روز کے پیاسے پناہ دے

آئی ندائے غیب کہ اے ابنِ مرتضیٰ ۔۔۔ معنی یہی ہیں جنگ کے شاباش مرحبا
کس کا یہ منہ ہے تجھ سے کوئی کر سکے دغا ۔۔۔ وعدے پہ پہنچنے کے مناسب ہے اب وفا
ہم منتقم ہیں ان سے نہ تو انتقام لے ۔۔۔ اے صابروں کے فخر بس اب ہاتھ تھام لے

آوازِ غیب سنتے ہی ٹھہر گئے امام ۔۔۔ کی ذوالفقار میاں میں اور روک لی لگام
گردن پھرا کے منہ کو لگے تکنے خوشخرام ۔۔۔ فرمایا تجھ سے ہوتا ہے رخصت یہ تشنہ کام
رک جا کہ خاتمہ ہوا جنگ و جدال کا ۔۔۔ اب سر چڑھے گا نیزے پہ زہراؑ کے لال کا

ناگاہ تشنہ لب پہ چلے برچھیوں کے وار ۔۔۔ اک جسمِ نازنیں پہ چلے تیر دس ہزار
تیغوں سے ہاتھ کٹ گئے سر ہو گیا فگار ۔۔۔ تھرا گیا وہ فاطمہؑ زہرا کا گل عذار
کھائی سناں جو غش میں دلِ دردناک پر ۔۔۔ کرسی نشینِ عرش گرا فرشِ خاک پر

پہونچی جو ضرب پھٹ گئے زخمِ تنِ حسینؑ ۔۔۔ سب خاک و خوں میں بھر گیا پیراہنِ حسینؑ
سر خاک پر ٹپکنے لگا توسنِ حسینؑ ۔۔۔ سجدے کو سوئے قبلہ جھکی گردنِ حسینؑ
اعدا نے کائنات کا دفتر الٹ دیا ۔۔۔ نیزوں سے لاشِ شہ کو زمیں پر الٹ دیا

بولا یہ فوج سے عمر سعد روسیاہ
نکلے کہیں نہ خیمے سے زینبؑ باشک و آہ
راحت کا بعد فتح سفر انجام کیجیو
خولی علم کئے ہوئے شمشیر کیں بڑھا
خنجر کمر سے کھینچ کے شمر لعین بڑھا
زینبؑ نے دی دہائی تو منھ کو پھرا لیا
پھیر اگلوئے خشک پہ خنجر جو ایک بار
شہ رگ پہ جب پہنچ گئی تیغ ستم کی دھار
بیکس ہوں تشنہ کام ہوں تیغوں سے چور ہوں
یارب بحق گوہر دندان مصطفیٰ
یارب بحق حرمت زہراؑ و مجتبیٰ
ہے تجھ سے التجا یہی مجھ دل ملول کی
یہ کہتے تھے کہ حلق سے خنجر گذر گیا
دنیا سے بادشاہ امم کوچ کر گیا
برپا ہو جب یہ حشر تو کیا دل کو کل پڑے
زینب نے خیمہ گاہ سے باہر جو کی نظر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری بچشم تر
شہ ذبح ہو گئے نہ کسی کو خبر ہوئی
بنت علیؑ کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ
منھ پیٹ کر زمیں پہ گری پھر باشک و آہ
ہم سب کے چین اب تو افلاک اٹھ گئے
ہے ہے شہید خنجر ظلم و جفا حسینؑ
ہے ہے غریب و بیکس و بے آشنا حسینؑ
ہے ہے لہو بھری ہوئی زلفیں لٹکتی ہیں

ریتی پہ اب تو غش ہو محمدؐ کا رشک ماہ
ہاں کاٹ دو سر پسر ضیغم الٰہ
زہراؑ کے گھر کو لوٹ کے آرام کیجیو
بڑھتے ہی اس کے اپنے پرے سے حصین بڑھا
شہ کی طرف چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
زانو سے شمر کا سینۂ زخمی دبا لیا
آثار صبح حشر ہوئے رن میں آشکار
چلائے ہاتھ اٹھا کے امام فلک وقار
یارب گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں
یارب بحق خون سر شاہ مرتضیٰ
کچھ اور مانگتا نہیں اصغر کا خوں بہا
امت کو بخش دے مرے نانا رسولؐ کی
خورشید آسمان شرف خوں میں بھر گیا
چلائی فاطمہؑ کہ مرا شیر مر گیا
باہر سب اہل بیت محمدؐ نکل پڑے
دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
میں لٹ گئی پھوپھی مرے بابا گئے کدھر
ہے ہے ذری سی عمر میں میں بے پدر ہوئی
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وامحمداہ
چلائی ہائے خانۂ زہرا ہوا تباہ
ہے ہے جہاں میں پنجتن پاک اٹھ گئے
ہے ہے گلو بریدۂ راہ خدا حسینؑ
ہے ہے ذبیح ادا و بے نوا حسینؑ
ہے ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

لوٹا بلا کے گھر سے محمد کی آل کو
بے جے دیا کفن بھی نہ زہرا کے لال کو
دیکھیں یہ غور زخم تن پاش پاش کے
بس اے انیس حشر ہے مجلس میں خموش
ہے ماتم حسین کا بزم عزا میں جوش
فرماتے ہیں شیر خدا مرحبا تجھے

پیاسا کیا شہید شہ خوش خصال کو
لوگو خبر کرو اسد ذوالجلال کو
ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے
سر پیٹتے ہیں عاشق سرور بصد خروش
کیا مرثیہ پڑھا کہ کسی میں نہیں ہے ہوش
دیتی ہے روح فاطمہ زہرا دعا تجھے

رباعی

رعب شہ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرز غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

رباعی

اک شاہ اک شہ قدم لغزش مستانہ ہو
گلزار بہشت اپنا مے خانہ ہو
سرمست ہیں حب ساقی کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہو

رباعی

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام مرنج و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلیے اب چوب دار مرگ آیا ہے

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے — پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے — گردوں سے سفر فوجِ کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا — ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہوا تھا

اظہار ہوئی خطِ شعاعی کی جو تحریر — روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغیر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر — والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں — مصروف تھی سب فوجِ خدا یادِ خدا میں

خورشید کا وہ نورِ سحر کا وہ سپیدا — شرحِ جبلِ الشمس ضیاء تھی ہویدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا — سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں گر تھا — سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب — شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئی آب آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب — اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی — پروانے سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم — اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کے وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم — اور صبح کی نوبت کی صدا آئی دمادم
نالے کی جو شہنا میں صدا تھی تو بجا تھی — وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

ہر شئے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک
اللہ رے ماتم کہ اڑاتی تھی زمیں خاک
آوارہ پرندے تھے مکاں خالی پڑے تھے

پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی
باغی تبر و خنجرِ کیں لے کے چلے ہیں

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غمِ انجام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خودسر و خودکام
تھے لافِ زباں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو

پیاسے تھے جو سادات کے خوں کے ستم آرا
تھا عرصہ کہ تک یک نظر کا نہ گزارا
عنقا تھا کہ کثرت ہوئی یہ اہلِ جفا کی

آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے
تھے آگے پرے فوج کے ثابت قدموں کے

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے
برباد کروں گا اسد اللہ کے گھر کو

کہتا تھا کماں قبضہ میں لے کر کوئی بے پیر
کہتا تھا کوئی تیز زباں تول کے شمشیر
فرزندِ نبی آج مرا وار سہے گا

تھے جمع ادھر بھی درِ مولیٰ پہ سوالی
دل صبر سے معمور شکم کینے سے خالی
ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبی کے

سر زانوئے غم پر تھے جھکائے ہوئے افلاک
دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
چوپائے چراگاہ سے منہ پھیرے کھڑے تھے

چمنوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
گلزارِ محمدؐ پہ خزاں آج ہے آتی
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے نہ پھلے ہیں

ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہِ شام
گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
قتلِ شہِ مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

روکا تھا دمِ صبح سے دریا کا کنارا
اور گونجتا تھا گھوڑوں سے میدان وہ سارا
جو چھپ گئی نظروں سے زمینِ دشتِ بلا کی

چمکاتے ہوئے تیغ ہلاتے ہوئے بھالے
اک سو قدر انداز کمانوں کو سنبھالے
لہراتے تھے جوں موج پھریرے علموں کے

اکبر کا جگر چھید دوں گا برچھی کی انی سے
پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
تلوار سے کاٹوں گا محمدؐ کے جگر کو

چھیدے یہ مرا تیر ہے اور سینۂ شبیرؑ
ہے تیغ مری تشنۂ خونِ شہِ دلگیر
جن جن کے لہو فاطمہؑ کا دودھ بہے گا

ہاتھوں پہ نشاں سجدے کے چہرے پہ جمالی
کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمت عالی
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

باندھے ہوئے عمامے سروں پر وہ خوش اطوار
تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار
رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبر کے سپر تھے

وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل
منھ قبلۂ ایماں کی طرف تھے تو خدا دل
تسبیح زباں سارے امامت کے فضائل
قرآں بھی تسبیحیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق ان کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

قلب ان کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک
دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک
خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں ان کی بھی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبی نورِ خدا ہے
یہ خاک انھیں غازیوں خاکِ شفا ہے

قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے
ہشیار تھے اور مستِ مئے حبِ علی تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے
حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ویسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

جس جا پہ گرے سبطِ پیمبر کا پسینہ
خوں اپنا گرا دیں یہ وہاں گر ہو قرینہ
تیغ آئے و سر دے تو سپر کر دیں یہ سینہ
آتش بھی گرے حکم جو دیں شاہِ مدینہ
تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا
مر کر بھی تو شبیر کا دامن نہیں چھوڑا

ایسے نہ محب ہو کے نہ یار موافق
واں ایک موافق تھا تو تھے سب منافق
یکتا یہ شجاعت میں وفاداری میں صادق
ایسے کسی معشوق نے پائے نہیں عاشق
تھے زہد میں سلمان و ابوذر کے برابر
اور زور میں تھے مالکِ اشتر کے برابر

کہتا تھا کوئی سبطِ پیمبر کے تصدق
عباسؑ کے صدقے علی اکبرؑ کے تصدق
سو جان سے میں تختِ دلِ شبرؑ کے تصدق
بے شیر پہ وہ دودھ سے اصغرؑ کے تصدق
صابر انھیں کہتے ہیں یہ خاصانِ خدا ہیں
معصوم کے معصوم بھی راضی بہ رضا ہیں

کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا
یہ فوج یہ میدان یہ دریا نہ ملے گا
ڈھونڈو گے جو دنیا میں تو کیا کچھ نہ ملے گا
پر فاطمہؑ کے لال سا آقا نہ ملے گا
کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہیں گے
پر آج سے حشر تلک نام رہیں گے

کہتا تھا کوئی دیکھو ذرا آنکھ اٹھا کر
وہ حور ہیں ہاتھوں میں ہے پانی کے ساغر
زہرا ہیں یہ سر کھولے جو کوثر کے ورے ہیں
یوسف ہیں یہ حسینانِ شہِ تشنہ جبیں ہیں
پروردۂ آغوشِ شہِ عرش نشیں ہیں
دکھلائے دمِ حرب ہنر شیرِ خدا کے

ہم شکل محمد سا جواں حسن میں نایاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کا اسباب
گوندھے ہوئے گیسو رخ زیبا پہ پڑے تھے
خورشید سے چہرے پہ جو بل کھائے تھے گیسو
آئینہ کو نظارہ کا اس رخ پہ ہو کیا رو
عارض کبھی ہوتے نہیں اس حسن و صفا کے

یکتائے جہاں حضرت عباس سا صفدر
شمشیرِ وغا، شیرِ خدا، ثانیِ جعفر
یوں پاس تھے ہم شکلِ رسولِ عربی کے
شانے پہ عجب شان سے لشکر کا نشاں تھا
پنجے سے نشانِ آیتِ رحمت کا عیاں تھا
پُر نور تھا پنجہ کفِ موسیٰ سے ضیا میں

ہتھیار سجے سید مسموم کا جانی
سہرہ رخِ پُر نور پہ شادی کی نشانی
کچھ مرگ جوانی کا دلہن کا نہ الم تھا
کیا دبدبۂ عون و محمد کروں تحریر
کاندھے پہ دھرے تیغچے کرتے تھے یہ تقریر
روکے ہیں کیا لشکرِ بے پیر کی طاقت

وہ گلشنِ جنت ہے وہ ہے چشمۂ کوثر
وہ ہیں حسن سبز قبا اور وہ شبیہ پیمبر
حیدر ہیں وہ جو ہاتھ کلیجے پہ دھرے ہیں
دریائے شرافت کے وہ سب دُرِّ ثمیں ہیں
سردار ہیں ابرار ہیں اور صاحبِ دیں ہیں
جوہر تھے ہر اک تیر میں شمشیر خدا کے

خورشید کو آنکھ اس سے ملانے کی کہاں تاب
رخسارۂ انور پہ تصدق گلِ شاداب
محبوبِ خدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے
بجلی سی چمک جاتی تھی میدان میں ہر سو
چشم شہِ خاور میں بھر آتے ہیں آنسو
کیا ایک سے دو آئینے ہیں نور خدا کے

تھی جس کی سراپا سے عیاں شوکتِ حیدر
سقائے حرم، زیبِ علم، رستمِ لشکر
جس طرح علی ہوتے تھے ہمراہ نبی کے
جیسا تھا علم ویسا ہی ذی رتبہ جواں تھا
اس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا
تھی نکہتِ فردوس پھریرے کی ہوا میں

وہ آمدِ ایامِ شباب اور وہ جوانی
دو لعل تھے پہ دو روز سے پایا تھا نہ پانی
پر تشنگیِ سیدِ مظلوم کا غم تھا
چھوٹی سی تو عمریں پہ بڑے صاحبِ توقیر
بیٹے ہیں جو دیں گے نثار سرِ شبیر
دکھلائیں گے ہم فاطمہ کے شیر کی طاقت

تھی مشکلِ بےکس کے عزیزوں کی عجب شان
فرماتے تھے جب تک کہ یہ کوفی نہ ہوں بے جان
سر لاکھ میں شمشیر سے کاٹیں گے عمر کا
ڈیوڑھی پہ عزیز و رفقا میں تھی یہ تقریر
آنکھوں کے تلے پھر رہی تھی موت کی تصویر
روتے تھے حرم شکر خدا کرتے تھے حضرت

نقارۂ رزمی لگے کفار بجانے
حضرت کی بہن کے نہ رہے ہوش ٹھکانے
سیدانیوں کی غم سے عجب شکل بنی تھی
عباسؑ نے کی عرض یہ با دیدۂ غمناک
بس اٹھے یہ سنتے ہی مصلے سے شہِ پاک
کچھ اور نہیں رخت کہن لا کے پنھا دو

زینبؑ نے کہا ہائے یہ کیا کہتے ہو بھائی
دامن میں نہ چھوڑوں گی محمدؐ کی دہائی
بھیا کو تہِ خاک چھپا لوگے تو جانا
ہوں اہلِ وطن سے تمہیں لازم ہے مرا پاس
صدقے گئی پردیس میں توڑو نہ مری آس
نانا نہیں بابا نہیں مادر بھی نہیں ہے

نانا کے لئے رو چکی ہیں اے شہِ عالم
بابا کے جنازے پہ بھی میں پیٹی بصد غم
اب سارے بزرگوں میں فقط آپ کا دم ہے
جس خواہرِ دل خستہ کا ہو ایک ہی بھائی
کیوں آپ نے ڈیوڑھی پہ سواری ہے منگائی
سر دینے کو لشکر میں نہ کفار کے جاؤ

منھ چاند سے شکل پہ سیہ چاک گریبان
پھوٹیں گے دو رخ یہ بچھوڑے کسی عنوان
لینا ہے ہمیں آج عوضِ خونِ پدر کا
تھے خیمہ میں مصروفِ عبادت شہِ دلگیر
تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
ہر سجدے میں امت کی دعا کرتے تھے حضرت

یاں سجدۂ آخر کیا شاہِ شہدا نے
بازو لگی گھبرا کے سکینہ کو جگانے
واں طبلِ وغا بجتا تھا یاں سینہ زنی تھی
میداں میں صفیں باندھ چکا لشکرِ سفاک
زینبؑ سے کہا لاؤ بہن آخری پوشاک
مظلوم برادر کو کفن لا کے پنھا دو

غربت میں لٹا دو گے مری ماں کی کمائی
مجھ سے نہ سہا جائے گا اندوہِ جدائی
خیمے میں مری قبر بنا لوگے تو جانا
بھیا کی اسیری کا بھی کیا کچھ نہیں وسواس
پھر کس کی رکھوں آس ہوئی آپ سے جب یاس
میرا تو کوئی اور برادر بھی نہیں ہے

اماں کے لئے میں نے بچھائی صفِ ماتم
شبرؑ کی شہادت بھی مرے حق میں ہوئی سم
حضرت نے بھی چھوڑا جو بہن کو تو ستم ہے
کس طرح گوارا ہو بھلا اس کی جدائی
میں لٹنے نہیں دینے کی زہراؑ کی کمائی
جاتے ہو جو مرنے تو مجھے مار کے جاؤ

زینب نے کہا آپ امام دوجہاں ہیں
جو جس کے مراتب ہیں وہ حضرت پہ عیاں ہیں
بابا کے مرقعے کے ورق سب جز و کل ہیں
منگوایا علم سن کے یہ شاہ شہدا نے
جس طرح کہ ہوں رشتۂ تسبیح میں دانے
امید علمداری میں سب چھوٹے بڑے تھے
عباسؑ کو حضرت نے کیا پیار بلا کر
فرمایا مبارک ہو تمھیں منصب جعفرؑ
کی عرض کہ خادم پہ یہ الطاف و کرم ہے
اس وقت ہوئی عونؑ و محمدؑ کو عجب یاس
کی عرض علمدار ہوئے حضرت عباسؑ
سخت جگر جعفر طیارؑ تو ہم تھے
لیجا کے الگ بیٹوں کو تب زینبؑ ناچار
آقا کی اطاعت تمھیں لازم ہے بہ تکرار
احکام الٰہی میں کسے دخل کی جا ہے
نرغے میں ہے افواج ستم کے مرا بھائی
پائی علمداری تو عزت تمھیں آئی
ان لشتی ہے اس بات کا غم چاہیے تم کو
بس چپ رہو اس بات سے کوئی نہیں آگاہ
دیکھو کہ رکھتی ہوں جو آزردہ ہوئے شاہ
جب دوں گی دعائیں مجھے جیتا دو گے
فرزندوں کو سمجھاتی تھی یہ زینبؑ مضطر
رو کر کہا اے سید کونین کی خواہر
خواہش ہے کہ پہلے قدم شاہ پہ سر دیں

ہر شخص کے مختار ہیں اور مرتبہ داں ہیں
ان میں تو کوئی غیر نہیں سب اہل جہاں ہیں
اک نخل کے میوے ہیں اور اک باغ کے گل ہیں
صف بستہ برابر ہوئے شہ کے یگانے
آگے ایک لگا شاہ کو شان اپنی دکھانے
عباسؑ بھی نہوڑائے ہوئے سر کو کھڑے تھے
اور کاندھے پہ رکھا علم شافع محشر
اس غازی نے نہوڑا دیا سر شہ کے قدم پر
مولا کی غلامی کا شرف کیا مجھے کم ہے
آنکھوں میں بھرے اشک گئے والدہ کے پاس
کوتاہی قسمت نے ہمیں کر دیا بے آس
اس منصب والا کے سزاوار تو ہم تھے
کہنے لگی یہ بات مناسب نہیں زنہار
واری ہیں امام دوجہاں مالک مختار
شبیر وہ کرتے ہیں جو مرضی خدا ہے
دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
تم پر تو مرے بھائی نے دولت ہی لٹائی
ماموں کی معیت کا الم چاہیے تم کو
منصب کے ہو طالب مجھے معلوم ہوا آہ
تو دودھ نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی میں واللہ
خوش ہوں گی جو ماموں کی رفاقت میں مرو گے
جو گزرے ستم کے بس آگے قدم پر
مظلوم ہیں گھر باپ ہمارے نہیں سر پر
کہہ دیجئے کہ لشکر کا ہراول ہمیں کر دیں

حضرت نے کہا رو کے بہن تیرے قربان
اماں کے غم و درد و مصیبت کا کرو دھیان
آگے ترے خنجر مری گردن پہ چلے گا
یہ سچ کہ مرا داغ نہیں تم کو گوارا
عاجز ہیں نہیں مرضیٔ تقدیر سے چارا
بن جائی گی ہو تو یہی مرضیٔ خدا ہے
بھینا یہ ہے منظور خدائے دو جہاں آج
تن خاک پہ ہووے کفن و گور کا محتاج
بلوے میں ترے سر کو میسر نہ ردا ہو
جس وقت مرے خون کا محضر ہوا تیار
اس نامے میں تھا درج یہ مضمون الم کا
ہو بس ستم عابد مغموم بھی ہو گا
تقریر شہ تشنہ سے زینب ہوئی ناچار
پوشاک پہن شہ نے سجے جنگ کے ہتھیار
پکڑے ہوئے دامن کو سکینہ تو کھڑی تھی
حضرت نے کہا قدموں سے سر اسکا اٹھا کر
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان علی اکبر
اب خاک میں بانو ترا اقبال ملے گا
تب بانو نے بیٹیوں کے کیے ہاتھ بعد یاس
دولت ہے یہی اور یہی امید ہی آس
میدان میں یہ حضرت کی بلا لے کے مریں گے
تب شہ نے بہن سے کہا اے خواہر غم خوار
ہر چند تجمل تو مجھے کچھ نہیں درکار
منظور مجھے ہے کہ اکیلا ہی مروں میں

جز صبر کوئی بات مناسب نہیں اس آن
تقدیر کا لکھا نہ مٹے کا کسی عنوان
تاخیر نہ ہووے گی نہ وہ وقت ٹلے گا
اور مجھ سے زیادہ تمھیں کوئی نہیں پیارا
اس میں بھی بہن بس ہے ہمارا نہ تمھارا
زینب تری قسمت میں مرا داغ لکھا ہے
نیزے پہ مرے سر کو ملے رتبۂ معراج
سجاد حزیں قید ہو گھر ہو مرا تاراج
تب مغفرت امت محبوب خدا ہو
اور بخشش امت کا خدا نے کیا اقرار
ناموس نبی ہوویں گے آفت میں گرفتار
عریان سر زینب و کلثوم بھی ہو گا
روتی گئی اور لائی لباس شہ ابرار
سر کھولے ہوئے گرد تھے سب غیرت گلزار
بانو قدم شاہ پہ بے ہوش پڑی تھی
بس صبر کر اب صبر کر اے بانوئے مضطر
اب اپنے مسافر کو ذرا دیکھ لے دم بھر
چھانے گی جو دنیا تو نہ یہ لال ملے گا
حضرت سے کہا دولت دنیا تو نہیں پاس
صدقے انھیں کرنے میں ہمیں کچھ نہیں وسواس
ان پیاروں کو ہم آپ سے پیار اندر کریں گے
یہ سب ہیں مرے ساتھ فدا ہونے کو تیار
پر چاہیئے اس فوج کا ہو کوئی علمدار
اب جس کو کہو اس کو علمدار کروں میں

ہے باپ کا حال آپ کو معلوم مفصل
ہم تو یہ نہیں کہتے کہ اوروں سے ہیں افضل
اس عہدے کی امید میں بیتاب ہیں کب سے
زینبؑ انھیں لے آئی حضور شہ ذی جاہ
حضرت نے کہا ان کے میں مطلب سے ہوں آگاہ
کھل جائے گا تم پر بھی ابھی گرچہ نہاں ہے
بیٹوں سے بھی پیارے ہیں مجھے دونوں یہ دلبر
عہدہ یہ انھیں کے لئے کرنا ہے مقرر
ہاں ایک طرح کشتۂ اول یہی ہوں گے
تب زینبؑ بیکس نے کہا اے شہ ذیجاہ
یہ مرتبہ جس کا ہے یہ توقیر کہ یہ جاہ
شہ بولے ابھی دور ہے پردے سے قریب ہے
مہمان مرا ہوگا اسی فوج میں آکر
فردوس سے لینے کو انھیں آئیں گے حیدر
دے تو بھی دعائیں کہ وہ دیندار ہے زینبؑ
یہ کہہ کے چلے سرور دیں پڑ گیا ماتم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشۂ عالم
گردا جو دامان قبا سرور دیں نے
اسوار ہوئے جب کہ شہنشاہ حجازی
کس شان سے مرنے کو جلو میں چلے غازی
اللہ رے اقبال و حشم فوج خدا کا
اس شان سے میداں میں پہنچے شہ ابرار
ہر چند بہت کم تھے شہ دیں کے مددگار
طینت میں وفا رخ پہ شجاعت کے اثر تھے

وہ لشکر اسلام میں ہیں کشتۂ اول
ذی حق ہیں کہ ہوں فوج حسینی کے سر اول
کر سکتے نہیں عرض مگر پاس ادب سے
شہ سے کہا کچھ عرض ہے ان دونوں کی یا شاہ
یہ عہدہ تو اک شخص کو دے چکا اللہ
لشکر کا سر اول مرے اک اور جواں ہے
باپ ان کا رفاقت میں مری ہو گیا بے سر
پر مرضی معبود میں کیا دخل ہے خواہر
سب میرے عزیزوں کے سر اول یہی ہوں گے
تم نام سے اس شخص کے مجھ کو کرو آگاہ
لشکر کا کہے اپنے سر اول جسے اللہ
بیدینوں میں ہے وہ یہ ابھی صاحب دیں ہے
اور کھائے گا دعوت کے عوض نیزہ و خنجر
اور روئے گی اس کے لئے زہرا مری مادر
وہ تیرے برادر کا مددگار ہے زینبؑ
دروازے تک روتی گئیں بیبیاں باہم
خم ہو گئے مجرے کو رفیقان معظم
گھوڑے کی رکاب آن کے لی روح امیں نے
رانوں تلے جوں برق تڑپنے لگا تازی
آگے تو امام دو جہاں پیچھے نمازی
غل عرش پہ تھا صل علیٰ صل علیٰ کا
مصروف صف آرائی ہوا شہ کا علمدار
پر شہرۂ آفاق ہر اک پیدل و اسوار
گنتی میں بہتر تھے مگر لاکھ پہ ور تھے

فوجِ پسرِ سعد سے ناگاہ چلے تیر — اسلام کے لشکر میں ہوا نعرۂ تکبیر
یہ دیکھ کے رنگِ رخِ حُر ہو گیا تغیّر — دل سے کہا بتلا کہ میں اب کیا کروں تدبیر
بے جرم و خطا ابنِ شہنشاہِ نجف ہے — واللہ کہ حق سبطِ پیمبر کی طرف ہے

کھینچوں گا اگر فاطمہ کے لال پہ تلوار — صورت سے مری شیرِ خدا ہوویں گے بیزار
سر پیٹ کے روئے گی جو زہراؑ جگر افگار — نفریں کریں گے مجھ پہ تب احمدِ مختارؐ
بیکس ہے مسافر ہے گرفتارِ بلا ہے — سید کے ستانے میں بھلا فائدہ کیا ہے

دو دن سے نبی زادوں نے پانی نہیں پایا — تقصیر ہے میری کہ میں ہی گھیر کے لایا
محسن ہے مرا وہ اسد اللہ کا جایا — کس پیاس میں لشکر کو مرے پانی پلایا
احساں کا عوض یہ ہے کہ احسان کروں گا — اک سر ہے تو شبیرؑ پہ قربان کروں گا

دل نے کہا حقا کہ تری راست ہے تقریر — کچھ فاطمہ کے لال کی اصلا نہیں تقصیر
اے حر تو اگر آج ہوا فدیۂ شبیرؑ — دنیا میں بھی توقیر ہے عقبیٰ میں بھی توقیر
تاخیر نہ کر اب عملِ خیر میں تو چل — جنت کا وہ رستہ ہے جہنم سے نکل چل

غازی کو خوشی آئی دلِ آگاہ کی گفتار — نعرہ کیا مردانہ کہ یا حیدرِ کرار
پھیر کیا اسپِ فلک سیر کو اک بار — نکلا صفتِ برق صفیں چیر کے رہوار
ہاتف کی صدا آئی کہ فردوس قریب ہے — دو لاکھ میں یہ اک جواں صفدرِ دیں ہے

پہونچا حرِ دیندار جو مابینِ دو لشکر — گھوڑے سے پیادہ ہوا اسلام پہ دلاور
بیٹوں سے کہا باندھ دے ہاتھوں کو کس کر — مجرم ہوں میں اے عقدہ کشا سبطِ پیمبر
روکا انھیں ہاتھوں نے یہ میری ہی خطا ہے — ان ہاتھوں کو تلوار سے کاٹوں تو بجا ہے

اللہ رے لطف و کرم سید والا — مہماں کو جو میں آتے ہوئے دور سے دیکھا
عباسؑ سے فرمانے لگے دلبرِ زہرا — اے بھائی ہو مہمان مرا دھوپ میں آتا
عزت سے یہاں حرِ وفادار کو لاؤ — سائے میں علم کے مرے غمخوار کو لاؤ

یہ سن کے بڑھے حضرت عباسؑ علمدار — خود بھی چلے لینے اسے پیدل شہِ ابرار
اکبرؑ نے کہا آپ چلیں گھوڑے پہ اسوار — فرمایا کہ پیارے یہ مناسب نہیں زنہار
زہراؑ مری مادر ہے بہادر کے جلو میں — پیدل چلے آتے ہیں علیؑ حر کے جلو میں

اتنے میں قریب آکے پکارا وہ وفادار
حاضر ہے یہ گم راہ یہ حاضر ہے سیہ کار
توفیق کا دریا ہے سخی ابن سخی ہے
نادم ہوں میں تقصیر ہوئی اے شہ ذیجاہ
برگشتگی بخت نے بھٹکا دیا گم راہ
کیا جانتا تھا آپ مصیبت میں پڑیں گے
میں لائق تعزیر ہوں جو چاہے سزا دو
راضی ہوں میں آقا مجھے آتش میں جلا دو
بخشش مرے اب کوئی اسباب نہیں ہے
حر نے جو بصد عجز یہ تقریر سنائی
ہاتھ اس کے جو کھولے تو ندا چرخ سے آئی
کیا اہل مروت پسر شاہ نجف ہے
جب ہاتھ کھلے رکھ دیا سر حر نے قدم پر
فرمایا اسے شاہ نے چھاتی سے لگا کر
ماں میری ترے واسطے مصروف دعا ہے
حر نے کہا صدقے یہ غلام اے شہ ذیجاہ
معبود سے رو رو کے دعا کرنے لگے شاہ
ناجی ہے وہ فرزند نبی نے جسے بخشا
سب خلق کا اپنے تجھے ہم نے کیا مختار
وہ دوست ہمارا ہے جو تیرا ہے مددگار
زندہ ہے جو حر تیری محبت میں مرے گا
اس مژدۂ جاں بخش سے جب حر ہوا آگاہ
اور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کی عرض کہ یا شاہ
اس راہ سے دنیا سے گزرنے کی ہوس ہے

صدقے ترے الطاف کے اے شہ ابرار
تقصیر مری بخش دے اے کل کے مددگار
میں نے ترے دامن میں پناہ آن کے لی ہے
اللہ مرے جرم کو اب بخشیے للہ
لاعلم تھا مولا مجھے کچھ علم نہ تھا آہ
یہ لوگ محمد کے نواسے سے لڑیں گے
حاضر ہے یہ سر مجھ کو تہ تیغ بٹھا دو
مولیٰ مگر آفت سے جہنم کی بچا دو
دوزخ میں تو جلنے کی مجھے تاب نہیں ہے
شہ کہتے ہوئے دوڑے یہ کیا کہتے ہو بھائی
یہ بندہ نوازی ہے یہ ہے عقدہ کشائی
ایسے کی غلامی تو دو عالم کا شرف ہے
کی عرض مجھے سمجھو غلام شہ صفدر
پیارا ہے مجھے تو علی اکبر کے برابر
بیگانہ تھا پر اب تو یگانوں سے سوا ہے
حق سے مری بخشش کی دعا کیجیے اللہ
اس وقت صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ
تو نے جو اسے بخشا تو ہم نے اسے بخشا
ہے تیرے محبوں کے لئے خلد کا گلزار
ہاں اک ترے دشمن کو نہ ہم بخشیں گے زنہار
بخشیں گے اسے جس کی شفاعت یہ کرے گا
چومے کئی بار قدم ابن ید اللہ
اب اذن وغا دیجے تو جاؤں سوئے جنگاہ
جینے کی ہوس کچھ نہیں مرنے کی ہوس ہے

شہ نے کہا کیا جلد ہو منظور جدائی
افسوس ہے کس وقت میں قسمت مجھے لائی
جی بھر کے ابھی تو تجھے دیکھا نہیں بھائی
کچھ تو نے ادھر آنے کی لذت نہیں پائی
غربت زدہ ہوں بیکس و مظلوم و حزیں ہوں
میں آج تو مہمانی کے قابل بھی نہیں ہوں

شرمندہ ترے منھ سے ہیں اے حُر دلاور
اتنا نہیں ممکن کہ کریں پانی سے لب تر
ہے ساتویں تاریخ سے فاقہ مرے گھر پر
دم توڑتا ہے پیاس سے گہوارے میں اصغرؑ
راحت مجھے یہ ظلم کے بانی نہیں دیتے
کھانے کا تو کیا ذکر ہے پانی نہیں دیتے

حُر نے کہا مولیٰ ترے صبر کے قربان
دعوت ہے یہ تھوڑی کہ ملی دولت ایماں
ذرّے کو کیا آپ نے خورشید درخشاں
اک مور کو حضرت نے دیا تختِ سلیماں
جو خار تھا وہ ہو گیا گلزار کے قابل
وہ نور ہوا آج جو تھا نار کے قابل

لپٹا کے اسے چھاتی سے روئے شہ ابرار
فرمایا کہ ناچار ہوا جا مرے غمخوار
آداب بجا لا کے چلا حُر وفادار
جاتے ہی پکارا وہ کہ اے قوم ستمگار
دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے
میں آیا ہوں لڑنے شہ والا کی طرف سے

گھبرا کے پکارا عمر سعد ستمگر
کیا سحر حسینؑ ابن علیؑ چل گیا تجھ پر
کچھ آج تجھے قہر خلیفہ کا نہیں ڈر
سردار کے دشمن کی طرف ہو گیا جا کر
اس امر سے باز آ کہ ہلاکت کے قریں ہے
کچھ پاس نمک کا بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے

جس وقت سنے گا یہ خبر حاکم سفّاک
لٹوائے گا گھر ضبط کرے گا تری املاک
تیرے زن و فرزند کا ہووے گا شکم چاک
کوفے کی ریاست تری ہو جائے گی سب خاک
بچنے کا ترے نام و نشاں بھی نہ رہے گا
دنیا میں کوئی فاتحہ خواں بھی نہ رہے گا

ہمراہی شبیر میں ہے کون سی توقیر
خلعت ہو نہ منصب ہی نہ ہو دولت جاگیر
خود نانِ شبینہ کو تو محتاج ہے شبیرؑ
کس بات کا لالچ ہے یہ ہے کون سی تدبیر؟
جاہ و دولت نہیں ملتی تجھے منصب نہیں ملتا
وہ دیں گے بھلا کیا جنھیں پانی نہیں ملتا[1]

سن کر یہ سخن غیظ میں آیا حُر غازی
بولا پسر سعد سے یوں چھیڑ کے تازی
مجھ سے تری چلنے کی نہیں شعبدہ بازی
سو جان سے ہوں بندۂ سلطانِ حجازی
بس روک زباں کو ستم آرا یہ خطا ہے
ساحر اسے کہتا ہے جو اعجاز نما ہے

[1] تحقیق کے باوجود بھی اس مصرعہ کی صحت نہیں ہو سکی۔

کافر کے لیے کعبۂ ایماں کو گراؤں　　رہبر سے لڑوں فوج میں گمراہ کی آؤں
باطل کا طرفدار رہوں اور حق کو مٹاؤں　　حاکم کو ہنساؤں میں محمدؐ کو رلاؤں
بے دیں کی نمک خواری کا تو پاس کروں میں　　اور رونے کا زہراؑ کے نہ وسواس کروں میں

تھا باپ ترا احمدِ مرسل کا نمک خوار　　اور ان کے نواسے پہ ہو تو کھینچتا تلوار
سب آب و نمک مہر ہے زہراؑ کا ستمگار　　دشمن پہ حرام ان کے ہوا او ظالم غدار
میں فاطمہؑ کا دوست ہوں تو دشمنِ دیں ہے　　اب تو ہی بتا پاس نمک کس کو نہیں ہے

کچھ حاکمِ فاسق کی حقیقت نہیں او شوم　　حاکم تو ہے اللہ کہ سب جس کے ہیں محکوم
ہوں اس کا طرفدار جو ہے عاشقِ قیوم　　فرزندِ نبی نورِ خدا طاہر و معصوم
فاسق کی منافق کی رفاقت نہیں جائز　　ایمانِ پدر کی بھی حمایت نہیں جائز

آقا کی غلامی ہے مرے واسطے معراج　　پاپوشِ حسینؑ ابن علیؑ ہے مرا تاج
تو بادشہ خلق کو بتلاتا ہے محتاج　　لٹتی ہے بدم نعمتِ فردوس بریں آج
ممکن ہے کہ میں رہبرِ عالم سے جدا ہوں　　سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

تلواروں سے مجروح ہوں یا تن پہ لگیں تیر　　منہ سے یہی نکلے گا کہ یا حضرتِ شبیرؑ
املاک مری ضبط کرے حاکمِ بے پیر　　کیا غم ہے کہ جنت میں مجھے ملتی ہو جاگیر
کچھ آج زراعت کا نہ املاک کا غم ہے　　ہاں فاطمہؑ کی کھیتی کے لٹنے کا الم ہے

جب فاطمہؑ کی بیٹیوں بہوؤں کے کھلیں سر　　کچھ غم نہیں ناموس مرے قید ہوئے گر
زوجہ مری قربان سرِ اقدس بے سر　　کیا حضرتِ زینبؑ سے سوا ہے مری خواہر
کنبہ مرا اب فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق　　فرزند مرا اکبرؑ و اصغرؑ پہ تصدق

یہ کہہ کے دھنسا لشکرِ روباہ میں وہ شیر　　بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
ہر سو تنِ بے سر کے جو اس رن میں ہوئے ڈھیر　　چلاتے تھے کفار یہ بجلی ہے یا شمشیر
اس صاعقے کے ڈر سے جل جانے کا ڈر تھا　　آبِ دمِ شمشیر میں آتش کا اثر ہے

جب نام علیؑ لے کے لگاتا تھا وہ تلوار　　دو کرتا تھا دشمن کو مع راکب و رہوار
جس شامی کو للکار کے آیا میں خبردار　　وہ بھاگ گیا سامنے سے پھینک کے تلوار
آہن میں نہاں سامنے جو دشمنِ دیں تھا　　سر اس کا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے جدا دور
رن زندوں سے خالی تھا مگر نعشوں سے معمور
گھوڑوں کی نگاہوں میں جو گرتے تھے مقہور
چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

پائی تھی بہادر نے عجب ہمت عالی
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
تلوار پڑی جب یہ نظر شیر نے ڈالی
برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

ہر ضرب میں جو رنگ تھے سو ستم ایجاد
کٹتے تھے معہ کاسۂ سر مغفر فولاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے جلاد
تھی بیل فنا خانۂ تن کر دیا برباد
ضرب اس کی کسی سے نہ کی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دام اجل میں

اس معرکہ میں تیغ بہادر کو ملا اوج
ہر فرد کو اس صاحب ہمت نے کیا زوج
تھا قلزم خوں جوش میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفت موج
خوں میں جو بدن غرق تھے بیداد گروں کے
بہتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

چھپتے تھے سواروں کے عقب برچھیوں والے
تھے جان بچانے کو کمانداروں کو لالے
رایت تو سلامی تھے نگوں سار تھے بھالے
ابتر تھیں صفیں درہم و برہم تھے رسالے
اس شیر کو روکے یہ نہ طاقت تھی کسی کی
غل تھا کہ دوہائی ہے حسین ابن علی کی

جس دم یہ صدا فاطمہ کے لال کی آئی
چلائے کہ بس روک لے تلوار کو بھائی
جو نیک ہیں کرتے ہیں بڑوں سے بھی بھلائی
مظلومی بھی دکھلا کے شجاعت تو دکھائی
گو دشمنوں پہ رحم کا دستور نہیں ہے
پر ان کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

یہ کرتے ہیں فریاد سے اشک ہیں جاری
امت تو ہے بیٹوں کے برابر مجھے پیاری
حملوں سے ترے فوج پریشاں ہوئی ساری
اب ان کو نہ کر قتل جو خاطر ہے ہماری
بس پا چکے بے دین سزا اپنی جفا کی
رحم آتا ہے امت ہے یہ محبوب خدا کی

منہ پھیر کے حر سبط نبی کو یہ پکارا
اس رحم کے قربان ہو بھائی تمھارا
کچھ اور کہا چاہتا تھا وہ کہ قضا را
نیزہ کسی نے سینۂ بے کینہ پہ مارا
زخمی جو ہوا دل تو نہ ٹھہرا گیا زیں پر
یا شیر خدا کہہ کے گرا رو کے زمیں پر

بس گرتے ہی پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
زخموں سے ہر اک عضو بدن ہو گیا گلنار

چلایا کہ مولا مجھے دکھلایئے دیدار
یہ سن کے سراسیمہ چلے سید ابرار

حر کے لئے بیتاب امام دوجہاں تھے
آنسو شہ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

ریتی پہ جو مہماں کو تڑپتا ہوا پایا
آغوش میں لے کر اسے چھاتی سے لگایا

رومال سے چہرے کا غبار اس کے چھڑایا
قبلے کی طرف زانو پہ سر رکھ کے لٹایا

رو رو کے یہ فرماتے تھے زانو کو ہلا کر
اے بھائی حسین آیا ہے تو چشم کو وا کر

سن کر یہ صدا شاہ کی حر غش سے جو چونکا
سر فاطمہ کے لال کی آغوش میں رکھا

آنکھیں قدم پاک پہ مل کر کہا مولیٰ
کیا آپ کے صدقے سے ملا ہے مجھے رتبا

احسنت کا ہے تا بہ فلک شور زمیں سے
لینے مجھے آئے ہیں علی خلد بریں سے

فرماتے ہیں اس دم ملک الموت سے حیدر
بیکس مرے شبیر کا یہ مخلص ہے یاور

نکلا ہوں اسی کے لئے میں خلد سے باہر
آسانی سے تو جسم سے روح اس کی جدا کر

راحت اسے پہونچے گی تو راحت مجھے ہوگی
ایذا ہوئی اس کو تو اذیت مجھے ہوگی

حوران بہشتی ہیں جو اہر میں مشکل
کہتی ہیں کہ اے حر مرے فرزند پہ بیکل

غل ہے ترا رتبہ ہوا اب اور بھی افضل
بند آنکھیں کر اے فوج حسینی کے ہراول

محسن کو لئے گود میں چلاتی ہے زہرا
سر پیٹتی لاشے پہ ترے آتی ہے زہرا

وہ فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسن آئے رسول زمن آئے

سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے
سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے

اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے لگا کھینچنے حر پاؤں کو یکبار
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سید ابرار

کیا تجھ پہ کچھ موت کی سختی ہے مرے غمخوار
حر نے کہا یا شاہ یہ باعث نہیں زنہار

ہم ہیں یہ کہ ہم ریت پہ مجروح پڑے ہیں
پاؤں کی طرف احمد مختار کھڑے ہیں

یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی اسے آئی
آخر جو ہوا وہ سید بیکس کا فدائی

رو رو کے یوں لاش اس کی شہ دیں نے اٹھائی
جس طرح کہ بھائی کے لئے روتا ہے بھائی

جب لائے یہ لاش اس کی در خیمہ پہ لا کر
اے بی بیو رو لو مرے مہمان کو آکر

زینب در خیمہ پہ چلی آئی کھولے سر
شہ نے کہا مارا گیا بھیا مرا یاور

نہ والدہ اس کی ہے یہاں اور نہ خواہر
اب اس کی بہن آج سے تم اور میں برادر

یہ مجھ پہ فدا ہو گیا بیٹوں کی طرح سے
سب مل کے اسے روؤ عزیزوں کی طرح سے

کہہ دو یہ سکینہ سے کہ سر کو کرو عریاں
کبریٰ سے کہا بال کرو اپنے پریشاں

بانو سے کہو آن کے روؤ بعد افغاں
پرسا مجھے دو قتل ہوا ہے مرا مہماں

جو اس کے لئے نالہ و فریاد کرے گا
اللہ اسے حشر کے دن شاد کرے گا

خاتون قیامت کی صدا آئی یہ اک بار
مارا گیا ہے ہے مرے بچے کا مددگار

پیارا ہے مجھے وہ جسے شبیر کرے پیار
میں اس کی عزادار ہوں میں اس کی عزادار

اب لاش سے اس کی نہ جدا ہوئے گی زہرا
چالیسویں تک ماں کی طرح روئے گی زہرا

سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا اک بار
ناموس محمد ہوئے سب جمع کے عزادار

کر عرض شہ دیں سے اے خستہ جگر افگار
رونے پہ بلالو مجھے یا سید ابرار

قاصر کبھی کوشش میں یہ مجبور نہیں ہے
رولا جو کشش ہوئے تو کچھ دور نہیں ہے

سلام

ضبط گریہ ماتم سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری پرسش اعمال اور یاد فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کار دنیا میں ہیں عاجز اک دامن حباب
گرد دامن غم کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ شرق تیر کے جب سر پہ
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا جیتا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

نظم ہے یہ یا در شہوار کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

کیا فوج حسینی کے جوانان حسین تھے
آگاہ دل و اہل وفا اہل یقیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہرا
وہ عاشق صادق تھے وہ تھے مومن کامل
کیا ہوش تھا، کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
محراب عبادت خم شمشیر کو سمجھے

دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہش اجلال
نے یاد وطن تھی نہ انھیں الفت اطفال
مذکور یہ تھا جی سے گذر جائیں گے پہلے
کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
تھی پیش نظر گلشن فردوس کی تعمیر
نے پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی

مقبول خدائے دو جہاں تھے وہ جو افرد
ایک ایک جری دفتر کونین میں تھا فرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں

کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحب دیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہرا
دی تھی انھیں خالق نے تمیز حق و باطل
کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
جادہ وہ مسافر دم شمشیر کو سمجھے

تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حب زر و مال
شبیر کے عاشق تھے زہے بخت خوشا حال
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہر تفسیر
تھا شوق کہ اب حور و ملک ہوویں گے بغلگیر
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
تابندہ تھے خورشید کی صورت رخ پر گرد
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مست مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
تھی غیر خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بری بار علائق سے سبکدوش
دل یاد الٰہی میں تھے یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سر تسلیم تھا خم راہ خدا میں
پڑھتے چلے جاتے تھے نماز راہ خدا میں

وہ صوت حسن اور وہ اثر ورد و دعا میں
وہ چاند سے رخ اور وہ [illegible] عبا میں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبا میں
وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردا میں
نے حور میں یہ حسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباس بشری میں

ہمت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار
مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلب گار
غربت، الم فاقہ کشی، زردی رخسار
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں دم کے آثار
تسبیح خدائے دو جہاں ورد زباں تھی
بیداری شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

مقبول خدا صاحب دیں زاہد و ابرار
ایسے نہ پیمبر کو ملے یار وفادار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبد دوار
پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحاب وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر ان لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر
مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
سر دینے کو موجود فدا ہونے کو حاضر
اس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر یہ غم خواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

مرقوم ہے قرآں میں رتبہ شہدا کے
بے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے
طالب تھا خدا ان کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیل سعادت کا صلا تھا
آفت میں بھی انھیں سبط پیمبر سا ملا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی فوج شہ ابرار
جن لوگوں کا [illegible] دو عالم کا سردار
ہم شکل پیمبر سا جواں فوج کا سالار
مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے کبھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے وہ قدرت سے بنائے
[illegible]
کس صبر سے آفت میں کئی روز گزارے
[illegible]
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیر و دم پر
سر دیتے تھے جو کرتے تھے آقا سے قدم پر

تلواریں تھیں ہاتھوں میں دو کاندھوں پہ بھالے
یہ قصد کہ قبضے میں عدو ہاتھ تو ڈالیں
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزہ ہے
تھے دونے طرف جمع عزیزان شہ ذیشاں
زہرا کے جگر بند محمدؐ کے دل و جاں
میدان میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے
اٹھارہ تھے فرزند پیمبرؐ کے یگانے
پالا تھا جنہیں گود میں شاہ شہدا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
مر جائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
رکتے جو کوئی بھالا لئے نکلے تھے گھر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے
یہ دیر ہے کیوں ان سے بھلا فائدہ کیا ہے
چلنے لگے تلوار کھلے شیروں کے جوہر
میدان سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون؟
دو لاکھ میں کس نے پسر سعد کو مارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا
تو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آ کر

نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے
سرتا بہ قدم خون میں بھر جانا ہے سعادت
مر کے رہ خالق میں گزرنا ہے سعادت
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزہ ہے
جن کے رخ روشن سے منور تھا وہ میداں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
حیدر کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے
اک رشتے میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں سے تلے تھے
خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوشخو
تھی کوسوں تلک ان فاطمہ کے پھولوں کی خوشبو
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے
ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی ادھر سے
میدان میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزہ ہے
دیکھیں تو بھلا کس نے کئے کر دیئے سر
ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
فوج ستم آرا کے نشاں لے کے پھرا کون؟
کس نے سر شمر ستم ایجاد اتارا
خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
گرتا ہے نشاں کس کا در کوفہ پہ جا کر

بولا کوئی حضرت ہمیں بیٹھے جو رضا دیں
دعوے یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
لاچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے

کیا حضرت مسلم کے یتیموں کا کہوں حال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
وہ چاند سے رخ گردِ یتیمی سے اٹے تھے

ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں
لب خشک تھے اندھیرا سا تھا نظر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آ کے لیں گے

چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
وہ کہتا تھا سر ان کے اتارے گئے ہوں گے

ماموں کے قریں زینبؑ دلگیر کے دلدار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں

اور تین تھے نخلِ جگرِ شبرؑ ذی جاہ
دولہا کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
دن گنتی تھی اس بیٹے کی شادی کی ہوس میں

وہ حسن وہ سن اور وہ پوشاک شہانی
خلقِ حسنی کم سخنی غنچہ دہانی
تلوار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بر میں

تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیکِ اجل آیا
بانو نے سرِ شام دلہن جس کو بنایا
دولہا کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی

لڑ کے ہمیں یہ زورِ اسد اللہ دکھا دیں
اک حملے میں دو چار صفوں کو تو ہٹا دیں
اس کی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

نُہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
پوشاک یہ جسم میں وہ دھوپ سے تھے لال
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

تھے داغِ غمِ بے پدری ان کے جگر میں
دنیا تھی فراموش انھیں یادِ پدر میں
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے لیں گے

ابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
اقلیم میں دشمن کے ہیں ایسے گئے ہوں گے

اک حیدرِ کرار تھا اک جعفرِ طیار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ جرار
روباہ ہیں وہ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

عبداللہ و زید حسن و قاسمِ نوشاہ
کل تیرہ ۱۳ برس کا تھا یہ تھا چودھویں کا ماہ
دولھا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ ۱۳ برس میں

قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اس میں روانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
تصویرِ حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
قسمت نے سحر کو اسے رنڈسالہ پنہایا!
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

عباسؑ سوا پانچ تھے فرزندِ یداللہ
ایک ایک دلاور تھا بزمِ صفِ جنگاہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابنِ ولی تھے

عباسؑ علیؑ حیدرِ صفدر کا نشاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس ۳۲ برس کا وہ جواں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ

کیا وصف جنابِ علی اکبرؑ کروں تحریر
اٹھارہ ۱۸ برس کا تو سن اور صاحبِ توقیر
شوکت سے سراپا ہیں رسولِ دوسرا کی

تھے بیچ میں اس غول کے شاہنشہِ عالم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ
لشکر کے زرہ پوش نے گھوڑوں کے کسے تنگ
بے دینوں کے منہ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے

امڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اس پار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز
پیغامِ اجل ان کے ہر اک تیر کی آواز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو

بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا چلّا
الفت ہے نہ حیدر سے نہ احمد سے تولّا
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبیؐ کا

ششدر تھا جنہیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
سب قوتِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
چہرے سے جلالِ اسد اللہ عیاں تھا
خالق نے جسے دے جعفرِ طیار کا رتبہ

حسنِ نبوی خلقِ حسنؑ ضربتِ شبیرؑ
تھا شور کہ انسان ہے کہ ہے نور کی تصویر
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیرِ اعظم
فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سیدِ اکرم
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمیں ہے

کھلنے لگے ہر صف کے علمہائے سیہ رنگ
جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
ہفتاد و دو تن ۷۲ لاکھ سواروں میں گھرے تھے

جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
بے خوں میں ہوئے غرق عبور ان کا تھا دشوار
خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

قالب سے روح جنہیں دیکھ کے پرواز
ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
رخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہلّا
کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلّا
بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر
تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں مست پے شمشیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ
بیتاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گرتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

کہتی تھی سکینہ سے کہ آ اے مری پیاری
سن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری
پھر خیر سے آ جائے مرے بابا کی سواری
اس سن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہووے
پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہووے

یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر ادھر سے
عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے
لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حرؑ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا
پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا
تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا جہاں کے لئے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھیں میدانِ ستم میں

میدان میں مسلمؑ پسرِ عوسجہ آیا
تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب و انس و مالکِ دیندار
حجاج و زہیر و اسدی عامر و عمار
عمران و شعیب و عمر و شوذبِ ابرار
قربانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے اک بار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پڑا تھا
وہ رود تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دو چار
حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجئے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا

اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا
زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
چھاتی سے انھیں احمدِ مرسل نے لگایا
میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
دو کیجئے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنت میں پہنچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

حقا کہ سخی ابن سخی کا ہے یہ دربار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار
بے قدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو
پہونچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
حضرت نے سنا درد دل اس دوست کا جس دم
فرمایا کہ اے یار قدیم اے مرے ہمدم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو
جو دوست ہے میرا اسے پہچانتا ہوں میں
اس عالم پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر
مانند کماں خم ہے کمر حال ہے تغییر
پیاسا ہے دم حرب غش آجائے گا رن میں
ہے عالم طفلی سے تجھے جس سے محبت
ہے یاں سے قریں قبر شہنشاہ ولایت
مشہور وہ دربار شہ عقدہ کشا ہے
جاری اسی دربار سے ہے اس کا دستور
افسانہ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور
اک ضرب کو فرمادیا پر دل سے نہ چاہا
ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے
حضرت کا یہ عالم تھا کہ جھانے کو کھاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے

محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
حُر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبے پہ اک بار
جس ذرّے کو چاہو اسے خورشید بنا دو
پاتا ہے کوئی حور کوئی حُلّۂ جنت
محبوب خدا بانٹتے ہیں خلعت رحمت
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے
اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے
باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانیے کیا ہو
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں
رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اٹھے گی نہ شمشیر
چلّے سے ملایا بھی تو کھینچے گا نہیں تیر
پانی بھی نہیں ہے جو چھڑاؤں گا دہن میں
وہ آج ہے دنیا میں گرفتار مصیبت
جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے
ہے پرورش شاہ و گدا ایک سے منظور
بچّے کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا
آب دم شمشیر سے خوں اس کا بہاتے
کہتے تھے حسن سے کچھ اسے بھی ہو کھلاتے
بازو بھی نہ باندھو کہ علی عقدہ کشا ہے

جس وقت کہ دربار یداللہ میں جانا
اُس مرقدِ پُر نور کو آنکھوں سے لگانا
آداب بجا لا کے یہ بابا کو سنانا
بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقیِ کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

بیٹھے ہیں لبِ نہر ستم گاروں کے دستے
بچے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے
پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دور وطن سے بھی جدا ہوں
امداد کو پہونچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

اے کل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
تم صاحبِ اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ
پر زینبِ بے کس کو اسیری سے بچاؤ
پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دخترِ زہرا تو ستم ہے

رویا یہ سخن سن کے حبیبِ جگر افگار
گر کر قدمِ شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
قرباں ترے اے خلفِ حیدرِ کرار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمکخوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

کس منہ سے میں دربار یداللہ میں جاؤں
زوّاروں کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں
حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائیں گے شبیر سے منہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچے کو مرے چھوڑ کے آیا!

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدر بھی یہیں ہیں
حمزہ بھی یہیں آئے ہیں جعفر بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرت شبر بھی یہیں ہیں
زہرا بھی یہیں روتی ہیں پیمبر بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دو روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے

بچپن سے تو سائے کی طرح ساتھ رہا ہوں
آیا جو برا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
سر دوں گا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں
اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے غلاموں کے لئے عید کا ہو روز
دولت سے شہادت کی ہوئے سب شرف اندوز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز
گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدانِ ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہے عالمِ پیری سے نقاہت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہے طاقت
بے مہر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہے
احوال ہر اک دست کا ہے آپ کو معلوم
رعشہ فقط اس غم سے ہوا اے شہِ مظلوم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے

بچپن کی تو الفت سے مری آپ ہیں آگاہ
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیان
ساقط ان کے جدھر دوڑتے آپ شہِ ذیشان
تھی کھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی

ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہو انبار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی
ناگاہ وہاں آئے شہِ یثرب و بطحا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے یہ بتنا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آئیے نانا

فرماتے تھے احمد کہ میں قربان تمہارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
اس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے

باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
ہوتا ہے جوانوں کی طرح جوشِ شجاعت
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے
مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشقِ قیوم
رہ جائے بدن زخمِ شہادت سے نہ محروم
سر بار ہے تن پر مگر اس واسطے خم ہے

کچھ یاد ہے اس روز کا حال اے شہِ ذیجاہ
یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہیں جوں ماہ
گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا
اور پیارے سے منہ آپ کا میں تکتا تھا ہر آن
نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قربان
خاکِ کفِ پا میرے لیے کحلِ بصر تھی

اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
ہر ذرّے سے آتی تھی صدا صلِ علیٰ کی
اور آپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مرے مولا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے نانا

ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
کانٹا کوئی ان پھول سے تلووں میں نہ گڑ جائے
چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کو ہونٹوں سے ملایا
بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے

مجھ پر نظرِ فیض اثر پڑ گئی اک بار
خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار

اس دم متعجب ہوئے اصحابِ وفادار
ان سب سے یہ فرمانے لگے احمدؐ مختار

بے جا نہیں اس طفل پہ الطاف نبیؐ کا
یہ چاہنے والا ہے حسینؑ ابن علیؑ کا

تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر

آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اس خاک کو لے کر
شبیرؑ کے عاشق پہ تصدق ہے پیمبرؐ

مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شہدا میں
دیوے گا خدا قبر اسے خاکِ شفا میں

فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمدؐ مختار
کس طرح نہ صدقے ہو غلام شہِ ابرار

مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار
کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرار

خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لیے آیا

مرنا ترا اس دن کا ہے اللہ کو بھایا
جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا

ہے صاحبِ قسمت تری کیا بات ہے بھائی
دامانِ حسینؑ اور ترا ہات ہے بھائی

جب شہ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ

فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر

چھٹتا ہے تو پھر یار موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور

منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہوں دور
تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور

گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سرِ شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری
رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری

اب کون بچائے گا شہِ جنّ و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہراؑ کے پسر کو

سنتی ہوں ادھر فوج پہ فوج آتی ہے بہم
یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم

سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم
جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم

حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا
بچپن کا مرا دوست جدا ہوتا ہے بھینا

یہ سنتے ہی کہرام ہوا اہل حرم میں
کامل تھا زبس عشق شہنشاہِ امم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پیری میں عجب شان تھی اس شیر ژیاں کی
تھی جلوہ گری نورِ خدائے دوجہاں کی
پیشانی پُر نور پہ عالم تھا قمر کا
باہم صفت تیر و کماں ابرو و مژگاں
آنکھیں وہ غزالانِ حرم جن پہ ہوں قرباں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کر
خورشید سے افزوں ہے صفائے رُخِ نیکو
غنچے سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بے شبہ لڑی موتیوں کی ہے دُرِ دنداں
وہ ریش سپید اور وہ اس کا رخِ تاباں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے
گردن جو جھکی جاتی ہے سر تن پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو
سر پہ عوضِ خود ہے اللہ کا سایہ
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں سے چلی ہے
اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
ہشیار کہ اب میاں سے کھنچتی ہے یہ صمصام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رُکے گی

پہونچا وہ جری شیر سا میدانِ ستم میں
بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیرؑ کی جانب
پڑتی تھی سراپے پہ نظر پیر و جواں کی
گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارہ تھا سحر کا
سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
نظروں سے ہو یعنی رخِ شبیرؑ نہ پنہاں
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کر
مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
اور وِردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوشخو
بن پانی مگر خشک ہیں جو بیٹھیں پپڑے
یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچے میں ہیں پنہاں
آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں
شب گزری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے
افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے
جانے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو
زخموں کے لئے تن کو زرہ سے نہ بچایا
کیا فائدہ ہے چھپنے سے جب ہاتھ اٹھایا
اک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
وار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیغام
میاں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رکے گی

یہ سن کے پکارا عمر سعد جفا کار / آتا ہے بڑا سبط پیمبر کا مددگار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زنہار / بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالم غدار
میں تیری طرح دشمن شبیرؑ نہیں ہوں / ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالم گمراہ / گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفت کاہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ / ہے قدر شناس ان کا جگر بند ید اللہ
پیری جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے / جس خاک میں جانا ہے ادھر سر بھی جھکا ہے

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار / دیکھا ہے محمدؐ کا انھیں آنکھوں نے دیدار
چوما کیا اکثر قدم حیدر کرار / زہرا کی نوازش رہی شبیرؑ نے کیا پیار
بچپن سے ہے مجھے عشق امام دو جہاں ہے / اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیر جناں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغ سحری ہوں / دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں / دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر / دعویٰ ہے تو آ دو مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب / جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہر دم ہے عنایات خدا سے مدد غیب / شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب
تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا / اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھروں گا

آقا مرا وہ ہے جو امام ازلی ہے / مظلوم ہے سید ہے ولی ابن ولی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے / اس شیر کے بیشے میں پلا ہوں جو علیؑ ہے
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا / ہر طرح سے مر کر اسی میداں میں گڑوں گا

منہ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں / نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں / جیتا شہ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاق اجل کو / دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زور خداداد / ہے جنگ ید اللہ کا انداز مجھے یاد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد / پھر جاتا ہے چنچے سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو دلیروں کا طمانچہ / ہے ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

شپیر سے ہے کس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
کرتے ہو غضب اس کے نواسے سے برائی
پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساری خدائی
فرزند پیمبر پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہرا کا یہ کیا کرتے ہو یارو

بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سید پہ اٹھاؤ
ہلتی ہے زمیں عرش خدا کو نہ ہلاؤ
کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ
شمع حرم لم یزلی کو نہ بجھاؤ
کون اس کے ہوا دوش محمد کا مکیں ہے
شپیر سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
ہر چند بہادر ہے تو اے رستم لشکر
تیرے زن و فرزند بھی ہوویں گے موقر
لازم وہ ہے تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
گو لخت دل صاحب معراج ہے شپیر
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شپیر

کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ
ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہو برگشتہ زمانہ
قبضے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ
دو روز سے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
لازم ہے کنارہ پسر شیر خدا سے
ہر اس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے

تھرا گیا یہ سن کے حبیب جگر افگار
چلا کے کہا دور ہو او ظالم غدار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں گھر بار
نے مال سے مطلب ہے نہ دولت سے سروکار
شپیر کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
خالق کی طرف دولت دیں چھوڑ کے جاؤں
خاک قدم شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں
گر کوہ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
کیا دے گا کوئی جو مجھے آقا نے دیا ہے
شپیر سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہے

یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبک تاز
اترا صف اعدا پہ گیا صورت شہباز
رنگ رخ افواج ستم کر گیا پرواز
گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

چمکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار
گویا سر اعدا پہ گری برق شرربار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
اس دست زبردست کا رکتا تھا کوئی وار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کرکے سپر کو

کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے جتھوں کا بھی منھ موڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سروپا
برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلاتے تھے اعدا کوئی بچتی نہیں تدبیر
دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بجلی سی چمکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے

بے کار تھے جلادوں کے نیزے دم پیکار
تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
حلقہ کئے اس شیر کے در پے تھے کماندار
چلے سے مگر جس نے ملایا لب سوفار
شہباز سا سر پہ فرس تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرانے لگے عضوِ بدن گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت
دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہو رخصت
لشکر اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رخ شبیرؑ کو دیکھا

بھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
سکتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیر کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دوپارہ
رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
شیرازۂ اجزائے بدن کھل گیا سارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
ہاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقت مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذیشاں
دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں
اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

اس عالمِ پیری میں نہ منھ جنگ سے موڑا | کس طرح نہ روؤں ترا احساں نہیں تھوڑا
میرے لیے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا | فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا | وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

آقا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا | گردن کو تلے زانوئے شبیرؑ کے پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا | اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے | حضرت پہ اٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ | شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ | حیدرؑ یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے چمنِ سبز قبا آتی ہے مجھ کو | فریاد کی زہراؑ کے صدا آتی ہے مجھ کو

یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے | نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے | چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے وفا کر گئے بھائی | صدقے تھے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور | ہے ہے مرے سلمان مرے مقداد و اباذر
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر | ہے ہے مرے عمّار مرے مالکِ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا | خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاش وہ خیمہ پہ لائے شہِ عالم | سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبؑ پُرغم
میداں میں حبیب ابن مظاہر ہوئے بیدم | ماتم کرو بہنیں کہ بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں | مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا | پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا | اے ذاتِ خدا قادر و قیّوم و توانا

رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا
قبضے کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
منھ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

بے چین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
کیا پیاس کی تکلیف بھی غنچہ دہاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
ہم خلق سے پہلے ہی سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
بیوہ ہوئی اک شب کی دلہن وائے مصیبت
بے شمع ہوئی قبرِ حسن وائے مصیبت
تازہ تھیں ابھی بھائی کا غم ہو گیا آقا
دو گھر ہوئے برباد، ستم ہو گیا آقا

کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیرِ دو دم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
دنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے
کیا جانئے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار
قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غمخوار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے
کچھ بس نہ چلا حکم شہنشاہ امم سے
قاسم نے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم
واللہ کہ قاسم کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
سرسبز ہوا سید مسموم کا محبوب
منہ زینب ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
سمجھے شہ والا یہ کنایہ یہ اشارہ
ہم نے بھی تو صدمے سہے اور دم نہیں مارا
یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا
سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جان
سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آسان
بھائی کی خوشی خلق میں اب کرتے ہیں بھائی
بیتاب ہو دل پیار کریں ہم تمھیں آؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
داغ غم فرزند جواں سہ نہ سکیں گے
تھرا گئے عباس علی سن کے یہ تقریر
آقا کے تصدق سے ملی ہو مجھے توقیر
بخشش تو کریں یوں ہی کا دستور ہے آقا
سر دینے کو موجود ہوں اے کل کے مددگار
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بند علی ہو
عباس نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
مشہور ہے جرار غلام آپ کا سب میں

ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
دکھلائے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
پامال بھتیجا ہوا اور بچا نہ سکے ہم
سامان وہی ہو گیا جو تھا انھیں مطلوب
اک ہم ہیں کہ ہنوز ہیں خجل بھائی سے محجوب
بھاوج کے بھی پرسے کے لئے جا نہیں سکتے
رو کر کہا کیا خواہش تقدیر سے چارا
گودی کے پلے مر گئے گھر لٹ گیا سارا
اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا
بھائی میں ترے ضبط کے اور صبر کے قربان
اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احسان
ہم تم سے رضا رن کی طلب کرتے ہیں بھائی
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
اکبر بھی پھر اس امر میں کچھ کہہ نہ سکیں گے
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں اے حضرت شبیرؑ
میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا
جاں دینے میں صرفہ ہو نہ حجت ہو نہ تکرار
تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
دو رن کی اجازت تو یہ جانیں کہ سخی ہو
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجے
میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
عزت نہیں رہنے کی شجاعان عرب میں

گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبدِ وفادار
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرار
ان قدموں کو چھوڑا ہے کبھی یاد تو کیجے
شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
کفنائیو زہرا کی ردا میں تنِ بے سر
پہنچائیو ناموسِ شہنشاہِ زمن کو
عباسؑ نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
آزردہ نہ ہو منھ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
فضہؓ نے کہا زینبِ دلگیر سے ناگاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر
فضہؓ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور
روتا نہیں بے وجہ جگر بندِ نبیؐ کا
یہ سن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسؑ دلاور
بولیں کہ یونہی حال مرا غیر ہے بی بی
یہ کہہ کے چلی جانبِ درِ شاہ کی ہمشیر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبر کی بلائیں

فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمدِ مختار
مخدومۂ کونین خوشی ہوں گی کہ بیزار
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
رکھیو نہیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
پرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
عابد کا گلا طوقِ گلوگیر میں دیکھیں
اشک آنکھوں سے بہتے ہیں صفتِ ابرِ بہاری
اچھا وہی ہووے گا جو مرضی ہو تمہاری
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے
عباسؑ بھی پیچھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
میدان سے آتے ہیں ادھر سیدِ ذیجاہ
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فرمایا میں سمجھی سببِ گریۂ سرور
ساماں یہ ہے رخصتِ عباسؑ علی کا
بانو علی اکبر کے لئے ہو گئی مضطر
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی
داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرتِ شبیر
کس شوق سے آیا وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے عباسِ دلاور کی بلائیں

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
فرمانے لگے رو کے شہ یثرب و بطحا
یہ روتے ہیں جوں جوں انھیں سمجھاتے ہیں بھینا
بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم
سمجھاؤ انھیں کچھ انھیں اے ثانی مریم
یہ غیظ میں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
ہے درپئے آزار و جفا لشکر اعدا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
ساتھ ان کے اگر آج نہیں اور غم خوار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
لے جا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے شبیرؑ
عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانی زہرا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہ والا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
طعنے دیں ہیں تو قبر نہ دنیا میں ٹھکانا
جرّاروں کے سر جسم پہ دشمن کے لئے ہیں

جوڑی یہ سلامت رہے اے خالق یکتا!
بس آج تلک ساتھ تھا اب سے تو ہیں تنہا
بھائی تو ہیں چھوڑ چلے جاتے ہیں بھینا
مل جائے رضا رن کی تقاضا ہے یہ ہر دم
مر جائے گا عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم
کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضہ پہ علی کے
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہو گا
اس وقت میں عباس بھتیجے رہیں گے تنہا
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے
جرّار و وفادار و مددگار و فدائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دوں گی
پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں مختار
میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
کیوں آپ میں ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ
زینبؑ نے کہا آؤ میں قرباں گئی آؤ
تم کو سر زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائیں گے شبیرؑ
مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
رکتے نہ جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا
فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھکو زمانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؑ کا جانا
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لئے ہیں

آ گئے مرے گر قتل ہوئے حضرت شبیرؑ
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہر دلگیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظور نظر ہے
رد کو نہ مجھے سید ابرار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدر کرار کا صدقہ
میدان میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا ہائے مقدر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہ زمن نے
یہ کہہ کے گئی شہ کے قریب زینبؑ بے پر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہ امم پر
روتے ہیں کہ ہم چشموں میں ہیٹا ہوں عجب
خیر اب وہی کیجئے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی برضا ہیں
فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
زخم تبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے تھے وہ باغ مبارک
عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
بانو نے کہا غش سے سکینہ کو جگا کر
اس طرح جو شاہ شہدا روتے ہیں بی بی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
زینبؑ نے کہا آتی ہے لو عاشق عباسؑ
بہتے تھے جو آنسو خلف شیر خدا کے

صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گے شبیرؑ
مر جاؤں میں اکبرؑ پہ جو ٹوٹے کوئی شمشیر
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
دلوادو رضا احمدؐ مختار کا صدقہ
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا
دلوادوں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوئے گر
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے
عباسؑ بھی ہمراہ تھے تیوڑائے ہوئے سر
کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر
معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
بندے کے تو سب امر محول بخدا ہیں
شبیرؑ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
لو داغ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
شبیرؑ کے سینے کے لئے داغ مبارک
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی
اودے ہوئے جاتے تھے لب لعل یعنی پیاس
عباسؑ نے گودی میں لیا آکے بصد یاس
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے

عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیئے جانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
وہ گر دے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
یہ سنتے ہی اس پیاسی میں اک جان سی آئی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبیرؑ کی جانی
جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھارو
عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
اور آگے مری جان جو اللہ کو منظور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
ہر چند کہ ہے آب مری زیست ہے مشکل
حضرت نے سنیں حضرت عباسؑ کی باتیں
بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہ ذیجاہ
پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سکینہؑ
یہ سن کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصد غم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامان علم کو
جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ نہ بالک جاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وعدہ جو یہ حال ہے میرا

شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ
فقط گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
میں ران میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو
مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و مسرور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
وعدہ کریں کیوں کر کہ بھروسہ نہیں دم کا
کیوں مشک اٹھیں ول کہ نہ دو آگ شعلہ دل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں
تم پیاسی ہو کس طرح تمہیں منع کروں آہ
دو مشک انہیں خیر جو کچھ مرضی اللہ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہؑ
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موسے ہم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
غیظ و غضب و جبر و تہور بہم آئے
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادم درگاہ ہوں میں بھی
عزت نے کہا اوج یہ اقبال ہے میرا

استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
تھا متصلِ برجِ شرف نیرِ اعظم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکر میں پڑے تھے
اسواریِ غمخوارِ امامِ زمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گل یاسمن آئی
آمد در دولت پہ ہوئی کبک دری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباس فلک جاہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
اس سج کا جواں عرب سے تا شرق نہیں ہے
داؤدی زرہ ہے اسی انداز سے بر میں
غصہ وہی چتون وہی ہے رعب نظر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شیر

جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا
پھیرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہے خدا کی
غازی کی وہ شوکت وہ شکوہ علمِ نور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سر حور
دکھلاتا تھا سرسبزیِ افلاک پھریرا

زر ریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند
تھی اس کی ضیا آئنہ مہر سے دہ چند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی
پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی
سبزی حسنِ سرخیِ رنگِ شہدا تھی

دونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اس دم
عالم میں نظر آنے لگا نور کا عالم
گویا کہ تجلی عرش کے پہلو میں کھڑے تھے
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلہن آئی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

روحِ اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
حیدر میں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے
ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
برپا تھی قیامت شہِ ذی جاہ کے گھر میں
ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیر

جرار وفادار دلاور نظر آیا
سب فوج کو نورِ رخِ حیدر نظر آیا
دی خاک کے ذروں نے صدا مثلِ علی کی
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا النور انا النور
ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے ہم بند
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حور کھڑی تھی
تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

غل تھا کہ جہاں میں عَلَم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا ہو کامل ہو تو ایسا
ناگاہ بڑھے حضرت عباسؑ فلک جاہ
اشعار رجز تھے کہ چلی سیف ید اللہ
دم بند تھے دہشت سے فصیحان جہاں کے
نعرہ تھا کہ میں شیر نیستانِ علیؑ ہوں
پروانۂ شمع حرم لم یزلی ہوں
گوہر ہے وہ ملک برجِ شرف کہتے ہیں جس کو
پڑھ کر یہ رجز میان سے لی تیغ جری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبک دری نے
اڑ کر گیا اور پھر کے طرارہ نکل آیا
گھوڑے کو اُدھر سے پلٹ کر ادھر آئے
گویا کہ جھپٹتے لشکر ہیجا میں در آئے
تلوار کی بجلی جو گری کوند کے رن میں
اس صف سے جھپٹ کر صف ثانی پہ جب آئے
غل پڑ گیا بھاگو کہ امیر عرب آئے
جھونکا جو چلا سر شمشیر کا سن سے
میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
خود امن نے گھبرا کے اماں انکو پکارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
شمشیر علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
کیا قبضے سے اس برقِ جہاں سیر کے نکلے

زر ریز ہے شجرۂ کرم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
ایسے عَلَمِ نور کا حامل ہو تو ایسا
ذروں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صف جنگ سے روباہ
کہتی تھی فصاحت کہ نثار اس کی زباں کے
جرار ہوں صفدر ہوں شجاع ازلی ہوں
میں جوشن بازوئے ولی ابن ولی ہوں
بیٹا ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیم سحری نے
تلواروں کے جنگل سے چکارا نکل آیا
یوں آئے کہ روباہوں میں جوں شیر نر آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے پیہم نظر آئے
آخر صف اول ہوئی اک چشم زدن میں
معلوم ہوا شیر کے پنجے میں سب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برق غضب آئے
ڈھالیں تو اٹھی رہ گئیں سر اڑ گئے تن سے
راحت نے کہا غیر فرار اب نہیں چارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
لاشوں کے جو ہوئے ڈھیر تو رستا نہ ملے گا
بیتیں ہیں وہ پارا کہ قلم سیف زباں ہے
چار آئنہ کیا یہ مہ نو ہے وہ کتاں ہے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے

بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
چار آئینہ کیا قطعۂ آہن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سن سے نکل جائے
جب تک نہ کسا ذکر کبھی جھکتے نہیں دیکھا
ہاں سیل رکی پر اسے رکتے نہیں دیکھا

خاک اڑ گئی اس صف کی جدھر سن سے چلی وہ
خود و سر و رو کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ
تھی ریت میں جب توسن چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیل فنا تھی
پیاسا تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے

کٹ جاتے تھے منھ دیکھ کے سب تیغ زنی کا
قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اس کا
تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اس کا
چلتی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اس کا
ہے صاحب جوہر کا محل چیں بہ جبیں پر
رکھا ہے یہ تو نے کبھی پاؤں زمیں پر ؟

غل تھا یہ کسی تیغ میں یہ خم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے ہیں کہیں لہر نہیں ہے

دشمن کو ہوا لگ گئی اس کی جو قضا را
سمجھا وہ کہ شمشیر ملک الموت نے مارا
گھاٹ اس کا نہ تھا بحر فنا کا تھا کنارا
بے تن سے سر اترے ہوئے مشکل تھا ابھارا
دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اس کے
ابھری نہ کوئی کشتیٔ تن گھاٹ سے اس کے

وہ برق ہے جو خرمن ہستی کو جلا دے
وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے
وہ شعلہ ہے جو تیغ دو دستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے
ہے دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بری ہے

اک آفت نو لشکر سفاک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
دو ہو گیا جس ظالم ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دو دم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

سالم صف ہیجا میں کسی سر کو نہ چھوڑا
جوشن کو کمربند کو بکتر کو نہ چھوڑا
لوہے کے چبانے کی صدا بھا گئی اس کو

لڑتا ہوا پہنچا لب دریا جو وہ جرار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی

گو پیاس سے تڑپا دل عباس خوش اطوار
اس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے

ڈھیلی کی لگام اس کی کئی بار یہ کہکر
کی عرض کہ اے لخت دل ساقی کوثر
پانی پیئے کس طرح علمدار کا گھوڑا

یہ سن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پرنم
منھ باندھ کے تسمے سے رکھا دوش پہ جسم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا

کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
ہر چند کہ دو روز سے پانی نہیں پایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کی پلا ہوں

یہ کہہ کے چلے نہر سے عباس فلک جاہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباس

ساحل پہ ہوئی قتل علمدار کی تدبیر
تھے گھاٹ کو تلوار کی روکے ہوئے بے پیر
یہ حال تھا ضیغم دم جنگ آتا ہے جیسے

سر کیا ہے کہ بے دو کئے پیکر کو نہ چھوڑا
چار آئینہ کو ڈھال کو مغفر کو نہ چھوڑا
جس چیز پہ منھ ڈال دیا کھا گئی اس کو

تھا دست مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
چھینٹا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

بھولے نہ مگر تشنگی سید ابرار
پانی سے اٹھائے رہا منھ اپنا وہ رہوار
ہمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہوئے گا میسر
دو روز سے ہے تشنہ جگر آل پیمبر
پیاسا ہے ابھی سید ابرار کا گھوڑا

سیراب کیا مشک سکینہ کو بصد غم
کی عرض مدد کیجیو اے حافظ عالم
یارب میں بہشتی ہوں پیمبر کے علم کا

لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
جس حال سے آیا تھا اسی طرح چلا ہوں

جاری تھا زباں پر کہ توکلت علی اللہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
خود ڈوب کے اس نہر میں مر جائیں گے عباس

ترکش کے دہن کھل گئے چلوں سے ملے تیر
عباس بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

روتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی
زخم تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکم خدا روکے تو روکے

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیر دلاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشق داور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
وہیں لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا
جو بھاگ گئے تھے ان لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباس

لکھا ہے کہ اک تھا بن ورقہ ستم آرا
بے دست ہوا حیدر کرار کا پیارا
دیکھو تو ذرا جرأت سقائے حرم کو
جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علم شاہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ
تیروں کی تو بوچھار ہوئی چھن گئے عباس

یاں کی تو یہ صورت تھی سنو حال ادھر کا
عریاں ہے سر فاطمہ زہرا کے پسر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاع ازلی کے
مجمع حرم شاہ کا ہے خیمے کے در پہ
تھراتی ہے زوجۂ عباس دلاور
مائیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچے

بادل کو ہٹا کر مہ انور نکل آیا
دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا
لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
کیا روک گئے تم اب جو قضا روکے تو روکے

پستی سے نمایاں ہوا گویا شہ خاور
لو جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا
وہ چاند تھا تو بیچ میں اور گرد اندھیرا
یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
پڑھ پڑھ کے دعا شکر قدم کرتے تھے عباس

تیغ اس کی لگی دوش مبارک پہ قضا را
احمد کا نشان خون میں تر ہو گیا سارا
ساعد کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو
کس یاس سے عباس علمدار نے کی آہ
دونوں نہ رہے دست جگر بند ید اللہ
بازو جو کٹے سرو رواں بن گئے عباس

سب گھر تہ و بالا ہے شہ جن و بشر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
کانوں میں صدا آتی ہے رونے کی علی کے
سیدانیاں سب بیٹھی ہیں کھولے ہوئے سر
فرزند ہے گود میں سر پہ نہیں چادر
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچے

غش ہے کوئی سامان عزا کرتا ہے کوئی
تسبیح لیے ذکرِ خدا کرتی ہے کوئی
دکھ پہنچے نہ کچھ بازوئے شاہِ شہدا کو

زینب کا یہ نقشہ ہے کہ چادر نہیں سر پر
چھائی ہے اُداسی شہِ مظلوم کے گھر پر
صدمہ یہ ہے کچھ کہہ نہیں سکتی ہو سکینہ
کہتی ہے کبھی ننھے سے ہاتھوں کو دھلا کر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا

میں کس سے کہوں کون ہو جو نہر پہ جائے
کس کام کا پانی ہے جو وہ پہنچ نہ سکے
کہہ دے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو

یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج میں اک بار
اب پانی کے شبیر کہاں ایسا مددگار
کم ہو گیا زور آج امامِ ازلی کا

اس شور کے ساتھ آئی صدا طبلِ ظفر کی
اٹھے شہِ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے

میداں میں عجب حال سے پہنچے شہِ ذی جاہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جانکاہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں

گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار
اکبر بہت دور گرے یاں سے علمدار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا

ششدر کوئی بی بی ہے بکا کرتی ہے کوئی
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتی ہے کوئی
یارب تو بچا لیجو سکینہ کے چچا کو

گہہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چلتی ہے چھری پیاس کی بچوں کے جگر پر
ایک اک کا جو منہ پیاس سے تکتی ہے سکینہ
کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقدر
میرے لیے مجروح ہوا ان کا برادر
کیوں بھیجوں تم نے مری تقدیر کو دیکھا

للہ چچا کو کوئی میداں سے بلائے
جان آئے بدن میں جو سکینہ انہیں پائے
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو

تو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
مارا اسے کیا قتل ہوئے حیدرِ کرار
کٹتا ہے گلا حضرتِ عباس علی کا

فضہ نے ادھر دوڑ کے زینب کو خبر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ ادھر کی
بس تھا کہ نکل خیمے سے ہے ہے کی صدا سے

اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیر ید اللہ
نہ پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
ہم شکل نبی دستِ پدر تھامے ہوئے ہیں

دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
غل کیا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیر جواں کا

اکبرؑ نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
عباسؑ نے آواز حزیں اپنی سنائی
بازو ہے جدا بہر سلام اٹھ نہیں سکتا
شبیرؑ پکارے ترے قربان برادر
سا وقت برادر مرے ذی شان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمہارا
پانی کے لئے واہ کمر بھائی کی توڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپ نے موڑی
پہلوئے برادر کے نہ چھٹتے تو مزہ تھا
یہ کہتے تھے جو لاشۂ پرخوں نظر آیا
شانوں سے رواں خون کا جیحوں نظر آیا
دم توڑتے تھے شیر سے لیٹے ہوئے رن میں
شاہ شہدا لاشِ علمدار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا کہ شہ جن و بشر کو
چلاتے تھے اے بھائی کی پیری کے سہارے
اے باپ کے محبوب پسر بھائی کے پیارے
تھا پیری شبیرؑ کا عصا ہاتھ تمہارا
جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی
تھی یا حسنؑ کی تری الفت نے بھلائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی
یہ سن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچی تھیں ساری
بوسے قدم شاہ پہ دینے لگے عباسؑ

شبیرؑ کہا رستے سے بھائی مرے بھائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
تن چھوڑ رہے ایسا [illegible]
طاقت مری پیری کی مری جان کہاں ہو
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان کہاں ہو
چھوڑا ہے ابھی بس وہ کیا پیار تمہارا
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
اٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزہ تھا
تلواروں سے ٹکڑے قد موزوں نظر آیا
رنگِ گلِ رخسار دگرگوں نظر آیا
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو
اے شیر جواں یار وفادار ہمارے
اب خلق سے جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
آج اٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمہارا
معلوم ہوئی اب ہمیں ناناؐ کی جدائی
گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
یوں کہتے کہ سب ہیں پہ سہارا نہیں کوئی
شہ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمہ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی پاس سے دیکھا طرف شاہ
بولے دم آخر کہ نثار شہ ذی جاہ
روتے رہے شاہ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی
خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دل زار
کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رباعی

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
یہ عجز و انکسار بھایا ہے تجھے
جب تک میں تھا تو جدا تھا برسوں کا
جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے
پیری میں بشکل نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

رباعی

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا
جو گوہر معدن در صدف میں ہوگا
مشرق کہ مغرب میں کرو دفن اسے
جو عاشق حیدر ہے نجف میں ہوگا

٦
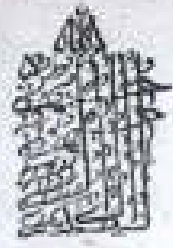
آمد ہے جگر بندِ شہِ قلعہ شکن کی
سرداروں پہ ثابت ہو جدائی سر و تن کی
ہے تیغ بکف قوتِ بازوئے شہِ دیں کا
غل ہے کہ علمدار حسین آتا ہے رن میں
مردے بھی تہِ خاک لرزتے ہیں کفن میں
غازی کی سواری نہیں خیمے سے بڑھی تھی
رنگِ رخِ خورشید ہوا جاتا ہے تغییر
سہما ہوا مخفی شکمِ قوس میں ہے تیر
جمعیتِ عالم کے لیے حشر کا دن ہے
کہتے ہیں ملک عرش کے پائے کو سنبھالے
کیا غزوۂ خندق میں ہے خون کے نالے
نقشہ نظر آ جائے گا پھر جنگِ احد کا
خود شیر ہے جد شیر چچا شیر پدر شیر
پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر
ٹلتے نہیں میداں سے یہ بیٹے ہیں انھیں کا

لشکر میں تلاطم ہے زمیں ہلتی ہے رن کی
سمٹی ہیں رگیں خوف سے شیروں کے بدن کی
تھمتا نہیں ماہی پہ قدم گاوِ زمیں کا
ہے تہلکہ مصر و حلب و روم و ختن میں
پھرتے ہیں ہرن چوکڑی بھولے ہوئے بن میں
شیروں کو نیستاں میں تپِ لرزہ چڑھی تھی
جویا ہے ستاروں کی زرہ کا فلکِ پیر
مریخ کے قبضے سے چھٹی جاتی ہے شمشیر
سیاروں پہ ثابت ہے کہ یہ حشر کا دن ہے
گیتی کو خدا آج تباہی سے بچا لے
ہیں قلعۂ خیبر کے یہی توڑنے والے
چلتا ہے لڑائی پہ چڑھا ہاتھ اسد کا
نعرے ہیں جد شیر کے دل شیر جگر شیر
کیوں نہ ہو اس طرح کے شیروں کا پسر شیر
کہتے ہیں نجف جس کو وہ بیشہ ہے انھیں کا

تلوار کے بچپن سے یہی لوگ دھنی ہیں
قبضے میں انہیں کے ہنرِ تیغ زنی ہیں
جب آگئے ہیں غیظ میں یہ عرش ہلا ہے
جاں بازوں سے جا نہیں سکتا کوئی بازی
ہے سب کو قوی بازوئے سلطانِ حجازی
ساونت ہیں یہ جاں کی پروا نہیں ان کو

ہے خوف کے مارے پسرِ سعد کا منہ زرد
ہے شور کہ بازار شجاعوں کے ہوئے سرد
ہے بے خبری فوج کو آمد کی خبر ہے
رن میں نہیں شمشیر ابھی شیر کی چمکی
طاقت گئی یک دست دلیروں کے قدم کی
ہیں چھوڑے ہوئے کوفی و شامی ہیں ابھی سے

بے جنگ مری جاتی ہیں تلوار کے ڈر سے
جو آپ ہی کشتہ ہوں وہ تیغوں کے ماریں
سر پر کوئی جھنجھلائے ہوئے شیر سے کیا ہو
ظاہر میں تو موجود ہیں سب جنگ کے اسباب
کس طرح چھپیں امن کا گوشہ تو ہوا نایاب
بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کے پھر پڑتے ہیں ڈر کر

تفتیش کو جاسوس چلے جاتے ہیں ہر بار
ناگاہ خبر دے کے پھرا ایک خبردار
غل ہے حرمِ شاہ میں فریاد و فغاں کا
سیدانیاں نکلی ہیں شہِ دیں کو سنبھالے
چلاتے ہیں شہ ہائے مری گود کے پالے
بے تابیِ شبیرؑ پہ گھبراتے ہیں عباسؑ

جاں باز و دلاور ہیں قریشی مدنی ہیں
سر بات پہ دیتے ہیں سخی ابنِ غنی ہیں
ورثے میں انہیں زورِ یداللہ ملا ہے
مر جانے کو اک کھیل سمجھتے ہیں یہ غازی
کر سکتا ہے شیروں پہ کوئی دست درازی
ہٹتے ہوئے رن سے کبھی دیکھا نہیں ان کو

رنگ اڑتا ہے آندھی سے جو اٹھتی ہے کبھی گرد
باندھے ہوئے ہتھیار لرزتے ہیں جواں مرد
ڈھالوں کو تو تھامے ہیں تیغیں ہیں کمر میں
ہیبت سے لرزتی ہیں صفیں فوجِ ستم کی
ہر دم کا ارادہ ہے کہ لے راہ عدم کی
سارے علم فوج سلامی ہیں ابھی سے

خود تیغ کے گھاٹ اتریں گے سرکش کلہ آرا ہیں
ہے سامنا ایسوں کا چلا کھڑکے نہ ہارے
جب ہاتھ میں رعشہ ہو تو شمشیر سے کیا ہو
دریا کے نگہبانوں کا زہرہ ہوگیا آب
اترے ہوئے چلّوں کو چڑھانے کی نہیں تاب
پتا بھی کھڑکتا ہے تو گر پڑتے ہیں ڈر کر

ہیں کان لگائے ہوئے سب فوج کے سالار
خیمے سے برآمد ہوئے عباسؑ علمدار
گھر سب تہ و بالا ہے امامِ دوجہاں کا
ہیں سب کو مگر فاطمہؑ کی جان کے لالے
ہے ہے مرے غمخوار مرے چاہنے والے
جھک جھک کے قدمِ شہ سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

شہ کہتے تھے سر بھائی کا چھاتی سے لگا کر
کہتا ہے علم دار کہ یا سبط پیمبر
بھائی کی سعادت جو کرے بھائی کی خدمت
اک چھوٹی سی لڑکی جو کہ بیٹھے ہوئے آس
کہتی ہے چچا جان بجھا دیجئے مری پیاس
گر دیر لگی تم کو تو جینے کی نہیں ہیں
منہ چوم کے کہتے ہیں یہ عباس دلاور
اب تک تو وغا کرنے کو جا چکتا وہ صفدر
بھائی کا نہ دکھلائے خدا داغ کسی کو
سب حال ابھی کہہ نہ چکا تھا وہ خبردار
گھوڑے پہ چڑھا لخت دل حیدر کرار
لشکر لئے ساتھ آیا ہے اقبال و حشم کا
بے ڈول ہیں تیور خلف شیر خدا کے
اک آن میں آ پڑتے ہیں گھوڑے کو اڑا کے
بھاگو گے صفوں سے تو نکلنا نہ ملے گا
یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شان چمن قدرت باری نظر آئی
آتا تھا جری گھوڑے کو دابے ہوئے رو میں
آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ
سب سوچ رہے تھے اب دیکھئے ہوتا ہے کیا رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے
آ پہنچا قریب اتنے میں حیدر کا وہ پیارا
تھا شور کہ اللہ نظر کا نہیں یارا
گر شرح یہ نہ ہوگی ید بیضا ہے ضیا کی

مر جائیں گے ہم داغ نہ دو ہم کو برادر
حسرت ہے کہ بچوں کے لب خشک کرو تر
کوثر ہے مرے واسطے سقائی کی خدمت
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامن عباس
اقرار کئے جاؤ کب آؤ گے مرے پاس
پھر پانی بھی آئے گا تو پینے کی نہیں ہیں
جلد آئیں گے گھبراؤ نہ تم اے مری دلبر
ہے دیر کی یہ وجہ کہ سب پیٹتے ہیں سر
ڈیوڑھی پہ غش آیا ہے حسین ابن علی کو
جو پیک دودم نے یہ کہا آن کے اک بار
آتا ہے وہ بجلی سا چمکتا ہوا رہوار
اژدر اس کو نہ سمجھو یہ پھریرا ہے علم کا
لشکر کی صفیں دم میں الٹ دیگا وہ آ کے
چلتے رہو۔ دیکھو کہے دیتا ہوں جتا کے
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنا نہ ملے گا
پنہاں ہوئی گرد اور کئی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
اور پھولوں کی لپٹیں چلی آتی تھیں جلو میں
سینوں میں جگر ہل گئے چہروں کا اڑا رنگ
بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
بے جنگ کئے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے
لشکر نے کیا حسن کے گلشن کا نظارا
سجدے کا نشاں ہو کہ یہ ہو صبح کا تارا
خورشید پہ اختر ہے یہ قدرت ہو خدا کی

گویا وہ کمانیں ہیں یہ ابروئے خمیدہ
دونوں ہیں بہم اور ایک سے پھر ایک کشیدہ
قرباں ہے ستم گر کا دل درد رسیدہ
بے مثل کماندار ہیں یہ مردم دیدہ
دل چھد گئے پھر نگہ غیظ جدھر کی
پلکیں نہیں پر تیریاں ہیں تیر نظر کی

چتون میں غضب شیر کا آہو سے بڑی آنکھ
آہن کا بھی دل نرم ہو ڈالے جو کڑی آنکھ
تیر اس کو لگا جس سے لڑائی میں لڑی آنکھ
تھرا گیا جس شخص پہ غصے سے پڑی آنکھ
یوں غیظ سے شیروں کو بھی تکتے نہیں دیکھا
پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا

اللہ رے صنعِ قلم کاتبِ تقدیر
حیرت میں ہے بہزاد بیاضِ رخِ تصویر
یہ حاشیۂ خط یہ رخِ بانوئے شبیر
ہے نور کا سورہ ورقِ ماہ پہ تحریر
دیکھی یہ لطافت نہ کبھی پھول کی بو میں
بینی ہے نشانی کی طرح مصحفِ رو میں

ہے جوشِ جوانی پہ بہارِ گلِ رخسار
کہتی ہے نزاکت کہ نثارِ گلِ رخسار
ہے نکہتِ فردوس غبارِ گلِ رخسار
اور طوطیٔ خط آئینہ دارِ گلِ رخسار
محفوظ ہر رنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
دو گوشۂ کفِ حور ہیں سیبِ جناں کے

بہتر ہے کہیں پارۂ یاقوت سے ہر لب
مُردے کو دکھا دیں لبِ عیسیٰ کا اثر لب
گویا ہیں نزاکت سے دو برگِ گلِ تر لب
بے مثل ہیں شیریں سخنی میں یہ شکر لب
باتوں میں فصیحانِ عرب بند ہوئے ہیں
ہاں یوسفِ مصری کے بھی لب بند ہوئے ہیں

غنچے کا ہے کیا منہ جو مقابل ہو دہن کو
دیکھے تو خجالت اسے حاصل ہو دہن کو
لانا بزباں بات کا مشکل ہو دہن کو
خود سر بگریباں ہو یہ قائل ہو دہن کو
عالم میں گروہِ شعرا ایک زباں ہے
عقدہ نہ کھلے گا کہ یہ اسرار نہاں ہے

کلیوں سے سمن کی بھی معطر ہیں یہ دنداں
گویا فلکِ حسن کے اختر ہیں یہ دنداں
ہیرے کے نگینوں سے بھی بہتر ہیں یہ دنداں
ہو جن کا بہا خلد وہ گوہر ہیں یہ دنداں
حیرت ہو صفا دیکھ کے ان دانتوں کی صف کی
دو لعلوں میں تسبیح ہو اک درِ نجف کی

کیا حسن ہو کیا نور ہے کیا صاف گلا ہے
اے اہلِ نظر لائق اوصاف گلا ہے
مہتاب اگر کہیے الطاف گلا ہے
آئینۂ بلور سے شفاف گلا ہے
دعوے کرے کس منہ سے قمر جلوہ گری کا
غیرت سے یہاں بند ہو دم حور و پری کا

اللہ ری ضیا رشک رخ حور ہے گردن
مانند قمر حسن سے معمور ہے گردن
روشن صفت آئینۂ نور ہے گردن
پروانے ہیں دل شمع سر طور ہے گردن
کب جلوۂ خورشید ٹھہرتا ہے نظر میں
دیکھی یہ صباحت نہ کبھی نور سحر میں

کس حسن سے تیار ہیں اس ماہ کے شانے
ہیں جیسے محمد شہ ذیجاہ کے شانے
تھے ایسے ہی حیدر سے شہنشاہ کے شانے
رکھتے تھے یہی شان ید اللہ کے شانے
اللہ آیا تھا جعفر کو نہ جاہ و حشم ایسا
اس دوش کے اوپر ہو تو ہو وے علم ایسا

ہیں اہل ولائے شجاعت یہی بازو
رکھتے ہیں ید اللہ کی طاقت یہی بازو
ہیں بازوئے شبیر کی قوت یہی بازو
شیروں کو بھی دیتے ہیں ہزیمت یہی بازو
ہم پنجہ ہو طاقت یہ تہمتن کی نہیں ہے
کچھ جنگ میں حاجت انھیں جوشن کی نہیں ہے

خوبی میں زمانے سے نرالے ہیں یہ ساعد
سانچے میں فقط نور کے ڈھالے ہیں یہ ساعد
بار سپر و تیغ سنبھالے ہیں یہ ساعد
اس کفر کا در توڑنے والے ہیں یہ ساعد
پہنچے کو کسی حور کا پہنچا نہیں پہونچا
اس حسن کو حسن ید بیضا نہیں پہنچا

کیا پنجہ ہے اس صاحب صمصام کا پنجہ
انگشت ملائے تو پھرے سام کا پنجہ
ہم پنجہ نہ پنجے سے ہو ضرغام کا پنجہ
مخصوص یہ شمشیر کے ہے کام کا پنجہ
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کو بنی ہیں
پنجے پہ وہ قربان ہیں جو پنجتنی ہیں

روشن گہر مصباح انامل ہیں یہ ناخن
حلال دو صد عقدۂ مشکل ہیں یہ ناخن
یوں دیکھو تو رشک مہ کامل ہیں یہ ناخن
ترشیں تو مہ نو کے مقابل ہیں یہ ناخن
قطع نظر اس کی صفتیں اور بھی سو ہیں
ہر پنجے میں دس بدر ہیں اور دس مہ نو ہیں

مصروف ثنا تھی سپہ شام کہ ناگاہ
سید اس سے بڑھا وہ بنی ہاشم ذی جاہ
نعرہ کیا ضیغم نے کہ اے لشکر روباہ
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر ہو اسد اللہ
بھاگی ہے وہ جس فوج پہ وار اپنے چلے ہیں
ہم بیشۂ ضرغام الٰہی کے پلے ہیں

گھر حسن کا اور علم کا گنجینہ ہو سینہ
رخ شمع تجلی ہے تو سینہ ہو سفینہ
دل بغض سے خالی ہو تو بے کینہ ہو سینہ
دشمن سے بھی ہو صاف وہ آئینہ ہو سینہ
ہے غیرت آئینہ تن اس رشک قمر کا
اس پہلو سے پہلو نظر آتا ہے ادھر کا

آمادہ ہے دل باپ کی خیبر شکنی پر
تیار ہر انگشت ہے شمشیر زنی پر
تن عطر میں خوشبو ہے پسینے کی بسا ہے
ہٹنے کے نہیں قاف کے ہمسر یہ قدم ہیں
شاہوں کے سروں کے لئے افسر یہ قدم ہیں
گیتی جو الٹ جائے تو زیر و انھیں کب ہے
ہے جس کا پدر قاتل کفار وہ میں ہوں
جو لشکر دیں کا ہے علمدار وہ میں ہوں
چاہی نہیں مشکل میں مدد جن و ملک سے
خادم ہوں میں اس کا جو نبی کا ہے نصیرا
ہم شیروں کا طفلی سے شجاعت ہی وطیرا
کب بند کھلا جو اسد اللہ نے باندھا
عالم میں لقب صاحب صمصام ہو کس کا
حیدر کے سوا شیر خدا نام ہے کس کا
انساں کوئی جنات کے لشکر سے لڑا ہے
مرحب ہو جیلی کون سے جرار کی شمشیر
کس شخص نے صفین میں لاشوں کے کیے ڈھیر
کس سے ہوا جو کام ہوا دست علیؑ سے
خندق پہ اسے توڑ کے پل کر دیا کس نے
مصباح رہِ کفر کو گل کر دیا کس نے
تھی لشکر کفار میں صد حیف کی آواز
چھپکے ہے شجاعوں نے مزا تیغ کے پھل کا
پوشیدہ ہے قصہ نہ احد کا نہ جمل کا
اس دن سے شرف کیا شب معراج سے کم تھے

قربان ہے جاں آل رسول مدنی پر
شاہد ہے کمر شیر کی نازک بدنی پر
بچے کو عجب حسن ہے مرنے پہ شکستا ہے
چھوڑیں گے نہ جا تیر سکندر یہ قدم ہیں
اس زورق اسلام کے لنگر یہ قدم ہیں
ثابت قدمی کفش دلاور کا لقب ہے
کہتے ہیں جسے صفدر و جرار وہ میں ہوں
رکتی نہیں جس شیر کی تلوار وہ میں ہوں
تلوار ہمارے لئے اتری ہے فلک سے
درگاہِ خدا میں ہو دعا جس کی پذیرا
گہوارے میں اژدر کو مرے باپ نے چیرا
عفریت کے ہاتھوں کو ید اللہ نے باندھا
شہرہ بجہاں روم سے تا شام ہو کس کا
کاٹے پر جبریل کو یہ کام ہو کس کا
کون آگ میں پانی کے لئے کود پڑا ہے
اور عمرو ہوا کس کی زبردستیوں سے زیر
جو قاتلِ عنتر ہے کہو کون ہو وہ شیر؟
خیبر کا وہ در تھا کہ اکھڑتا وہ کسی سے!
بشاش دلِ ختم رسلؐ کر دیا کس نے
تاجرخ بریں فتح کا غل کر دیا کس نے
یاں عرش سے تا فرش تھی لاسیف کی آواز
حیدر کی نہ تھی ضرب طمانچہ تھا اجل کا
بت توڑے ہیں کعبے میں ابھی ذکر ہو کل کا
سر عرش پہ تھا دوش محمدؐ پہ قدم تھے

بتلاؤ لقب فاتحِ صفین ہے کس کا
حق جس سے نمودار ہو وہ دین ہے کس کا
ہر فعلِ حسن لائقِ تحسین ہے کس کا
آئینہ کرے دیں کو یہ آئین ہے کس کا
گر بدر میں وہ شیرِ جگر جنگ نہ جاتا
آئینۂ ایماں سے کبھی زنگ نہ جاتا

مصحف کی عبارت سے عیاں شانِ علیؑ ہے
ذاتِ احدی آپ ثنا خوانِ علیؑ ہے
خورشید کو رجعت ہو وہ فرمانِ علیؑ ہے
جن و ملک و انس پہ احسانِ علیؑ ہے
حق سے پھرے کیوں سبب اس کا نہیں کھلتا
بے ان کی عنایت کوئی عقدہ نہیں کھلتا

ہے سورۂ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت
سمجھو اسے مصباحِ شبستانِ ہدایت
یہ مصحفِ ناطق کے صحیفے کی ہے آیت
پایا ہے شرف وہ کہ نہیں جس کی نہایت
شبیرؑ سے یوں آلِ رسولِ دوسرا ہیں
یٰسین ہے جس طرح سے قرآنِ خدا ہیں

اس صولت و شوکت سے رجز خواں ہوا ضیغم
تھرا گئے دل کانپ اٹھا لشکرِ اظلم
بے جنگ صفیں ہونے لگیں درہم و برہم
نکلا پسرِ سعدِ لعیں فوج سے اس دم
سرکا کے سرِ نحس سے خودِ حیدرِ زری کو
کی دور سے تسلیم علمدارِ جری کو

منہ پھیر کے عباسؑ نے قبضے پہ دھرا ہات
تب کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ بدذات
اے کعبۂ تسلیم و رضا قبلۂ حاجات!
میں فوج سے کرتا ہوں ثنا آپ کی دن رات
واللہ جواں آپ سے نایاب جہاں ہیں
حضرت سے اولو العزم زمانے میں کہاں ہیں

آپ آئے ہیں اس وقت مدارات کروں کیا
بندے کو سرافراز کیا شکر کی ہے جا
لشکر ہے کہو پھر لیجئے حاضر ہے یہ دریا
اب دھوپ میں ہیں آپ مجھے ہوتی ہے ایذا
کچھ مجھ سے وفا ہو تو قسم لیجئے آ کر
سائے میں مرے خیمے کے دم لیجئے آ کر

مرضی ہو تو لکھ دوں میں ابھی خطِ غلامی
ہے فخر کہ آقا ہو مرا آپ سا نامی
آپ آئیں تو ہو وے ابھی یہ فوج اسامی
جھک جھک کے قدم بوس ہوں سب کوفی و شامی
گر آپ کا دل صاف ہو بندے کی طرف سے
نذر اپنے لئے سردار بڑھیں فوج کی صف سے

منہ دیکھ کے اس کا متبسم ہوئے عباسؑ
فرمایا کہ جو کہتا ہے تو لائے خدا راس
میں جانتا ہوں جو تجھے ایسا ہی مرا پاس
پر بھائی سے آشفتہ ہوں میں اس کی نہ رکھ آس
میں کیا ہوں ہر اک طفل بھی اس گھر کا جری ہے
بھائی کے تصدق میں مری ناموری ہے

بچپن سے غلامی میں رہا کرتا ہوں دن رات　　ان کا جو نہ ہوں میں کوئی پوچھے نہ مری بات
لازم ہے محمدؐ کے نواسے کی مدارات　　ہے ان کی ملاقات پیمبرؐ کی ملاقات
ملتی ہے نجات ان کے ہوا کس کے ملے سے　　مل اس سے کہ ملتا ہے خدا جس کے ملے سے

ہے مدح کے قابل پسر حضرت زہرا　　میں بندۂ ناچیز ہوں تعریف مری کیا
حاضر مجھے کوثر بھی ہے اور سایۂ طوبیٰ　　پانی کی نہ خواہش نہ ہے چتر کی پروا
شبیرؑ کے ہم دامن دولت میں پلے ہیں　　سائے میں جو اُن کے ہیں وہ طوبیٰ کے تلے ہیں

ہے چتر سے بہتر علم شاہ کا سایہ　　پنجہ یہ نہیں سر پہ ہے اللہ کا سایہ
حق مجھ پہ رکھے فاطمہؑ کے ماہ کا سایہ　　ہے ظل ہما سید ذی جاہ کا سایہ
پروا نہیں حصے میں اگر زر نہیں آیا　　یہ حیثیت سلیماںؑ کو میسر نہیں آیا

آقا سے کدورت ہے غلاموں سے صفائی　　ہرگز یہ مدارات تری مجھ کو نہ بھائی
پچھتائے گا اچھی نہیں نیکوں سے برائی　　وہ پیاسے ہوں اور پانی پیے ساری خدائی
شبیرؑ کو ایذا ہے مجھے رنج بڑے ہیں　　ڈیوڑھی کے قریب دھوپ میں بے سایہ کھڑے ہیں

سوچا عمر سعد کہ خالی گئے سب وار　　قابو میں کسی طرح نہ آئے گا علمدار
وہ چپ جو ہوا بول اٹھا شمر ستمگار　　کیوں کرتے ہیں بیعت میں تامل شہ ابرار
حاکم ہے زبردست نہ کچھ زور چلے گا　　سر تیغ سے کٹ جائے گا خیمہ بھی جلے گا

یہ سنتے ہی عباسؑ کو غیظ آ گیا اک بار　　تھرانے لگا جسم اگلنے لگی تلوار
بڑھ کر کہا کیا بکتا ہے او ظالم غدار　　یاں کچھ ترے حاکم کی حقیقت نہیں زنہار
مرتد ہے کہ کفر سے سرشت ہے ظالم　　کیا دست خدا سے بھی زبردست ہے ظالم

کیا منہ ہے جو عباسؑ پہ کوئی ہاتھ اٹھائے　　رستم ہو تو مہلت نہ مری تیغ سے پائے
بجلی سی جو چمکے تو کوئی تاب نہ لائے　　جل جائے وہ خیمے کے جلانے کو جو آئے
ہے زینبؑ دل سوختہ جس میں یہ وہ گھر ہے　　سیدانیوں کی آہ میں بجلی کا اثر ہے

یہ کہہ کے سرو ہا کو علمدار نے کھینچا　　باگوں کو اُدھر فوج ستمگار نے کھینچا
نقشہ ملک الموت کا تلوار نے کھینچا　　سر خوف سے باغی میں ہر اک یار نے کھینچا
وحشت سے ہرن دشت کی حد چھوڑ کے بھاگے　　دریا کی ترائی کو اسد چھوڑ کے بھاگے

بجلی سی جو چمکی تو پرندوں کے اڑے ہوش
گھر چھٹ گئے بچوں کی ہوئی یاد فراموش
سب کوہ کے دامن میں در و غار ہوئے روپوش
تھرانے لگے کان کھڑے کر کے سیہ گوش
ہلتی تھی زمیں شورِ دف و صنج و دہل تھا
شیر آتا ہے چھپتے رہو چیتوں میں یہ غل تھا

رانوں میں علمدار نے گھوڑے کو جو مسکا
اڑنے میں تامل نہ ہوا ایک نفس کا
ممکن نہ ہوا کا گزر اس تک نہ ہوس کا
غل تھا یہ چھلاوہ ہے کہ سایہ ہے فرس کا
شبدیز نظر کو بھی رسائی نہیں دیتا
ہاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمک تیغ دو دم کی
یاں گر کے گئی واں ادھر آئی تو وہ چمکی
تاب اس کی ہر اک ذرہ دکھاتی تھی سم کی
جل جل کے صفیں خاک ہوئیں فوجِ ستم کی
غل تھا کہ چلے آگ سے کیا زور بشر کا
تلوار نہ سمجھو یہ زباں ہے سقر کا

ہم گھاٹ پہ ہیں نہر ادھر ہے ادھر آتش
ہو زیرِ قدم آگ تو بالائے سر آتش
میداں میں ہے دوزخ کی طرح شعلہ ور آتش
کھینچے لئے جاتی ہے میانِ سقر آتش
بچ کر گرہِ نار سے کس طرح نکل جائیں
بھاگیں تو گریں نہر میں ٹھہریں تو جل جائیں

جب تیغ پکڑ کر پسرِ عقدہ کشا آئے
کس طرح سے نیزوں کا ہر اک بند نہ تھرائے
ٹوٹے ہوئے دل ہوں تو کمر کیا کوئی پھیلائے
ڈٹ کے کوئی ضیغم کو کہاں سے یہ جگر لائے
شیروں سے جہاں میں کسے یارا ہو وغا کا
اور شیر بھی وہ شیر جو ہے شیرِ خدا کا

یہ زور گھٹا ہے کہ کمانیں ہیں کبادے
ہیں چلہ نشیں تیر ہوئے سست ارادے
ہیں کشمکشِ فوج سے پامال پیادے
غل تھا کسی گوشے میں کوئی ہم کو چھپا دے
ہوں تیرِ اجل کا جو نشانہ تو بجا ہے
شیر سے لڑے کیوں یہ ہماری ہی خطا ہے

روباہوں کی فریاد کو سنتا تھا نہ وہ شیر
تھا جوشِ شجاعت سے جہاں آنکھوں پہ اندھیر
سن سن صفِ اعدا پہ چلی جاتی تھی شمشیر
پشتے کہیں کشتوں کے کہیں زخمیوں کے ڈھیر
ترکش تھے قلم تیغ سے بیداد گروں کے
ایک ایک قدم خاک پہ تودے تھے سروں کے

جس صف پہ گئی تیغ وہ بے جان نظر آئی
سر کاٹ کے یاں سے جو گئی واں نظر آئی
گرتی ہوئی بجلی سرِ میداں نظر آئی
دم میں کہیں سیل اور کہیں طوفاں نظر آئی
اعجاز کے انداز دمِ جنگ دکھائے
اک آب دمِ تیغ نے سو رنگ دکھائے

کاٹے ہوئے نیزوں کے کہیں بند پڑے تھے
جو زخمی تھے آنکھیں وہ کیے بند پڑے تھے
پنجہ کہیں بازو کہیں اور شانے کہیں تھے
تھے غرق بخوں خود کہیں جا تو کہیں سر
چار آئنے ٹکڑے تھے کہیں اور کہیں مغفر
تھا ان کے نہ تھے تن پہ بہادر جو بڑے تھے

یوں سرخ ہوا خوں سے دم تیغ ہلالی
کھینچی قلم فکر نے تصویر خیالی
دل آب ہو غربت پہ شہِ تشنہ گلو کی
اک ضرب نہ اس تیغ کی دشمن نے اٹھائی
خفت دم شمشیر سے جوشن نے اٹھائی
اک دم میں نہ مغفر تھا نہ سر تھا نہ گلا تھا

کر دیتی تھی ہر چشم کو خیرہ چمک اس کی
کیوں دھوم سماے نہ ہو تا سمک اس کی
مقراض سی چلتی تھی تن اہل ستم پر
ہر ضرب میں سر برچھیوں والوں کے اڑائے
دم میں ورق اعدا کے رسالوں کے اڑائے
کم چلتی ہے ایسی بھی ہوا باغ جہاں میں

بڑھ کر جو کوئی شیر غضبناک پہ آیا
تلوار کا سر گردن سفاک پہ آیا
چھوٹا نہ جہنم کا کنارہ سقری سے
جس طرح تپاں رن میں صف فوج کو دیکھا
جب فرد کو دو کر کے پھر زوج کو دیکھا
جاتی تھی جو اک برق سی گردوں پہ چمک کے

زخموں میں جواناں تنومند پڑے تھے
تھا باپ کہیں اور کہیں فرزند پڑے تھے
سینچے کہیں جا بجا ہو بچے تھے و تانے کہیں تھے
بکھری ہوئی کڑیاں کہیں جوشن کی ادھر
گھوڑوں کے کہیں زین کہیں باگیں کہیں پاکھر
تلواروں کے پھل ڈھالوں کے پھولوں پہ پڑے تھے

جیسے لب معشوق پہ ہو پان کی لالی
لیکن نہیں یہ بات بھی کچھ رنگ سے خالی
تلوار بھی پیاسی ہے لعینوں کے لہو کی
وہ تھا جو سپر سر پہ تہمتن نے اٹھائی
تن کیا ہے شکست اس سے جبہ تن نے اٹھائی
لوہے کو بھی کھا جاتی تھی منہ تھا کہ بلا تھا

دوزخ کے دہانے سے سوا تھی لپک اس کی
کرتی ہے صفت سیف زباں آج تک اس کی
بس قطعہ یہ جامہ تھا اسی تیغ دو دم پر
ٹکڑے صف جنگاہ میں جالوں کے اڑائے
پھل تیغ کے پھول آہنی ڈھالوں کے اڑائے
سر اڑتے تھے یوں برگ گریں جیسے خزاں میں

خالق کا غضب اس سگ ناپاک پہ آیا
سر اڑ کے گرا نہر میں تن خاک پہ آیا
دوزخ میں یہ خشکی سے گیا اور وہ تری سے
بیتاب تلاطم میں نہ یوں موج کو دیکھا
دیکھا کبھی پستی کو کبھی اوج کو دیکھا
کرتے تھے ملک بند دریچوں کو فلک کے

یاں سے کبھی واں وار کے چمک کر ادھر آئی
اس صف سے زرہ پوشوں کو تک کر ادھر آئی
شمشیر یہ ذو معنی کہیں ادھر کہیں تھی
ہر وار میں چلّوں کو کمانوں سے اڑایا
بڑھ بڑھ کے پھریروں کو نشانوں سے اڑایا
جو راہ ہوئی بند وہ تدبیر سے کھولی
چلّے کو اگر بڑھ کے کماں دار نے کھینچا
ہاتھ اپنا ادھر ڈر کے جفا کار نے کھینچا
سہما ہوا وہ دشمنِ دیں کشمکش میں پڑا تھا
سرداروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
اس طرح پرے خاک پہ دو چار گرائے
گرتی تھی جو اک برق سی بیداد گروں پر
چار آئینے کو کاٹ کے اس شیر کی تلوار
آہن پہ بھی رکتی نہ تھی وہ صاعقہ کردار
تھی سینچتی تیغ، سنے ڈھنگ تھے اس کے
اس تیغ نے سب رن کی زمیں خون سے رنگی
کوئی کہیں کٹتے، کہیں رومی کہیں زنگی
ہر طائرِ جاں ڈھونڈھتا تھا راہِ عدم کو
اسواروں کے تن بے تگ و دو ہو گئے بے سر
تو رہ گئے دو ٹکڑوں میں تو سو ہو گئے بے سر
تھا غور کہ بھاگ کے طاقت ہو وغا کی
غازی سے جو لڑنے سپہ شام میں آئے
سینے جو زرہ جائے کو اندام میں آئے
سمجھے ہو غلط یہ کہ حصار آئینہ ہو گا

سب بے سر ہوئی وہ صف تو پلٹ کر ادھر آئی
یہ واں گئی اور آگ بھڑک کر ادھر آئی
بجلی تھی کہیں شعلۂ جوالہ کہیں تھی
ہاتھوں کو جواں مردوں کے شانوں سے اڑایا
جرّار نے نیزوں کو سنانوں سے اڑایا
نیزے کی گرہ ناخنِ تدبیر سے کھولی
جوں کاوہ تبا تیر کو تلوار نے کھینچا
تلوار نے چھوڑا تھا کہ پس اُس نے کھینچا
اک رشتۂ جاں لاکھ کشاکش میں پڑا تھا
کس طرح اٹھے جب کہ وہ تلوار گرائے
جیسے کوئی فولاد کی دیوار گرائے
جا پڑتے تھے اس صف کے سر اُس صف کے سروں پر
یوں تن میں در آتی تھی کہ صابون میں تار
خود و زرہ و بکتر و دستانے تھے بیکار
دو چار تو ہر وار میں چو رنگ تھے اس کے
مارے گئے جتنے تھے جو اس فوج میں جنگی
دل چاک تھے کہ سینوں میں قفس کرتے تھے تنگی
پر تن سے نکلنے کی نہ جا ملتی تھی دم کو
بھاگے سپر پر روک کے تو ہو گئے بے سر
دو تن میں جو بچا ایک تو دو ہو گئے بے سر
موج آتی ہے دریا کی طرح بحرِ فنا کی
آہو کی طرح پنجۂ ضرغام میں آئے
دی موت نے آواز کہ اب دام میں آئے
دم میں نہ زرہ ہو گی نہ چار آئینہ ہو گا

شعلے کی لپک فوج کو دکھلا کے پھر آئی
دس بیس کے سر خاک پہ برسا کے پھر آئی
دریا سے چمک کر گئی لہرا کے پھر آئی
چلاتے تھے ناری کہ اجل جا کے پھر آئی
مہلت ہو جو دم بھر تو کسی گھات سے بھاگیں
حیراں ہیں کہاں مرگ مفاجات سے بھاگیں

بجلی سی ادھر صف پہ گری اور ادھر اٹھی
بازو تھا قلم ہاتھ سے جس کے سپر اٹھی
گر سنگ پہ بیٹھی تو زبان شرر اٹھی
جس غول سے جب سنسنا کے اٹھی خوں کی لہر اٹھی
رہ رہ کے اڑاتی تھی جو اعدا کے سروں کو
چھاتی تلے جبریل چھپاتے تھے پروں کو

قوت اسد اللہ کی غازی نے دکھائی
شان اپنی لڑائی کی نمازی نے دکھائی
لشکر شکنی شیر حجازی نے دکھائی
بجلی کی تڑپ پشت پہ تازی نے دکھائی
رہنے جو بڑھا ڈر سے لہو گھٹ گیا اس کا
گھوڑے کی پڑی ٹاپ کہ سر پھٹ گیا اس کا

بجلی میں نہ ایسی کبھی چل بل نظر آئی
کاوے تھے کہ پھرتی ہوئی اک کل نظر آئی
تاروں سے چمکتی ہوئی ہیکل نظر آئی
آیا وہ جدھر فوج میں ہل چل نظر آئی
دریا تھا کہ دکھلا کے روانی نظر آیا
جب ٹاپ پڑی خاک سے پانی نظر آیا

جاں باز و قوی ہیکل و خوش رو و توانا
کوڑا کسے کہتے ہیں کبھی اس نے نہ جانا
دو روز سے کاہیدہ تھی نہ دانا
کاووں میں بھلا لگتا تھا کیا جھوم کے آنا
صرصر تھا کسی جا تو کہیں کبک دری تھا
پویہ میں جو طاؤس تو اڑنے میں پری تھا

گردن تلے اسوار چھپے پیٹھ وسیع ایسا
سائے پہ بھی بل کرتا تھا قاقوس بھی ایسا
مرکب جو لڑائی میں خدا دے تو بس ایسا
اسوار جو ایسا ہو تو ہووے فرس ایسا
رف رف بھی اس انداز سے فر فر نہیں جاتا
یوں تخت سلیماں بھی ہوا پر نہیں جاتا

تھا شور کہ بھاگو یہ لڑائی ہے علی کی
پنجہ یہ علی کا یہ کلائی ہے علی کی
جرأت اس اسوار نے پائی ہے علی کی
بے سر ہوئے جاتے ہیں دہائی ہے علی کی
اے شیر زبان اسد اللہ اماں دے!
اے قوت بازوئے ید اللہ اماں دے

اب زیست کا اپنی کوئی اسباب نہیں ہے
دہشت سے تری کس کا جگر آب نہیں ہے
گر موت کا ہے تیغ کی اب آب نہیں ہے
تلوار نہ چمکا کہ ہمیں تاب نہیں ہے
کر رحم محمد کے نواسے کا تصدق
یہ مشک ہے جس کی اسی پیاسے کا تصدق

نوشاہ کے اس لاشۂ پامال کا صدقہ
پیارے علی اصغر کے سن و سال کا صدقہ
دم بند ہوئے ڈر سے تری تیغ دو دم کے
حقا کہ تجھے قوت خیبر شکنی ہے
بس اب نہ بگڑ ہم سے کہ جاں تک بنی ہے
مشہور ہے قاتل پہ جو احسان کئے ہیں
حضرت نے سنی جب یہ لعینوں کی دہائی
گھبرا کے بلندی سے یہ آواز سنائی
اس وقت اداں وے انہیں گو بے ادبی کی
روتا ہوں سنی جاتی نہیں مجھ سے یہ فریاد
بچوں پہ مرے ہووے تو ہو پیاس کی بیداد
پانی نہیں ملتا تو چلے آؤ برادر
غازی نے صدا دی کہ میں ہوں تابع فرماں
اقبال سے حضرت کے مرے ہاتھ ہے میداں
میداں کی تو سب خون میں سرشار صفیں ہیں
پھر آنے کا موقع نہیں اے عاشق باری
سنتے نہیں دشمن کی کبھی منت و زاری
امت نے ہمیں خوب رضامند کیا ہے!
یہ کہہ کے لیا خیر نے دریا کا کنارا
اک آن میں تلوار سے گھاٹ ان کو اتارا
جھڑ آئے ہزاروں پہ نہ گھبرائے عباس
پانی میں بچا تک جو پڑا عکس علم کا
چمکا جو پسینہ رخ سقائے حرم کا
اوس گئی پھولوں کی مہک تخت اٹھا کے

اکبر کی جوانی کا اور اقبال کا صدقہ
خوں اب نہ بہا فاطمہ کے لال کا صدقہ
آزاد کر اب ہم کو تصدق میں علم کے
تلوار کا مالک ہے شجاعت کا دھنی ہے
تو فیض کا دریا ہے غنی ابن غنی ہے
حیدر نے تو دشمن کے گنہ بخش دیئے ہیں
کیا رحم تھا امت کے لئے چشم بھر آئی
بس ہیں مرے بھائی مرے بھائی مرے بھائی!
عباس نہیں قربان یہ امت ہے نبی کی
دشمن کی بھی ہم لوگ مدد کرتے ہیں امداد
مر جائے سکینہ مگر امت نہ ہو برباد
آ کر مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
بندے سے دغا کرتے ہیں یہ دشمن ایماں
اب نہر کو لیتا ہے غلام شہ ذیشاں
باقی فقط اب گھاٹ کی دو چار صفیں ہیں
مر جائے گی بن پانی سکینہ مری پیاری
آتش میں جلا دینے کے قابل ہیں یہ ناری
پردیسیوں پر آب رواں بند کیا ہے
پھرتی سے جھپٹ کر اسے اعدا سے ابارا
بھاگا ہوا لشکر متفرق ہوا سارا
تلوار لئے نہر میں داخل ہوئے عباس
تھا پنجۂ خورشید کا آئینے میں چمکا
پانی میں ملا عطر گل باغ ارم کا
[illegible]

دی خضر نے آواز کہ اے یوسف ثانی
رو کر یہ پکارا اسد اللہ کا جانی
خشکی میں ستاتی ہے سکینہ پہ چچی کے
جل جائے کلیجہ تو نہ میں پیاس بجھاؤں
حسرت ہو کہ یہ مشک لئے خیمے میں جاؤں
تلواریں بھی برسیں تو نہ تیور پہ بل آئے

فرما کے یہ رکھا تہ راں تیغ دو دم کو
پھر جھک کے بجرا اشک یتیمان حرم کو
کیا ساتھ دیا پیاس میں اس بحر عطا کا
دیکھا جو عمر نے کہ چلا شاہ کا غمخوار
لو مشک لئے جاتا ہے عباسؑ علمدار
ہے موت جو قابو میں نہ یہ شیر اب آیا

ہے شیث کدھر ہے کماں داروں کا جتھا
نوفل بھی پرا اپنے سواروں کا جمائے
خشکی میں بنی زادوں کی کشتی کو ڈبا دو
جو تیر بہادر کے لگا دے وہ گہر لے
باور جو نہ ہو مہر مری خسرو پہ کرے
کچھ غم نہیں مجھ کو جو خزانہ مرا لٹ جائے

پانی کے نہ دینے سے ہم ان شیروں پہ جری ہیں
دنیا میں بھی مالک شمشیر و دو سری ہیں
پانی جو گیا خیمۂ شاہ شہدا میں
ساحل سے بڑھا آتا ہے وہ گھاٹ پہ جاؤ
مشکیزے سے پانی تو لہو تن سے بہاؤ
دیکھوں میں کہاں جشن ہو واں بزم عزا ہو

گرمی میں گوارا ہو تجھے نہر کا پانی
ہفتم سے ہے آقا کو مرے تشنہ دہانی
اطفال تڑپتے رہیں حسینؑ ابن علیؑ کے
کوثر کا ہو پانی تو نہ لب تک اسے لاؤں
ٹھنڈا مرا دل ہو جو سکینہ کو پلاؤں
جینے کا مزہ کیا جو وفا میں خلل آئے

اور داب لیا دوسرے زانو سے علم کو
دریا سے نکالا فرس تیز قدم کو
افسانہ رہا خلق میں گھوڑے کی وفا کا
چلانے لگا پیٹ کے زانو وہ جفا کار
دوڑو صفت ابر کرو تیروں کی بوچھار
مشکیزہ گیا خیمے تلک اور غضب ہے

نیزوں کی سناں ابن انس بڑھ کے ہلائے
سقائے حرم راہ نکلنے کی نہ پائے
ان خوں میں سکینہ کے بھی کشتی کو ڈبا دو
اس شیر کو جو سرخ کرے خوں میں وہ زر لے
سونے کے بھرے جو وہ پر ان کے بھرے
عباسؑ علمدار اگر بھائی سے چھٹ جائے

بنتے رہیں کوئی یہ اسد اللہ کے پسر ہیں
تلواروں میں آنے کے لئے سینہ سپر ہیں
یہ آگ لگا دیویں گے میدان وغا میں
جب جانوں جو اس شیر کا سر کاٹ کے لاؤ
تیغوں سے چراغ شہ مرداں کو بجھاؤ
ٹوٹے کمر سبط پیمبر تو مزہ ہو

آنکھوں سے میں دیکھوں کہ گرا گھوڑے سے عباس
یہ مشک و علم خون میں تر آئے مرے پاس
خلعت تمہیں پہناؤں کہ آرائش تن ہو

یہ سن کے پھری دور سے بھاگی ہوئی وہ فوج
نقارہ جو تھی فوج وہ ڈوبی کہ ہوئی موج
دم دے کے صف جنگ میں تنہا نے صدا کی

سب شام کی فوج ابن ید اللہ پہ آئی
سب تیروں کی بوچھار جدھر جاہ پہ آئی
روکیں سپر پہ سب نے قدم پیچھے ہٹا کے

کس طرح جسے ایک سے دو لاکھ کا ریلا
سقائے یتیمان حرم جان پہ کھیلا
اس جنگ کو پوچھے کوئی اس تشنہ جگر سے

دکھوں سے رہے یوں علم شہ کو سنبھالے
فرصت یہ کہاں تیر جو سینے سے نکالے
سر زخمی ہے خوں بہہ کے ٹپکتا ہے گلے سے

تھا شور کہ یہ شیر ژیاں جانے نہ پائے
بازوئے امام دو جہاں جانے نہ پائے
برباد کرو محنت سقائے سکینہ

ملتی جو نہ تھی راہ تو حیراں تھا علمدار
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے تھے دو چار
سرخ آنکھیں تھیں غصے سے پسینہ تھا جبیں پر

ناگاہ پس پشت گئے دو ستم ایجاد
مکار ستمگار و خطا پیشہ و شیاد
جو مشک کو تاکے تھے نظر ان کی ادھر تھی

کانوں سے سنوں میں کہ سکینہ ہوئی بے آس
غل ہو کہ وہ شبیر کے بچوں کی بجھی پیاس
اور لاش علمدار کی محتاج کفن ہو

جس طرح کہ آندھی سے سمندر میں اٹھے موج
افتادہ نشانوں کو دوبارا ہوا پھر اوج
بیٹھی ہوئی آواز کھلی طبل وغا کی

کس شور سے گھنگھور گھٹا اوپہ چھائی
تلوار کی بجلی صف گمراہ پہ آئی
اک دم میں دھوئیں اڑ گئے ڈھالوں کی گھٹا کے

اک قہر کا دریا تھا پہ کیا کیا اسے جھیلا
واحسرت و درد اوہ ہزاروں میں اکیلا
پانی نہ ملا ہو جسے چوبیس پہر سے

کچھ مشک پہ آفت ہو تو کیونکر اسے تانے
دم لینے میں سو جسم پہ پڑ جاتے تھے بھالے
پر مشک ہٹاتے ہیں چھاتی کے تلے سے

ہاں غازیو ہاں تشنہ دہاں جانے نہ پائے
جس گھر کا بہشتی ہو یہ وہاں جانے نہ پائے
گر پیاس سے مرتی ہو تو مر جائے سکینہ

رستے میں جو تنگ ہو وہ دے تھکا جاتا تھا رہوار
ٹوٹی ہوئی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خانۂ زیں پر

تھا ایک لعین ابن طفیل اک بن وقاد
سادات کو کہتے تھے میں ذبح وہ جلاد
پہلو سے اجل آتی ہے اس کی نہ خبر تھی

شانے پہ جو ظالم نے برابر سے کیا وار
غصّے میں جو قاتل پہ چلے دب کے رہوار
عباسِ دلاور کو اسی ہاتھ کا غم تھا
اک چوٹ لگی دل پہ گرا جب علمِ شاہ
کیا ہمتِ عالی تھی ارادہ تھا عجب واہ
اس وقت عجب شان تھی اس تشنہ دہن کی
مجبور تھا غازی کہ نہ تھی ہاتھ میں شمشیر
واحسرت و دردا کہ لگا مشک پہ اک تیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ
دریا پہ ہوا شور کہ ضرغام کو مارا
واللہ نے صاحبِ صمصام کو مارا
وارِ علم صاحبِ معراج لیا ہے
پہنچی یہ صدا کان میں حضرت کے جو ناگاہ
خم ہو گئے بیچارے کمر ٹوٹ گئی آہ
لو صاحبو حضرت سے جدا ہو گیا بھائی
تم ساتھ رہو باپ کے اے اکبرِ مہرو
اللہ اللہ کئی بار گرے ہیں شہِ خوش خو
اک دم بھی جدا ہو گئے جو اس وقت پدر سے
اب کوئی نہیں شاہ کے جینے کا سہارا
ڈیوڑھی پہ یہ غل سن کے سکینہؑ نے پکارا
کیوں روتے ہو قربان میں شاہِ شہدا پر
کہہ دے کوئی پانی نہیں ملتا تو نہ لائیں
پانی کو گئے آگ وہ دریا پہ نہ جائیں
صدقے ہیں قصور ان کی محبت میں نہیں ہو

جس ہاتھ میں تھی تیغ قلم ہو گیا اک بار
ہیہات چلی دوسرے قاتل کی بھی تلوار
وہ ہاتھ بھی ریتی میں گرا جس میں علم تھا
چلائے یہ کیا قہر ہوا اے مرے اللہ
پکڑے ہوئے تھا مشک کو دانتوں میں وہ ذیجاہ
گویا دہنِ شیر میں گردن تھی ہرن کی
ہر سو نگراں تھا کوئی بنتی نہ تھی تدبیر
پانی جو بہا اور بھی حالت ہوئی تغییر
مشکیزے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ
پیاسا شہِ مرداں کے گل اندام کو مارا
لو فتح ہوئی شاہِ خوش انجام کو مارا
صفین کے کشتوں کا عوض آج لیا ہے
بیکس پہ گرا اس میں کہ وہ غم جانکاہ
ڈیوڑھی پہ بیاں کرتی ہوئی زینبؑ ذی جاہ
ہے ہے مرے بھائی سے جدا ہو گیا بھائی
ماتم ہے جواں بھائی کا دل پر نہیں قابو
تھا سو مرے ماں جائے کا ٹوٹا ہوا بازو
ہیں بالوں کو بکھرا کے نکل آؤں گی گھر سے
عاشق مرے ماں جائے کا دنیا سے سدھارا
کیا کہتے ہو تم سب ارے لوگو کسے مارا
کیا دشت میں کچھ بن گئی ہے میرے چچا پر
زخمِ تبر و تیر و سناں تن پہ نہ کھائیں
سب ہے مرے مظلوم پدر کو نہ رلائیں
کیوں لڑتے ہیں پانی مری قسمت میں نہیں ہے

ہے ہے کہیں لٹ جائے نہ زہرا کی کمائی — مر جاؤں گی زخمی جو ہوا شاہ کا بھائی
معلوم تھی مجھ کو تو مقدر کی برائی — پچھتاتی ہوں کیوں خشک لبی ان کو دکھائی
اس پیاس نے شرمندہ کیا سبطِ نبی سے — اب آنکھ مری چار نہ ہووے گی کسی سے

تھا زوجۂ سقائے سکینہ کا عجب حال — ماتھا تو بھرا خاک سے اور بکھرے ہوئے بال
کہتی تھی گیا نہر پہ کیوں فاطمہ کا لال — غل کیسا ہوا لٹ گیا لوگو مرا اقبال
بے وجہ یہ حالِ شہِ دیں غیر نہیں ہے — اللہ کرے خیر مگر خیر نہیں ہے

ہیں رانڈ ہوئی دل مرا دیتا ہے گواہی — پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
یا ایک اُدھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی — کس کس سے لڑے دلبرِ ضرغامِ الٰہی
پیاسے پہ جو کوہِ غمِ جانکاہ گرا ہے — یا مشک چھدی یا علمِ شاہ گرا ہے

فضہ نے کہا پردے کا اس وقت نہ کر دھیان — بچے مرے روتے ہیں لبوں پر ہے مری جان
ہے ہے مجھے ماتم کا نظر آتا ہے سامان — لا دے مرے وارث کی خبر میں ترے قربان
دریا پہ ہیں یا شام کے لشکر میں نہاں ہیں — دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں

فضہ بھی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی — تھا لب پہ مگر یہ کہ دہائی ہے دہائی
سیدانیو مارا گیا شبیر کا بھائی — حیدر کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
ڈیوڑھی سے شہِ لشکرِ غم آتا ہے لوگو — عباس نہ آئیں گے علم آتا ہے لوگو

فوراً ان کی ملاقات کا اب حشر پہ ٹھہرا — خم ہو گئی ہے کمرِ دلبرِ زہرا
تھامے ہیں کمر زخم کلیجے میں ہے گہرا — افشاں ہے لہو سے علمِ دیں کا پھریرا
پانی جو بہا جان گنوا دی اسی غم میں — تیروں سے چھدی مشک لٹکتی ہے علم میں

رہوار بھی کوتل ہے کہ مارا گیا اسوار — ہرنے سے لگی ہے سپر و تیغِ علمدار
منہ دیکھ کے دریا کی طرف تکتا ہے رہوار — سر زخمی ہے ڈھلکا ہوا زخموں سے ہے گلنار
آنسو ہیں رواں خاک میں اب بال اٹے ہیں — گردن پہ چھدی تیروں سے ایال کٹے ہیں

حضرت کو ہے [illegible] کا الم — پہنچے کے لئے آئیں گے اب قبلۂ عالم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفِ ماتم — بیٹھیں وہیں سر کھول کے سب بیبیاں ہم
[illegible] سے [illegible] سکینہ — [illegible] ایسا کہ نہ مر جائے سکینہ

فضہ نے کہا یہ جو بصد گریہ و زاری
سر پیٹ کے یہ زوجۂ عباسؑ پکاری
لوگو شہِ والا کے مصاحب نہیں آئے
ناگہ علمِ شاہ جھکتا نظر آیا
مشکیزۂ بے آب لٹکتا نظر آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
تھامے ہوئے واں علمِ سبطِ پیمبرؐ
رایت کو سنبھالے ہوئے چلّاتے تھے اکبرؑ
عمّو یہ تباہی ہوئی اس جاہ و حشم کی
ڈیوڑھی سے جھکا کر جو علم خیمے میں لائے
غل پڑ گیا ہے ہے اسد اللہ کے جائے
پیاسے گئے پانی نہ پیا نہر پہ جا کے
عباسؑ کے فرزند تڑپتے تھے زمیں پر
کہتا تھا بڑا خاک پہ سر اپنا پٹک کر
دل سینے میں بیتاب ہے ٹکڑے ہیں جگر کے
سب خیمے میں ہیں ان کو کیا کس نے جدا ہے
سمجھاتے تھے اکبرؑ اسے گودی میں سنبھالے
تڑپو نہ کہ جیتا ہے امامِ دوسرا ہے
ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ امم تھے
یہ تشنہ جگر [illegible] تعزیر سے دو گھونٹ
عاشق نے مرے نہر پہ جا جان گنوائی
اب شاہ کہاں پائیں گے اس طرح کا بھائی
جاتے ہوئے کیا شان تھی کیا جاہ و حشم تھا

ہے ہے کا ہوا غل کہ زمیں ہل گئی ساری
مجھ کو تو دکھا دو مرے وارث کی سواری
ہے ہے علم آیا مرے صاحب نہیں آئے
ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا نظر آیا
اور خون پھریرے سے ٹپکتا نظر آیا
صدمے سے علم کی بھی کمر ٹوٹ گئی تھی
خوں منہ پہ ملے چاک گریبان کھلے سر
حمزہ کی وفات آج ہوئی اٹھ گئے حیدرؑ
بس آخری ہے آج زیارت یہ علم کی
حضرت کے حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
مشکیزہ بھی تیروں سے چھدا زخم بھی کھائے
صدقے تری سقائی کے قربان وفا کے
تھامے تھے حسینؑ ایک کو اور ایک کو اکبرؑ
للہ ہمیں چھوڑ دو اس وقت برادر
سر پیٹتے ہم جائیں گے لاشے پہ پدر کے
لاشے کو کہیں فوجِ ستم روند نہ ڈالے
رستہ نہیں دینے کے لعیں جو بھی چھوڑے
لاشے کی نگہبانی کو واں شیرِ خدا ہیں
ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹتی تھی علم سے
چلّاتی تھی فریاد چچا چھٹ گئے ہم سے
کیوں پانی کو بھیجا مری تقصیر [illegible]
جیتی رہی رونے کو مجھے موت نہ آئی
پانی جو نہ پایا مجھے صورت نہ دکھائی
ان ہاتھوں کے قربان میں تھا جب یہ علم تھا

اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہے ہے
کیا جانتی تھی ہچکی یہ پڑ جائے گا ہے ہے
رو کے یہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اس شور میں زینبؑ سے کہا شہ نے کہ جاؤ
زینبؑ نے کہا اُوئے بیکس ادھر آؤ
فضہ نے دو! اے آفت کے سفر میں
لے آئیں اسے بیبیاں کرتی ہوئی زاری
دیکھو تو ذرا خوں میں بھری مشک ہماری
مشکیزہ تو دیکھا تن صد پاش کہاں ہے
یہ سن کے اٹھے خاک کو روتے ہوئے سرور
بھاوج سے یہ فرمایا کہ اے بیکس و مضطر
اشہر نہ اٹھا! یہ وصیت ہے اخی کی
پھر کر جو گئی دیکھنے وہ بیکس و ناچار
دم گھٹنے لگا سینے میں تڑپا یہ دل زار
طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر
چلائے حرم ہائے علمدار! علمدار!!
نکلا ترا دم ہائے علمدار! علمدار!!
اے شیر جواں کس کی نظر کھا گئی تجھ کو
کیا پیٹے گی ماں جائے گی جب گھر پہ جوانی
یوں مٹ گئی ہے ہے شہ مرداں کی نشانی
روئیں گے جوانانِ مدینہ ترے غم میں
اے شیر لب تشنہ کے غمخوار برادر
اے بھائی کی راحت کے طلبگار برادر
سکتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں روتے ہو بھائی

کون اب مرے مشکیزے کو بھر لائے گا ہے ہے
ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہے ہے
اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے
اب زیرِ علم زوجۂ عباسؑ کو لاؤ
بچے جو مناسب ہو تو رنڈسالہ پنہاؤ
اک دن تھا کہ یہ بن کے دلہن آئی تھی گھر میں
چلائی سکینہؑ کہ چچی جان میں واری
وہ زیرِ علم خاک پہ گر کر یہ پکاری
بتلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہے
منہ پہ تھا علم اور ڈال دی چادر
مجبور تھا دریا سے میں لاتا انھیں کیونکر
سمجھو کہ یہی لاش ہے عباسؑ علی کی
معلوم ہوا صاف کہ ہے لاش علمدار
تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار
غش ہو گئی منہ رکھ کے سکینہؑ کے قدم پر
رونے لگے ہم ہائے علمدار! علمدار!!
تنہا ہے علم ہائے علمدار! علمدار!!
جتیس برس کا تھا کہ موت آ گئی تجھ کو
مادر کو بڑھاپے میں دیا داغ جدائی
خوں بہہ گیا اور ہاتھ نہ آیا ترے پانی
مر جائے گی ناشاد سکینہؑ ترے غم میں
مظلوم کے بیکس کے مددگار برادر
غمخوار، خوش اطوار وفادار برادر!
خاک اڑتی ہے یاں ہجر میں تم سوتے ہو بھائی

اس مدح میں ہرچند خموشی ہو مرا ننگ
پر ہے دلِ عابد کی طرح وقت بہت تنگ
تھا پیچ بھی انیس آج کے پڑھنے کا نیا ڈھنگ
ہر مصرعۂ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ
حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بستانِ عزا ہے
تھوڑی سی بھی مہلت جو فلک سے تو مزا ہے

سلام

زرد چہرہ ہوں نحیف و زار ہوں
ماتمِ سجاد میں بیمار ہوں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا
وہ نہیں میں جو کسی پہ بار ہوں

بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں
کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں آئے کون پاس
اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں
ہند میں تیغ جوہر دار ہوں

اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرۂ دستار ہوں

شہ کو عرضی میں یہ صغرا نے لکھا
رحم کیجے طالبِ دیدار ہوں

شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر
صورتِ مہتاب شب بیدار ہوں

کہتے تھے عباس سے فوجِ یزید
میں غلامِ سیدِ ابرار ہوں

میرا آقا ہے حسین ابنِ علی
ابنِ زہرا کا علمبردار ہوں

کہتے تھے عابد اٹھیں کیونکر قدم
اے ستمگارو نحیف و زار ہوں

دم بدم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو
پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیس
آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں
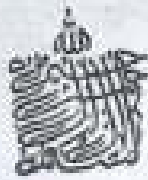
یوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے
فرقت ہوئی یعقوبؑ کو اس رشکِ قمر سے
رنگِ رُخِ پُرنور اڑا اور جگر سے
دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جیسا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشکوں کا سیلاب
بس دل مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب
فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روتے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روتے

پیراہنِ یوسفؑ کبھی آنکھوں سے لگاتے
کُرتے کو کبھی سونگھ کے جو اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
پوشاک ہے جس کی وہ اسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سے جن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر
بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر
ملتا نہیں گم ہو گیا یوسفؑ مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے بس ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے
ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے
گر ضعف سے گرتے کبھی اٹھتے کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے تھے نہ اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے
اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا
کچھ تیرا پتا اے مرے مہرو نہیں ملتا
کیا جانیے ہو دھوپ میں یا رہ نے ستایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
راحت بھی کوئی دم ہے کہ دکھ سہتے ہو بیٹا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہو پیارے
گردوں کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے
حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
للّٰہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ
اے لعل کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ
چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا

برسوں جو اسی طرح رہے مضطر و دلگیر
تھے فرق سے تا ناخن پا درد کی تصویر
زور اپنا دکھایا کثرت کے ستم نے
بیت الحزن اور آپ کا تھا نہ سونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منہ اشکوں سے دھونا
آرام نہ بے گریہ و زاری کوئی دم تھا

افراطِ الم سے یہ جدائی میں ہوا حال
اک جائز روح اور رگوں کا تھا فقط جال
روئے یہ شب و روز جدائی میں پسر کی

آنکھوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

چلاتے تھے اے لعل تو کس قبر میں سویا
خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں نے کھویا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
آرام مرے ہجر میں کیونکر تجھے آیا
جنگل ہے کہ بستی ہے کہاں رہتے ہو بیٹا

تو دیکھتے ہیں لوگ اسے صبح کو پیارے
تو کون سی بدلی میں ہو اے چاند ہمارے
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رلاؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا

طاقت جو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہوئے پیر
اب جائیں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے
گر دن تھا تو رونا تھا جو تھی رات تو رونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیر کہن سال
کوئی نہ رہا ریشِ مبارک میں سیہ بال
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اسی نورِ نظر کی

فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی زائل — بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مرا دل
یوسفؑ کی نظر آئی عجب شکل و شمائل — بینائی سے کیا فائدہ کیا آنکھوں سے حاصل
جو نور نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہے — ان آنکھوں کے جب تک نہ کھلیں اب تو بجا ہے

پوچھا بھی اگر کوئی ملاقات کو آیا — بتلاؤ کہ یوسفؑ کا پتہ ہے کہیں پایا
افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا — ایسا نہیں بچھڑا کرے گا مرا جایا
کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو — اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

ہر چند کہ یعقوبؑ کے گیارہ تھے پسر اور — آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
یعقوبؑ محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور — آقا پہ تمہارے ہوئے کیا ستم و جور
حقا کہ رضا جوئے خدا وہ شہ دیں تھا — اس لعل کو کھویا کہ جو یوسفؑ سے حسیں تھا

یعقوبؑ کے آگے جو پسر برچھی کو کھاتا — ہے دل کو یقیں منہ سے کلیجہ نکل آتا
فرزند کا دکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا — اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گل ہو اگر خار کے نیچے — رکھے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے — موت آکے نہ لیجائے یہ دولت کسی گھر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگ پسر سے — جاتا نہیں یہ داغ مرے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا — ہاں سبط پیمبرؐ کا حسینؑ ابن علیؑ کا

غیروں کے لئے اپنی کمائی کوئی کھوئے — دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے — فرزند جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے
فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو — یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

یعقوبؑ پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند — یوں روتے تھے جس طرح کہ مرجاتا ہو فرزند
تھی ان سے سوا بیٹے کی الفت اضعافِ چند — لیکن پسرِ فاطمہؑ تھا خرم و خورسند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی — دینے میں ہے کیا عذر امانت ہو خدا کی

کرتا ہے سفر یوسفؑ شاہنشہِ عالی — کنعانِ حسینؑ ابن علیؑ ہوتا ہے خالی
تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی — ہاتھوں سے جگر تھامے ہے ماں پالنے والی
رکتی ہے نظر یاس سے جب روئے پسر پہ — چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پہ

پلکوں کے کلیجے میں در آتے ہیں جو بھالے
بیٹے سے اشارہ ہے کہ اے گیسوؤں والے
جنت میں ہمیں ساتھ نہ لے جاؤ گے بیٹا

حال اپنا اشارے میں جواں کرتی ہے اظہار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار
فرزند بھی گھر بار بھی سب نذر خدا ہے

ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو اے اکبر گلفام
کر دے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام
حق تم پہ ہے زینبؑ وہ وہاں روکے تو روکے

میں باپ ہوں الفت مری کیا اس کو چاہے
مشکل ہو کہ وہ چاہنے والے ہوں تھامے
دامن جو وہ پکڑیں تو چھڑا سکتے ہو بیٹا؟

یہ ہم نہ ہوں جو تم نے کہا منھ کا وہ مانا
اشکوں کے بہانے کو بھی سمجھیں گے بہانا
جواں کا وہی زینبؑ دلگیر کا حق ہے

نزدیک ہمارے تو یہی رخصت میں تامل
بالوں کو بکھرائیں گی وہ صورتِ سنبل
صدقے کوئی ہوگی کوئی قدموں پہ گرے گی

مان لیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا
ہو جائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانا
مر جائیں گے گر دیر ہوئی آنے میں بیٹا

دو جانیں تلف ہوتی ہیں اس جانے سے حاصل
واں جاؤ تو جاؤ مرے پاس آنے سے حاصل
اک ہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو

بسمل کی طرح لوٹتی ہو دل کو سنبھالے
واری تجھے اس پیچ سے اللہ نکالے
کیا چھوڑ کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا

رہ جاتا ہے رو کر پسر بے کس و ناچار
فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار
مادر سے کہو باپ تو راضی برضا ہے

تم شوق سے مر کے کرو خلد میں آرام
میرا تو یہ مطلب ہے کہ امت کا بنے کام
ہم تم کو نہ روکیں گے جواں روکے تو روکے

یکساں ہو رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
جاں ایک کی اور ایک کی ہو آنکھوں کے تارے
بے دونوں کے راضی کئے جا سکتے ہو بیٹا؟

دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہو جانا
دشوار ہے مشکل ہے رضا جنگ کی پانا
ماں پالنے کا حق ہے تو واں شیر کا حق ہے

دو قمریاں اک سرو پہ دو بلبلیں اک گل
ہوئے گا بپا نالہ و فریاد کا اک غل
ماں پکڑے گی دامن تو پھوپھی گھیرے گی

ہوئے گا گوارا تجھے زینبؑ کا رلانا؟
تو جان ہے سب گھر کی مناسب نہیں جانا
دو جانوں کا نقصان ہے ترے جانے میں بیٹا

رخصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل
تدبیر نکالو کوئی غم کھانے سے حاصل
ان سے تو سنبھالا نہیں جائے گا جگر کو

جو آپ تو کوئی اسے سمجھائے مری جاں
اور ماں کی جو پوچھو اسے سو طرح کے ہیں دھیان
ضعف ہو یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
اکبر نے کہا باپ سے یہ ان کو سنا کر
وہ آپ نہ سمجھیں گی کہ فدا ہو مرا دلبر
زہرا کی بہو یہ ہیں تو وہ بنتِ علیؑ ہیں

فرزندوں کو حضرت پہ پھوپھی جان نے وارا
اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کرنے کی پیارا
دھڑکا ہے رنڈاپے کا جو رنجیدہ ہیں اماں
وارث ہو جو سر پر تو ہو عورت کے لئے تاج
گھر اجڑے تو اجڑے یہ نہ دنیا میں لٹے راج
یہ آپ کی خدمت کو پسر حق نے دیئے ہیں

ممکن ہے کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں
یہ وہ ہیں کہ مرضی جو ذرا آپ کی پائیں
تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو
حضرت کو پھوپھی جاں کی جیسی ہے محبت
ہیں آپ سے بڑھ کے یہ گرفتارِ مصیبت
گھر لٹے سجادے پہ مشغولِ دعا ہیں

مطلق نہیں دھیان ان کو ہے کیا کوئی جائے
کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے دو لعل گنوائے
کیا ذکر خفا ہونے کا خوشنود ہیں وہ تو
بانو نے کہا زینبؑ بے کس سے کہ ہمشیر
برات ہو یہ میرے کلیجے کے لئے تیر
اکبر سے محبت کے سگلے مجھ کو بڑے ہیں

بہنیں تری صدقے ہیں پھوپھی ہیں تری قربان
پوتے کے کھلانے کی ہوس بیاہ کا ارماں
راتیں یہ مرادوں کی ہیں یا مرنے کے دن ہیں
خادم کو نہ روکے گی پھوپھی اور نہ مادر
حضرت سے زیادہ مجھے پیارا نہیں اکبر
جو چاہیں سو دیں یہ بھی سخی وہ بھی سخی ہیں

بیٹھی ہوئی رانڈوں کی اگر دم نہیں مارا
ہاں آپ کی فرقت نہیں ہونے کی گوارا
ناداں نہیں فہمیدہ و سنجیدہ ہیں اماں
ہوتی ہو رنڈاپے میں ردا کے لئے محتاج
سایہ ہو فقط آپ کا ان کے لئے معراج
فرزند اگر ہیں تو اسی دن کے لئے ہیں

اور فاطمہؑ کے لعل کو ہاتھوں سے گنوائیں
اصغرؑ کو بھی جھولے سے ابھی نذر کو لائیں
خود کھینچ دیں تلواروں میں پیارے پسر کو
یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں راحت
کیا دور ہو بن ان کے اگر دیجئے رخصت
جو آپ پہ قربان ہو یہ اس پہ فدا ہیں

ان کو تو وہ پیارا ہو جو کام آپ کے آئے
اس کی ہیں وہ جویا کہ بہن بھائی کو پائے
جان اپنی فدا کرنے کو موجود ہیں وہ تو
سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
میں کیا کروں کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
بے پاسِ ادب سبطِ نبیؐ پاس کھڑے ہیں

کیا ہوئے گا سینے میں وہ ٹکڑا ہو مرا دل
اس وقت مدد کیجیے کہ آسان ہو مشکل
کچھ آپ بھی سمجھائیے اس غنچہ دہاں کو
یہ آپ سے کر سکتے ہیں ہرگز نہیں تکرار
زینبؑ نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار
رخصت نہ اگر دو گی تو قدموں پہ جھکے گا
لٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یہ کمائی
دولھا نہ بنایا نہ دلہن بیاہ کے لائی
میں خوش تھی کہ اب ساتھ دلہن کے چلیں گے
بانو سے بھی زینبؑ سے بھی کہنے لگے سرور
جب رہ گئی زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر
ہیں جان گئی بیٹھ گئی اور آپ کی مرضی
واجب ہے اطاعت مجھے یا سید ابرار
ہیں آپ کی گھر آپ کا اور آپ کے دلدار
شکوہ نہیں گر ہیں تو محبت کے گلے ہیں
ہے کام کا وہ ان میں جو کام آپ کے آئے
فرماؤ تو لونڈی علی اصغر کو بھی لائے
پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
شوہر سے نہیں جس میں خوشی ہو وہ ہے تمھاری
بانو نے کہا میں تو رضا مند ہوں واری
سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
گر کیجیے تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں
ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں
اولاد بھی پیاری ہے تو حضرت ہی کے دم تک

کیوں لائے ہیں ہمراہ پسر گوشۂ عادل
بے آس کر یہ گئے ہوئے جب بیاہ کے قابل
گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو
میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلوائیے ہتھیار
وہ کیا کرے ہے آپ مصیبت میں گرفتار
یہ صاحب غیرت نہ رکے گا نہ رکے گا
ہو جائے گا پھر بیکس و تنہا مرا بھائی
لے جاؤں گی ہے ہے علی اکبرؑ کی جدائی
کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
کیا کہتے ہو جبکہ نہ جائے علی اکبرؑ
بانو نے کہا حکم ہے لونڈی نہیں باہر
مختار ہو، صدقے گئی جو آپ کی مرضی
طاقت ہے میں اس امر میں کر سکتی ہوں انکار
لونڈی کے مالک ہو اور اکبرؑ کے بھی مختار
یہ لعل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں
ارشاد جسے کیجیے وہ مرنے کو جائے
حسرت ہے کہ ماں ان کو نوشاہ بنائے
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں
اکبرؑ رہیں ہم جائیں سوئے لشکر ناری
کہہ دیجیے ان سے کہ نہ منگوائیں سواری
خاتونِ قیامت کا رلانا نہیں منظور
بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
روتی ہوئی پہنچانے کو در تک بھی نہ جاؤں
کہیے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک

پھٹ جائے کلیجہ بھی تو منھ سے نہ کروں آہ
دامن بھی نہ پکڑوں جو یہ میدان کی لیں راہ
گر دل پہ گرے ہجر میں کوہِ غمِ جانکاہ
نے روؤں نہ پیٹوں نہ کہوں ہائے مرا ماہ
سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہو گیا مجھ سے
پالا تھا کسے کون جدا ہو گیا مجھ سے

شہ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمھارا
ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا
کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اک رنج میں راضی برضا ہیں
یہ کام انھیں کا ہے جو خاصانِ خدا ہیں

جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہو مرنا
مشکل ہے مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گزرنا
انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگ گلستانِ جہاں ہے
جب گل پہ بہار آج ہو کل اس پہ خزاں ہے

کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
کچھ گل ہیں کہ بھوئے نہیں جاتے ہیں سماتے
غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر
جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اسے قبر میں جا کر

مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک
اس گل پہ گرا دیتے ہیں خود سیکڑوں من خاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک
وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے
گو رنج ان کا نہ ہوتا کہ سفر خلق سے کرتے
بے اُن کے کوئی آن نہ دنیا میں ٹھہرتے
یہ غسل و کفن دے کے ہیں قبر میں دھرتے
پر دخل نہیں مرضیِ معبود میں کب ہے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبرؑ کی طلب ہے

منظور نہیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی
عباسؑ کو رو دیں گے جو مر جائے گا بھائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی
دھیان آئے گا اکبر نے سناں سینے پہ کھائی
تب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

فرزندِ صغیر ان کا تلف ہوگا کوئی گر
ہو جائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
بھولیں گے مرے غم میں الم خویش و پسر کا
تھا مجھ کو تردد کہ نہ دو گی انھیں رخصت
بانو نے کہا ختم ہے زہراؑ پہ سخاوت
خوشنودیٔ خالق جو مجھے مدِ نظر ہے

اس گھر میں نہ ہوتی کبھی اس صبر کے قابل
شوہر تو ملا ابنِ علیؑ سا شہِ عادل
ہاتھ آگیا خورشید تو ایسا قمر ایسا
شہزادہ کہ جب شیر کے قبضے میں خدائی
ساس ایسی کہ جو احمدؐ مختار کی جائی
خود مصحفِ اکبر میں بیاں جن کا کیا ہے

جب خواب میں آئی تھیں حرم آپ کی مادر
ارشاد کیا تھا یہ دلہن مجھ کو بنا کر
لائی ہوں کمائی کو شہِ عقدہ کشا کی
لونڈی نے جو گردن سرِ زانو سے اٹھائی
اس حسن کے نظارے کی میں تاب نہ لائی
قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھل آئے

زہراؑ نے کہا یہ ہے مری آنکھوں کا تارا
کیجیو مرے پیارے سے کمائی کو پیارا
حق ان کی محبت کا ادا کرتی ہے بانو
بانو نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقت
فرمایا کہ ان سے بھی تو دو نحر کی رخصت
گو چپ ہے مگر اس کو قلق ان سے سوا ہے

ہیں دوست مرے یاد کریں گے غمِ اصغرؑ
کبراؑ کے رنڈاپے پہ وہ روئے گا مقرر
مرہم یہی ان لوگوں کے ہے زخمِ جگر کا
پر کیوں نہ ہو زہراؑ کی بہو صاحبِ غیرت
کیا صبر مرا کیا مرا دل کیا مری ہمت؟
صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے

یہ فیض اسی گھر سے ہوا ہے مجھے حاصل
بیٹا علی اکبرؑ سا ملا حور شمائل
کس بی بی نے پایا ہے گھر ایسا پسر ایسا
کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی
نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپ سا بھائی
رشتہ مجھے ان موتیوں سے حق نے دیا ہے

کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا مرا سر
میں فاطمہؑ ہوں بہو ترا دولھا مرا دلبر
لے دیکھ لے صورت کو مرے ماہ لقا کی
حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
پر بیکسی و یاس سی تھی چہرے پہ چھائی
حضرت تو ہنسے اور مرے آنسو نکل آئے

فرزند کو احمدؐ نے اسی لعل پہ وارا
صدقے گئی وہ آج کھلا مجھ پہ اشارا
دولت یہی اک ہے جو فدا کرتی ہے بانو
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہو ریاضت
تم پر مری ہمشیر کا حق ان سے سوا ہے

زینبؑ نے کہا جب ہیں رہنے شہ عالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے ان نے تو رضا لی
صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے
کیوں روتے ہیں یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے

سی کرتے کرتے، نعلیں کس روز پنہائے
رکھتی تھی میں کس دن انھیں ٹھا سا نہالے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جب روز چلے تھے

راتوں کو رہا کرتی تھی چلّوں میں بیدار
پالا ہے یہ دل کی طرح کس کے یہ دلدار
بے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں

جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام
قرباں رہے اٹھارہ ۱۸ برس جو سحر و شام
کیوں ان کی بلا لے کے نہ پہلے ہی موئی ہیں

بابا ہے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار
اس فاقہ میں باندھی کمر اور سج لئے ہتھیار
سمجھیں جو سبھی موت کا پیغام یہی تھا

خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پدر سے
میں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کئے ہیں

اب تو مری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل
سبز ہو جو نخل اکھاڑا نہیں جاتا

میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

کب جاگی ہوں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کے لئے کب میں نے پر ہاتھ سے کھوئے
حقدار میں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

اسبند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
ناز ان کے پھوپھی نے کبھی کاہے کو اٹھائے
ان تلووں سے یہ دیدۂ تر کس نے ملے تھے

کس نے کہو سرمہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
کس بی بی نے گیسو میں یہ منت کے رکھے چار
پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں

اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں سر انجام
پوچھا بھی نہ ہاں سچ ہے اب اس بی بی سے کیا کام
سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نہ ہوئی میں

یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
مجبور ہیں پاکے یہ ایسے ہوئے مختار
آغاز خط سبز کا انجام یہی تھا

الفت کے سبب بس نہ چلا ان کا پدر سے
کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
اس نعل پہ دو نعل فدا میں نے کئے ہیں

میں جیتی ہوں یہ جائیں گے کیونکر سوئے مقتل
اٹھارہ ۱۸ برس کی ہو ریاضت کا یہی پھل
ہاتھوں سے چمن اپنا اجاڑا نہیں جاتا

مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس
نے عون و محمد ہیں نہ قاسم ہیں نہ عباس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں
سن کر یہ سخن بی بیاں رونے لگیں ساری
بانو نے دو عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری
نے چھپایا سکینہ کا نہ اصغر کی خبر تھی
بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بیدم
ماں کی یہی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ
خود چاہتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آل پیمبر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو
کہرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب
بانو نے کہا ہائے مرا راج لٹا اب
روئی جو سکینہ قدم شہ سے لپٹ کر
زہرا کی صدا آئی کہ فریاد ہے فریاد
فکر اپنی ہے سب کو مرا دکھ درد نہیں یاد
بھیّا نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی
اس وقت ہے کس سوچ میں زینب کا بھائی
کی میری کمائی سے عزیز اپنی کمائی
فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کے قریب ہے

زینب کو نہیں جینے کی جو بھی نہ رہے پاس
اب تو یہی میری ہے مراد اور یہی آس
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھاریں
حضرت کے بھی اکبر کے بھی آنسو ہوئے جاری
غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی
رخصت نہ ملے گی تمہیں یوں کہتے تھے ہر دم
مر جائے گی اس درد رسیدہ کو نہ دو غم
زینب کی خوشی حضرت زہرا کی خوشی ہے
کہتی ہیں نہ جانے کو اگر ہے تو نہ جاؤ
دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں جی کو کھپاؤ
امت پہ فدا ہوں گے ہمیں آپ کے بدلے
بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
بنت اسد اللہ کی چادر سے خبردار
دیکھو تو ادھر اب تو نہ رو رو کے پدر کو
سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب
اکبر کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینب
کبریٰ بھی لگی پیٹنے گھونگھٹ کو الٹ کر
سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہے برباد
ایسی مری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد
شبیر کا کیا روکنے والا نہیں کوئی
منظور نہیں گود کے پالے کی جدائی
دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی
معلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہے

کہتا تھا کوئی موسیٰ عمراں ہے یہ غازی
اک سو تھا یہ غل عیسیٰ دوراں ہے یہ غازی
کتنوں کو یقیں تھا مہ کنعاں ہے یہ غازی
چلاتی تھیں پریاں کہ سلیماں ہے یہ غازی
کچھ متفق اس پر تھے کہ یہ نوح نبی ہیں
کہتے تھے مسلماں کہ رسول عربی ہیں

وارث ہے رسولوں کے تبرک کا یہ ذی جود
عمامۂ محبوب خدا سر پہ ہے موجود
آدم کا کمربند و کلہ خود سر ہود
پیراہن یوسف زرۂ حضرت داؤد
شان نبوی عزت و توقیر حسینی
نیزہ جو حسن کا ہے تو شمشیر حسینی

گیسوئے مسلسل رخ روشن پہ جو ہیں چار
ہے ان سے عیاں سلسلۂ احمد مختار
مصحف رخسار کی سطریں ہیں نمودار
ہیں معنی پیچیدہ کھلے گر تو ہو تلوار
زلفوں میں کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
دیکھو شب معراج میں محبوب خدا کو

چہرے کو اگر صبح کہیں زلف کو گر رات
دن ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
دنیا میں سدا شام سے ہے تا بسحر رات
یاں بیچ میں خورشید ادھر رات ادھر رات
گیسوئے رسا روئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

دنیا میں نہیں آج کوئی ثانیٔ اکبر
یوسف کی زباں پر ہے ثنا خوانیٔ اکبر
یہ ماہ دو ہفتہ ہے کہ پیشانیٔ اکبر
خورشید ہے یا چہرۂ نورانیٔ اکبر
یہ جلوہ گری مہر کی پرتو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے تو مہ نو میں نہیں ہے

سجدے کا نشاں اور یہ پیشانیٔ انور
طالع سر خورشید پہ ہو زہرۂ ازہر
حقا کہ یہ ہے تاج سر عرش کا گوہر
دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا اختر
حصے میں ستارہ یہ نہیں اور کسی کے
تارہ یہ وہ ہے گھر میں جو اترا ہے علی کے

ابرو جو کماں ہیں تو ہیں مژگاں سیہ تیر
ہے جن کے ہر اک گوشے پہ قربان دل شیر
ہے دیدۂ ابرو سے عیاں جنگ کی تقدیر
دو مردم خوں ریز ہیں کھینچے ہوئے شمشیر
اب دیکھیں تو کون آنکھ ملا سکتا ہے رن میں
الٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں

آغاز ہے سبزہ ابھی اٹھارہ ہیں سال
کس فصل میں اس گل کو خزاں کرتی ہے پامال
اک نور مجسم ہے زہے حشمت و اقبال
خورشید پہ نقطے ہیں کہ رخساروں پہ ہیں خال
تیار ہوں اسپند جو سارے تو بجا ہے
تاروں کو فلک ان پہ اتارے تو بجا ہے

سبزہ رخِ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہیں پایا
چہرے سے عیاں ہے یہ جوانی ابھی کم ہے
ثابت ہے کہ غنچہ ہے دہن عقل ہے یاں گم
دانتوں کی چمک دیکھ کے ہنگامِ تکلم
تابش میں جو دندان شکن برق ہوئے ہیں
بے مثل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش
ہے صورت ہیکل کی تستر ابھی روپوش
ناخن نے دکھایا جو رخِ جلوہ گر اپنا
سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے
کب قرص مہ و مہر میں یہ جلوہ گری ہے
دیکھے جو اسے علم کے گنجینے کو دیکھے
بے مثل ہو سینے کی طرح یہ شکم صاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اے ارباب انصاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
ہیں ان کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہو لائقِ تعظیم
روشن جو زمیں ہے تو یہ پرتو ہے انھیں کا
ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیرِ غضبناک
دادا مرا حیدر ہے وصیِ شہِ لولاک
عیسیٰ کو نہ موسیٰ کو نہ آدم کو ملا ہے
مشہور ہیں جو صاحب توقیر وہ ہم ہیں
بھیجی جنھیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں
ناری ہے وہ اس گھر سے جو الفت نہیں رکھتا

یہ نخل ذرا پھولنے پھلنے نہیں پایا
ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا
دو سال سے بھی عشرۂ ثانی میں ابھی کم ہے
لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ تبسم
اشکوں کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہیں انجم
دریائے خجالت میں گہر غرق ہوئے ہیں
ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اڑے ہوش
یہ انگلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہیں بخاموش
شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا
نور اس میں ہے یا آئینے میں عکس پری ہے
یاں روشنی طور چراغِ سحری ہے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دے ٹھکے
ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہے اوصاف
خورشید سے روشن ہو تو آئینہ ہو شفاف
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی
ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں نسب عزت و تکریم
ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہے تعلیم
جو راہ خدا میں ہو وہ پیرو ہو انھیں کا
میں شیر کا فرزند ہوں اے لشکرِ سفّاک
ہر رجس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
یہ فضل الٰہی سے شرف ہم کو ملا ہے
ہے جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
آئی ہے جنھیں آیۂ تطہیر وہ ہم ہیں
عالم میں کوئی ہم سا یہ فضیلت نہیں رکھتا

ہے نور الٰہی کی ضیا گھر میں ہمارے ۔ اترے ملک عرش کھلا گھر میں ہمارے
نعمت کے طبق آئے سدا گھر میں ہمارے ۔ نازل ہوا قرآن خدا گھر میں ہمارے

خورشید کو رجعت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں ۔ قرآں زباں جس کی ہے ہم اس کی زباں ہیں
روشن گر آئینۂ دیں ہیں تو ہمیں ہیں ۔ گر جوہر نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعدِ نبی تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں ۔ اسرار الٰہی کے امیں ہیں تو ہمیں ہیں
قدسی ہیں معترف سحر و شام ہمارے ۔ جو عرش پہ لکھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

ہر شخص کی مشکل میں ہیں عقدہ کشا ہیں ۔ خورشید سخا ابر کرم عین عطا ہیں
مُردوں کو جلایا ہے وہ اعجاز نما ہیں ۔ ہم قرۂ دستار سر عرش خدا ہیں
عالم پہ ازل سے ہے عنایات ہماری ۔ ہے خلقتِ آدم سببِ ذات ہماری

حال اپنی شرافت کا ہے سب خلق پہ حالی ۔ اللہ نے بخشا ہے ہمیں رتبۂ عالی
فردوس کے مختار ہیں کونین کے والی ۔ ہیں نور خدا ہم سے کوئی جا نہیں خالی
گہ تخت ثریٰ اوج ثریا پہ کبھی ہیں ۔ یاں ہیں کبھی اور حارم اعلےٰ پہ کبھی ہیں

اسرار الٰہی کے جواہر ہیں تو ہم ہیں ۔ باطن میں ہیں تو ہم ہیں جو ظاہر ہیں تو ہم ہیں
ہر آئینۂ مصحف کے اگر ہیں تو ہم ہیں ۔ قاری ہیں تو ہم ہیں جو مفسر ہیں تو ہم ہیں
قرآں کو جو پوچھو تو وہ حصہ ہے ہمارا ۔ توریت اور انجیل میں قصہ ہے ہمارا

طالب ہو تو اعجاز رسولوں کا دکھادیں ۔ سو مُردوں کو عیسیٰ کی طرح دم میں جلادیں
بیمار چہل سال کو لاؤ تو شفا دیں ۔ اور خضر سے رہبر کو بھی ہم راہ بتادیں
پتھر کو کریں موم بلا لیویں شجر کو ۔ ٹکڑے کریں انگلی کے اشارے سے قمر کو
مسجود کو خود اوج ہے منظور ہمارا ۔ کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طور ہمارا
گویا ہیں ہمیں پر ہے سکاں دور ہمارا ۔ ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا

اللہ کے ہم ظاہر و باطن میں ولی ہیں ۔ گہ ستر خفی اس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں
غل عرش پہ ہے رتبۂ برتر کا ہمارے ۔ دربان ہے جبرئیل امیں گھر کا ہمارے
خاقان ہے ادنیٰ سا گدا گھر کا ہمارے ۔ قیصر بھی غلام ایک ہے قنبر کا ہمارے
اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحبِ زر ہیں ۔ اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے — عزت ہمیں بخشی ہے شرافت ہمیں دی ہے
کونین کو بخشیں وہ سخاوت ہمیں دی ہے — قائل ہیں عرب جس کے وہ جرأت ہمیں دی ہے
دریاؤں کے بلونے سے تردد ہمیں کیا ہے — ہم شیر ہیں اُس شیر کے جو شیر خدا ہے
دنیا ہے ہمارے ہی لئے رتبۂ شاہی — ہیں علم شریعت کے ہمیں امر و نواہی
ہے آل محمد کا غضب قہر الٰہی — برہم ہوں تو آجائے زمانے پہ تباہی
برق غضب حضرت باری نہیں رکتی — اوکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رکتی
ہیں فاتح بدر و احد و خندق و خیبر — ان ہاتھوں سے مارا گیا مرحب سا دلاور
اک ضرب میں کاٹا سر عمرو و سر عنتر — دو انگلیوں سے چاک کیا کلۂ اژدر
منصور و مظفر رہے تا سید احمد سے — کعبے میں سر لات کو توڑا ہے محمد سے
شہرہ ہے ہمارا عرب و روم و عجم میں — تلواروں سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں
باندھا ہے گلا دیو کا طاقت ہو وہ ہم میں — اور گاڑ دیا دیں کا نشاں بیر علم میں
جنات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں — پانی کے لیے آگ میں ہم کود پڑے ہیں
میں اس کا پسر ہوں جو خدا کا ہے شناسا — فرزند ہوں اس کا جو نبی کا ہے نواسا
جاں اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا سا — میں وہ ہوں پدر جس کا ہے مدت سے پیاسا
دلدار ہوں خاتون قیامت کے پسر کا — ٹکڑا ہوں محمد کے کلیجے کے جگر کا
اے قوم ابھی اٹھارہ برس کا ہے مرا سن — راتیں ہیں جوانی کی مرادوں کے ہیں دن
ماں باپ کو راحت نہیں اک آن مرے بن — پر جان کا صرفہ میں کروں یہ نہیں ممکن
کھانے کی نہ پروا ہے نہ پینے کی ہوس ہے — میں وہ ہوں جسے برگ جوانی کی ہوس ہے
فرماکے رجز شیر نے شمشیر علم کی — اور نادِ علی پڑھ کے دم تیغ پہ دم کی
تعریف کرے کیا کوئی اس کے خم و چم کی — سیدھی صف دشمن کو لی راہ عدم کی
کیا آگ تھی اس شعلۂ پرقہر کے اندر — چنگاریاں اڑ اڑ کے گریں نہر کے اندر
ڈھالوں کی گھٹا چھا گئی [illegible] — تیروں [illegible] کی طرح شور
گرجے صفت رعد جو [illegible] شور — [illegible]
جاتے ہی وہ شمشیر [illegible] نظر آئی — اک برق [illegible] گرتی نظر آئی

تھا حملۂ اکبر غضبِ حضرتِ باری
اک برقِ خمیدہ تھی وہ رہ گیں جسے ماری
دشمن کو گرا کر بھی نہ منہ موڑتے تھے وہ
اک معجزۂ موسیٰ عمراں تھی وہ شمشیر
بجلی تھی کبھی یاں تو کبھی واں تھی وہ شمشیر
اک حشر کا عالم تھا غضب جنگ ہوئی تھی
تھے فوجِ شقاوت کے پرے مضطر و بے حال
تھا ہول کے مارے یہ ستم گاروں کا احوال
رخ پھیرے تھے وہ جو قدر انداز بڑے تھے
غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
چلاتے تھے یہ تیر کہ ہم قابلہ نشیں ہیں
کس طرح سے قابوئے زبردست سے نکلیں
ہر وار پہ اکبر کو صدا دیتے تھے شبیرؑ
مکروہ سے کٹے یوں ڈانڈے کو کٹ گئے بے پیر
فردوس میں جنت کا محل ملتا ہے تم کو
دو دو کے یہ کہتے تھے ابھی سید ذیجاہ
اک ظلم کی برچھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
آلودہ بخوں کھینچ کے جو برچھی کا پھل آیا
برچھی کو تو اس شیر نے جلاد سے چھینا
دی باپ کو آواز کہ اے شاہِ مدینا
اٹھارہ برس آپ کے سائے میں پلے ہم
آواز پسر سنتے ہی حالت ہوئی تغییر
برچھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبرِ دلگیر
تھا کون اٹھاتا جو زمیں سے انھیں آ کر

دو ہو گیا شمشیر جسے شیر نے ماری
ڈھالیں تھیں شکستہ وہ تلواریں تھیں عاری
دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوڑتے تھے وہ
شعلہ تھی کہیں اور کہیں ثعباں تھی شمشیر
گو تھی سرِ کفار تو چوگان تھی وہ شمشیر
افراط کشتوں سے زمیں تنگ ہوئی تھی
تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے ڈھال
سوفار اور ہر تیر کا چلّے کی طرف پھال
چلّوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے
شہزادے ترے خون کے درپے یہ لعیں ہیں
یہ کینش و خطا کار ہی دشمنِ دیں ہیں
بس ہو جو ہارا تو نہ ہم شست سے نکلیں
شاباش ہے شیر یہ تھی جنگ کی تدبیر
یہ بند نہ کھلتے کبھی بجز ناخن تدبیر
کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہے تم کو
اکبر پہ ادھر ٹوٹ پڑا لشکر گمراہ
دل تھام کے غازی نے کہا یا اسداللہ
کٹ کٹ کے جگر سینے سے باہر نکل آیا
پر ڈوب گیا خوں میں وہ چاند سا سینا
برچھی سے جگر چھید گیا دشوار ہے جینا
جلد آئیے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم
چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرت شبیرؑ
اٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے ٹھوکریں کھا کر

میداں میں جو شہ آئے تو اکبر کو نہ پایا
لاشوں میں کہیں لاشۂ صفدر کو نہ پایا
ڈھونڈھا کئے ہمشکل پیمبر کو نہ پایا
غازی کو بہادر کو دلاور کو نہ پایا
دریا پہ گئے جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
لیکن نہ کہیں جلوہ گر اس ماہ کو دیکھا

اعدا سے کہا کیا ہوا یارو مرا پیارا
میدان سے کس سمت مرا شیر سدھارا
کس ظالم بے رحم نے اس لعل کو مارا
بتلاؤ سلامت ہے کہ سر تن سے اتارا
صورت نہ دکھاؤ گے جو اس تشنہ گلو کی
ندی اسی میدان میں بہا دوں گا لہو کی

یہ کہتے ہی لی میان سے شمشیر شرربار
اور غیظ میں آیا پسر احمد مختار
آئی یہ صدا حیدر کرار کی اکبار
اکبر کا پتا دیتا ہوں میں اے مرے دلدار
صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تر ہے
آغوش میں زہرا کی ترا نور نظر ہے

ناگاہ نظر پڑ گئی اس نور نظر پر
چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اک کوہ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
بس ہائے پسر کہہ کے گرے لاش پسر پر
چلائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
سچ ہے یہ پدر جیتا ہے تم مرتے ہو بیٹا

سمجھا یہ پدر پاؤں رگڑنے کا اشارا
میدان شہادت میں قدم آپ نے مارا
جن آنکھوں کو ان خاک بھرے تلووں پہ وارا
دیکھیں انھیں آنکھوں سے [illegible] نکالا
ہاتھوں کو زمیں پر جو پٹکتے ہو اٹھا کے
کیا ہاتھ نہیں چھوٹتے پنجے سے قضا کے

لپٹے علی اکبر یہ سخن سن کے پدر سے
اشک آنکھوں سے جاری ہوئے اٹھی آہ جگر سے
دیکھا شہ مظلوم کو حسرت کی نظر سے
بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے
چلائے شہ دیں کہ سفر کر گئے اکبر
زہرا کی صدا آئی کہ ہاں مر گئے اکبر

خاموش انیس اب کہ نہیں طاقت گفتار
غش ہو گئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار
جانکاہ ہے یہ ماتم فرزند خوش اطوار
ہے حق بہ طرف روئیں اگر سید ابرار

وا حسرت و دردا کہ عجب غنچہ دہاں مرد
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد
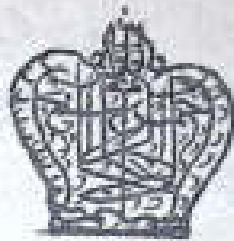
جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا — اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سقائے اہلبیتِ نبی غرقِ خوں ہوا — سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا — خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسین کا

یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو — جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو — پھولا پھلا اجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے — اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسین سے

طاقت تھی جس سے شہ کو سفر کر گیا وہ شیر — جس سے مدارِ حیات کا تھا مر گیا وہ شیر
پیاسا جہان سے لبِ کوثر گیا وہ شیر — سقائی کر کے خون میں خود بھر گیا وہ شیر
خم آگیا کمر میں شہِ خوش خصال کی — تصویر مٹ گئی اسدِ ذوالجلال کی

لشکر میں شادیاں تھیں اُدھر غم تھا اس طرف — ساماں وہاں تھا جشن کا ماتم تھا اس طرف
امید اُدھر تھی یاس کا عالم تھا اس طرف — اعدا میں عید تھی تو محرم تھا اس طرف
کم ہیں کسے ہوا تھا زمانہ جدال پر — کیا وقت پڑ گیا تھا محمدؐ کے لال پر

مرنا جوان بھائی کا اور اس پہ یہ ستم — پرسا نہ دلدہی نہ تشفی نہ درد و غم
اعدا صفیں جمائے ہوئے جنگ پر بہم — ہنستے تھے سوگواروں کے رونے پہ دمبدم
نرغے میں ان کے سبطِ رسالت پناہ تھا — مشرب میں جن کے پانی کا دینا گناہ تھا

نے پاس انھیں نبی کا مطلق خدا کا ڈر
باتوں میں زور دل میں بری نیتوں میں شر
پیدا تھا کفر شرم و حیا ناپدید تھی
کیسے وہ کلمہ گو تھے تعجب کا ہے مقام
اسلام اگر یہی ہے تو اسلام کو سلام
کس جا چھپیں گے روزِ عدالت ضرور ہے
یا منتقم ظہورِ امامِ زماں دکھا
آنکھیں ہیں منتظر رخِ آرامِ جاں دکھا
دشمن رہے نہ ایک شہِ مشرقین کا
اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارواں ہو سال
ماں باپ کے لئے تو اجل کا پیام ہے
بھائی وہ مر چکا ہے کہ تھا جس کے دم سے گھر
اب طالبِ رضائے وغا ہو جواں پسر
پیری میں اس جواں کو بھی کھوئیں تو کیا کریں
قابو ہے اب جگر پہ نہ ہے دل پہ اختیار
ماں باپ سے پسر کو چھڑائے نہ کردگار
راحت ہے گر گلوئے پدر پر چھری چلے
بڑھتے ہیں ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نورِ عین
فرماتے ہیں کہ سنتے ہو سیدانیوں کے بین
بھائی جہاں سے جانبِ خلدِ بریں گئے
بیکس پھوپھی کو گھر میں تمہارا ہی انتظار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تم کو بار بار
ہم کوئی دم میں آپ دمِ تیغ پیتے ہیں

قرآں سے بے وقوف حدیثوں سے بے خبر
بدکار و بدخصال و بدافعال و بدگہر
سادات ذبح ہوتے تھے اور ان کو عید تھی
کافر بھی لیتے ہیں تو کراہت سے ان کا نام
کھل جائے گا کھنچے گی جو کل تیغِ انتقام
ہم دور ہیں نہ وہ نہ قیامت ہی دور ہے
اب دم لبوں پہ ہے یدِ دامن ولی دکھا
پھر برقِ ذوالفقار کو آتش فشاں دکھا
اس دن غلام سوگ اتاریں حسینؑ کا
ہوتی ہے کیسی الفتِ فرزندِ خوش جمال
کیا ہوگا نورِ چشمِ رسولِ خدا کا حال
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہے
سیدھی ابھی ہوئی نہیں ٹوٹی ہوئی کمر
ٹکڑوں میں برچھیوں کی ہے شبیرؑ کا جگر
کیوں منصفو! کہو جو نہ روئیں تو کیا کریں
یہ مرحلہ وہ ہے کہ ہیں صابر بھی بے قرار
زخمِ سنان و تیغ گوارا ہے ناگوار
جو ہو سو ہو مگر نہ جگر پر چھری چلے
خیمے کو تکنے لگتے ہیں منھ پھیر کر حسینؑ
عباسؑ کے الم میں بپا ہو شور و شین
پرسے کو بھی چچی کے تم اب تک نہیں گئے
دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں اک دم قرار
دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو میں نثار
یہ چند دم تمہارے ابھی دم سے جیتے ہیں

اصغر کو دیکھو عابد مضطر کی ہو خبر
سمجھاؤ بی بیوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
رانڈوں کے تم پسر ہو یتیموں کے تم پدر
گھر تھامتے ہیں باپ بڑی مرتبہ پسر
کس کو یہ داغ چرخِ فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

تم سے بھی کم سن تھے عمر میں جب ہم ہوئے یتیم
ماں بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفت عظیم
ہم دونوں بھائیوں کے جگر غم سے تھے دو نیم
پر سر بلا میں حافظ و حامی رہا کریم
رانڈوں کو یہ الم ہے کہ منہ موڑے جاتے ہیں
ہم تو جہاں میں تم سا پسر چھوڑے جاتے ہیں

کنبے کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
یوسف جمال صاحب توقیر ذی شعور
جرأت و بردبار و دلاور سخی غیور
آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خرد و کلاں کو اجر زیارت حصول ہے
تم ہو تو اہلبیت میں گویا رسول ہیں

نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی
پیدا ہے نور رخ سے ضیا صبح عید کی
تھی سب کو آرزو رخِ روشن کے دید کی
تصویر ہو رسول خدائے مجید کی
کیوں کر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمھیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں دیکھا کریں تمھیں

راحت کے دن ہیں آمد فصلِ شباب ہے
پہلا ابھی کتاب جوانی کا باب ہے
اٹھارہ ہی برس کا بھلا کیا حساب ہے
بے حاشیہ ابھی ورق آفتاب ہے
نقطے ہیں خال کے خطِ عنبر فشاں نہیں
بابا نثار ہو ابھی پورے جواں نہیں

اکبر تمھاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ
اس حسن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ
ہوتے جو لوگ احمد مرسل کے خیر خواہ
تم کو سمجھتے ثانی پیغمبر الٰہ
آنکھوں پہ رکھتے فخر سے نعلین پاک کو
اکسیر جانتے انھیں قدموں کی خاک کو

جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہو ہوس
ہے دل کو شوق آب دم تیغ ہر نفس
بچھڑو نگے تم سے گر تو صدمہ یہی ہے بس
جیتے تو کرتے بیاہ تمھارا اسی برس
دولھا بنا کے شان شہانی بھی دیکھتے
قسمت تو دیکھی حسن جوانی بھی دیکھتے

پھولو پھلو کہ زینت باغ جہاں ہو تم
آخر ہے عمر پیر ہیں ہم نوجواں ہو تم
شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم
مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
گر ہم نہیں تو خانۂ زہرا میں تم رہو
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو

اکبر کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
فرزند ارجمند ہیں سجاد نیک نام
اس امر سے فدوں کو کوئی شرمندگی نہیں
بندے ہزار ہم سے نثار سر حضور
روشن جو ہے جہان اسی دم کا ہے ظہور
ظلمت زدائے خلق شہ دیں کی ذات ہے
رونق زمیں کی ہو کہ امام زماں ہیں آپ
بحر جہاں ہیں باعث امن و اماں ہیں آپ
فدووں کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
افضل ہے کون سبط رسالتمآب سے
سرسبز ہے زراعت عالم سحاب سے
چھٹ کر ید سے آپ کے پیاسے کہاں رہیں
دم سے حضور کے ہے غلاموں کی ہست و بود
اے چشمۂ عطا و کرم بحر فیض و جود
سب خلق شاہ دیں سے طلبگار عون ہے
پھر زیست کیا کرے وہ جو بعد آپ کے جیے
غیروں نے آج پائے مبارک پہ سر دیے
اب پنجتن کا خاتمہ ہے کوئی آن میں
سب بھائی بند قتل ہوئے رن میں تشنہ لب
خادم کو بھی سعادت عقبیٰ کی ہے طلب
بیکس نہ یہ کر سکا تھا نہ وہ تشنہ کام کا
سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
سیراب ہونے دیجیے شہادت کے جام سے
دیکھے گا کون دشمنوں کی فوجیں جو آئیں گی

کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام!
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں
دنیا ہو اور آپ ہوں اے کبریا کے نور
ذرہ ہر اک ہے نور قدم سے چراغ طور
دنیا میں آفتاب نہ ہو جب تو رات ہے
سایہ ہے جس کا عرش پہ وہ آسماں ہیں آپ
شیرازۂ صحیفۂ کون و مکاں ہیں آپ
کیوں کر چلے جہاز اگر ناخدا نہ ہو
دنیا میں ہے تو یہ برکت ہے جناب سے
ذروں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں رہیں
مولا ہیں اس جہاں میں در رحمت و دود
دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
جب نوح غرق خوں ہو تو کشتی کا کون ہے
کھائے غم اور خون جگر عمر بھر پیے
بچپن سے ہم نے باندھی ہے تلوار کس لیے
پھر بھی یہ معرکہ کبھی ہوگا جہان میں؟
حضرت مجھے بچاتے ہیں کیوں اس کا کیا سبب؟
دیجیے رضا جہاد کی بہر رسول رب
منہ سے نکل پڑے گا کلیجہ غلام کا
زندہ وہی ہو پہلے مرے جو امام سے
آقا یہ پوچھ اللہ نہ سکے گا غلام سے
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائیں گی

عابد خدا کے فضل سے ہیں صاحبِ خرد
سب لیں گے وہ یتیمی غربت میں گرم و سرد
وہ آلِ مصطفےٰ کا مدار المہام ہو
خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سرخ رو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگجو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے

طے ہو یہ مرحلہ جو کریں پرورش حضور
کوشش میں اس طرف تو مطلق نہیں قصور
نہ زندگی نہ جاہ و حشم چاہتا ہوں میں
ماں کا پھوپھی کا پیار ہوا حق میں میرے زہر
آبِ فرات کی نہیں اب تشنگی میں لہر
مٹی ملے تو سبطِ پیمبر کے ہاتھ سے

دیجئے رضائے حرب کہ مرتا ہے اب غلام
چپ ہو رہیں گی سن کے پھوپھی آپکا کلام
مانے گا وہ ادب سے جو صابر ہے اہل ہے
بولے بہا کے اشک شہنشاہ نام ور
سچ ہے بھلا یتیم کے دل کی ہو کیا خبر
اس معرکے سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں

کھوتا ہے اس کو کوئی بڑھاپے کی ہو جو آس
صابر وہ ہر بلا میں ہیں جو ہیں خدا شناس
شورِ فلک بیٹے کا اور ماں کا پیار ہے
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے فرزند نیک نام
تنہا یہاں نہ چھوڑے گا حضرت کو یہ غلام
تم ہو رحم حال پہ مظلوم باپ کے

مظلوم بردبار غم انگیز اہلِ درد
ہم اور کام کے نہیں لائق بجز نبرد
جو ہو پسر امام کا خود بھی امام ہو
پھر کس کو منہ دکھاؤں گا یا شاہ نیک خو
غصے سے جوش کھاتا ہوا اب جسم کا لہو
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

خلد بریں نہیں نہ باغ ارم سے دور
اے آفتاب ذرہ نوازی ہے اب ضرور
آقا کی اک نگاہ کرم چاہتا ہوں میں
امداد کا مقام ہے اب یا امام دہر
جنت میں شہد و شیر کی خالق دکھائے نہر
پانی پیوں تو ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے

خیمے میں چلئے لے کے مجھے یا شہ انام
بن جائے گا زباں کے ہلانے میں میرا کام
مشکل کشا کے لال یہ امر سہل ہے
مرنے کی تم کو ماں سے دلائے رضا پدر
پوچھو یہ اس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
بیٹا ہمارے حق میں یہ طرفہ ہے کہ باپ ہیں

ہم میں تو بات کرنے کے مطلق نہیں حواس
اچھا یہی خوشی ہو تو جاؤ پھوپھی کے پاس
طے ہو یہ مرحلہ بھی تو پھر اختیار ہے
خیمے میں چلیے ساتھ مرے یا شہ انام!
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
پھر کون ساتھ دے گا مرا بعد آپ کے

فرما کے یہ چلے طرفِ خیمہ شاہِ دیں
پہونچا قریبِ در جو محمد کا نازنیں
لوگو بلاؤ اکبرِ یوسف جمال کو
بنتِ علی کے پاس ہی بانو بھی بے حواس
زینب سے عرض کرتی ہے رو کر وہ حق شناس
کہتی ہیں چین اب مجھے دم بھر نہ آئے گا
فضہ نکل کے خیمے سے باہر خبر تو لا
سنتی ہوں میں کہ شاہ سے مانگی طلب رضا
چلیے نہیں پھوپھی کو نہ پھر پائیے گا آپ
بیٹے سے مڑ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
نازک ہے عورتوں کا دل اے غیرتِ قمر
ان کو ہے اور فکر نہیں کچھ خیال ہے
آساں اسے سمجھتے ہو تم اے پدر کی جان
تلملائے گرے گا جو یہ غم کا آسمان
تم زندگی ہو دخترِ شیرِ الٰہ کی
ہم کو نہ ساتھ لے کے چلو بہرِ کردگار
پردہ اٹھا کے شہ سے یہ بولا وہ ذی وقار
واں ابنِ فاطمہ پہ ادا ہو حیا ہے
زینب جو بیچ اس گھڑی تھی قریبِ در
جلدی بلائیے سے پکاری وہ نوحہ گر
خوشبو مہک رہی ہے رسالتماب کی
اکبر نے کی یہ عرض کہ حاضر ہوا غلام
خرّم سنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام
رونا مرا سنا تھا تو گھبرا کے آئے ہو

گردن جھکائے ساتھ تھا فرزندِ مہ جبیں
تھم کر سنا تو کہتی ہیں یہ زینبِ حزیں
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو
بیٹے میں جان پیاس سے لب خشک جی اداس
گر جیتے ہوں گے اکبرِ مہرو پدر کے پاس
نکلوں گی خود اگر علی اکبر نہ آئے گا
آنے میں دیر کیوں ہوئی یہ ماجرا ہے کیا
پوچھیں تو کہیے نرغے میں ہو بنتِ مرتضیٰ
جب دم نکل چکے تو چلے جائیے گا آپ
کیوں گفتگو پھوپھی کی سنی تم نے اے پسر
مانگی ابھی رضا نہیں اور پیٹتی ہیں سر
رخصت وہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ حال ہے
اظہار ماں سے مرنے کی رخصت کا الاماں
کیوں کر جیے گی زینبِ ناشاد و ناتواں
کیسی رضا وہاں تو دعائیں ہیں بیاہ کی
اچھا ہمیں نظر نہیں آتا مآلِ کار
چلیے تو آپ خیمے میں یا شاہِ نامدار
مشکل ہو جب تو عقدہ کشا ساتھ چاہیے
اکبر کا روئے پاک انھیں آ گیا نظر
صدقے پھوپھی اس آنے کے اے غیرتِ قمر
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی
حضرت کو لے کے آیا ہوں اے آسمانِ غم
آنکھوں پہ فرق پر قدمِ قبلۂ انام
صدقے تو ہوں کہ تم مرے بھائی کو لائے ہو

ڈیوڑھی میں آئے روتے ہوئے بادشاہ دیں
شوق لقائے شہ میں بڑھی زینبِ حزیں
سوزش نہ وہ رہی جگر و دل کے داغ میں

بیت الشرف میں آئے جو شبیرؑ خوش خصال
بڑھ کر پھوپھی سے بولے یہ اکبرؑ بصد ملال
سب گھر نثار حضرت شبیرؑ کیجئے

بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جاں
آہستہ ان سے روکے یہ بولا وہ نوجواں
میں پاؤں پر گرا ہوں جو تشریف لائے ہیں

غربت میں جو رہیں گے شہنشاہ بحر و بر
اس وقت کس سے میں کہوں دردِ دل و جگر
اٹھ جاؤں میں جہاں سے بابا کے سامنے

اماں قیامت آتی ہو جاتی ہے آبرو
ھل من مبارزا کا ادھر غل ہے چار سو
کفار لوٹ لیں گے محمدؐ کی آل کو

دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہ حق شناس
کہیے امید کس سے رکھیں اور کس کی آس
حق بھی ادا ہوئے نہ شہ خوش خصال کے

حضرت کے پیار کی ہے بدولت یہ رنج و غم
ہے اب نفس کی آمد و شد خنجر دو دم
کیا لطفِ زیست وقت جو رخصت کا ٹل گیا

مرتے جو سر کٹا کے تو ہوتا ہمارا نام
جو دونوں صاحبوں کی رضا کیا کرے غلام
آساں ہے جبر دل پہ اگر اختیار ہو

لقائے لقا تھا باپ کا فرزند مہ جبیں
بھائی کے گرد پھر کے پسر کی بلائیں لیں
گویا بہار آگئی پژمردہ باغ میں

رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
چلیئے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
لٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجئے

گھبرا کے دیکھنے لگی بچے کے منہ کو ماں
رن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہ زماں
گھر میں حسینؑ آخری رخصت کو آئے ہیں

پھر کون سرپرست ہو کس سے بچے گا گھر
مانگو دعا کہ باپ سے پہلے مرے پسر
میرا گلا کٹے شہ والا کے سامنے

اک جان بابا جان کی اور سیکڑوں عدو
دیکھو نہ اب رہیں گے شہنشاہ نیک خو
سونپو خدا کے واسطے زہراؑ کے لال کو

کہتا ہوں صاف میں کہ فقط آپ کا ہے پاس
ہم کو تو اب حصول سعادت بھی ہے یاس
خوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے

گھر بھی چھٹا پدر سے کہیں کے رہے نہ ہم
مر جاؤں گا ابھی قدم پاک کی قسم
بابا ادھر گئے کہ ادھر دم نکل گیا

خیر اب تڑپ کے خاک پہ ہو جائیں گے تمام
لیکن وگر ہو صبر کی ہمت کا ہے مقام
وہ کیجئے کہ فاطمہؑ سے آنکھ چار ہو

میں آپ پر نثار ہوں آپ پر فدا
میں صدقے جاؤں کیوں نہ ضعیفی میں تم ہو تنہا
حضرت نہ ہوں گے جب تو جیے گا یہ مبتلا
کہنے کو کوئی گریہ کے لیے رہے تو کیا
پھر ماں کہاں بچیں جو یہ قدموں سے باپ کے
پیارا ہمیں وہی ہے جو کام آئے آپ کے

شہ نے کہا بہن مجھے اس کا نہیں خیال
ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہیں سب نہال
خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گل ہو نہ پائمال
شادی کے دن ہیں آس غریب الوطن کی ہو
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

بولی وہ عندلیب چمن پرورِ بتول
طرہ وہی ہے سب پہ میسر چڑھے جو پھول
اے نخل باغ فیض و گلِ گلشن رسولؐ
داغ گل ریاض تمنا دل قبول!
شادی سدا نہیں چمن روزگار میں
روئے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

کیجیے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال
صدقے گلِ ریاضِ نبی پر ہزار لال
بھائی پہ آنچ آئے تو بھتیجے کا کیا ملال
ان کو بھی صدقے ہونے کی ہو آرزو کمال
اِس دل تو چاہتا ہے کہ دم بھر جدا نہ ہوں
کام آئیں غیر جب تو یہ کیونکر فدا نہ ہوں

گر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجواں
بس اب رضا جہاد کی دیجیے قبلۂ زماں!
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں
کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خوں گھٹ گیا امام زماں زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

اکبر پھرے جو گرد قدم سے اٹھا کے سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے نور عین اے سبب قوت جگر
کیا اپنا زور خیر جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہو گئی جو توقع تھی آپ سے
اٹھارویں برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

نقصان کون سا ہو جو مرتے پدر کے ساتھ
ہوتا سناں پہ چاند سا سر میرے سر کے ساتھ
افسوس زخمی ہو گیا دل بھی جگر کے ساتھ
زینب تمہاری جان چلی اس پسر کے ساتھ
کنبے کی جان آنکھوں کا تارا یہی تو تھا
بابا کی زندگی کا سہارا یہی تو تھا

تم سے بھی رک سکا نہ یہ دلبر ہزار حیف
کچھ کر سکی نہ بانوئے بے پر ہزار حیف
خالی ہوا بس آج بھرا گھر ہزار حیف
وہ جا چلے علی اکبر ہزار حیف
یہ آفتاب اب کوئی دم میں غروب ہے
دولھا بنا کے مرنے کو بھیجا تو خوب ہے

خلعت پنہا لیا ماں نے وہ کپڑے اتار کے
زینبؑ پکاریں ہاتھوں کو چھاتی پہ مار کے
بولا پسر کہ عزم ہے اب رزم گاہ کا
سجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاحِ جنگ
پہنی زرہ تو دل کو وغا کی ہوئی امنگ
بڑھ کر چلے جو قبلۂ دیں کے سلام کو
غل پڑ گیا کہ خلق سے اکبرؑ کا کوچ ہے
لٹتا ہے گھر شبیہِ پیمبرؐ کا کوچ ہے
اس کربلا میں کون سی کرب و بلا نہیں
حلقے سے بیبیوں کے جو نکلا وہ آفتاب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب
رکھا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
تھرا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰ ہیں آپ
شہ نے کہا مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ
الفت نہیں یہ پاسِ رسالت مآب ہے
صدقے میں اس لحاظ کے اے نوجواں مرے
مہ رو مرے حسیں مرے شیر ژیاں مرے
طاقت تھی جس سے دل کو وہ دولت بچھڑ گئی
آتے ہیں ہم بھی خیر سدھارو سفر کرو
نیزوں میں آفتاب سا سینہ سپر کرو
اک حسرت رہی یہ غنچۂ خاطر کھلے نہیں
کیوں دھواں اٹھے نہ جگر سے ہزار حیف
پانی کو اس شباب میں ترسے ہزار حیف
گو نہر تھی قریب مگر دسترس نہ تھا

رکھا عمامہ فرق پہ زلفیں سنوار کے
سہرا ابھی باندھو سر پہ مرے گلعذار کے
اماں کفن پنہا دو یہ خلعت ہے بیاہ کا
رکھا جو خود سر پہ ہوا اور رخ کا رنگ
تن کر چلے لپٹ گئی برِ قبائے تنگ
تڑپا دل اس طرح کہ غش آیا امام کو
لو روشنی چلی سحرِ انور کا کوچ ہے
گلزارِ مرتضیٰ کے گلِ تر کا کوچ ہے
کٹتا ہے وہ نہال جو پھولا پھلا نہیں
ہمراہ تھے پسر کے امام فلک جناب
گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے
کعبہ ہیں آپ اشرفِ دیں رہنما ہیں آپ
ہم صورتِ جنابِ رسولِ خدا ہیں آپ
ایسے سعید لال کی خدمت ثواب ہے
عاشق مرے شفیق مرے مہرباں مرے
پیری میں باپ کیا کرے اے نوجواں مرے
میں تو یہ جانتا ہوں کہ دنیا اجڑ گئی
اچھا لباس دشت کو ویران گھر کرو
پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا منہ ادھر کرو
مدت گزر گئی کہ گلے سے ملے نہیں
خدمت بھی کچھ ہوئی نہ پدر سے ہزار حیف
پیاسے چلے حسینؑ کے گھر سے ہزار حیف
تم خوب جانتے ہو کہ بابا کا بس نہ تھا

کوثر پہ جاکے کہیو علیؑ سے ہمارا حال
لال آپ کا بلا میں ہو یا شیر ذوالجلال
کٹ جائے میرا حلق کہ لاشہ ہو پائمال
حضرت کو اپنی بیٹیوں کا چاہیئے خیال
ان کے قدم تھمیں جو کوئی دستگیر ہو
ایسا نہ ہو کہ دخترِ زہراؑ اسیر ہو

یہ کہہ کے خود سوار کیا نورِ عین کو
کس صبر سے ادا کیا خالق کے دین کو
رویا اس آفتاب نے چھوڑا حسینؑ کو
روشن ضیائے رخ نے کیا مشرقین کو
قدسی درود پڑھتے تھے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلی تھی طور پر

وہ شوخیاں سمندِ فلک سیر کی وہ چال
پیل دماں کہیں، کہیں ضیغم کہیں غزال
مرکب جو بے عدیل تو راکب بھی بےمثال
رعب و نہیب و دبدبہ و سطوت و جلال
بجلی کی زرق و برق تھی ساز و یراق پر
غل تھا چڑھے ہیں احمدِ مرسل براق پر

پھیلی ہوئی تھی دشت میں زلفِ رسا کی بو
کچھ بو تھی گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بو
غل تھا یہ بو ہے سلسلۂ مصطفیٰؐ کی بو
مٹی ہے اس کے سامنے مشکِ ختا کی بو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے
دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

صدقے ہے عود عنبر سارا نثار ہے
جنگل ہے مشک بیز ہوا مشکبار ہے
حلقہ ہے جو وہ نافۂ مشکِ تتار ہے
سنبل کا اس کے سامنے کیا اقتدار ہے
ہمسر نہیں جو گیسوؤں کے پیچ و تاب سے
مخفی ہے آج تک شبِ قدر اس حجاب سے

پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
یہ لطف روزِ عید و شبِ قدر میں ہو کب
ہر دو طرف تو چین و ختا بیچ میں حلب
رستہ نہ بھول جائے مسافر حرم میں
اک شب کا فاصلہ ہو فقط شام و روم میں

معراج مصطفیٰؐ کی یہ شب ہے تو وہ سحر
زیبا ہے اس کو کہیے اندھیرے کا چاند گر
ہے زلف و رخ مفسرِ واللیل والقمر
اے خضر اِس ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
دن جس کا ہے سعید مبارک وہ رات ہے
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

پہلو میں دن کے رات زہے شانِ کارساز
یوسف جو دیکھ لے تو جھکائے سرِ نیاز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز
زیبا ہے گورے رخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر میں یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی

بیمار کہتے ہیں شعرا چشم کو جو سب
صحت میں اس کی شک ہے غلط ہو تو کیا عجب

دار الشفا یہ خود ہیں پئے بندگان رب
دیدار ان کی ہر مریض کی صحت کا ہو سبب

چشمک ہے ان کو عیسیٰ گردوں پناہ سے
مردے جلا دیے ہیں کرم کی نگاہ سے

آنکھیں وہ نرگسی جنہیں دیکھے سے ہو سرور
روشن میانِ کعبہ ہیں یا دو چراغ طور

یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغرِ بلور

حق بیں ہیں حق شناس ہیں یزداں پرست ہیں
ہشیار کیوں نہ ہوں مئے عرفاں سے مست ہیں

ضیغم نظر ہیں صاحب رعب و جلال ہیں
ان شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں

یہ نشۂ رحیق جوانی سے لال ہیں
ساحر بھی ہیں تو ساحرِ سحرِ حلال ہیں

پتلی نہیں یہ چشم سیہ کے حجاب میں
پنہاں ہے روئے حضرت یوسف نقاب میں

جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار
ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار

مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتے ہیں بار بار
آنسو ہیں یا صدف میں ہیں یہ دُرِ شاہوار

روئے ہیں فرقت شہ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
خورشید ہو تو کیا ہو وہ دن کا چراغ ہے

ذروں کو سر چڑھلے یہ کس کا دماغ ہے
وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے

دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

گل سرخ رو ہوا نہ کبھو ان کے سامنے
مخفی چمن کا روئے نکو ان کے سامنے

بے رنگ ہے گلاب کی بو ان کے سامنے
باغِ بہشت ساختہ رو ان کے سامنے

خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہرا کے باغ کے

آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہے بند
ہے بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قند

کیا لطف گر مزہ نہ اٹھائیں سخن پسند
خود سر سخن سے ان کی فصاحت ہے بہرہ مند

اعجاز ہے زبان بلاغت نظام میں
قرآن کی ساری شکل ہے ان کے کلام میں

مشکل ہے وصف گوہرِ دندانِ بے مثال
غواصِ بحرِ حسن دکھا اپنا کچھ کمال

اس مدح میں صلے کے جو ملنے کا ہو خیال
بھر دے گا موتیوں سے دہنِ فاطمہ کا لال

قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں دُرِ ثمیں کے گنج

اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہے
گھر بازوؤں میں قوت خیبر کشا کا ہے
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
پڑتا ہے ماہ رخ کا جو پرتو ادھر ادھر
گرتے ہیں کانپ کانپ کے سوسو ادھر ادھر
غل تھا عمر کا سر ابھی لائیں جو زور ہو
دیکھو تو منتشر ہو یہ لگ ہے بشر نہیں
سب محو ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں
وقت ادب ہے ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
نکلا لگا کے چتر زری ابن سعد شوم
تنہا وہ اک جواں یہ ادھر فوج کا ہجوم
پیارا یہی پسر ہے شہ مشرقین کا
تلواریں لو نیاموں سے جلدی پرے جاؤ
ہاں اے کماں کشو قدر اندازیاں کھاؤ
گر نور احمدی کی جہاں میں ضیا نہ ہو
لالچ میں آئے سن کے یہ باتیں وہ زیر دست
دریا پہ کچھ سوا ہوا پہلے سے بند و بست
جنگل تھا سب سیاہ ہجوم سپاہ سے
اس بڑھ کے سنتے تھے وہ باغی خدا
پیاسے پہ آئے تیر ادھر سے جو لاتعد
دیکھا نگاہ قہر سے ہر نابکار کو
اللہ رے نہیب رجز خوانی ہژبر
چھائی ہوئی تھی فوج ضلالت مثال ابر
غل تھا کہ سب علیؑ کا جلال آشکار ہے

زور ان کلائیوں میں شہ لافتا کا ہے
سینہ نہ جانیو یہ حرز اللہ خدا کا ہے
جس سے کھلا ہوا ہے سفینہ نجات کا
پھرتی ہے چاندنی کی طرح ضو ادھر ادھر
لشکر میں بے وغا ہے رو ادھر ادھر
اس کو نگاہ بد سے جو دیکھیں تو کور ہو
جیسے کہ پر ضو یہ ہو کہ مجال نظر نہیں
پھر کون ہے پیمبر برحق اگر نہیں
آئے رسولؐ دوڑ کے قدموں پہ سر رکھو
بولا یہ کیا ہراس ہے شیر و یہ کیا ہے دھوم
کھوتے ہو آبروئے دلیران شام و روم
خوش ہو کہ خاتمہ ہوا فوج حسینؑ کا
نیزے ہلا ہلا کے سوار و ادھر کو آؤ
فرزند فاطمہؑ کے پسر کا لہو بہاؤ
انعام پھر وہ دوں جو کسی نے دیا نہ ہو
سمجھے کہ اس طرف ہے ظفر اس طرف شکست
چھوٹے یلان فوج ستم مثل پیل مست
کوسوں چھپی ہوئی تھی ترائی نگاہ سے
اٹھتا ہے جس طرح کہ سمندر سے جزر و مد
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے کہا یا علیؑ مدد
گویا خدا کا شیر بڑھا کارزار کو
جھنجھلا کے گونجتا ہو نیستاں میں جیسے ببر
جو منچلے تھے فوج میں بڑھتا تھا ان پہ جبر
فقرہ ہر اک رجز کا نہیں ذوالفقار ہے

نعرہ کیا جو مثل علی آسماں ہلے
سینوں میں دل ہلے تو صفوں میں نشاں ہلے
گردن نہ ان کی اٹھتی تھی جو سربلند تھے

بعد تلاش اب وہ جد شبیر نزد بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک ادھر سے ادھر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں

نیزوں سے روکنے لگے ڈر ڈر کے سب سوار
سب کی نظر میں کوند گئی برق ذوالفقار
غل تھا کہ سربلند ہو جو وہ بھی پست ہے

فرما کے یہ کمر میں رکھی اسپ کی لجام
سرعت وہ رخش کی وہ درخشانی حسام
دلدل کی چال جو وہ چلن بادپا کا تھا

کھینچی جو تک آ گئے جو الٹ لی تھی آستین
رو کے تھے منہ پہ خوف سے ڈھالوں کو اہل کیں
افزوں تھی انگلیوں کی ضیا شمع طور سے

تا گر چلی میان دو صف تیغ شعلہ ریز
آئی جھپک کے سروں پہ جو تیغ تیز
سالم تھے نخل قد پہ نشان ثمر نہ تھا

بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہو جس طرح
ہاتھ اڑتے تھے شجر کوئی چھٹتا ہو جس طرح
جو ادھر بھی دو چار ہوا صاف چار تھا

تھی استخوان شانہ سپر اس کے سامنے
موم اور سب تھے کاسۂ سر اس کے سامنے
آفت کی کاٹ تیغ کا خم صف بلا کا تھا

تھرائی یہ زمیں کہ کڑک کر مکاں ہلے
کیا منہ کسی کا تھا کہ دہن میں زباں ہلے
اللہ رے رعب نطق فصیحوں کے بند تھے

ہٹتی ہوئی گھٹا کی طرف جوں قمر بڑھا
جرار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

صفدر نے بڑھ کے کھینچ لی تیغ آبدار
ٹوٹے علم گرے جو الف ہو کے راہوار
اکبر نے دی صدا یہ نشان شکست ہے

پھیرنے لگا نظر کے اشارے میں خوش خرام
اک برق کوندتی تھی میان سپاہ شام
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

اک زلزلہ تھا کانپتی تھی دشت کی زمیں
ہنس ہنس کے دیکھتے تھے علی اکبر حسین
جنگل میں روشنی تھی کلائی کے نور سے

دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامہ ستیز
ان میں سے ایک کو نہ ملی جہات گریز
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

ہٹتے تھے دل کہ ابر ہٹتا ہے جس طرح
یا زم خامہ تیغ سے کٹتا ہو جس طرح
فولاد و موم خام شکستہ خیار تھا

دام زرہ تھا سنبل تر اس کے سامنے
ڈھیلی گرہ تھا بند کمر اس کے سامنے
سب رنگ ڈھنگ ضربت مشکل کشا کا تھا

آئی جو سن سے سینے کی جانب اڑا کے سر
مرکب نے کی نظر سوئے راکب اٹھا کے سر
ہی سالم نئی طرح سوئے دوزخ روانہ تھا
برسا رہی تھی دشت میں وہ شعلہ رو لہو
تا سینہ اس طرف تو ادھر تا گلو لہو
بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہل خلاف کا

جب آئی حسن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی
یوں چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی
سالم رگیں نہ جسم کی نے استخواں رہے
اللہ ری تیزی دم شمشیر سر شگاف
دریائے خوں میں پیر کے نکلی دم مصاف
نسبت تھی ذوالفقار سے اس بے عدیل کو

تھا نہر علقمہ کے قریب بحر خوں کا اوج
سر صورت حباب نمایاں تھے فرد و زوج
بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مابین راہ تھا
پھول اڑ گئے بھی اس کی جو چمکا پرے کے پاس
سر سے اتر گئی دل بیدادگر کے پاس
گھوڑا کمر کا بند تو دوڑ آئی زین میں

اب دم نہ لیجیو بڑھ کے قضا اس سے کہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
غصے میں مثل برق قرار اس نے دم لیا
پھل اس کا نہ سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا
دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خود سری رہی

دھڑ سے گرا سمند کی ٹاپوں میں آ کے سر
نکلی وہ تیغ تیز بغل سے جھکا کے سر
سر تھا نہ صدر تھا نہ کمر تھی نہ شانہ تھا
حیدر کا لال بیچ میں تھا چار سو لہو
کوسوں تھا سر زمین عرب میں لہو لہو
فرط خوشی سے سرخ تھا چہرہ مصاف کا

اڑ کر صفوں کے بیچ سے ناگن نکل گئی
شہ رگ سے جان صدر سے گردن نکل گئی
ٹوٹے قفس میں طائر وحشی کہاں رہے
قبضے میں جس کے حکم قضا تھا بیان قاف
پھر منہ لہو پیے پہ جو دیکھا تو پاک صاف
دھبا کہیں لگا ہے نہ جیب و حمیل کو

تھے آگے پیچھے دست بریدہ بسان موج
طوفان آب تیغ میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
خشکی میں فوج شام کا بیڑا تباہ تھا
نکلی ادھر سپر سے کہ آ پہنچی سر کے پاس
دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

ندی لہو کی دشت پر آفت میں بہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
لاکھوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے مارا تو دم لیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

جنگل میں چار سمت لہو کے چمن بنے
مردِ شکست پا کے وہ پیماں شکن بنے
کشتوں پہ پشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
بل کھا کے اس طرف کو کوئی بل بڑھا اگر
چمکی جو تیغ برق سی کوندی ادھر ادھر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
قبضوں میں تیغیں چھپتی تھیں وحشت تھی اس قدر
یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلے نہ تھے تبر
ہر اک کمند دام بلا میں اسیر تھی
نصرت جلو میں گھوڑے کے پھرتی تھی خوش نہاد
تھی یہ ظفر کی عرض کہ یا خالقِ عباد
پامال کر کے یوں انھیں یہ مہ لقا پھرے
چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
بجلی تھی اک پری کی شکم پر کہ اس کی آب
جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزاں بھی بہار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
کرتی تھی پائمال صفوں کو وہ برق سیر
نے خود کو پناہ نہ اس سے سپر کی خیر
سکتے پڑے تھے اکبرِ غازی کی ضرب کے
تیر افگنانِ کوفہ و شام و عراق ڈر گئے
قادر ہے مثل حکم قضا یہ خجستہ پے
بچتا ہے علم تیر میں ارسوں گزار کے

جو خیرہ سر تھے نقش فنا ان کے تن بنے
چار آئینے جو قبر تو جوشن کفن بنے
عصیاں کا اس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا
پہونچا سمند اڑ کے برابر وہ شیر نر
آئی لہو میں پیر کے وہ ماہیِ ظفر
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو
گرد اپنے آپ کرتی تھی گرد آوری سپر
سہمے تھے تیر یوں کہ اٹھا سکتے تھے نہ سر
واں خود ماں کی طرح کماں گوشہ گیر تھی
کہتی تھی فتح آج بر آئی مری مراد
جاری شکست پائیں یہ سب بانیِ فساد
جس طرح جنگ بدر سے شیرِ خدا پھرے
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
تیزی کہ زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا
غل تھا کہ ایک گھاٹ پہ پانی بھی نار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
اک آفت جہاں تھی لگانے بجھانے میں
دہشت سے تھا پناہ شقاوت کا حال غیر
چار آئینے سے لاگ تھی اس کو سپر سے بیر
توا بھی دب گیا ہے یہ معنی ہیں ضرب کے
چلاتے تھے رہے گی کشاکش یہ تا بکے
پر کاٹے اس نے تیر چلے اس طرف یہ تیغ
بس پھینکدو چڑھے ہوئے چلے اتار کے

نیزوں کے بند بند قلم برچھیاں دو نیم
چار آئینہ کے ٹکڑے ہوئے گرز گراں دو نیم
عالم تھا پیش آئینہ تیغ جو نہ تھا
وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی
دریا بھی آب تیغ سے بے آبرو ہوا
گیتی ہلا دی نعرۂ ضرغام دہر نے
مانگی پناہ چھوڑ کے ساحل کو بحر نے
گھر امن کا جو بحر میں تھا آب ہو گیا
بولے نہنگ خوب نہیں یہ اگر مگر
برپا ہے شامیوں کے ستم سے یہ شور و شر
پشتہ ہے یا محیط ہے شط ہے کہ نہر ہے
ہلچل ہوئی غضب کی صف کارزار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
جب کوند کر سمند یہاں سے وہاں گیا
جھاڑیں جو تیلیاں تو نظر سے نہاں گیا
غل تھا وہ آگے دیکھئے اس بادپا کے پاؤں
سرعت سے شرمسار نسیم سحر ہوئی
تن سے عرق کی بوند جو ٹپکی گہر ہوئی
گھوڑا نہ کہیے تخت سلیماں رواں تھا
باریک جلد وہ کہ خجل تاقم و حریر
حلقے سے یوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر
رسا فتح ساتھ ساتھ تھی اس راہوار کے

مثل قلم زبان دراز سناں دو نیم
مغفر سے تا کمر جسد پہلواں دو نیم
لشکر میں کون سا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا
چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی ہٹ گئی
رن کی زمیں لہو کے تریڑوں سے کٹ گئی
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا
گھیرا ہر اک کو حضرت باری کے قہر نے
گرداب کو سپر کیا سینے پہ نہر نے
کانپیں یہ مچھلیاں کہ جگر آب ہو گیا
اب تم نکل کے بحر سے بر میں بناؤ گھر
لڑتے ہیں اپنے حق پہ یداللہ کے پسر
اس کے گواہ ہم ہیں کہ زہرا کا قہر ہے
دبکے نکل کے شیر نیستاں کچھار میں
جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
ریتی پہ مچھلیاں تھیں سمندر فرات میں
ثابت نہ کچھ ہوا کدھر آیا کہاں گیا
گھوڑا براق بن کے سوئے آسماں گیا
دیکھے نہ ہوں زمانہ میں جس نے ہوا کے پاؤں
آنکھوں میں پھر گیا نہ مژہ کو خبر ہوئی
جب خاک اڑی ادھر تو دم اس کی ادھر ہوئی
اس کے لئے تو جنبش رگ تازیانہ تھا
مشکیں پرند آہوئے رم خوردہ شیر گیر
آتش مزاج باد تہ پا فلک سریر
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا ابھی برق تھا
کچھ اس میں اور ابر میں مطلق نہ فرق تھا
پاکھر تھی موتیوں کی عرق جسم پاک پر
تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار
بولا یہ فوج سے عمر سعد نابکار
یہ اک جری کی اجل کا بہانہ ہے
یہ سن کے فوج سب متوجہ ہوئی ادھر
نیزے پہ آگے آگے تھے رہزنوں کے سر
قامت سے شان عمرو ختنی آشکار ہے
وہ خود جس کو دیکھ کے مرحب ہو سرنگوں
قتال و بدمزاج و مہیب و سیہ دروں
تیغ و سناں میں رشک زریآن و گیو تھا
بعد از سلام بڑھ کے عمر نے کیا بیاں
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا وہ پہلواں
عباس ہے کہ فاطمہ کا نور عین ہے
کاٹے ہیں جب سے دست علمدار نامور
پوچھا شقی نے ہوئے گا سن اس کا کس قدر
اٹھارواں یہ سال ہے سن کے حساب میں
بولا شقی کہ فوج کا لڑکے سے ہو یہ حال
تب شمر نے کہا کہ یہ ہیں شیر حق کے لال
سرور ہو کون قہر خدا ہے وغا نہیں
ناری کے آگ لگ گئی سن کر علی کا نام
پھر کیا اگر علی کا خلف ہو یہ تشنہ کام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے

مثل عروس زیور خوں میں غرق تھا
دو گام اس کو فاصلہ غرب و شرق تھا
آئی تھی باد تند فرس بن کے خاک پہ
ناگہ اٹھا جو شام کی جانب سے اک غبار
بھیجی کمک یزید نے و شکر کردگار
آیا وہ پہلواں جو وحید زمانہ ہے
دیکھا کہ اک جواں ہے فرس پر بہ کر و فر
پیچھے ہیں دو ہزار جوانان پرجگر
سمجھے یہ سب کہ رخش پہ رستم سوار ہے
کیفیت شراب غیظ سے آنکھیں دو جام خوں
کیا تن و خلیفانش سے بھی توش میں فزوں
کہنے کو آدمی ہے حقیقت میں دیو تھا
آپ آئے کیا کہ آ گئی مرتے ہوؤں میں جاں
سرگرم کارزار ہے یہ کون سا جواں
کی عرض اس شقی نے کہ ابن حسین ہے
سرگرم کارزار ہے یہ شاہ کا پسر
اس نے کہا جواں نہیں پورا یہ پرجگر
سبزہ ابھی نمود ہے باغ شباب میں
ڈرتے ہیں مور سے صف لشکر ہو پائمال
طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بے مثال
اس پر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں
بولا بگڑ کے وہ کہ مرے منہ پہ یہ کلام
کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
اتروں گا اب فرس سے سر اس کا اتار کے

یہ کہہ کے پھر گیا کمر آہنی کو چست
سارے قویٰ قوی تھے مگر عقل تھی سست
کودا دیا فرس کو جو باگ اس نے پھیر کے
آیا اڑا کے رخش وہ جب دم قریب زد
پشتی پہ ہوئے شیر الٰہی سا جس کا جد
دریائے موج خیز پہ تھی وہ حباب تھا

ہٹ کر ڈھالرز کے جو سنبھلا وہ پر غرور
آمد میں وہ شکوہ و تعلّی وہ کرّ و زور
سرکش زمیں پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
مقدور پہ بھی کرتے ہیں عاقل فروتنی
ہم سے زیادہ کون ہے تلوار کا دھنی
دیکھا نہ راستی کا مزہ کج ادائی میں

سب جانتے ہیں دست علیؑ کی صفائیاں
عالم کے سرکشوں نے شکستیں اٹھائیاں
مدح علیؑ رسول خدا کی زباں پہ ہے
مجبور ہیں نہیں تجھے دعویٰ ہو گر تو کیا
آمد تو دیکھیں جنگ کا بھی کچھ ہنر دکھا
ساتوں جہنم آتش فرقت میں جلتے ہیں

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤسر
آیا ادھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
گرز اس طرح نکل گیا نیچے سے چھوٹ کے
بھالا سنبھالا دشمن ایماں نے ہاتھ
پہلے ہی کٹ چکا تھا مگر اجل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور میں گو وہ زیادہ تھا

آلات حرب تن پہ گئے سر بسر درست
سر میں وہی غرور وہی غرّۂ نخست
ہر صف میں غل ہوا کہ چلا منھ میں شیر کے
ہمشکل مصطفےٰ نے کہا یا علیؑ مدد
ہوتا ہے کیا حریف کرے لاکھ جد و کد
زہرہ شقی کا آنکھ ملاتے ہی آب تھا

بولے یہ مسکرا کے علیؑ اکبرؑ غیور
گرجا تھا اس قدر تو برسنا بھی تھا ضرور
نخل غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی
عاجز ہیں سب خدا کی گرفت ہے بری
چلتے ہیں جھک کے صورت شمشیر آہنی
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں

سر کیں نبی کے سامنے کیا کیا لڑائیاں
بدر و احد میں خوں کی نہریں بہائیاں
لا سیف و لا فتیٰ کی صدا آسماں پہ ہے
تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
مالک تجھے سقر میں بلاتا ہے جلد جا
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھ میں سپر
وہ ہو گیا عمود مثال خیار تر
سمجھے یہ سب زمیں پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
وہ تھا نہ تھا جو پاؤں تڑپتا تھا پھر کے ہاتھ
نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا

رکھ کر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
تھرا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
بھاگے کہ ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یعنی ادھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں کٹی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھوئے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے پیچ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے

ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کماں میں تیر
تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیوں کر ہو گوشہ گیر
چلہ کٹا کماں کا زہے تیغ بے نظیر
قربان زور دست حضرت نصرت نشان کے
کھل کر قفا سے بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کماں
نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
سپر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں
بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی تکاں
سہا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پر

مطلع

ہاں اے محیط طبع روانی دکھا مجھے
پیری میں زور و شور جوانی دکھا مجھے
ہاں اے زبان سیف زبانی دکھا مجھے
اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دم تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

اے تیغ بادشاہ نجف گرم کار ہو
اے شہسوار مستعد کارزار ہو
اے برق طبع کوند کے گردوں کے پار ہو
اے سیف خامۂ دو زباں شعلہ بار ہو
ہاں معرکہ ہے بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
چوٹیں نئی ہوں سب کوئی مضمون لڑ نہ جائے

ہاں غازیو دکھاتا ہوں تصویر حرب گاہ
غل ہو درود کا عوض شور واہ واہ
تولے ہے تیغ اودھر پسر شاہ دیں پناہ
آمادہ نبرد ادھر ہے وہ روسیاہ
دونوں کو معرکے میں تمنا ہے جنگ کی
باگیں اٹھی ہوئی ہیں کمیت و سرنگ کی

دوزخ ادھر ہے خلد بریں کا چمن ادھر
کانٹے ادھر ہیں لالہ رخ و گلبدن ادھر
کافر ادھر شبیہ رسول زمن ادھر
مرحب ہوا اس طرف شہ خیبر شکن ادھر
بالکل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے
جو نار ہے وہ نار ہے پھر نور نور ہے

عاری ہیں تیغ زن شہ مرداں کے سامنے — گل ہیں چراغ مہر درخشاں کے سامنے
کیا سحر سامری بن عمراں کے سامنے — کیا مور کی بساط سلیماں کے سامنے
آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے — حقا کہ سحر اور ہے اعجاز اور ہے

دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار — ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں تیغ ہو کہ ہتیار
طاوس ہیں ہرن ہیں چھلاوے ہیں راہوار — لشکر ہے اک زباں کہ یہ جرأت ہے یادگار
غالب بھی ہیں گو وہ قوی تر ہے گیو سے — غل ہے کہ زور دست ہیں یہ اسفندیو سے

بڑھتا ہے شکل تیغ ادھر سے وہ نامور — دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورت سپر
یوں نعرہ زن ہو غیظ میں شبیر کا پسر — یہ اضطراب جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رخ سے جھلم کو اتار کر — او روسیاہ آنکھ تو شیروں سے چار کر

کٹ کٹ کے وار کرتا ہے پیہم وہ روسیاہ — پر ان کی تیغ سے کہیں ملتی نہیں پناہ
روباہ وہ یہ سخت دل ضیغم الٰہ — جن کے غلام ملک شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہے برق شعلہ فشاں تیغ کے لیے — تیغ ان کے واسطے ہے یہ ہیں تیغ کے لیے

اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ چمک — دو بجلیاں سی کوندتی تھیں تا فلک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر چرخ پر ملک — شکل علی جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رخ پہ ہراس کچھ دم جنگ و جدل نہ تھا — تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا

گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زور — لیکن کہاں چراغ کہاں مہر دیں کا نور
اژدر سپر کی ہے جو اٹھائے سر غرور — بورے تو موت کا بھی ٹھکانا نہیں ہے دور
پیچ کھاتے ہیں ہراس میں کیا زور چل سکے — پنجے میں شیر کے ہو تو کیوں کر نکل سکے

شانہ کٹا سپر سے بچایا جو اس نے سر — ٹکڑے اڑے جھلم کے اٹھی خود سے جب سپر
چار آئینہ میں جسم تو محفوظ تھا مگر — سارا چھنا ہوا تھا زرہ کی طرح جگر
تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وہ — تیغ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

خالی گئیں منجھی ہوئی چوٹیں جو اس کی سب — سکتے کو پھر اچھل کے شقی کھا سکا نہ تاب
تلوار کو اٹھا کے پکارا وہ شیر تب — ہشیار او لعین اجل آتی ہو سر پہ اب
مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے — باقی ہو کچھ ہوس تو اسے بھی نکال لے

بولا سپر کو فرق پہ رکھ کر وہ بے شعور
پھنکتا ہے تن یہ دھوپ ہے پیاس کا وفور
میداں گرم ہے نار کا اے کبریا کے نور
بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورت تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مہلت ملے تو پی لوں میں پانی فرات سے

تلوار روک کر یہ پکارا وہ والا مقام
تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تلوار روکنے کا نہیں گرچہ یہ مقام
پر خیر پی لے شربت پانی کا بھر کے جام
فیاض ہیں کریم ہیں ابن کریم ہیں
دشمن پہ بھی ترحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

خنداں ہوئے شقی پہ لب تیغ جاں گداز
بڑھ کر زبان طعن سنان شقی کی دراز
آواز دی کماں نے زہ و شان بے نیاز
سوفار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز
ہے خوف ضرب تیغ سے طالب پناہ کا
بولی سپر کہ پھر گیا رنگ رو سیاہ کا

لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب
پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب
پیاسے تھے تین دن کے جوادوں کو اضطراب
تڑپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے
اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بدگہر
کی عرض کیجیے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب ہے شہنشاہ بحر و بر
آب حیات ہو تو پئیں ہم نہ بے پدر
ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں
یہ آب نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

شبیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا
دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
اے مرحبا رسول کے ہمشکل مرحبا
سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیوں کر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو
کیوں کر نہ ہو کہ ساقیٔ کوثر کے لال ہو

تسلیم کر کے شہ کو بصد عجز و انکسار
شکل اسد شکار پہ آیا وہ شہ سوار
نعرہ کیا کہ او سگ بزدل ستم شعار
ہاں اب تو تازہ دم ہے اٹھا تیغ آبدار
بھاگا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو
پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو

سن کر برس پڑا وہ جفا کار و بدگہر
رد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہی ظفر
مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلواں
نکلی زمیں میں ڈوب کے شمشیر خونچکاں
افلاک سے گزر گئی ساونت کی صدا
منہ پھیر کر حسینؑ کی جانب جو کی نظر
فریاد کی کہ اے خلف سیّد البشر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
فرمایا شہ نے اے علی اکبر ترے نثار
کوثر پہ شیرِ حق کو تمہارا ہے انتظار
لائے کہاں سے دل کہ یہ صدمہ اٹھا سکے
ڈیوڑھی پہ رو رہی ہے بنتِ علی سن کے یہ کلام
رانڈوں کے روکنے کو بڑھے اس طرف امام
سب طور تھا وغائے جناب امیر کا
قلب و جناح کے جو بہادر ہوئے تلف
یہ غول اس طرف تو وہ مجمع تھا اس طرف
یوں حملہ ور تھے تیغ زنوں کی قطار پر
آئے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار
اب اس طرف ہی یہ پہ ادھر فوج نابکار
نیزے لاؤ سینوں سے گھوڑوں کو پھیر کے
روکی تمام فوج کی اک تشنہ لب نے راہ
ڈھالوں سے دشت گھر گیا تھا کوئی تھا پیادہ
لاکھوں سے معرکے میں کوئی یوں لڑا نہیں
گردوں پہ تھی صدائے چکا چوند تیغ و تیر
فرماتے تھے جو رکتا تھا اسپ فلک مسیر
زخموں سے تو بھی چور ہے اور ہم بھی چور ہیں

جبریل پر اٹھا کے پکارے کہ الاماں
تکبیر کہہ کے جوش میں جھپٹا وہ نوجواں
آئی خدا کے عرش سے احسنت کی صدا
دیکھا زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہ بحر و بر
نزدیک ہے کہ پیاس سے شق ہو دل و جگر
کیجئے دعا کہ جلد شہادت نصیب ہو
بیچین کروں نہیں مرا پانی پہ اختیار
مظلوم باپ تم سے نہایت ہے شرمسار
تم مانگو اور حسین نہ پانی پلا سکے
رکتی ہوئی نکل پڑیں سیدانیاں تمام
گھوڑا اڑا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
حملے نہ تھے غضب تھا خدائے قدیر کا
گھبرا کے میمنہ پہ گری میسرہ کی صف
گویا کہ اژدہے تھے غضب میں یہ تیغ کف
جاتا ہے شیر جیسے غزالوں کی ڈار پر
ماہیں راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
غل ہے ادھر اب آنے نہ پائے یہ نامدار
گشتہ کرو وہیں علی اکبر کو گھیر کے
گھوڑا اڑا کے بیچ میں آیا وہ رشکِ ماہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا عرب میں رن کبھی ایسا پڑا نہیں
ڈوبا تھا خوں میں رشتہ دیں کا مہ منیر
اب ہم بھی ہیں، تمام ہوائی بھی بے خبر
افسوس بس یہی ہے کہ بابا رہ گیا

نکلا پرے سے شیث ربعی جفا شعار
تیروں کا مینھ برس گیا پلٹ پڑا ایک بار
اڑ اڑ کے ٹھٹے جو کرتا تھا وہ قراب کو
نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وہ جناب
ڈوبے لہو میں لٹنے لگا گلشن شباب
مجروح تیر زخم میں تھا اس ہجوم کے

طے کر کے معرکہ یہ بڑھے تھے کہ ناگہاں
دل توڑ کر افق جو ہوئی تیت کو عیاں
ٹکڑے کبد کے خوں کے دریڑوں میں بہہ گئے

سینہ تو زین پر تھا ایال فرس پہ سر
اٹکا ہوا تھا پسلیوں کے بیچ میں جگر
تڑپاتا تھا جو گھوڑے پہ صدمہ سناں کا

چلا رہا تھا یوں پسر سعد روسیاہ
ہم میں کسی سے قتل نہ ہوتا یہ شیر شاہ
کر دے میسر کوئی ٹھے اکبر گزر گئے

بڑھ کر پکارا شمر ستمگار و بد خصال
جلد آ کے دیکھیے پسر نوجواں کا حال
جو حملہ ور تھا تیغ دو دم تول تول کے

پہنچی یہ جاں گزا جو صدا گوش شاہ میں
دوڑے اگرچہ اٹھتے کئی جا تھی راہ میں

چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اس طرح
دوڑے گئے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی
تشویش تھی کہ مادر اکبر نکل نہ آئے

ہمراہ تھے شقی کے کماندار دس ہزار
راکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار
غل تھا کہ پر خدا نے دیے ہیں عقاب کو
تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گرد آفتاب
روتے تھے خوں کے آنسو سبھی دیدۂ رکاب
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے ہجوم ہجوم کے

چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
گھوڑے پہ پائے تھمے دل کہہ کے رہ گئے

چھوٹی تھی باگ ہاتھوں سے نے تیغ نے سپر
لختے جمے ہوئے تھے لہو کے ادھر ادھر
غل تھا کہ دم نکلتا ہے کڑیل جوان کا

ابن نمیر کیا ترا نیزہ چلا ہے واہ
بیکس حسین ہو گئے دنیا ہوئی تباہ
دیکھو تڑپ رہے ہیں کہ شبیر مر گئے

اے ابن فاطمہ پسر شیر ذوالجلال
لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
دم توڑتا ہے اب وہی منھ کھول کھول کے

دنیا سیاہ ہو گئی شہ کی نگاہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں

نیچے کو گھوڑے سے شبیر تڑپتا ہے جس طرح
بن میں کبھی تھے رن میں کبھی نہر پہ کبھی
کی مڑ کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
خیمے سے بنت فاطمہ باہر نکل نہ آئے

چلاتے تھے کہ اے علی اکبر کدھر ہے تو
کچھ سوجھتا نہیں مرے یاور کدھر ہے تو
آباد گھر حسین کا تاراج ہو گیا
بیٹا ضعیف باپ کدھر ڈھونڈھنے کو جائے
دشمن کو بھی خدا نہ فراق پسر دکھائے
مرنے کی جس کی فصل تھی اس نے قضا نہ کی

ناگہ صدا یہ آئی کہ بابا ادھر ہوں میں
خالق سے لو لگی ہے چراغ سحر ہوں میں
وہ درد جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دوڑے حسین سن کے یہ آواز دردناک
فرزند لوٹتا نظر آیا بروئے خاک
تڑپا جو دل تو سخت جگر سے لپٹ گئے

دیکھا کہ جسم سرد ہے حس ہے نہ ہے پا
منھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہ کربلا
بولو تو منھ سے کچھ کہ میں بیکس امام ہوں
سر پیٹ کر امام پکارے کہ ہائے ہائے
جاں اپنی دے کے دوں اگر اک جام ہاتھ آئے
تیرے لبوں پہ ہے سب ... صفات کو

آنسو بہے یہ سنتے ہی اس رشک ماہ کے
کروٹ امام دیں کی طرف لی کراہ کے
اینٹھی زباں تو منھ بھی تھرا کے رہ گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا کدھر گئے
بابا ابھی کچھ نہ کہیں کہ جہاں سے گزر گئے
یوں قافلے سے چھوٹ کے شبیر رہ گیا

مرتا ہے اب پدر سے دلبر کدھر ہے تو
دن ہے کہ رات اے علی اکبر کدھر ہے تو
خورشید رو کے چہرے پہ غروب آ گئی بکا
بچھڑے پدر سے عین جوانی میں آہ ہائے
پھر ابا جان کہہ کے پکارو تو چین آئے
وہ حسرتا کہ عمر نے تم سے وفا نہ کی

اے نخل باغ فاطمہ زیر شجر ہوں میں
جلد آئیے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو
دامن تھا سب قمیص تن یوسفی کا چاک
بس گر پڑے پسر کے برابر امام پاک
رو بھی نہ پائے کہہ کے پسر سے لپٹ گئے

دم ہے گر حباب میں ہو جس طرح ہوا
کیوں بابا جان کہہ دو گزرتی ہو دل پہ کیا
سوکھی زباں دکھا کے کہا تشنہ کام ہوں
بیٹا حسین ڈھونڈھ کے پانی کہاں سے لائے
اے نور عین پیاس تمھاری خدا بجھائے
گھیرے ہوئے ہیں خون کے پیاسے فرات کو

چاہا کہ ڈالے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کھولا جو منھ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
گیسو زمین گرم پہ بل کھا کے رہ گئے
غش آ گیا یہ درد جگر سے کہ مر گئے
چلاتے تھے ہم بھی اور نہ دم بھر ٹھہر گئے
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

سمجھے تھے ہم نہ چھوٹے گا پیر و جواں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہو تیر و کماں کا ساتھ
غربت میں کون دیکے پدر ناتواں کا ساتھ
واحسرتا کہ چھوٹ گیا کارواں کا ساتھ
خیر آگئے آگے جاتے ہو تم آسرا تو ہے
گو ہم شکستہ پا ہیں پہ سر پر خدا تو ہے

آگے تمھارے مر نہ گئے ہم ہزار حیف
نکلا نہ اب بھی تن سے مرا دم ہزار حیف
تم نے کیا نہ باپ کا ماتم ہزار حیف
یہ عمر اور یہ الم و غم ہزار حیف
گھر جس کے دم سے ہو وہ سعادت نشاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیے نوجواں مرے

تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بیٹے کی لاش پر
اس سانحے کی ہو گئی رانڈوں کو بھی خبر
اک غل اٹھا حرم سے کہ ہے ہے مرے پسر
بچوں کو لے کے بیبیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبر دست و پا نہ تھی
سر پر کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

سب بیبیوں میں ایک سکینہ کا تھا یہ حال
خم تھا کمر میں دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپنے کی چال
چلاتی تھی کدھر ہے آ میرے نونہال
دیتی ہوں واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ مجھے بتا دے کوئی قتل گاہ کا

کچھ سوجھتا نہیں مجھے مقتل ہے کس طرف
زخمی ہے جس میں شیر وہ جنگل ہے کس طرف
جس میں چھپا ہے چاند وہ بادل ہے کس طرف
لوگو شبیہ احمد مرسل ہے کس طرف
ماں کا پیام مجھ سے اسے دینے کو آئی ہوں
اپنے مرادوں والے کو لینے کو آئی ہوں

ہے ہے کدھر ہے گیسوؤں والا پسر مرا
جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا
کس خاک پر تڑپتا ہے لخت جگر مرا
کس نخل کے تلے ہے وہ نو رس ثمر مرا
بیٹوں کی جان کر کے تن پاش پاش پر
بٹھلا دو ہاتھ تھام کے اکبر کی لاش پر

لوٹا اجل نے میرے بھرے گھر کو ہے غضب
خوں میں ڈبو دیا مرے انور کو ہے غضب
پردے کیا شبیہ پیمبر کو ہے غضب
برچھی لگی مرے علی اکبر کو ہے غضب
اس عمر میں یہ نخل جوانی کا پھل ملا
بستی مری لٹی تجھے کیا اے اجل ملا

اے میرے خوش بیاں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے نوجواں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے تن کی جان مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے قدرداں مجھے اپنی صدا سنا
عاشق کے دل کو صبر کہاں ہو فراق میں
گھر سے نکل پڑی ہوں ترے اشتیاق میں

اے پیچ دار گیسوؤں والے ترے نثار
اے مشکبار گیسوؤں والے ترے نثار
دنیا سیاہ ہو گئی رستہ پہاڑ ہے
اے میرے گلبدن مرے ابرو کماں جواں
اے میرے صف شکن مرے حیدر نشاں جواں
لاکھوں سے معرکہ طپش آفتاب میں
وہ بھینی بھینی تن کی مجھے بو سنگھاؤ پھر
کھل جائے ماں کا غنچۂ دل مسکراؤ پھر
غربت میں شوق سے شہ والا کا ساتھ دو
گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یوں کہا
مریم ہے یا خدیجہ ہے یا بنت مصطفےٰ
خواہر حسین کی ہے تو اسی بی بی کی ہے
نکلا ہے ایک آدمی غمگین و دل کباب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامن سحاب
گر گر کے آشیانوں سے طائر پھڑکتے تھے
اس حشر میں جو شہ نے بہن کی سنی صدا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینب برہنہ پا
سر ڈھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
اب روک لے کمیت قلم کی عناں انیس
پیری ہے یہ سفر کا ہے دھیان اے انیس
خیمے سے [illegible] نکالے ہیں
شہ نے مدد کو حکم دیا ہے تجھے
جب تک میں تھا تو مدح تھا رسول کا

اے یادگار گیسوؤں والے ترے نثار
اے میرے چاند گیسوؤں والے ترے نثار
جنگل بنا ہوا ہے مرا گھر اجاڑ ہے
اے میرے کم سخن مرے شیریں بیاں جواں
اے میرے تیغ زن مرے شیر ژیاں جواں
دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں
ماں صدقے جائے تشنہ دہن گھر میں آؤ پھر
جی بھر کے میں گلے سے لگا لوں تو جاؤ پھر
تجھ کو چھپا کے پردے میں بابا کا ساتھ دو
بی بی یہ کون سی ہے جو نکلی ہے بے ردا
بولا وہ کانپ کر کہ قیامت ہوئی بپا
منہ پھیر لے ارے یہ بیٹی علی کی ہے
تھی دشت نینوا میں وہ بی بی جو بے نقاب
گیتی کو زلزلہ تھا زمانہ کو اضطراب
چنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پٹکتے تھے
جلدی اٹھا کے لاش چلے شاہ کربلا
رو کر پکارے وا اسفا وا مصیبتا
گھر میں چلو بہن علی اکبر خفا نہ ہو
بزم عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیس
کیا جانیے روانہ ہو کب کارواں انیس
جس قافلے میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں
یہ عجز و انکسار عطا ہو گیا تجھے
جب آپ کو کھو دیا پایا تجھے

۹

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
امت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک ان کو روتے ہیں

وہ یاور و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
ہر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمانِ پیر
لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ ان کے پاؤں نہ روئے مہِ منیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر
پرخوں قبائیں جسم سے سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دولہا بنے ہوئے

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر ان کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے
پھیکی تھی روشنیِ قمر ان کے سامنے
اڑتا تھا رنگ روئے سحر ان کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
دیکھیں جو ان کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلالِ جوانمردی و جود
شیدائے آل شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انھیں صحبت امام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبت حیدر سے دل کے جام
ذی قدر ذی شعور دلاور خجستہ کام
لشکر جوان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورت سحاب
وہ نور وہ جلال وہ صورت وہ آب و تاب
زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال ان پہ آگیا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
پامال ہو گیا حسنؑ مجتبےٰ کا باغ
لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹ گئی دولت پدر
نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جب دم وہ شیر نر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسؑ نامور
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا

ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہ انس و جاں
پردے میں قہر تھی خبر مرگ نوجواں
تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا
رن گھر الٹ پلٹ تھا امام حجاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت
دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گزر گیا سقائے اہلبیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت
بچے کہاں سے اپنے تشنگی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

الٹا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلبیت شاہ
صدمے سے حال زوجۂ عباسؑ تھا تباہ
چلاتی تھی کہ زہرا کی بچہ کو بتا ذرا
ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ
غم تھے گرا تھا کوہ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بی بیوں میں سکینہؑ کے بین پر

ماتم ادھر تھا جن میں تھے اہل شر ادھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر ادھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر ادھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر
غل تھا کہ بیں حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آیئے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھایئے
آمادہ ہم تو دیر سے بہر ستیز ہیں
کاٹے ہیں جس نے بازوئے تخت دلیر
چھیدا ہے جس نے مشک کو موجود وہ تیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ انس و جاں
رونے سے جی اٹھیں گے نہ عباس نوجواں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گزر گیا
اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ امام
خوں تن میں جوش کھاتا ہو ہنگام جنگ ہو
ان کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
عمرو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر
معلوم ہوگا اشقیوں کو جب یہ ہوں گے ڈھیر
مجمع ہے اس طرف ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
جوہر دکھائیں ہم کو بہادر جو ہیں بڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سو دل کے گر پڑے
دیتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جان دردمند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے

حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہایئے
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں
ہے خوب آبدار وہ شمشیر بے نظیر
ہرگز وہ ضرب ہے جس کی ہوئے اخیر
برچھی وہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر
اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
حضرت پکارتے ہیں کہ بھائی اب کہاں
اب اپنی فکر کیجئے وہ شیر مر گیا
کانپے یہ غیظ سے کہ اگلنے لگی حسام
سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کے یہ کلام
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے
خادم زبان تیغ سے دے گا انہیں جواب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
زخم جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں
ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
اچھا یونہی سہی ہم انہیں کیا سمجھتے ہیں
تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
چاہیں جو ہم تو ہر کو لیں کھڑے کھڑے
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں
کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منھ کو شاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے غیرتِ رشکِ ماہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
برہم نہ ہو کھینچیں سرِ شبیر کی قسم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بد دعا کریں
یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفٰے
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
کیا پہلے سر کٹائے گا یا شہ زماں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں رو رہے ہیں
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بچشمِ تر
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
انصاف آپ کیجئے یا سرورِ عرب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بہرِ رسول رن کی رضا دیجئے مجھے
مرتا ہوں یا امام جلا دیجئے مجھے
کھولیں گر حضور تو دل کو قرار ہو

فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو
لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
پر امتحاں کی شے ہے بجز صبر کیا کریں
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
پھر خضر کی حیات ملی گر تو موت ہے
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں
بچپنے سے باندھتے تھے ٹوٹی ہوئی کمر
کی عرض رحم کیجئے مر جائے گا پسر
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی
یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
کیا ہو سفید رو دنیا کا ہے غضب
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا
صدقہ علی کا اذنِ وغا دیجئے مجھے
یا خدا میں دل سے بھلا دیجئے مجھے
کہہ دیجئے کہ جا، علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی جواں پسر
اپنے سنے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن
کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
دنیا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
رخصت کا آپ یوں ہی کرتا وہ جب سوال
کیا جانے وہ مزا جسے اس کا ملا نہیں
تسلیم کرکے بولے علی اکبرِ غیور
فرمایا شہ نے خیر ابھی جا نہیں ہو دور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاؤ
بانہیں گلے میں ڈالے گی زینب باشکِ آہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولھا بنے پسر
پوتے کی آرزو میں ہوں اک سوختہ جگر
ہر دم یہی ہے ذکر بفضلِ اللہ جو
ماں کہتی تھی بناؤں گی دولھا اسی برس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا نہ ان کا بس
شکوہ نہ چرخ کا نہ شکایت ہے آپ کی

پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو
پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمھارا سن
کیوں کر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بن
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں
ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
تب جانتے کہ دیتے اسے رخصتِ جدال
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
برچھی لگے گی دل پہ خوش آمد یہ کیا ضرور
خیمے میں جا کے ماں کو رضا مند کیجیے
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا
معلوم ہوگا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
قدموں پہ گر کے آپ کی ماں ہوگی سدِ راہ
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے
آئے دلہن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
انیسویں برس علی اکبر کا بیاہ ہو
مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبرؑ سوئے خیام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی پہ آیا وہ نیک نام
دامن سے آ کے بالی سکینہ چمٹ گئی
ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
گرمی یہ اور محظ گئی دن سے آپ کا
تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بچھ جاؤں
صدمہ جو دل پہ ہو اسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
صغراؑ کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر
اکبرؑ نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر
ملتی نہیں رضا ہیں آنسو بہاتے ہیں
اس وقت کس سے درد دل اپنا کہیں ہیں
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس
اب غیر یاس کوئی نہیں ان کے آس پاس
بیکس رہیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دمبدم
چلوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیٔ ستم
سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس نہ جاؤ
سینے لگیں نہ تیر نشہ مشرقین پر

کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
زینبؑ بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی
تم صبح سے گئے تھے اب آئے ہو ماں نثار
کھولو لبوں کو اب کہ مرا دل ہے بیقرار
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا
سنولا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
گھٹ جائیں گے لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں
جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النسا کا گھر
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں
تم بھی ہو سد راہ پھوپھی بھی ہیں سد راہ
اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جان سے
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
نا طاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
پیری ہے دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں
رخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
قربان ہوں کس طرح پسر فاطمہؑ پہ ہم
ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح
راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑوں اور زخم کھاؤں
یا فاطمہؑ کہیں علی اکبرؑ کے کام آؤ
نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب رو سکتی ہوں میں
زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار
گھبرائی گو کہ ہوں یہ بہو میں علیؑ کی ہوں
مجھ پر حواس کرتے ہیں گر شاہ خوشخصال
صدقہ انھیں کا ہے کہ لالہ سا نونہال
ہم سب کنیزیں بنت امیر عرب کی ہیں
کنبے کو یوں میں جانتی ہوں وے تمہارے سب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب
مجھ سے نہ کچھ نہ سید عالی سے پوچھیے
روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس
زانو پہ سر لیے ہوئے کبریٰ تھی بے حواس
اب تاب و طاقت جسد روح و دل گئی
اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب
ہیں محو روں کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
پالے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی کے باہر رکھیں قدم
جاگی ہوں میں جو چونک گئے راتوں کو دیر میں
کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے

وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
دولت پہ فاطمہؑ کے تصدق تمام گھر
روتے ہو کس لیے تمھیں کب روکتی ہوں میں
عابد نثار، اصغر تشنہ دہن نثار
قربان گھر کنیز تصدق پسر نثار
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سبھی کی ہوں
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال
رخصت کے قصد کیجیے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں
لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب
لیجے انھیں سے آپ جو جس شے کی ہو طلب
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے
دیکھا کہ غش پڑی ہیں زمیں پر وہ حق شناس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
کیوں صاحبو! رضا علی اکبر کو مل گئی
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
تمام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں
الگ اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
سب ہے وہ میرا درد مصیبت وہ رنج و غم
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں ہوئے بڑے
بے میرے لیٹے نیند نہیں آتی نہ تھی کبھی
رو دیں پسر پہ ان کو رلاتی نہ تھی کبھی
جو تھی سو میں ہی تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خرد سال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا
دن رات تھی خوشامد ہمشکل مصطفےٰ
آقا کے نور عین ہیں عالی مقام ہیں
رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرت قمر
قرآن پڑھنے بیٹھتے تھے جب دم سحر
غافل نہ ان کے پیارے میں اک آن تھی
میں نے انھیں یہ صدقے کئے اپنے نونہال
مانگے تو کے مجھ سے بھلا رخصت جدال
کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو
بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار
ثابت ہوا ادھر سے ادھر مرنے جائیں گے
باہر سدھارے ابھی ہیں مانگے نہ کچھ کلام
سینے پہ منھ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب
روتا ہوں میں کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
صدقے ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا

پر ان کے آگے ان کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
میں کہتی تھی ہٹو علی اکبر ہے میرا لال
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے
پر عون کیا عقیل تھا سمجھے اسے خدا
سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا
اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں
الفت میں ان کی مجھ کو بچوں کی بھی نہ خبر
صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر
قرآن تو رحل پہ تھا حامل میں جان تھی
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
تلوار باندھنی ہے ہمیں ذبح کرنے کو
اب کیا غرض گزر گئی وہ فصل وہ بہار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
میں مر بھی جاؤں گی تو وہاں تک نہ آئیں گے
بھائی نے کیوں لیا تھا ابھی روکے میرا نام
آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضی جناب
شکوہ یہ خاکسار کا اے بخت بوتراب
پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں
کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی
کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام
روتی ہیں آپ کس لئے اچھا نہ جائیں گے
یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو کھینچا لیں زار
امڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو
آئے بلا حسین پہ جو اس کو رد کرو
الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
کبریٰ کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
میں رو گئے نہ پانی کہ داماں کا جل گیا
کیا جائے اب نہ آئے گا گھر جو یہ نونہال
جس وقت سے شہید ہو رن میں یہ نونہال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
میں ہوش میں تھی یہ قدم پہ گرے تھے جب
وہ مجھ جواب کھلا کہ یہ رخصت کی ہے طلب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جانے پہ گلبدن
بیخود ہوں جب سے رن میں گئے شہ زمن
اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں
زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مر نہ جائیں
اٹھارہ سال برس کی دلہن تو مجھے دکھائیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لیں

بندے ہیں ہم اطاعت مالک ہے ہم کو کام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے
بس ہو گئیں محبت قلبی سے بے قرار
شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے
صدقے ہے تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
اچھا سدھارو دکھ میں پدر کی مدد کرو
اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا
ہے ہے مری کمائی پہ آ جائے گا زوال
بے ہوش ہوں حواس میں ہو گیا اختلال
جو آپ میں نہ ہو سخن اس کی سند نہیں
میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا غضب ہے غضب
میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں
پیاسے ہیں شہید ہوں فوجوں میں زخم کھائیں
پالا ہے جن سے مرادیں مری بر آئیں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرہ تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہو اب جگر
گر سن لیا تو دل میں لگے گی وہ نوحہ گر
سمجھیں تمیں کیا جو دی اسے رخصت جناب ان کی
سچ ہے کہ اس کی جاہ سے نسبت مجھے کہاں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں
کیا سوچتے ہو شاہ جو کچھ تم کو خیر ہے
ماں کی نہ کم تر بھی اور نہ کسی کا پیار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
جس دم سنے یہ دور سے بانو نے سب کلام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہر امام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
لونڈی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں باوفا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
غم کھائیے نہ خون جگر آپ پیجئے
بے اختیار دیجئے رخصت نہ دیجئے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریک ثواب ماں
گھر میرا جب کہ لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
کسریٰ کی گود کی پلی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو سب کو عزیز ہوں
آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال
یہ عازم جہاد ہو اور آپ کا یہ حال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہو آپ پر

ایسا نہ ہو کہ بانوئے بیکس کو ہو خبر
پیارا ہوا ہے زینب علی کو مرا پسر
زینب نے اپنے قدر نہ کی میرے لال کی
ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ غیر ہے ماں
آنچ آنے کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے
غصہ ہوا کہ تحفہ مجھے دل میں ہے خار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
سیرا ہے جب یہ حال پھر اس کی تو جان ہیں
آئی قریب حضرت زینب وہ نیک نام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
مالک ہیں آپ میں کسی کو ہے دخل کیا
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو
جانباز کو بھیج دیجئے اصغر کو لیجئے
قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے
ہر طرح سے میں تابع حکم جناب ہوں
شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں
بھاوج نہ جانئے مجھے لونڈی کنیز ہوں
دخل اس معاملے میں کوئی دے یہ کیا مجال
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بری ہی سہی کسی کا قصور کیا
اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں ان پر بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار
آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبت فرزند اور یہ پیار
تنہا ستم کی فوج میں ہو میرا گلعذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نور عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو

آواز سن کے کانپ گئی بنت مرتضےٰ
بانو کے منھ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
داری سدھارو خیر جو کچھ مرضی خدا
ترک ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنت نبی تمہاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کرکے خیمے سے وہ سیمبر چلا
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
چلاتی تھی پھوپھی مرا لخت جگر چلا
لٹتے ہیں اہلبیت دہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

بھائی کے غم سے عابد بیکس تھے بیقرار
اٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواہریں بحال زار
اک حشر تھا جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ ماتمیوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر پڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا
جاتا ہے جیسے گھر سے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نور حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی پہ دیکھ کر جو دور
دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
گویا چلے جہاد کو محبوب کردگار
تھا تازی براق فلک سیر راہوار
صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بیقرار
یوں سامنے سے وہ دم جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تخت سلیمان نکل گیا

حضرت تو زیں پہ گرے تھام کر جگر
آیا ہے اک جوانِ حسیں غیرتِ قمر
شان و شکوہ سب اسد کبریا کی ہے
ہے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی
سرتا قدم ہے شانِ رسالت مآب کی
گھوڑے کے گرد جن و ملک کا ہجوم ہے
روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے
غش ہو گیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
صحرا کو شمع حسن نے تابندہ کر دیا
ذروں کو آفتاب درخشندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہم دوش ہو گیا
اللہ رے نبیرہ مشکل کشا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان
پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمد شباب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے میں انتخاب
گردن کی ضو میں طورِ تجلی ظہور کے

جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
چہرے پہ جس کے نورِ محمد ہے جلوہ گر
کہتے ہیں سب، بشر نہیں قدرت خدا کی ہے
خوشبو ہو زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی
صلوا علی النبی کی بیاباں میں دھوم ہے
رخ پر نہیں غبار نے کا بار راہگاہ کو
آغوش میں لیے ہو شبِ قدر ماہ کو
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے
گویا رسولِ پاک کا رن میں گزر ہوا
ہنگام ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے
صل علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا
جو مردہ دل تھے دم میں انہیں زندہ کر دیا
گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا
جلوے سے اوج کا کہکشاں پست ہو گیا
تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حمزہ کا رعب زورِ علی مصطفےٰ کی شان
شیرینی کلام حسن بات بات میں
وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
پتلی کا نور جس کی سیاہی سے بہرہ یاب
سب عضو تن کے ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک روح پاک نظر پاک جسم پاک
غمزوں سے جس کے حسن کی حوروں کی تاک جھانک
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
پانی تھا خوف جاں سے جگر ہر دلیر کا
غل تھا رسول پاک کے ثانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے دہن اس طریق کا
کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
قامت ہے یہ کہ سرو گلستان اعتدال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی
زخمی جو ہوگی نیزے سے یہ چاند سی جبیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسار نازنیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ناگاہ فوج کیں سے عمر نے کیا کلام
بس ہو چکی بات شہنشاہ خاص و عام
وہ جناب فاطمہ زہرا کے باغ کو
تصویر مصطفےٰ کی مٹائے گا آج جو
محبوب کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو
ہے اس سے کیا مراد حسین ہو کہ نیک ہے
دنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر
تم آبدیدہ ہو لب خشک اس کے دیکھ کر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو

طینت میں آب خلد تھا اور کربلا کی خاک
یوسف جو دیکھے تو کہے روحنا فداک
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا
رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
غصہ ستم کا قہر کی چتون غضب کی آنکھ
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا
حسن بہار باغ جوانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
ماں باپ بچہ دیکھ کے کیوں کر نہ ہوں نڈھال
بتلاؤں ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی
پٹکے گی سر کو خاک پہ بابا کے دل حزیں
پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہ دیں
ایوب بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے
یہ وقت کارزار ہے اے ساکنان شام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو
کہتا ہوں میں کہ صاحب جاگیر ہوگا وہ
اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہے
ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
قطرہ نہ دو دُوں میں گھٹنوں اصغر بھی آئے گر
اولاد مرتضےٰ کا کسی میں نشاں نہ ہو

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
اک سیل زور شور سے آئی گزر گئی
جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر ادھر
پیشِ نظر تھے خون کے نالے ادھر ادھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
وہ گھاٹ باڑھ کا اور وہ اس کی چمک دمک
شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے

سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن الٹ گئی
آکر زمیں پہ جب سوئے گردوں پلٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا

جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں پرے کے ڈھیر
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
پس دفعۂ سپاہ کا دفتر الٹ گیا
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
کیوں کر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے ادھر ادھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے ادھر ادھر
شیرازہ کھل گیا تھا خدا کی کتاب کا

چار آئینہ کٹا زرہ خیرہ سر کٹی
سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
ان سب کے بعد سنگ کو جو دیکھا تو صاف تھا
کانپی کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب میں سمائے تلاطم تھا تا سمک
گاوِ زمیں تھمتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

باقی تھی جتنی عمر تہِ تیغ کٹ گئی
بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی
ہٹتے تھے جبرئیل ابھی کانپ کانپ کے
چلے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں
جنگل تمام ڈھالوں کا پھولوں سے باغ تھا

بجلی گری اٹھی ادھر آئی ادھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو ہشیار صف نہیں
سر خود سروں کے چنبر گردن سے اڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرندے نشیمن سے اڑ گئے

تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے
اللہ رے وار پہ تیغ دو دم کی کاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
سختی کو جوڑ بند کی کب مانتی تھی وہ
آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
ہر اک کڑی کو زرہ کی سمجھ کر چبا گئی

چار آئینے کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
یارا قرار کا تھا نہ صورت فرار کی
روبہ تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا
اتری زمیں پہ وہ سر دشمن پہ جب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کہ اتری کہ اب چڑھی

مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تل گئے
زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی
بیدم ہے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دسے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
تھے سقر میں کشتۂ ضرب سخت تھے
قبضے میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے

ہر تیغ نہاد تیر اجل کا نشانہ تھا
خالی کئے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی
ایسا تو رود نیل میں بھی جزر و مد نہیں
ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سر تن سے اڑ گئے
پائی جو راہ طائر جاں تن سے اڑ گئے

رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے
آفت تھی جس کی باڑھ قیامت تھی جس کی کاٹ
ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
ہر استخواں کو مغز قلم جانتی تھی وہ
تن سے اڑا دیا وہی سر جس کو پا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی

ذکر اس کا کیا ہے، خود تو منہ کا نوالہ تھا
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ پہ کھائی تھی چار کی
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا
دم بھر میں آب تیغ کی ندی غضب چڑھی
سب کو بخار تیغ سے لرزے کے تپ چڑھی

کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے
پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
کھینچیں کسے کمانوں کو بازو بھی سست تھے

شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لب بو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
کرتے تھے تیغ جنگ کو جو ایک آن میں
الجھاتے تھے کمند کھینچے کمان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے
حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
رستہ تھا اک ادھر وہ گئے یا ادھر گئے
تار ان کے اشتیاق میں آب ان کی لاگ میں
وہ حرف وہ شکوہ وہ شان پیمبری
وہ تیغ خونچکاں وہ جلال غضنفری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنون
قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
کوتاہ گرد و صاف کنوتی کمر کفل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
وہ جست خیز سرعت چالاک کی سمند
ہم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
گر مل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا

مغفر سروں کے غش ہو پھینکنے لگے
ترکش کا تجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
پہلے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے
رعشہ تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
ترکش میں تیغ رکھتے تھے تیروں کو میان میں
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے
پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
وہ دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے
اس گھاٹ پر جو آئے سرا ان کے اتر گئے
پھر پھر کے ہر طرف سے میاں تر گئے
چھینکا ہوا نے آب نے پانی میں آگ میں
نعرے وہ زور شور کے وہ ضرب حیدری
راکب جو رشک حور تو رہوار بھی پری
اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پرندہ تھے
گھوڑے کو دیکھ کر نہ ہوئے سرنگوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کہوں
سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر
کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے گل
تار نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب انگ جوڑ بند
نازک مزاج و شوخ و چشم سربلند
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال
کبک دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد ہو رہا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اس جری نے قتل کیے پانچ چھ جواں
ہر صف سے ہر پرے سے اٹھا شورِ الاماں
چلایا ابن سعد سیہ قلب سخت جاں
نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اس ناتواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا سو دوپہر کی پیاس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
برساؤ تیر دوڑ کے جاؤ نہ اس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر
پتھر عقب سے پڑنے لگے روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
سب سرخ تھے شبیہ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ آبدار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا جن پہ رخ ان کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی تھی غش کی سرِ پاک جھک گیا
وا حسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بدم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھرا گئے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ کراہ کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
زخم سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
ہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
گرتا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز بے ستم
رکھدی گلے پہ شیث نے شمشیر تیز دم
غل تھا کہ دو نہ رحم تن پاش پاش پر
حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
ناگاہ آئی رن سے صدائے فلک جناب
واغوثا ظلم و جور یہ افعال کرتے ہیں
سن کر یہ استغاثۂ فرزند خوش خصال
کھولے جناب فاطمہ کی بیٹیوں نے بال
ہے ہے پسر سے کون سی اور چھپر ڈھ گئی
نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
پردہ نہ مجھ سے کیجئے سب جانتی ہوں میں
بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
چلاتے تھے شبیہ پیمبر ہم آتے ہیں
بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
داغ جگر لا ہمیں گودی میں پال کے
آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو
اکبر برائے خالق اکبر جواب دو
گرتے ہیں ہم تو آ کے ہاتھوں سے تھام لو

قربان جرأت پسر شاہ نامدار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار
لیکن فرس سے آپ بھی زخمی ہو کے گر پڑے
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہرو کی لاش پر
سن کر یہ غل رہی نہ دل ناتواں کو تاب
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آئیے شتاب
گھوڑوں سے اہل کیں ہمیں پامال کرتے ہیں
سید نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علی کے لال
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی
کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہو کے برہنہ سر
آواز یہ اسی کی ہے پہچانتی ہوں میں
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
اٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں
اے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہو
زخمی ہے قلب روح کی طاقت میں فرق ہو
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں کدھر جاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جان ناتواں تن مجروح سے نکل
چھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
جنگل سے بے حواس پھرے نہر پہ گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
جا کر صفوں کے پاس پکارے باقلق آہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسم زار میں
لاش پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بحر و بر
کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
خود ڈھونڈھ لیجئے جسد پاش پاش کو
یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشم نم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیر غم
ہے ہے وہ آفتاب مرے آفتاب کے
گھوڑے نے ہنہنا کے جو سوئے دشت کی نظر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
جنگل میں لاشۂ پسر نوجوان ملا

اے نور چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
کیونکر پسر کو ڈھونڈھ کے میں لاؤں کیا کروں
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے
اے جسم زار زیست کا باقی نہیں محل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو
واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے در گئے
تھامے لئے ہوئے جگر جدھر گئے
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہرو ملا
ہے کس طرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں
سر پیٹنے کی جا ہو کہ ہنستے تھے اہل شر
کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں مر گیا پسر
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو
چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی
ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
اکبرؑ کے ہاتھ میں بھی تھی یہی باگ ہے ستم
قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں
ابرو سے مرگ وں کی جراحت چھپے ہوئے
ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کر کے چشمِ تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
پھر ایک بار ستیدِ والا کو دیکھ لوں
دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار
بیٹی کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نے ماں کا نام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
اب اور کوئی دم کا پسر مہمان ہے
فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
تکتا ہے ایک ماہ لقا نگین و پُر ملال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے

پیکاں گلے میں ہو جو تو نکلی ہوئی زباں
گردن بھی کچھ پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے
اے جانِ جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے دردِ تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
اکبر تمھاری ماں نہ بچے گی فراق میں
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے
پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا ہے دلبر میں کیا کروں
بیٹا تمھاری ساقیٔ کوثر مدد کریں
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
انگڑائی لے کے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
گویا جنابِ ستیدہ کھولے ہوئے تھیں بال
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

۱۰

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی راح یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہو کہ گھر رشک گلستاں ہو اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادئ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پر نور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ دُر ہے کہ قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

دولت بھی یہی شوکت بھی یہی اجلال یہی ہے
ثروت بھی یہی حشمت بھی یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر بھی یہی یاقوت یہی لال یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
ضعفی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوت دل راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہو جس سے
وہ وال ہو امید بڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
مالک سے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
اندر دکھائے :: الم نور نظر کا

اب رخصت اکبر ہو شہ تشنہ دہاں سے
پیری میں چھڑاتا ہے فلک تازہ جواں سے
آتی ہے اجل گود کا پالا نہیں جاتا
فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چرا کر
کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر
منہ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا

مولا یہ غلام اب متمنی ہو رضا کا
شہرہ ہے علم دار دلاور کی وفا کا
اس خاک کا ذرہ ہو تو خورشید وہی ہے
جیتے ہیں مرے عشق خدا جس کو نہیں ہے
خاک اس زر و گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہو
اونیٰ ہو تو اعلیٰ ہو، گدا ہو تو غنی ہو

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہو
دل مردہ ہو گر درد بھی سینے میں نہیں ہو
سر دینے کی لذت کوئی سردادہ سے پوچھے
پھر موت ہو گر عمر ملی لاکھ برس کی
دو ماندوں کو آتی ہو یہ آواز جرس کی
اس دن کے سوا تو شہ لقیٰ نہ لے گا

وہ چین ہو راحت کی گھڑی رہتی ہو جس سے
وہ درد ہے درمان بڑی رہتی ہو جس سے
پھرتا ہے جو ہر رشتہ جاں ساتھ ہو جس کے
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑنے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب جگر کا

فرزند بچھڑتا ہے امام دو جہاں سے
کس فصل میں در پیش ہو فرقت تن و جاں سے
صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا
دیکھ آؤ ذرا مادر ناشاد کو جا کر
اب جائیں گے خیمے میں سناں سینے پہ کھا کر
سب چھوڑیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

مشتاق ہے یہ خشک گلا آب بقا کا
کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہ خدا کا
جو آج مرے زندۂ جاوید وہی ہے
پتھر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے
لعنتی ہو یہ دولت کو فنا جس کو نہیں ہے
حصہ یہ اسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

نام اس کا شفاعت کے نگینے میں نہیں ہے
مرنے میں جو لذت ہو وہ جینے میں نہیں ہو
زخموں کا مزا شہ کے نمک خواروں سے پوچھے
بلبل سے اب الفت نہیں صحبت قفس کی
ایذا سا فر کر وفا چسنہ قفس کی
[illegible] سے کا تو پھر نا فلک ایسا [illegible] سے گا

دوری نہیں کچھ عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ
سالک ہو وہی راہِ رضا سے ہو جو آگاہ
جا ملتے ہیں وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
کوتاہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے
سر دیں گے دمِ صبح ارادہ تھا یہ شب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں
عباس علیؑ خوں میں لبِ نہر نہائیں
فرزندِ خدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی
قبضوں میں لگائیں ہم ہتھیاروں سے کھیلے
نے صبر میں حضرت سا کوئی ہو نہ رضا میں
یہ حوصلہ کس کا ہے کہ رو دے نہ عزا میں
گر بعدِ خدا کے ہیں تو ہاں باپ ہیں مولا
اے سالکِ منہاجِ علیؑ راہ دکھا دے
مشتاق ہوں جس در کا وہ درگاہ دکھا دے
واں پہنچیں جہاں عرش بھی پایا نہیں کرتا
یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہِ انور
ہیں مانعِ تحصیلِ سعادت نہیں دلبر
یہ سنتے ہی دنیا سے گزر جائے گی زینبؑ
عمر اس نے گزاری ہے محبت میں تمہاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں الفت میں تمہاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو

ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نزدی سے کڑی راہ
آئیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے
محجوب محمدؐ سے خجل شاہِ عرب سے
تڑپا کئے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
قاسم تو ہوں فردوس میں اور ہم ہیں جہاں میں
ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
بعد ان کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
ہم حیدرِ کرار کے پوتے نہیں شاید
مٹ جائیں گے جوہر جو ہیں تیغ نہ دو گی
حسرت ہے شجاعت کی تو عوضِ تمنا کی
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے
گھر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
کیجئے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
دیجئے مجھے رخصت کہ سخی آپ ہیں مولا
دروازۂ رحمت مجھے اللہ دکھا دے
دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
ہمسائے میں اس کے ہوں جو سایا نہیں رکھتا
سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور
جو تم سے بن آئے وہ کرو اے علی اکبرؑ
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینبؑ
سب ہیں پہ وہ عاشق ہیں حقیقت میں تمہاری
کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمہاری
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
روکوں گا نہ میں شوق سے بھر برچھیاں کھاؤ آب دم شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہووے ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے
شہرت ہو جو اب دیجئے سر راہ خدا میں سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہ خدا میں
آبادی ہے لٹ جائے جو گھر راہ خدا میں ہو عید جو قرباں ہو پسر راہ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا دولت تو اسی کی ہے سب اور نام ہمارا

یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحب توقیر الفت سے پھری گرد پسر بانوئے دلگیر
لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر سونلا گئی ہے دھوپ میں یہ چاند سی تصویر
دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا
حضرت کی تو ہو خیر کہو اے مرے دلبر اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر نے آپ کے بیٹے نہ بھتیجا نہ برادر
عترت نے بھگایا تھا جنہیں وہ بھی پھرے ہیں مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں

اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے اظہار جوانمردی جو کر نہیں سکتے
فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی
رخصت ہمیں ماں دیں نہ پھوپھی دیتی پدر ہیں مجبور ہیں کیونکر قدم شاہ پہ سر دیں
دم بھر میں یہ میدان وغا لاشوں سے بھر دیں سرکش جو بڑھے آتے ہیں پامال انہیں کر دیں
اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

جائیں گے کدھر جب نہ رہے سید عالی نے دوست نہ ہمدرد کوئی نہ موالی
کیسی یہ مصیبت فلک پیر نے ڈالی یہ آج کا جینا نہیں دو حال سے خالی
یا کوہ میں یا دشت کے میداں میں مر جائیں گے یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مر جائیں گے
الفت میں بگڑتا ہے بنا کام ہمارا اب صفحۂ ہستی سے مٹا نام ہمارا
شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا آغاز تو وہ اور یہ انجام ہمارا
یہ منزل اندوہ و بلا کاٹ کے مرتے گر منع نہ ہوتا تو گلا کاٹ کے مرتے

سرور کے شجاعان عرب خلد میں پہونچے
دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہنچے
پھر راحت و آرام ہو جب خلد میں پہنچے
اے وائے ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہنچے
آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا
اے کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا

کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
رونے کی ہے جا مرتبہ دانی پہ ہماری
جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری
جیسر چاہ نہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا
مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

ہتھیار کہاں پھینکیں کہاں چھپنے کو جائیں
کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو جائیں
تنہا ہیں سفارش کے لئے کس کو بلائیں
امداد کریں شیر خدا اتنا طرحہ سے آئیں
اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہوگا
یوں تو کوئی رخصت پہ رضامند نہ ہوگا

زینب نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری
کچھ منھ سے کہا میں نے کہا دولھے تمھاری
کیا وجہ یہ کس بات پہ ہے گریہ و زاری
سج لیجے ہتھیار طلب کیجئے سواری
انصاف کرو صدقے گئی اہل وفا ہو
روکیں تو پدر پالنے والوں سے خفا ہو

کیوں کاٹو گلا غیظ سے کیوں ہونٹ چباؤ
میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ
مر جاؤں گی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
دو رخ کی بلائیں تو میں لے لوں ادھر آؤ
تقصیر ہمیں سے ہوئی لو جانے دو بیٹا
الجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

بانو نے کہا لو انھیں یوں کون منائے
غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے
سمجھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے
اس پردے میں پیغام جدائی بھی ہیں لائے
کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

بانو کا یہ کہنا تھا کہ رقت کا ہوا غل
رانڈوں میں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل
اس شور میں اکبر کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجاد حزیں چونک کے غش سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا عطش سے

فضہ نے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
سر پیٹ کے وہ خانۂ خاص پکاری
شبیر اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبر کی سواری
ہاں خاک اڑاتی ہیں پھوپھی غش ہے پڑی ہیں
سب بی بیاں حلقہ کیے گرد ان کے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کر برادر سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے بہن کی
فضہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
خم ہو گیا تھا درد کمر سے قد بالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبان قبا پر
آواز حزیں تھی کہ مری جان برادر
ہم آتے ہیں ٹھہرے رہو اک آن برادر
ہم روئیں گھٹیں تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
عابد کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر
سجاد نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
شانے کے قریب زلف معنبر ہے بھائی
اے روشنیٔ خانۂ زہرا ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے
گھر آج اجڑتا ہے لٹے جاتے ہیں بھائی
غربت میں مبارک تھیں ہمراہی شبیر
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہ دلگیر
لٹ جائے گا گھر بعد شہنشاہ زمن کے
اے اکبر مہرو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے زینت پہلو تجھے پاؤں گا کہاں میں
بے غسل و کفن آپ تو میداں میں رہیں گے
بھیا یہ نقاہت مری اور [illegible] گھر کا
غم کا سہارا [illegible] کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو

غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
شبیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے بہن کی
بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤں والا
تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں [illegible]
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
بھائی نے بغل گیر تو ہوتے ہوئے سجاد
آنکھوں کو ملا ہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
گردن میں مرے ڈال دو باہوں کو برادر!
چہرہ مرے چہرے کے برابر ہے بھائی
اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے رہ رو فردوس معلیٰ ترے صدقے
ہم قافلے والوں سے بچھڑے جاتے ہیں بھائی
کیا دیکھیے واماندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
تپ کیا تجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے
اے صفدر خوش خو تجھے پاؤں گا کہاں میں
اے قوت بازو تجھے پاؤں گا کہاں میں
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے
کیا زور ہے [illegible] حکم شہ جن و بشر کا
غربت تو ہے اور سامنا ہے لشکر شر کا
[illegible] کو سنبھالوں گا کہ ناموس نبی کو

اے راحت جاں یاور و غمخوار ہمارے
دلدار و مددگار و پرستار ہمارے
بیٹے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے
افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

اللہ ری ان بھائیوں کی گریہ و زاری
جس طرح برستا ہے کبھی ابر بہاری
ماں کہتی تھی قربان ہیں الفت کے تمہاری
بس صبر کرو تپ میں غش آجائے گا واری
سہرا اسد اللہ کی جانی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر
کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبرؑ
آہستہ چلے جاتے ہیں بھائی سوئے کوثر
پانی جو ملے یاد وہیں کیجیو برادر
مر کر بھی پسر قبلہ و کعبہ کے قریب ہو
تربت مری پائین مزار شہ دیں ہو

اس معرکے سے جب ہو وطن آپکے جانا
صغریٰ کو کئی بار کلیجے سے لگانا
کہنا کہ بہن بچھڑ گیا بابا سے زمانا
وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
شبیر پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغریٰ
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صغریٰ

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبر دلگیر
ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ بحل کیجئے تقصیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر
دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس مژدے سے تن میں مرے جان آگئی اماں
دو روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائیگی اماں

زینب نے کہا میں ہوں رضامند ثنا خواں
تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبر ذیشاں
ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قرباں
لو دودھ بھی بخشا تمھیں اب کہ بدل و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینب ناشاد
ہے ہے علی اکبرؑ کی ہوئی رانڈوں میں فریاد
جس وقت چلا خیمے سے وہ غیرت شمشاد
غل تھا کہ بہو فاطمہؑ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اس سرو رواں کے
جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

فضہ نے جو پردہ در دولت کا اٹھایا
خورشید مبیں برج شرف سے نکل آیا
ذروں پہ جو پڑنے لگا اس مہر کا سایا
چلائی زمیں سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں رتبے میں ہوں چرخ چہارم سے زیادہ
خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

پیتی مری اس نور سے ہے حور تجلا
دامن پہ مرا اجر و ملائک کا مصلا
تا حشر رہا فیض یہ شاہِ شہدا کا
پہنچے جو قریبِ شہ کے تو کی عرض کہ حضرت
فرمایا کیے دیتی ہے چہرے کی بشاشت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ ہمارا
اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا
کوثر کی نہ خواہش ہو نہ جنت کی تمنا
توقیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
نام آپ کے بابا کا ہے کونین میں شاہا
جو آپ نے طفلی میں کہا اس کو نباہا
قرباں مجھے کیجیے یہ تمنائے دلی ہے
فرمایا الا اے پسرِ عاقل و دانا
جو آیا ہے اک دن اسے درپیش ہے جانا
وقفہ کبھی دن کا ہو تو عرصہ کبھی شب کا
تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے
اب جاتے ہو تم بعد زوال اے مرے پیارے
تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں جیسے
فاقے سے کئی روز کے جاگے ہوئے شب کے
اعدا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہنچے
اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبرِ مہرو
تلواروں سے مجروح ہو سر تیر ترے پہلو
پامال ہیں لشکر نااہل کرے گا

بھاری ہے ترازو تُو فلک سے مرا بابا
مجھ پر وہ مرے جس کو حق سے ہے تولا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خدا کا
اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی رخصت
مسعود و مبارک سفر گلشن جنت
تھم جائیں گے ہم تھامے ہوئے ہاتھ تمھارا
دنیا کا شرف دولتِ دیں عزتِ عقبیٰ
ہوں میں فقط آبِ دمِ شمشیر کا پیاسا
مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے
کیا یوں ہی کہیں حق نے کہا ہو کہیں لحمہ
چاہا وہی مولا نے جو اللہ نے چاہا
میراثِ خلیل آپ کو حصے میں ملی ہے
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
آگے کوئی پیچھے کوئی ہوتا ہے روانا
جب طے ہوئی منزل تو مکاں ایک ہے سب کا
دن دو پہر آیا تھا کہ عباس سدھارے
عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمھارے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے
لاشے ہمیں لے آئے شجاعانِ عرب کے
ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آجائے گا اب کے
میداں میں نہیں جس نے پکارا وہیں پہنچے
جب تیروں سے غربال کریں جسم جفا جو
گھوڑوں سے اتارے تو کوئی تھام لے بازو
پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا

ہر طرح گزر جائے گی اے اکبر ذی جاہ
کچھ جان بھی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ
جس باپ سے پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا
کس طرح سنبھالوں کہ دل زار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغ گرفتار نہ تڑپے
تازہ غم محبوب خدا ہو گیا مجھ کو
گزری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر
برچھی کبھی سینے پہ ہے نیزہ کبھی دل پر
اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی
لو چھاتی سے لپٹو کہ قرار آئے جگر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسر کو
منظور یہ بخت ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبر ذیشاں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخ تاباں
زردی رخ خورشید پہ چھائی نظر آئی
سب دشت بیاباں پہ ہوئی تن کی تجلی
نور ایسا جہاں چادر مہتاب بھی میلی
اک عشق ہے ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و ختائی
مردم کے لئے فخر ہے یہ ناصیہ سائی
یاں کچھ گل بادام حقیقت نہیں رکھتا
دیوانی ہوں پریاں نظر آئے جو یہ رفتار
نقش قدم سے اٹھانے ہیں قدم مردم ہموار
لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو

پر الفت اولاد سے عاجز ہے بشر آہ
غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں اللہ
یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا
کچھ دل کی کہوں طلب جو اک بار نہ تڑپے
یوں مرتے ہوئے صاحب آزار نہ تڑپے
اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو
اے لال یہ صدمہ نہیں پہنچا کبھی دل پر
گر دل ہے کلیجے پہ کلیجا کبھی دل پر
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی
فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
برباد کئے جاتے ہو اکبر مرے گھر کو
پھر شہ نے سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں
گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا جل پہ قرآں
اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سوئے میداں
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی
فردوس میں مہمان خدا جن کے طفیلی
گیسو وہ کہ مجنوں ہو جسے دیکھ لے لیلی
گر دیکھے تو چاٹا کرے شہد بھی لبوں کو
دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
شیروں کو تپ آتی ہو دم چشم نمائی
نرگس وہ کہے کیا جو بصارت نہیں رکھتا
گر شوق شہادت ہو تو عجلت نہیں زنہار
پہنچا نہ سلیماں سے کبھی مور کو آزار
دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
غل تھا یہ جری مثل ید اللہ لڑے گا
تلوار تھی جرار کی یا قہر خدا تھی
بجلی جو ادھر تھی تو ادھر سیل فنا تھی
بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اس کی
جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اس کو
جو آگے بڑھا غول سے بیجاں کیا اس کو
بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور
بے جاں کوئی سرکش کوئی بدکیش لب گور
سوفار کو چلے سے ملانا کسے سوجھے
کیا حرب تھی قربان جگر گوشۂ شبیر
آیا جو کماں لے کے کمیں سے کوئی بے پیر
جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
یا شیر خدا کہہ کے جب اعدا میں در آئے
یوں غیظ و غضب میں ادھر آئے ادھر آئے
جانوں کو بچاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر
کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں گرتے تھے الٹ کر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر

ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے
آگے تھا ہرن شیر کے اور شیر ہرن سے
تر ہو گئی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑے گا
سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی تو جدا تھی
تلوار تھی یوں سر پہ جب آتی تو قضا تھی
چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اس کی
مجمع تھا جدھر دم میں پریشاں کیا اس کو
بخشی جسے جاں بندۂ احساں کیا اس کو
مارا اسے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی
دم بھر میں عدو دار صفیں ہوتی تھیں خالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
تھا شور کہ مینھ آج برستا ہے سروں کا
ہاتھ ان کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
کر دیتی تھی تابندگی برق دو دم کور
رخ پھر گئے ہوں جب تو نشانہ کسے سوجھے
نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
گوشہ تھا نہ چلہ تھا نہ حلقہ تھا نہ زہ گیر
قبضے سے کماں ہاتھ کلائی سے جدا تھا
انبار تن و سر کے وہ دستہ نظر آئے
جیسے صف آہو کی طرف شیر نر آئے
گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پہ الٹ کر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
زیں سے تھی جو مرکب پہ تو مرکب سے زمیں پر

نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز نہ ہے ضرب کی زد سے
واں شانیوں میں شب تھی ادھر دم کا تڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے
اژدر کی زباں آدری تیغ بلا نوش
گھاٹ ایسا کہ ڈرے لب دریا بھی ہے خاموش
کٹتے ہیں گلے تیغ زبانی سے اسی کی
نابیں وہ کہ شہ رگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں
جوہر وہ کہ حلقہ کسی جوشن میں نہ چھوڑیں
منہ وہ ہے کہ دم سے شط خوں بہتی ہو جس کے
بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی
دھوئی تھا گر بھول گئے ہرزہ سرائی
ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
شمشیر کے ایک جزو سے ہو شیر جو ہم نام
تھم جاتی ہو بجلی مگر اس کو نہیں آرام
رخ رزتا ہے تو جوہر سے اسی کے
جا آئینہ یوں کٹتے تھے ایک ایک سے ان کے
سہمے تھے کمانداروں کے دل خوف سے جاں کے
چلاتے تھے سب شل اجل آتی ہے یہ تو
لڑنے جو بڑا یوں کوئی بول کے آیا
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا
حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے

نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
غل تھا کہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زرہ سے
قرنا کی وہ آواز وہ گو کیتوں کا کڑکا
اک غل تھا کہ وہ لاکھ پھلجھڑی ہو یہ لڑکا
سر جسم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے
زرہیں ہمہ تن چشم بہتی ڈھالیں ہمہ تن گوش
باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی
دشمن کا گلا سلسلۂ آہن میں نہ چھوڑیں
ہنسے وہ قیامت کے لہو تن میں نہ چھوڑیں
قبضہ وہ ہے قبضے میں ظفر رہتی ہو جس کے
پھر تیغ نے بجلی صف اعدا پہ گرائی
چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے
رعب اس نے یہ پایا ہو کہ تھراتے ہیں اندام
گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہو وہ صمصام
شیروں کو چڑھی رہتی ہو تپ ڈر سے اسی کے
جس طرح کہ بیتاب ہیں گوشے ہوں کماں کے
چلہ نہ کھنچا تھا کہ یہ تھی سر پہ کماں کے
سینی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہو یہ تو
یہ شیر بھی شمشیر وہ دم تول کے آیا
اڑتا ہوا سر تیغ میں اس غول کے آیا
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

ہم چشم تھا ابروے حسینوں کے خم اس کا
ناگن تھی اترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اس کا
جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیروں کے نگوں میں
اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر
ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کماں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
وہ ہے سے اسی تیغ کے آئینہ سے بے گر
پائے نہیں اب تک کسی حربے نے یہ جوہر
قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر
جھکتی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر
مریخ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے
ہل چل میں یہ صف گرتی تھی جب صف ادھر کی
بھولا ہوا تھا باپ محبت کو پسر کی
مرتے تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
تھوتھو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برچھیوں پھر آتا ہے گھوڑا
آفت میں زمانہ تھا کہ عالم میں خدائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش سر جب آئی
وہ جو رہتا نہ پوں سے جو توسن پہ چڑھا تھا
ہر نعل تھا غیرت دہ تیغ صفہانی
کف منھ سے گرا یا غضب کی تھی نشانی
یوں رکھتا تھا آہستہ قدم وحش صبا پر

اللہ ری چمک برق بھی بھرتی ہے دم اس کا
ہر ہاتھ میں ہاتھ اس کا تو بازو قلم اس کا
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں
گہ سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
دم بند ہے ڈر ہے کہ نفس قطع نہ ہو جائے
عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو پھر
ذکر اس کی برش کا جو مسافر کے لبوں پر
کیسی ہی کڑی راہ ہو اک آن میں کٹ جائے
ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
جب اٹھتا تھا سر حمد خدا کرتی تھی شمشیر
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے
نہ ہوش تھا ان کا نہ خبر تیغ و سپر کی
بھاگے تو یہ سمجھے کہ ہم پاؤں نے سر کی
کرتے نہ مدد پاؤں تو سر تن پہ نہ ہوتا
یوں ضیغمِ صف شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ کھنچتے نہیں دیکھا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا
چالاک تھیں پریاں کہ سلیماں کی دہائی
ہر صف کو دکھا دیتا ہے ہاتھ اپنی صفائی
اسوار تو اسوار فرس دن پہ چڑھا تھا
جب ٹاپ پڑی خاک سے پیدا ہوا پانی
تیزی یہ ہوا میں تھی نہ دریا میں روانی
بوئے گل جاتی ہے جس طرح ہوا پر

سرعت میں تگ و دو میں چھلاوے سے زیادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ
شعلہ ہوا لپکا جو ذرا غیظ میں آ کے
جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا تاکے
رنگ سے نو گردوں پہ نور کے نکلے
پامال ہوا جاتا تھا دل کبک دری کا
گر لکھ دو گردش ایام کو پہونچے
واں پہونچے یہ اور صبح تا شام کو پہونچے
وقفہ کہیں یہ اسپ سبک پے نہیں کرتا
گر آگ کہوں، آگ یہ سرعت نہیں رکھتی
گر برق کہوں، برق یہ جودت نہیں رکھتی
ہیہات رہ بجلی کی نہ چپک ہوا کی
پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی
اس زور سے تلوار دودھاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
جس وقت وغا کا نہ رہا ایک کو یارا
دو لاکھ نے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا
جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
یہ سنتے ہی غیظ اک پی غدار کو آیا
کس غیظ سے تیورے ہوئے تلوار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرّہ
بدکار جہاں حسن لیاقت سے معرّا
وہ ہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گزر جائے

باگ اس کی تھی کیا جو دل راکب کا ارادہ
تیار کفن تنگ کمر سینہ کشادہ
بجلی کی رگیں آگ کا دم پاؤں ہوا کے
سر اپنا پٹک دیتے تھے طاؤس چمن کے
جب جم کے اڑا وہ تو اڑے ہوش ہرن کے
گھوڑے کی اچانک کہ جھگڑا تھا پری کا
کب سرعت شبدیز سبک گام کو پہونچے
جس بن میں نسیم سحری شام کو پہونچے
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا
گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر حور کہوں، حور یہ صورت نہیں رکھتی
بس خاتمہ اس پہ ہے کہ قدرت ہے خدا کی
ان پھرتیوں سے باد بہاری نہیں چلتی
چلتے ہی قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا
خیمے سے نکل کر پسر سعد پکارا
اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمھارا
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی
میدان میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
ولعنہ یہ اللہ سے پکار کو آیا
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے
خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
گردن تھی ازل سے تہ شمشیر تبرّا
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جس کا نہ اٹھے بار
اژدر تو خود اور یہ سیہ نیزۂ خونخوار
غضب ہے وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
کافر نے رجز پڑھ کے نکالا در کو نکالا
اژدر لگے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت وغا میں
ہر طعن میں یاں مر گئے واں اڑ گئے بیچار
چوٹیں جو کبھی کھا کے تھکنے لگا غدار
کیا بند بندھے سخت دل عقدہ کشا پہ
کھلتے ہیں کماں سے کے بڑھا کشش بیچ
پنجہ تھا کہ سر پنجۂ ضرغام عدو گیر
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
پھر گرز گراں شیر کو غدار نے مارا
چمکا جو تبرزین ملک الموت پکارا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بن میں
خفت ہوئی جھپٹے کئی ظالم جو کھاتے
روباہ ظفر خیرہ کس طرح سے پائے
اس سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اکبر نے کہا خیر تو تھکا گر ہے تو دم لے
دم ہے کے بس اب یاں سے شمشیر دو دم لے
ناخن جو نہ ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
مرعوب ہو درہم کی نہ دینار کی جھنکار
عجب نہیں طرف طلا کار کی جھنکار
وار اسی کی سپر زرہ ڈھال اسی کی

چار آئینہ اک قلعۂ فولاد کی دیوار
وہ گرز گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
گردن کو اڑائے ہوئے تھا کانٹے کالا
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں
نقطے یہ سمجھتے ہیں وہ پھر جانے ہیں پرکار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے کو یہ جرار
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈنڈا ہوا پر
سر پر تھا عقاب علی اکبر صفت تیر
غل تھا کہ زہے زور جگر گوشۂ شبیر
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہ نو کو
اس ضرب کو رد کر کے بڑھا شاہ کا پیارا
تو قطع ہے اب نخل حیات ستم آرا
دو ٹکڑے ہوا گرز گراں ایک تبر میں
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
پھر گرد ہے خاک اڑ کے اگر عرش پہ جائے
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا
بے تیر بڑھے وار کریں ہم تو ستم ہے
کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا
بھاتی ہے نہ زنجیر کی نے تار کی جھنکار
کانوں کو بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار
کٹتے ہیں گلے جس سے وہ ہو چال اسی کی

ہے طول علی نیزۂ خطی کا پلانا
ہے گرز فقط بار گراں دوش پہ لانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
خوشتر ہے خم اس کا خم ابروئے صنم سے
پایا ہے رہ راست کو تلوار کے خم سے
دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
تلوار سے کانپا کئے کفار عرب سب
سر تا بقدم عمر بھی تھا جہل مرکب
نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے ولی کی
سرسبز کیا گلشن اسلام اسی نے
شاہوں کو دیئے موت کے پیغام اسی نے
کانپا کئے خاقان جہاں ضرب سے اس کی
آفاق میں ہے دبدبہ شاہی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے
یاران کو نہ بھولی کوئی دم تیغ علی کی
چار آئینہ مردوں کے لیے دفع ضرر ہے
گہنا تقوی کی زینت ہے گلے زیب کمر ہے
خوش قد ہے خوش اسلوب ہے خوش رو ہے حسیں ہے
جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی
تلوار علم کرکے جو ڈھال اس نے اٹھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ جن کی
شبدیز کو اکبر نے بھی کاوے پہ لگایا
منہ کھولے ہوئے شیر پہ چلنے کو سمند آیا
اُن تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

کرتی ہے کماں تیر سفاہت کا نشانا
لوہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں
بت اس نے نکالے ہیں اشارے میں حرم سے
سیکھے کوئی آتش نفسی تیغ دو دم سے
سیفین کی دعا ورد زباں رہتی ہے اس کو
دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب
ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علیؑ کی
کعبے سے جدا کر دیئے اصنام اسی نے
قبضے میں کیا روم سے تا شام اسی نے
جاری ہوا سکے کا چلن ضرب سے اس کی
آغاز ہے ملکوں کی تباہی کا اسی سے
بیٹھا ہے عمل شیر الٰہی کا اسی سے
جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علی کی
جوہر ایسا زرہ قبضۂ شمشیر سپر ہے
رکھ لیجے پہلو میں تو آرام جگر ہے
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے
ٹھنڈا تو ہوا تھا یہ حرارت بھی کچھ آئی
معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
گھوڑے کی ٹاپوں سے زمیں ہل گئی رن کی
واں سے بھی تڑپ کر فرس تیز تگ آیا
پردے کے الگ زد سے گیا وار الگ آیا
آ سکتا ہے روباہ کہیں شیر کے منہ پر

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آ کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ دغا کر
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
یک جا صفتِ سایۂ آہو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جواں لشکرِ بدخو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
نیزے کے ہلانے میں ابھی تو زور کو ہارا
اک ضرب تبر بھی کہ ہوا گرز دوپارا
آ تیغ جوانانِ خوش اقبال کے منھ پر

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب سے وہ لعیں آیا
بارے خنجرِ جرأت و ہمت میں بل آیا
یہ چھوڑنے بھاگنے کی مگر فصل نہیں ہے
تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اٹھے
نقارہ کو گردوں پہ ملا کے ہم اٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اس نحس دغل سے

چلائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہو مری جاں
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارا نہیں حیدر کو
رونے لگے اکبر یہ صدا سن کے پدر کی
کی عرض دعا بس ہو شہِ جن و بشر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے

کیوں منھ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
دیکھ اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر
تو اتنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ بھاگ کے نکل جائے
پنجے سے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے
سیماب ٹھہر جاتا ہے پہ تو نہیں تھمتا

ہاں زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
تو جیسی ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں
کیوں میں نے کماں چھین لی اور تیر تمھارا
لڑنے پہ تبر اب ہے ترے او ستم آرا
جب سر کو چھپاتا ہے جھلم ڈھال کے منھ پر

اکبر نے کہا آ کہ مقامِ اجل آیا
بس روک لے وار اک فرس منھ کے بل آیا
گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اصل نہیں ہے
گھوڑوں کی تگ و دو میں برابر قدم اٹھے
گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
شبیر قریب آ گئے جیسا کہ دل سے

یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میداں
اس دم پہ اللہ ظفر دے تمھیں اس آں
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رخ خیر نظر کی
اس وقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

تشویش: فرمایئے میں نے اسے مارا
آیا ہے تو جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا
مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دو پارا
اللہ کی تائید ہے مولا کا سہارا
ہاں آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا
اس دیو سے میں سورۂ جن پڑھ کے لڑوں گا

ہر چند سن اس کا ہے زیادہ مگر سن سے
پانی بھی لبوں تک نہیں پہنچا کئی دن سے
بیزاری ہے جن و ملک و انس کو ان سے
ہم وہ ہیں کہ جاں بر نہ ہوئے دیو بھی جن سے
اس چاہ کے اژدر بھی چراتے ہیں دم اب تک
مشہور ہے افسانۂ بیر العلم اب تک

خادم کی لڑائی نہیں کچھ قابل تعریف
آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں تخفیف
غم یہ ہے کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف
ہے دھوپ کڑی سائے میں لیجایئے تشریف
گردن ہے تہ تیغ اب اس عربدہ جو کی
چھینٹیں نہ پڑیں قبلۂ عالم پہ لہو کی

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر
جرأت میں نہ تم کم ہو نہ ہیں صبر میں قاصر
یہ بے کس و بے پر ہو مدد کرنے کو حاضر
دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہو یہ کافر
تو ہر کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علی کے

ہاں دہنی طرف آنے نہ دیجو اسے زنہار
گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہے یہ غدار
خود منہ کے بھی آئیگا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف سوا ہے
ہاں تھام لو باگ اس کے فرس کی تو مزا ہے

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر زرینہ
پہونچا تھا جسے زور علی سینہ بہ سینہ
حرکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ
شہ زور تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
ہاں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

گرجانا وہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار
آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہراک وار
مرحب تھا ادھر اور ادھر حیدر کرار
تلوار پہ تلوار تھی ادھر اور ادھر وار
نکلی تھی فزوں تر تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

ہمشیر پہ ہمشیر تھی اور کوڑے پہ کوڑا
ہر مرتبہ غل اٹھتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا
زخمی ہوئے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سریاں نہیں چلتیں
یوں جھوم کے چلتی تھیں کہ پریاں نہیں چلتیں

زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے یہ آئی
وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے یہ آئی
وہ کھنچ کے سپر سے گئی جوشن سے یہ آئی
وہ صدر سے خالی گئی توسن سے یہ آئی
ہاں بعد علیؑ کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز
شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز
بس تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرسِ تیز
جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغِ شرر ریز
ہوش اڑ گئے اس بانیٔ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
چاروں سُمِ رہوار کٹے صاف تھا وارا
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا
بس چور ہوا پسلیں کے وہ کافرِ ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
ٹاپوں تلے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

مصروف تھے لڑنے میں ادھر اکبرِ دلگیر
بیتاب تھے تھامے ہوئے دل حضرتِ شبیرؑ
تھراتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر
یہ سب تری تائید کو اے مالکِ تقدیر
بے کس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسر تیرے خلقے سے لڑا ہے

ہفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں
نہ ہجر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہو نہ بر میں
دے صبر کہ بے تاب نہ ہوں ہجرِ پسر میں
لوٹا ہے مجھے امتِ احمدؐ نے سفر میں
فرزندِ جواں باپ سے منہ موڑ رہا ہے
چھوٹا جو ہے گہوارے میں دم توڑ رہا ہے

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے
مجروح تری راہ میں جو برچھیاں کھائے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب ہے وہ پائے
جرات جو دکھائی ہو تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پر ارمان سفر کرنے پہ رو دیں
سب پیر و جواں اس کے جواں مرنے پہ رو دیں

یہ کہہ کے علی اکبرؑ مہ رو کو پکارے
احسنت مرے شیر مرے پیاس کے مارے
ٹھہرو کہ پدر چومے ہاتھوں کو تمہارے
خالی ہے علمدار کی جا اے مرے پیارے
جعفرؑ اسی کس بل سے اسی ڈھب سے رہے تھے
خیبر میں علیؑ بھی یوں ہی مرحب سے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جرار
مجرا کیا رہوار سے جھک کے کئی بار
کی عرض شہادت کی دعا کا ہوں طلبگار
اب پیاس نے مارا مجھے یا شہِ ابرار!
گرمی سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر بھی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

قوت کا نشانہ ہو گرگشتہ زور جوانی
ہے دھوپ کڑی اے اسداللہ کے جانی
سنبھلو تو لگا دوں ابھی اس لشکر شر کو
حضرت نے کہا پانی کا ملنا تو ہے دشوار
جلتی ہے زرہ گر تو اتارو مرے دلدار
رہنے دو جو ہو دھوپ میں آرام سپر سے
کہتے تو کہا یہ ہوا دل تہہ و بالا
بولا یہ مت سونگھ کے وہ گیسوؤں والا
اعجاز امامت سے خوش خو نے دکھایا
اس سیب سمن بو کی ثنا کا ہے یارا
اٹھ جائے گر اس کی طرف انگشت اشارا
بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلد بریں میں
تسلیم کی اور آپ صبا دم کو اڑا کر
یاں بیٹھ گئے مقام کے دل سبط پیمبر
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
ٹکڑے ہوئے تیغوں سے بہت کو نہ ملے
صحرا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے
رو کے نہ پر قتل ہو لخت جگر ایسا
روتے تھے کہ پیشانی انور پہ لگا تیر
نکلا ہے کہیں میں تھا کوئی نالۂ بے پیر
اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
ٹکڑے جو بہے خوں کے در پڑوں میں جگر کے
زرہ کے بھر دار چلے تیغ و تبر کے
گو ارجمند تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا

اب دیتی ہے پیغام اجل تشنہ دہانی
جان آئے زرہ پہ جو چھڑک دے کوئی پانی
ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو
اب وہ گرد خود سے گیا تم کو سروکار
کافی ہے لڑائی میں جواں مرد کو تلوار
جو سینہ سپر ہو تو کیا کام سپر سے
اک سیب تر و تازہ گریباں سے نکالا
فرزند میں جان آ گئی اے سید والا
پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا
وہ اس کی ہو یوسف کے زنخداں کا نظارا
اللہ ری لطافت کہ وہ ہو جائے دو پارا
ہو آج تک اس کی ہو مزار شہ دیں میں
پھر ڈوب گیا فوج میں وہ شیر دلاور
واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہ انور
روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ
مجروح نے اٹھتی نظر اس فوج کے مارے
پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
باپ ایسا ہو صابر تو جری ہو پسر ایسا
سب خوں سے بھری احمد مختار کی تصویر
برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغیر
پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا
غش ہو گئے سرگرداں رہوار پہ دھر کے
سب پسلیاں کٹ گئیں نیزے سے جو بھر کے
جب ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دو بیٹے لگا زخم جگر کا
گرتے ہوئے گھوڑے پہ خیال آیا پدر کا
بے کس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا!
بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمہ جانکاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
چلائے بتاؤ علی اکبر کدھر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں نشتر کے در آئیں
رنگ اڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد بھی تھی
بیٹا ہمیں پھر یا ابتا کہہ کے پکارو
ناشاد گرفتار بلا کہہ کے پکارو
جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ٹلے گا
مہرو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
گل رو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
اٹھارویں ہی سال یہ غربت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی
کس درجہ حسن پہ تھے ۔ ستوں عربی سے
لے آئی جو بیتابی دل لاش پہ سر پہ
اک تیر لگا قلب شہ جن و بشر پہ
اور پر کے دم اس شیر کو مرتے ہوئے دیکھا
ہو خوں میں زباں رخ پہ عرق خاک گیسو پہ
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو
نہ زیر لب آواز کہ آقا نہیں آئے

سینے میں رکا آکے دم اس رشک قمر کا
چلائے کہ اب کوچ ہو دنیا سے پسر کا
اپنے علی اکبر کی مدد کیجیے بابا!
اک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ!
عہدہ جو تمھارا تھا ہمیں دے گئے بیٹا
ڈھونڈیں تمھیں اس بحر میں یا کدھر آئیں
تم آ نہیں سکتے تو ہمیں لاش پر آئیں
تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی
مظلوم غریب الغربا کہہ کے پکارو
لب تشنہ و مجروح جفا کہہ کے پکارو
خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا
دلدار علی اکبر علی اکبر علی اکبر
خوش خو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہووے
یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی
گویا کہ حسین آج بچھڑتا ہے نبی سے
جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری
کی عرض حضور آتی ہے زہرا کی سواری
کھولے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبر
لکھا ہے کہ نکلا علی اکبر کا ادھر دم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
خورشید چھپا گرد اڑی زلزلہ آیا
پھیلی تھی جہاں دھوپ وہاں ہو گیا سایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
محبوب الٰہی کی نواسی کا تھا یہ حال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
ڈوبا تھا مشیت کا فلک زار و حزیں پر
چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہوا مرا ماہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
زینب کی صدا سنتے ہی دوڑے شہ والا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
ٹکڑے ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبر
خاموش اٹھیں آگے نہیں تاب رقم کی
کیوں کر کوئی رو داد لکھے اہل ستم کی
مصروف ہر اک اشک بہانے میں رہے گا

منہ پھیر کے دیکھا ہوئے صحرا کی باری
پھر درد اٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبر
نکلی در خیمہ سے ادھر زینب پر غم
منہ پیٹتی تھی کوئی، کوئی کرتی تھی ماتم
اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے
اک ابر سیہ دشت پر آشوب پہ چھایا
بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا
گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے
سر پہ نہ ردا تھی نہ قضا پہ تھا نہ رومال
ہر گام تھی بسمل کی تڑپ زخمیوں کی چال
تھی نصف ردا دوش پہ اور نصف زمیں پر
سیدانی ہوں رستہ مجھے للہ بتا دو
لاشہ پہ کدھر ہیں شہ ذی جاہ بتا دو
میں پہلے پہل ڈھونڈھنے نکلی ہوں پسر کو
دامان عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
اے بنت علی مر گیا وہ گیسوؤں والا
دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبر
شق ہوتی ہے چھاتی دم تحریر قلم کی
حقا کہ نہایت نہیں شبیر کے غم کی
ماتم علی اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ نمبر ۳۷

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
دل کو فگار کرتا ہے لختِ جگر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نورِ بصر کا داغ
مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابنِ فاطمہؑ کے دل سے پوچھیے
زخمِ جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال
فرزندِ فاطمہؑ کا کہیں کس زباں سے حال
لرزہ تھا جسمِ پاک میں خورشید کی مثال
چلّاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے بھتیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
شل کی کماں خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

ہر دم پکارتے تھے کہ اکبر کدھر گئے
اے نورِ چشمِ بانوئے بے پر کدھر گئے
مرتے ہیں باپ اے مرے دلبر کدھر گئے
آواز دو شبیہِ پیمبر کدھر گئے
اے میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
اے میرے چاند کون سے بادل میں چھپ رہے

اکبر ہوئی ہیں آنکھوں میں اب تیر آتے ہیں
ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کو نہیں ہم کو پاتے ہیں
کیا جانے اضطراب میں کس سمت جاتے ہیں
اکبر سنبھالو کہ نہایت نحیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو تم ہم ضعیف ہیں

اے میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار
کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار
فرزند فاطمہؑ کی ضعیفی پہ رحم کر
بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں
اہل ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں
بولو پدر سے تشنہ دہانی کا واسطہ
صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
ناشاد و نامراد ہی اس دہر سے چلے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالق عالم گواہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
جی چاہتا ہے پھر تمہیں اک بار دیکھ لوں
منھ پر لٹکتے گیسوئے خمدار دیکھ لوں
اکبر گلے سے لپٹو تو بابا کو کل پڑے
آئی کسی طرف سے نہ اکبرؑ کی جب صدا
سبط نبی کے حال پر اب رحم کی ہے جا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
اے ظالموں کہاں ہے مرا نوجواں پسر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر
کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
ہے تم میں کوئی صاحب اولاد یا نہیں
اس وقت جوش سبط نبی کے بجا نہیں
اکبرؑ جو مل گئے تو ٹھہر جائے گا حسینؑ

اے باپ کی ضعیفی کے پالے ترے نثار
بابا کو پاس اپنے بلا لے ترے نثار
اے نوجواں پدر کی ضعیفی پہ رحم کر
بیکس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں
صورت دکھا دو اپنی جوانی کا واسطہ
باغ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
رو رو کے کیوں نہ دست تأسف پدر ملے
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا
اے نور عین باپ کی حالت تباہ ہے
جاؤں کدھر کہ لشکر کیں سد راہ ہے
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے
محبوب حق کا آخری دیدار دیکھ لوں
ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لوں
اب ہے یقیں کہ منھ سے کلیجہ نکل پڑے
اعدا کو تب پکارے شہنشاہ کربلا
بتلاؤ کس طرف ہے مرا لال مہ لقا
اے فوج شام چاند ہمارا کدھر گیا
اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کدھر کدھر
یوسف مرا مجھے نہیں آتا کہیں نظر
کیا زیر خاک میرے قمر کو چھپا دیا
درد دل حسینؑ سے آگاہ کیا نہیں
یہ حال ہے کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائے گا حسینؑ

کہتے تھے اہلِ ظلم کہ یا سیدِ امم
حضرت کے نورِ چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
اک نوجواں تو آیا تھا با شوکت و حشم
چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزۂ ستم
دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اسے لے کے نکل گیا

سچ ہے عجب حسینؑ تھا وہ غیرتِ چمن
سنبل سے گیسو پھول سا منہ چاند سا بدن
شیریں زباں شگفتہ مزاج اور کم سخن
کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن
چرچے اسی کے حسن کے لشکر میں ہوتے ہیں
یاں کے بھی لوگ اس کی جوانی پہ روتے ہیں

آغاز تھیں سنیں، ابھی تھا عالمِ شباب
گویا زمیں پہ چرخ سے اترا تھا آفتاب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
غیرت یہ تھی کہ بیچے کو ہم سے نہ مانگا آب
سوکھے تھے ہونٹ پیاس کی کچھ انتہا بھی تھی
لیکن طلب سے اس کی زباں آشنا نہ تھی

برچھی ستم کی ہر گھڑی سینے کے وار پار
رہوار سے جدا نہ ہوا پر وہ شہسوار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی کو نیزہ دار
برسا رہے تھے تیر کماں دار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا قاشِ زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

برچھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگر
مانند گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بتر
تلوار ایک ہاتھ میں اک ہاتھ میں سپر
گہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گھٹے پہ تیر تو دم اس کا رک گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے گھوڑے پہ جھک گیا

چلائے شاہِ دیں کہ وہی میرا لال تھا
وہ یوسفِ حسین عدیم المثال تھا
آیا زوال اس پہ جو بدرِ کمال تھا
باغِ محمدیؐ کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دل حسینؑ کو پہلے پہل ملا
برچھی سے اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

ناسور اس الم سے کلیجے میں پڑ گیا
میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر اجڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا
سبطِ نبیؐ کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کرو پدر کو اب اس نورِ عین پر
تلوار لا کے پھیر دو حلقِ حسینؑ پر

جنگل سے آئی اتنے میں اکبرؑ کی یہ صدا
اب جاں بلب ہوں آیئے یا شاہِ کربلا!
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشن بقا
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آ کر وہ خوں بھرا ہوا چہرہ دے گرد سے
بس ما لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

سن کر صدا پکارے شہنشاہِ نامدار
دوڑے گئے جو لاش پہ نالاں و بیقرار
دیکھا لہو پسر کا تو دل تھرتھرا گیا
لاش پسر سے دوڑ کے لپٹے امام پاک
چلاتے تھے کہ غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
میں دیکھتا ہوں پاؤں زمیں پر رگڑتے ہو
تقدیر جب کہ تجھ سے جواں کو جدا کرے
دکھ میں کسی کو یوں نہ فلک مبتلا کرے
بڈھے عصا کے ہاتھ میں بیٹے کا ہاتھ ہو
اکبرؑ نے جب کہ غش میں سنی زاری پدر
زخم جگر دکھا کے کہا یوں بچشم تر
اب والدہ سے تا بہ قیامت فراق ہے
شہ نے کہا کھڑی ہے وہ ڈیوڑھی پہ کھولے بال
فرزند کو جو لے کے چلا فاطمہؑ کا لال
چلائے شاہ دیں کہ جہاں سے گزر گئے
ڈیوڑھی پہ لائے لاش پسر کی جو شاہ دیں
زینبؑ کو یوں پکارا وہ زہراؑ کا نازنیں
دولہا بنے ہیں خون کی مہندی لگائے ہیں
خیمے میں لائے لاش کہ اک غل بپا ہوا
ہاتھوں سے کوکھ پیٹتے ہوئے ماں بصد بکا
کس کا جواں پسر تھا کہ ہائے چھٹ گیا
خیمے میں لائے شہ نے پسر کی اٹھائی لاش
اس نوجواں پسر کی جو بانو نے پائی لاش
کہتی تھی ماں نثار ہو آنکھیں تو وا کرو

ہمشکل مصطفیٰ تری آواز کے نثار
دیکھا کہ غش پڑا ہے زمیں پر وہ گلعذار
آنکھوں کے نیچے شہ کی اندھیرا سا آگیا
کانپی زمیں تڑپ کے جو کی آہ دردناک
اے لال تیرے بعد ہے اس زندگی پہ خاک
اٹھارویں برس میں پدر سے بچھڑتے ہو
پھر یہ ضعیف آپ بھلا جی کے کیا کرے
اب جلد موت آئے ہماری خدا کرے
ہے آرزو جہان سے سفر ہو تو ساتھ ہو
دیکھا لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
اب کوئی دم میں گلشن ہستی سے ہو سفر
مادر کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے
آؤ میں لے چلوں تمہیں اے میرے نونہال
رستے ہی میں ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے
باہر نکل کے بی بیاں سر پیٹنے لگیں
دوڑو بہن کہ قتل ہوا اکبرؑ حزیں
سہرا انہیں دکھانے کو مقتل سے آئے ہیں
نکلی در خیام سے زینبؑ برہنہ پا
چلاتی تھی ارے مرے بچے کو کیا ہوا
یہ کس کی کوکھ اجڑ گئی گھر کس کا لٹ گیا
غل پڑ گیا کہ اکبرؑ غازی کی آئی لاش
پھیلا کے ہاتھ چھاتی سے جلدی لگائی لاش
ان خوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو

اماں نثار کس کی نظر تجھ کو کھا گئی
اٹھارویں برس میں تجھے موت آ گئی
جنت کے بوستاں کی فضا تجھ کو بھا گئی
یاں سے سواری جانب ملک بقا گئی
واری گئے : قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنت میں جا بسے مری بستی اجاڑ کے

میری امید کچھ نہ بر آئی ہزار حیف
تم نے دلھن نہ مجھ کو دکھائی ہزار حیف
چھاتی پہ برچھی ظلم کی کھائی ہزار حیف
پانی کی ایک بوند نہ پائی ہزار حیف
بابا پہ صدقے ہو گئے ایذا قبول کی
اب تک لیے ہو منھ میں انگوٹھی رسول کی

بابا کے سامنے تمھیں مرنے کی تھی ہوس
نہ کچھ پھوپھی کا زور چلا اور نہ میرا بس
دی جان تم نے پانی کی خاطر ترس ترس
ہے ہے یہ کیا آیا تھا اٹھارواں برس
بے جان کس نے کر دیا بانو کی جان کو
کس کی نظر لگی مرے کڑیل جوان کو

اے لال تجھ پہ کیسی مصیبت گزر گئی
وہ حسن کیا ہوا وہ جوانی کدھر گئی
اڑ اڑ کے ریت نرگسی آنکھوں میں بھر گئی
اکبر تمھاری پالنے والی نہ مر گئی
بین آئے گا نہ دن کو نہ راتوں کو سوؤں گی
جب تک جیوں گی تیری جوانی کو روؤں گی

ہے ہے نہ تیرا بیاہ رچانا ہوا نصیب
ہے ہے دلھن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب
شادی کے بدلے خاک اڑانا ہوا نصیب
ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

باتیں تمھارے بیاہ کی جب لوگ کرتے تھے
بہنیں بلاتی تھیں تو نہ تم پاس آتے تھے
سن کر دلھن کا ذکر یہ آنکھیں اٹھاتے تھے
کیا مسکرا کے شرم سے گردن جھکاتے تھے
ماں باپ سے اٹھ گئے مرے پیارے جہان سے
ناشاد و نامراد سدھارے جہان سے

ہنس ہنس کے اب یہ ماں کسے دولھا بنائے گی
واری جو اب دلھن اب کس کی آئے گی
اب ساچق کس کے ہاتھ میں مہندی لگائے گی
ماں بیاہنے کو دھوم سے اب کس کو جائے گی
بستی مری اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں یہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

یہ بین کر کے غش ہوئی بانوئے نیک نام
اٹھ اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
لاش پسر کو لے گئے مقتل میں پھر امام
بس اے انیس آگے نہیں طاقت کلام
کس کو جوانیٔ علی اکبر کا غم نہیں
گو بند مختصر ہیں پہ رونے کو کم نہیں

لہ بعض نسخوں میں یہ مصرعہ یوں ہے۔ "شادی کی رات سے کمر انداز ہو گیا"

۱۲

نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو وحشت مصاف کے
طبقے فلک کے صورتِ گہوارہ ہل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال میں
مضطر تھے شش جہت کے مکیں ایک حال میں
شہ کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا

راحت میں جن و انس و ملک کے خلل پڑے
کھا کھا کے جوش خاک سے چشمے ابل پڑے
الٹی زمیں سبھوں کے دلوں پر یہ ٹھن گئی

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیوں میں شور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
الٹے ہیں مثل شیر خدا آستین کو

جنگل میں تھی علم جو وہ تیغ شرر فشاں
غار اژدروں سے چھپنے لگے شیر نیستاں
مانند موج مچھلیوں میں اضطراب تھا

اڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے
صاف آتی الاماں کی صدا کوہ قاف سے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

سکانِ غرب و شرق تھے بیم و زوال میں
غل تھا کہ گھر گئے غضبِ ذوالجلال میں
تلوار کیا علم تھی کہ عالم سیاہ تھا

قلزم میں ڈر کے مردمِ آبی اچھل پڑے
بیرالالم سے غول جنوں کے نکل پڑے
پریوں کے ہوش اڑ گئے جانوں پہ بن گئی

مردے وہاں کے چونک پڑے سب میانِ گور
ہے بازوئے حسین میں دست خدا کا زور
اے کردگارِ عرش بچا لے زمین کو

تھرا کے آسمان میں چھپتا تھا آسماں
برپا تھا بر و بحر میں اک شور الاماں
زہرہ ہر ایک نہنگ کا پانی میں آب تھا

تاریک تھا چکاروں کی آنکھوں میں سب جہاں
بن سے سیاہ گوش بھی بھاگے دبا کے کان
تیغ علی علم تھی جو دشت قتال میں
گھڑیال زیر آب تھے مضطر ادھر ادھر
تھی مچھلیوں کے چہروں پہ گرداب کی سپر
گر چپ گئے تھے جانوروں کے یہ رنگ تھے
غل تھا کہ ضرب تیغ علی سے خدا بچائے
قہر خدا سے بچ کے کوئی کس طرف کو جائے
زاد ہو کر نگ یہ منہ موڑتی نہیں
اعدا پہ جب کہ تیغ شہ لافتا چلی
غل پڑ گیا کہ صرصر قہر خدا چلی
غل تھا غضب حسین کا قہر آلہ ہے
تھرا رہے تھے شیر زہے ہیبت حسین
فاقوں میں کم ہوئی تھی نہ کچھ طاقت حسین
سوکھی ہوئی زباں پہ کسی کا گلا نہ تھا
فاقوں سے رنگ زرد تو لب پیاس سے کبود
کرتا تھا نور حق جو سوئے آسماں صعود
تھم جاتے تھے حسین جو تلوار تول کر
وہ ماہ رخ پہ دو گیسوئے تابدار
تھا فاطمہ کا رشتۂ جاں ان کا تار تار
گیسو نہ تھے رخ خلف بوتراب پر
سر لوح مصحف رخ پر نور ہے حسین
مرآت نور حق قمر آسمان دین
چہرہ کا رنگ تھا گلاب کا اس سرزمیں پر

مضطر تھے شیر و گرگ نکالے ہوئے زباں
غل تھا یہ دام و دد میں کہ کیوں کر بچے گی جاں
چیتوں نے منہ چھپائے تھے گینڈوں کی ڈھال میں
جا کر پناہ کی کہیں ملتی نہ تھی مگر
بری میان بحر تھے بحری میان بر
خشکی میں تھے نہنگ تری میں پلنگ تھے
یہ برق دیکھیے کہ پھونکے گی جلائے
بچ جائے آج وہ جو دوبارہ حیات پائے
بے ذبح کیے کسی کو کبھی چھوڑتی نہیں
بجلی ہوئی برش سے جلو میں قضا چلی
اک دم میں سر تنوں سے اڑے یہ ہوا چلی
باد فنا سے گلشن ہستی تباہ ہے
گیتی کو زلزلہ تھا زہے شوکت حسین
اک قدرت خدا تھی خوشا قدرت حسین
سولہ پہر ہوئے تھے کہ پانی ملا نہ تھا
چہرے سے تھا جلال جہاں آفریں نمود
تسبیح پڑھ رہے تھے ملک اور بشر درود
حوریں بلائیں لیتی تھیں غرفوں کو کھول کر
خوشبو پہ جس کی عنبر سارا بھی تھا نثار
قرباں ہر ایک تار پہ تھا نافۂ تتار
تھی جعد دل سیہ ورق آفتاب پر
آئینے کی طرح سے جبیں میں شکن نہیں
قطرے عرق کے رخ پہ وہ گوہر ثمیں
گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

وہ اوج ذوالفقار وہ جنبش بھوؤں کا بل
ملتے تھے غیظ سے جو وہ ابروے بے بدل
پلکوں کے تیر سب کے کلیجوں کے پار تھے

آنکھیں وہ نرگسی کہ غزال آنکھ کو چرائے
بچے اس مژہ کے وغا میں خدا بچائے
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے

ابرو ہیں نون حُسن تو چشم حسین ہے صاد
گو یہ جدا جدا ہیں پہ ہے عین اتحاد
لاریب نور چشم نبی و علی یہ ہے

رخسار ہیں وہ گل جنہیں خوف خزاں نہیں
ہے ماہی محیط فصاحت زباں نہیں
باتوں میں بند ہیں فصحا کائنات کے

سوکھے لبوں پہ لعل بدخشاں نثار ہیں
تابندگی پہ اختر تاباں نثار ہیں
ایسے گہر نہیں کہیں بحر عمیق میں

وہ لعل لب وہ روئے مطہر وہ ریش شاہ
کیا خوشنما ہے گرد قمر ہالہ سیاہ
ہے رتبۂ رخ شہ ذیشان کھلا ہوا

مدح گلوئے پاک کوئی کیا کرے بھلا
حیرت ہے کیوں الٹ نہ گیا دشت کربلا
بخشا فروغ جس نے یہ ایماں کے طور کو

وہ دوش پاک بادشہ آسماں وقار
بازو وہ ہیں کہ بازوے دیں جن سے استوار
سب پہ کھلی ہے عقدہ کشائی حضور کی

اک نخل قد دکھاتا تھا تیغوں کے تین پھل
گویا پروں کو تولتا تھا طائر اجل
کھنچتی تھی یاں کماں ادھر اعدا فگار تھے

ہنگام غیظ شیر یہ چتون کہاں سے لائے
زہرہ ہے آب آب جگر کیوں نہ تھرتھرائے
پتلی ہے چشم میں کہ ترائی میں شیر ہے

محراب کعبہ وہ ہے تو یہ قبلۂ مراد
دیکھے عدو جو کور نہ ہو چشم اعتقاد
نقش جلی ہوا کہ خدا کا ولی یہ ہے

ٹکڑے ہیں لعل کے لب شیریں بیاں نہیں
یہ فرط نازکی ہے کہ گویا دہاں نہیں
صدقے ہیں بات بات پہ کوزے نبات کے

دانتوں کے نور پر در غلطاں نثار ہیں
یہ آب ہے کہ قطرۂ نیساں نثار ہیں
گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

ہیں ایک جا ہلال و شب قدر و نور ماہ
ہے صبح شام ایک جگہ کھینچیے نگاہ
دیکھو دھرا ہے رحل پہ قرآں کھلا ہوا

محبوب کبریا نے سدا جس پہ منہ ملا
خنجر سے کٹ گئیں وہ رگیں اور وہ گلا
سر کاٹ کر بجھا دیا اس شمع نور کو

ہے کل کے عاصیوں کی شفاعت کا جس پہ بار
ساعد سے زور دست ید اللہ آشکار
روشن ہے انگلیوں سے کہ ہے شمع طور کی

ہر دم اٹھا کے ہاتھ یہ فرماتے ہیں سخن
کیوں جانتے ہو کون ہیں دنیا میں پنجتن
وہ رکن جب سے اٹھ گئے رنج و بلا میں ہوں
اعضا میں کیوں نہ ہاتھ کا ہو مرتبہ بلند
ہے پنجتن کی ذات سے سب خلق بہرہ مند
سجدے پہ ان سے کہتے ہیں جو ذی شعور ہیں
ہے طور نور ذات خدا سینۂ حسینؑ
اسرار حق کا گوہر گنجینۂ حسینؑ
سینہ نہیں سفینۂ طوفان نوحؑ ہے
آئینۂ حلب سے فزوں تر صفا میں ہے
یاں دل میں ہے وہ ضو جو کلام خدا میں ہے
کیا قہر ہے کسی نے نہ پاس ادب کیا
سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب و تاب
ہے گو کہ تین روز کے فاقے سے وہ جناب
پھولوں کی بوئے خوش سے ہیں کپڑے بسے ہوئے
بازو پہ ہے تیر ظلم سے زخمی کمر ہے خم
پرواہ رے ثبات کہ اٹھتے نہیں قدم
آنکھیں ہیں شرح بحر شجاعت کہ جوش پر
اللہ رے بچی کی عبا و قبا کا نور
زہرا و حیدر و حسن مجتبیٰ کا نور
حیران لباس نور یہ سب خلد پوش ہیں
بالائے دوش حضرت حمزہ کی ہے وہ ڈھال
پھول اس کے وہ کہ تیغ کا پھل جس سے پائمال
اس کو عروج کیوں نہ ملے قتل گاہ میں

عالم میں خمسۂ نجبا ہیں ستارۂ زمن
ہیں اور نبیؐ و فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ
اب ہیں فقط حسینؑ آلِ عبا میں ہوں
دستِ کرم وہ ہے کہ خدا کو بھی ہے پسند
پانچ انگلیوں میں ہاتھ کے ہیں چار وہ جو بند
چودہ بزرگ خلق میں خالق کے نور ہیں
صاف آئینہ ہو اک دل بے کینۂ حسینؑ
روح الامیں ہے خادم دیرینۂ حسینؑ
ایمان کی سجدہ گاہ ہے قرآں کی روح ہے
یہ ضو نہ بدر میں ہے نہ شمس الضحیٰ میں ہے
قرآں غلاف میں ہے کہ سینہ قبا میں ہے
زانو اسی پہ شمر نے رکھا غضب کیا
غرق عرق تھا شرم کے مارے جہاں گلاب
پرنور ہے یہ شکم صفت قرص آفتاب
امت کی مغفرت پہ کمر ہیں کسے ہوئے
طاقت جواب دیتی ہے مولا کو دم بدم
تیغ شہ نجف ہے اسی ہاتھ میں علم
شملہ چھٹا ہوا ہے عمامے کا دوش پر
پردے ہیں جس کے جلوہ نما ہے خدا کا نور
ہو شش جہت میں خاص آلِ عبا کا نور
اور لیٹیں میں حواس نہ ہوشی نہ ہوش ہیں
زیبا ہے کہیے گر رخ فتح و ظفر کا حال
شب میں عیاں ہیں چار ستارے تو اک ہلال
پشت پناہ خلق ہے جس کی پناہ میں

وہ آہنی کلہ وہ زرہ وہ جامۂ حضور
حلقے وہ جن کو دیکھ کے شرمائے چشم حور
جوشن نہ تھا تن شہ گردوں وقار میں
جس کی ہر اک کڑی سے نکلتا تھا چھن کے نور
قندیل آہنی میں فروزاں ہے شمع طور
تارے چمکتے تھے شب تاریک و تار میں

شانے پہ کس شکوہ سے ہے حلقۂ کماں
ہے جس کے ڈر سے قوس قزح چرخ پہ پنہاں
پیغام موت کا ہے ہر اک تیر جاں ستاں
ہر دم صدا یہ ہے لب سوفار سے کہ ہاں
سرکش کہاں ہیں لشکر بے عقل و فہم کے
گوشوں میں چھپتے پھرتے ہیں کیوں سہم سہم کے

دستانہ ہے کہ قبضۂ سیف قضا ہے یہ
شمشیر ہے زبان دہن اژدہا ہے یہ
ہم دست آستین شہ لافتا ہے یہ
ثابت ہوا کہ پنجۂ شیر خدا ہے یہ
دست خدا کے لال بری ہیں دلیر ہیں
اس ہاتھ سے جہاں کے زبردست زیر ہیں

نیزہ ہے رشک افعی گیسوئے دلستاں
سینے کو جس کے ڈر سے چراتا تھا آسماں
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سناں
غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زباں
لشکر جو دیو کا ہو تو دم میں ہلاک ہو
اس کی ہوا لگے تو بن جل کے خاک ہو

اس شان سے ہیں رن میں اکیلے امام دیں
اور واں پرے جمائے ہیں میداں میں اہل کیں
خنجر کہیں ہیں تیر کہیں برچھیاں کہیں
اللہ ری کشمکش نظر آتی نہیں زمیں
لشکر بڑھے ہیں شاہ پہ یوں شام و روم کے
آتی ہے جس طرح سے گھٹا جھوم جھوم کے

تیغوں کی اس گھٹا میں چمکتی ہیں بجلیاں
باجوں کے زور شور میں ہے رعد کی فغاں
چھائے ہوئے ہیں شہ پہ زرہ پوش سب جواں
لوہے کی ہے زمین تو ڈھالوں کا آسماں
چاروں طرف سے نرغۂ فوج کثیر ہے
ابر کرم پہ بارش باران تیر ہے

ٹھہری ہے صف جمائے ہوئے اس طرح سے فوج
طوفاں میں جوش کھا کے اٹھے جس طرح سے موج
ہر مرد کی کمر میں ہیں تلواریں زوج زوج
ڈھالوں کا دور دور ہے نیزوں کا اوج اوج
آفت جناب فاطمہؑ کے گھر پہ آتی ہے
ٹاپوں سے مرکبوں کے زمیں تھرتھراتی ہے

ہر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں چمکتی ہیں
نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں
نیزے تنے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں
ترکش کھلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اٹھائے ہیں
تیغوں کے ساتھ گرز گراں سر اٹھائے ہیں

گھوڑوں سے گونجتی ہے وہ سبز وادیٔ نبرد
ہے چرخ چار میں پہ رخ آفتاب زرد
گرمی ہجوم فوج سے دو چند ہو گئی
دستے وہ معرکۂ جنگ کے وہ فوج روم و شام
تیغیں برہنہ ہو گئی تھیں چھوڑ کر نیام
تلواریں منھ چھپائے تھیں سائے میں ڈھال کے
لوں چل رہی تھی رن میں کہ اللہ کی پناہ
برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلے کا اشتباہ
ہر اک قوس میں تھا گرز آفتاب کا
سر پہ لگائے تھا پسر سعد چتر زر
تنہا تھا دھوپ میں اسد اللہ کا پسر
لگتی تھی کچھ بدن کو ہوا آہ سرد سے
جنگل سے آ رہی تھی یہ آواز بار بار
تو دھوپ میں کھڑا ہے مرا دل ہے بے قرار
عالم سیاہ ہے مری چشم پر آب میں
مادر سے رو کے کہتے ہیں سلطان کربلا
مضطر ہوں آپ فرق پہ سایہ کروں میں کیا
اڑتی ہے خاک اڑ کے تن پاش پاش پر
کرتے ہیں ان کی روح سے حضرت یہ کلام
کہتے ہیں مسکرا کے امام فلک مقام
فاقوں سے غیر حال ہے محتاج آب ہوں
اللہ کیا ہجوم ہے کیا شور گیر و دار
اک سینہ اور یہ ناوک بیداد بے شمار
بھالوں برچھیوں سے کس کو زمیں پہ گرائیں گے

گردوں میں مثل شیشۂ ساعت بھری ہے گرد
ڈر ہے گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد
خاک اس قدر اڑی کہ ہوا بند ہو گئی
دن دوپہر وہ دشت کی گرمی وہ اژدحام
مانند شمع جل رہی تھیں برچھیاں تمام
خنجر بھی رہ گئے تھے زبانیں نکال کے
ڈھالوں کے رنگ ہو گئے تھے دھوپ میں سیاہ
گلگوں بنی ہوئی تھی ہر اک آہنی کلاہ
عالم تھا ہر خدنگ پہ تیر شہاب کا
تھے دو غلام مروحہ جنباں ادھر ادھر
نے سایۂ علم تھا نہ عباسؑ نامور
گیسو اٹے ہوئے تھے بیاباں کی گرد سے
کیا آج تجھ پہ بن گئی اے میرے گلعذار
سایہ تو کرے رخ پہ صبا کا یہ ماں نثار
سنولا گیا ہے چاند مرا آفتاب میں
کافی ہے آج سر پہ مرے سایۂ خدا
سوتے ہیں آفتاب میں سب میرے مہ لقا
اماں ردا نہیں علی اکبرؑ کی لاش پر
ہر سمت سے زمیں چلی آتی ہے فوج شام
کس سے لڑیں گے کیوں یہ کشش یہ اژدحام
میں آپ ہی مسافر پا در رکاب ہوں
اک جسم زار اور یہ نیزے کئی ہزار
میرے لیے تو پاس ہو خود تیغ آبدار
سو خنجر اک گلے پہ یہ کیوں کر اٹھیں گے

لشکر یہ ہے کہ قہر کا دریا ہے موجزن
اکبرؑ نہ ہیں جبلوں میں نہ تخت دل حسنؑ
دیکھیں پسر یہ زمرۂ فوج کثیر کو
آئی قریب سے یہ صدائے شہ نجف
مصروف ہے ثنا میں تری قدسیوں کی صف
دیں ہے بلند کفر کی بنیاد پست ہے
پایا جو تین روز رہا تو کنار جو
مقبول کردگار ہے نذر خدا ہے تو
جائیں گے یہ کہاں جو ہیں تجھ سے بچھڑ ہوئے
ایوبؑ تیرے صبر کے ہیں آج مدح خواں
یعقوبؑ و نوحؑ و آدمؑ و یحییٰؑ ہیں اک زباں
عیسیٰؑ پکارتے ہیں کہ حق کا ظہور ہے
عباسؑ جب سے قتل ہوا ہو فرات پر
نانا ہیں بے حواس حسنؑ ہیں برہنہ سر
تجھ پر نثار ہونے کی کس کو ہوس نہیں
کی عرض شاہ دیں نے پدر سے بانکسار
یہ پرورش یہ عمر زہے عزّ و افتخار
بیٹے یہ چاہئیں یوں ہیں اشفاق باپ کے
بندہ تو قابل اس کے نہیں یا شہ زماں
کیا میرا صبر اور مری ہمت کا کیا بیاں
لب پر جو وہ بزرگ مرا ذکر لائے ہیں
اب کچھ نہیں ہراس اگر لاکھوں ہوں ستم
جب ذبح ہو حسینؑ یہ خنجر دو دم
سب گھر لٹے مگر وہ اسیر بلا نہ ہو

ہیں اک ضعیف و تشنہ و مظلوم بے وطن
واحسرتا کہ مر گئے عباسؑ صف شکن
لاؤں کہاں سے آج جناب امیر علم کو
تجھ سا پسر دیا مجھے حق نے زہے شرف
لاکھوں ہیں گو ادھر پہ خدا ہے تری طرف
ہر طرح تیری فتح ہے ان کی شکست ہے
دین نبیؐ کی رہ گئی دنیا میں آبرو
ناجی ہیں تیرے دوست تو ناری ترے عدو
ہیں سب کے سب خدا کے غضب میں گھرے ہوئے
لب پر خلیل کے ہے ترے حلم کا بیاں
ہے کل کا فخر دلبر پیغمبر زماں
مرتضیٰؑ کا ہے یہ قول کہ خالق کا نور ہے
حاضر ہے کربلا میں اسی وقت سے پدر
ماں بیقرار پھرتی ہو تھامے ہوئے جگر
تقدیر سے کسی کا مری جان بس نہیں
مولا میں اس عنایت و اشفاق کے نثار
کیا سرفراز ہو گیا اس دم یہ خاکسار
جان آ گئی غلام میں آنے سے آپ کے
جو ہوں مقربان خدا میرے مدح خواں
اک بندۂ حقیر و گنہگار و ناتواں
یہ سب شرف حضور کے صدقے میں پائے ہیں
ہاں ایک ہو تباہی زینبؑ کا مجھ کو غم
اس کی ردا بچائے گا کون اے شہ امم
میں بے کفن رہوں یہ بہن بے ردا نہ ہو

فرما کے یہ فرس سے اشارہ کیا کہ ہاں
وہ غیظ وہ رجز وہ جلال و شکوہ و شاں
دونوں زبانیں تیغ کی بھی شعلہ ریز تھیں
نعرہ یہ تھا کہ دلبرِ مشکل کشا ہوں میں
شمس الضحیٰ علی ہیں تو بدر الدجیٰ ہوں میں
کس آیۂ کریم میں ذکرِ علی نہیں
ہم تو ہیں اس کلام میں اور ہم ہیں وہ کلام
لاریب فیہ گر ہے وہ ہادی تو ہم امام
جو منحرف ہوا وہ مطیعِ خدا نہیں
کچھ یاد ہے وصیتِ محبوبِ ذوالجلال
چھوڑے کلامِ حق کو بھی آ قوم بدخصال
کیوں منہ پھرا لیا ہے حدیث و کتاب سے
تم یہ نہ جانیو کہ مجھے کچھ ہو خوفِ جاں
قبضے میں ہے حسین کے تیغِ شرر فشاں
لاکھوں سے منہ پھرے نہ کبھی وہ دلیر ہوں
بخشا ہے مجھ کو حق نے شہِ لافتا کا زور
ہے انگلیوں کے بند میں خیبر کشا کا زور
الٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
آگے بڑھوں جو تیر کو چلے میں جوڑ کے
بیکار کر دوں شیر کا پنجہ مروڑ کے
الٹوں طبق زمین کے یوں جھک کے زین سے
اعلیٰ ہے عرش سے بھی مری ہمت بلند
رستم ہے ذوالفقار کی دہشت سے دردمند
ہم شقی کے سینے سے گزرا وہ فوت ہے

کوندا مثالِ برق کمیت سبک عناں
تھی وہ سپاہ وہ سیفِ زبانی کہ الاماں
بیتیں رجز کی تیغِ دودم سے بھی تیز تھیں
جوہر کشائے تیغِ شہِ لافتا ہوں میں
قرآں گواہ ہے کہ زبانِ خدا ہوں میں
قرآں میں کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہیں
جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
امت کو فرضِ عین ہے دونوں کا احترام
قرآن و اہلبیت ازل سے جدا نہیں
فرما گئے تھے خلق سے کیا وقتِ انتقال
ہم اہلبیت ہیں سو ہمارا کیا خیال
محشر میں کیا کہو گے رسالت مآب سے
لازم ہے یہ سخن کہ میں ہوں ہادیٔ جہاں
دشمن کو جس کی ضرب سے ملتی نہیں اماں
میں بیشۂ شجاعت و ہمت کا شیر ہوں
اس دستِ مرتعش میں ہے دستِ خدا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا
بھاگیں خطا شعار کمانوں کو چھوڑ کے
پھینکوں زمیں پہ درِ خیبر کو توڑ کے
جس طرح جھاڑ دیتے ہیں گرد آستین سے
بجلی ابھی گرے جو بڑھوں چھیڑ کر سمند
کھلتا نہیں ہے دو سے نیزے کا میرے بند
اس کی سنانِ تیز سرِ انگشت موت ہے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
بے جبرئیلؑ کار قضا و قدر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآبؐ کی
یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر
جس وقت ضرب شیر خدا یاد آتی ہے
میں شیر ہوں جو لاکھ اگر ہو تو کیا ہو تم
واللہ میرے سامنے بے دست و پا ہو تم
لو واسطہ رسولؐ خدا کا پناہ دو
یہ کہہ کے چپ ہوئے جو امام فلک سریر
کھولے ہوئے نشانوں کو آگے بڑھے شریر
وحشت سے عافیت نے منہ اپنا چھپا لیا
وہ شور کوس حرب کا وہ بوق کا نفیر
تیرِ دراز صورت خنجر زبانِ دلیر
سب فوج یوں بڑھی تھی دغا کو امام سے
برسے ادھر سے تیر تو کوندی ادھر سے برق
چمکی وہ یوں کہ رہ گئی سب کی نظر سے برق
جل تھل بھرے لہو سے ندی اک گھڑی لگی
معجز نما تھی شاہ کی شمشیر آبدار
یاں برق واں ہوا تو ادھر ابر دو بار
یوں سر برس گئے یہ روانی تھی باڑھ میں
بہتے تھے خوں میں چار طرف سر کٹے ہوئے
جو گھاٹ پہ تھے زور تھے ان کے گھٹے ہوئے
رونے میں اوج تیغ کا دو چند ہو گیا

آئے غضب خدا کا ادھر رخ جدھر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
رکھ دوں زمیں پہ چھین کے ڈھال آفتاب کی
جب ہاتھ اٹھائے برق گری ہے زمین پر
کانپے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تن پر
ماہی ہیبت گاؤ زمیں تھرتھراتی ہے
اٹھا جو میرا ہاتھ تو دم میں فنا ہو تم
پر کیا کروں کرامت خیر الورا ہو تم
اب بھی کسی طرف مجھے جانے کی راہ دو
اس فوج قاہرہ سے اٹھا شور دار و گیر
فرزند فاطمہؑ پہ چلے دس ہزار تیر
کالی گھٹا نے ڈھالوں کی جنگل کو چھا لیا
شرمندہ برچھیوں کی حیا سے سنان گیو
وہ صورتیں کہ دیکھ کے ڈر جائے جن کو دیو
آندھی سیاہ آتی ہے جس دھوم دھام سے
وہ برق جیسی پھرتی تھی خود جس کے ڈر سے برق
روکیں کے رکی ہو کسی کی سپر سے برق
کیا ابر تیغ تھا کہ سروں کی جھڑی لگی
دکھلائی وہ صیف میں برسات کی بہار
بہتا کہیں لہو کہیں خوں کا آبشار
ٹھہرتا ہے ڈونگرا کبھی جیسے اساڑھ میں
بڑھتے تھے جو بہت وہ گھٹے تھے تھمے ہوئے
تھے جا بجا سے ڈھالوں کے بادل پھٹے ہوئے
ننگی کمان تیروں کا منہ بند ہو گیا

بازو ہر اک کمان کا کم زور ہو گیا
ڈھالوں کا ابر خوں میں خزا بود ہو گیا
فق خنادری بھی قیامت بڑھی ہوئی
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
ہر ہاتھ میں اڑا کے کلائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
چار آئینے کے پار تھی اس آب و تاب سے
کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
قبضے سے تیغ برسے زرہ ہاتھ سے سپر
ترکش کہیں پڑے تھے نشان زری کہیں
مقتل میں ہوش فوج عمر کے اڑا دیے
پرزے ستم گروں کے جگر کے اڑا دیے
جب ڈھال پر چمک کے وہ آتی تھی خود میں
وقت دغا عصا تھی کبھی اژدہا کبھی
بجلی کبھی تھی ابر کبھی اور ہوا کبھی
بھرتے تھے جب جبیں پیادوں کو دول کر
اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
لب صورت شگاف قلم بند کر دیے
پہنچی سم فرس پہ جو بالائے سر گری
ناری جلے ادھر وہ جدھر کوند کر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سوار پر

تیروں کے مینھ برسنے کا اک شور ہو گیا
جو تھا کمند زہر لب گور ہو گیا
ازرق وہ تیغ خون کی ندی چڑھی ہوئی
تھمتی تھی کیا تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو
کوندی گری زمیں میں سمائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے
پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
برچھی سے پھل کماں سے چلہ زین سے تبر
پیکاں کہیں تھے شست کہیں تھی سری کہیں
ٹکڑے ہر ایک کے تن و مغفر اڑا دیے
پرکالے اک دم میں سپر کے اڑا دیے
سر کٹ کے آن پڑتا تھا ترکش کی گود میں
تلوار بن گئی وہ کبھی اور قضا کبھی
بنتی تھی قہر کف کے خاطر بلا کبھی
کھا لیتی تھی سروں کو دہن کھول کھول کے
دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی
کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
فقروں کے ذوالفقار نے دم بند کر دیے
چمکی ادھر زمیں سے نکل کر ادھر گری
جس صف سے اگ چلی یہ وہ صف خاک پر گری
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

[illegible] میں نہیں کے معنی دیتا ہو ۱۲

دم میں گئی فلک پہ اور آئی ہزار بار
دکھلا گئی صفوں کو صفائی ہزار بار
جب تک چلی وہ زرد سیاہ عدو رہی
غل تھا خط سیاہ نہ سمجھو یہ ناگ ہے
جلتا ہے دشت چار طرف بھاگ بھاگ ہے
بچ نکلے نہ یہ دم اس سے ہمارے نکلتے ہیں

ہل چل وہ ان صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز
صدقے گندھی ایال پہ گیسوئے مشک بیز
ذرے قدم کے فیض سے سارے چمک گئے
جرأت میں رشک شیر تو ہیکل میں چل تن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا

آنکھیں وہ جن کو دیکھ کے حیران ہو غزال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال
ہر فصل پا کا حسن یہ تھا اس جلوس میں
کیوں اعتقاد میں حکما کے نہ آئے فرق
راکب اگر اس کو غرب سے دوڑائے سوئے شرق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو

دیکھی نہیں کسی نے یہ نرمی شباب میں
سرعت کا اس کی وصف لکھیں گر کتاب میں
اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
روکیں سوار ہاتھ سے تھمتی اگر اسے
وہ تازیانہ یاں نہ زمیں تک پہنچ پائے
تنگی سے آسماں کی خفا یہ سمند ہے

معراج دست شاہ میں پائی ہزار بار
گرمی یہ تھی کہ خوں میں نہائی ہزار بار
اس دن کے معرکہ میں وہی سرخرو رہی
جو دشمن علیؑ ہیں اسے ان سے لاگ ہے
جانیں بچاؤ تیغ کے پانی میں آگ ہے
اژدر کی طرح منہ سے شرارے نکلتے ہیں

تھا ترک و تاز میں کہیں صرصر سے تند و تیز
گرداوری میں ابر تو بجلی دم ستیز
جب چلیاں اٹھیں تو ستارے چمک گئے
پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

گردن وہ جس کی شرم سے ہو سرنگوں ہلال
دل اس کے دست و پا کی صفائی سے پائمال
آئینہ جس طرح سے دست عروس میں
اشراقی اس سے بحر تفکر میں سب ہیں غرق
اور آسماں سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق
یاں کب سے غرب میں فرس تیز گام ہو

ہے جس کے زین صاف پہ مخمل بھی خواب میں
سطریں رہیں یہ صورت موج اضطراب میں
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
اور یہ فرس جنوب سے سوئے شمال جائے
اس حد سے اک قدم میں وہ حد دیکھ کر پھرائے
کیوں کر اڑے پری ہو کہ شیشے میں بند ہے

کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دمِ پیکار پھیر لو
کاوے میں شکلِ گنبدِ دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورتِ پرکار پھیر لو
دوڑے بروئے آب تو چپل بھی تر نہ ہو
آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

طاؤس سا جدھر گیا دم کو چنور کیے
دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر کیے
بچلے کبھی بدن کبھی پامال سر کیے
کشتوں کو روند روند کے سم خوں میں تر کیے
میداں میں تھا کسی کو نہ یارا ستیز کا
عالم ہر ایک فعل میں تھا تیغِ تیز کا

زیبا ہے گر کہیں شعرا باد پا اسے
آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اسے
طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اسے
مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہو کیا اسے
فتراک گر ہوا سے کبھی اک ذری اڑی
یوں اڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری اڑی

مصروفِ جنگ تیغ سے تھے سرورِ حجاز
چمکا کے اسپ واں سے بڑھا ایک نیزہ باز
نامرد نے کیا جو ہیں دستِ ستم دراز
نیزہ اٹھا کے کہنے لگا شاہِ سرفراز
ہاں اے اجل گرفتہ کر استوار گر
نیزے کا ہے غرور تو آ کوئی وار کر

کس طنطنے سے شاہ پہ آیا وہ ناپسند
کل کی طرح سے پھرنے لگا ہر طرف سمند
نیزے سے اس کے آپ کو پہونچی نہ کچھ گزند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تھا گو کہ نیزہ بازی پہ ظالم تلا ہوا
یاں تھا سب اس کے عزم کا عقدہ کھلا ہوا

نیزے کی اس لعین سے لڑائی جو آپڑی
دونوں طرف سے جنگ میں کوشش ہوئی بڑی
نیزوں سے اڑ رہے تھے تڑاتڑ گھڑی گھڑی
تھی چوب سے تو چوب سناں سے سناں لڑی
اک معرکہ تھا بیچ میں وحشتِ قتال کے
دو مار گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے

چمٹی ہوئی سناں پہ سنانیں جو یک دگر
ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی ادھر
کس زک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر
فرزندِ شیرِ حق نے دکھایا عجب ہنر
ظالم پہ آسماں سے بلا ناگہاں گری
دو تین نیزہ اڑ کے زمیں پر سناں گری

تھرا گیا بدن نہ رہی طاقتِ فرار
گھوڑے کی باگ پھیر کے بھاگا وہ نابکار
بچ کر نکل چلا تھا کہ چمکا کے راہوار
نیزے کا اک کمر پہ کیا شاہِ دیں نے وار
موذی تھا وہ لعین پہ آئی قضا کب تھی
سر میں سناں تھی پشت کے مہروں میں چوب تھی

قربان زور بازوئے سلطان ارجمند
پہونچا سقر میں وار جہاں سے وہ خود پسند
اپنے ہنر پہ ناز تھا اس نیزہ باز کو

کام اس خطا شعار کا جب ہو گیا اخیر
بدکیش و کج نہاد و خطا پیشہ و شریر
کیا کوئی اس کے آگے بھلا سر اٹھا سکے

قبضے میں تیغ لے کے پکارے شہ زماں
ہاں نکلی منھ سے ہاں کہ کھنچی اس طرف کماں
حلقہ ادھر کمان کا ختم ہو کے رہ گیا

خالی اسی روش سے ہوا ترکش شریر
جاتا تھا کشمکش میں کہ ہو جائے گوشہ گیر
پیچھے ہٹے نہ پاؤں مزا ہے یہ جنگ کا

یاں وہ شقی سے کماں کو اتارا جناب نے
بیٹے کے ہاتھ چوم لیے بوتراب نے
ترکش بھی اژدہا سا دہن کھولنے لگا

چلے میں رکھ کے تیر بڑھے حضرت امام
کچھ کہہ کے گوشہ میں چلا تیر تیز دم
چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا

گرز و سنان و تیغ و تبر کانپنے لگے
ڈر سے کماں کشوں کے جگر کانپنے لگے
پیچھے ہٹے کھڑے تھے جو ظالم بڑھے ہوئے

اللہ ری زد گزرتا تھا ہنگام دار و گیر
کرتے تھے واہ واہ عدو بھی جوان و پیر
روح علی یہ کہتی تھی اس آن بان کے

زین سے اٹھا کے اس کو سناں پر کیا بلند
پٹکا زمیں پہ جب تو ہوا چور بند بند
دکھلا دیا جہاں کے نشیب و فراز کو

نکلا پرے سے اک قدر انداز بے نظیر
چلے سے توڑ جاتا تھا جوشن کو جس کا تیر
رستم بھی جس کماں کی نہ سیر اٹھا سکے

ہاں ناوک افگنی مجھے دکھلا تو اے جواں
کھینچا کماں کا تھا کہ چلا تیر بے اماں
یاں تیغ شہ سے تیر قلم ہو کے رہ گیا

تودے لگائے کاٹ کے حضرت نے سارے تیر
چلائے شہ کہ بھاگ نہ او سرکشوں کے پیر
تو بھی تو توڑ دیکھ لے میرے خدنگ کو

قبضے میں ماہ نو کیا آفتاب نے
تاکا خطا کو تیر نگہ سے صواب نے
نکلا عقاب تیر تو پر تولنے لگا

اک ہاتھ راست کر کے کیا دوسرے کو خم
آواز دی کماں نے زہے شاہ باکرم
واں تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

تیرے مثال شاخ شجر کانپنے لگے
جو ترکشوں میں تیر تھے پر کانپنے لگے
گوشوں سے خود اتر گئے چلے چڑھے ہوئے

سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
بازو کو چومتے تھے رسول فلک سریر
صدقے ہر ایک تیر کے قربان کمان کے

شہ کے غضب سے چاہتی تھی ہر کماں اماں
دیتے نہ تھے کسی کو امام زماں اماں
جب شاہ حملہ کرتے تھے شیر خدا کی طرح
کہتا تھا ہاتھ جوڑ کے یوں کوئی پر غرور
موقوف کر جلال کو اے کبریا کے نور
آنکھیں ہم اپنی دور سے قدموں پہ ملتے ہیں
اے نور چشم احمد مختار رحم کر
اے امت نبی کے مددگار رحم کر
اے نوح عصر ہم سے نہ تو انتقام لے
اے افتخار حضرت آدم پناہ دے
اے فخر نوح و عیسیٰ مریم پناہ دے
والا تجھے قسم ہے رسول کبیر کی
اس غیظ میں سنا جو بزرگوں کا شہ نے نام
گردن جھکا کے پاس سے دیکھا سوئے خیام
آنکھوں کو بند کر کے فرس ہانپنے لگا
رستے میں تھا نہ آپ کو کچھ پیاس کا خیال
آئی صدائے حضرت محبوب ذوالجلال
کہتا تھا میں کہ اب مری امت تمام ہے
صبر و رضا و حلم کا رتبہ دکھا دیا
نانا کا خلق زور پدر کا دکھا دیا
اہل شقاوت و حسد و کینہ ہوگیا
شبیر واہ کیوں نہ ہو کس کا پسر ہے تو
کھولا ہے جس کو حق نے وہ جنت کا در ہے تو
امت کے ظلم سہتے ہو نانا سے چھوٹ کر

مضطر زمیں تھی مانگتا تھا آسماں اماں
ہر صف میں تھا یہ شور کہ مولا اماں اماں
دانتوں میں خس پکڑتے تھے سب کہربا کی طرح
اس وقت رحم اپنے غلاموں پہ کچھ ضرور
صدقہ علی کی روح کا اب بخشیے قصور
تلوار روکیے کہ بس اب دم نکلتے ہیں
اے یادگار حیدر کرار رحم کر
اے بحر غیظ حضرت قہار رحم کر
امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے
اے زیب بخش عرش معظم پناہ دے
اے باعث پناہ دو عالم پناہ دے
چمکا نہ ذوالفقار جناب امیر کی
صدمہ ہوا یہ دل کو کہ رونے لگے امام
تھاما جگر کو ہاتھوں سے اور چھوڑ دی لگام
روکی جو ذوالفقار بدن کانپنے لگا
رکھ دی جو تیغ ہاتھ سے جی ہوگیا نڈھال
تو صابروں کا فخر ہے اے فاطمہ کے لال
یہ صبر اختیار پہ تیرا ہی کام ہے
دم میں ہزار طرح کا جلوہ دکھا دیا
خالق کے رحم و قہر کا نقشا دکھا دیا
ایسی جلا ہوئی کہ حق آئینہ ہوگیا
حقا کہ آسمان شرف کا قمر ہے تو
ہیں اصل جب شجر کی ہو ان کا ثمر ہے تو
کیا ان کو پھل ملے گا مرا باغ لوٹ کر

کیسی ہوا جہان کی بے اعتدال ہے
سرسبز سب ہیں باغ مرا پائمال ہے
سایہ سے جس نہال کے طوبیٰ نہال ہے
مرجھا گیا ہے دھوپ سے اس کا یہ حال ہے
میں جن کی فکر میں کبھی سیانہ چین سے
پانی انھیں عزیز ہے میرے حسینؑ سے

فاقوں میں جن کے واسطے باندھا شکم پہ سنگ
ان دشمنوں نے لال کا میرے کیا یہ رنگ
کیونکر نہ ہو یہ غنچہ دہن زیست سے بہ تنگ
اک فاقہ کش نحیف پہ صف کشی یہ جنگ
بچپن سے میں نثار رہوں اس نور عین کے
میرا گلا بھی ساتھ کٹے گا حسینؑ کے

رو کر کہا حسینؑ نے یا سید عربؐ
روتا کبھی نہ ان سے یہ مظلوم و تشنہ لب
فریاد ہے کہ مجھ کو ستایا ہے بے سبب
للہ لیتے چلیے مجھے ساتھ اپنے اب
دشمن ہوا ہے سارا زمانہ غلام کا
امت میں اب نہیں ہے ٹھکانا غلام کا

جس دن سے آپ اٹھ گئے پایا نہیں ہے چین
سب گھر تباہ ہو گیا یا شاہ مشرقین
پیری میں چھٹ گیا علی اکبر سا نور عین
کب تک جہاں میں ضبط کریں کہا کے حسینؑ
پھیلا کے پاؤں خاک پہ سونا نصیب ہو
راحت ملے جو قبر کا کونا نصیب ہو

یہ کہتے تھے کہ فوج ستمگر بھر آگئی
خیر النسا کے چاند پہ بدلی سی چھا گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن تلملا گئی
فریاد فاطمہؑ کی فلک تک صدا گئی
یاں گھر نبیؐ کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے واں تن شہ دیں چور ہو گیا

یاں اک تن ضعیف ادھر لاکھ نابکار
نیزوں کے زخم تیغوں کے پھل برچھیوں کے وار
سینہ شکستہ پسلیاں مجروح دل فگار
کیا درد کا حساب جراحت کا کیا شمار
یوں تو دل و جگر کے بھی جانکاہ زخم تھے
تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے

حربے ہزار ہا کسے روکے کسے بچائے
بے یار و آشنا کسے ڈھونڈھے کسے بلائے
دکھ میں سپر ہو کون حمایت کو کون آئے
کیا وقت ہے نبیؐ کے نواسے پہ ہائے ہائے
جھکتے ہیں زیں پہ منہ سے لہو ڈال ڈال کے
گھوڑے سے غش میں کون اتارے سنبھال کے

گھوڑے سے گاہ غش میں ادھر گاہ ادھر جھکے
تیغیں چلیں جدھر کو شہ بحر و بر جھکے
سجدے کبھی ہوئے کبھی کٹ کے جگر جھکے
تھامی کبھی ایال کبھی زیں پہ سر جھکے
صدمہ جو تھا بہن کے نکلنے کا شاہ کو
گردن پھرا کے دیکھتے تھے خیمہ گاہ کو

ہنگام عصر تھا کہ شہ نیک خو گرے
کیا سنبھلے جب کہ زخموں سے بیش لہو گرے
آنکھیں تھیں بند جلوۂ حق تھا نگاہ میں
اعدا میں غل ہوا کہ ہماری ظفر ہوئی
زینب ردا کو پھینک کے عریاں سر ہوئی

ہے ہے کوئی نہیں شہ والا کی لاش پر
مسند پہ شہ کے لوٹتی تھی کوئی سوگوار
چلاتی تھی کوئی مرے سید ترے نثار
غل تھا فلک نے دفتر دنیا الٹ دیا
دیکھا یہ ذوالجناح کا سیا یونہی حال
گردن پہ اس طرح سے ہے بکھری ہوئی ایال

روتا ہے یوں وہ غم میں شہ نامدار کے
دنیا نظر میں بیبیوں کے ہو گئی سیاہ
عابد پکارے ہائے غضب گھر ہوا تباہ
تنہا سوار دوشِ پیمبر کو کیا کیا
زینب مرے بھیّوں کا پیارا کہاں گرا
وہ عرش کبریا کا ستارا کہاں گرا

سایہ ہے کچھ کہ لاش ہے جلتی زمیں پہ
سر خاک پر پٹک کے پکارا وہ راہوار
جلدی اتار لو یہ تبرک یہ ذوالفقار
زہرا قریب لاش پہ خاک اڑاتی ہے
راوی رقم یہ کرتا ہے احوال رزمگاہ
خنجر ادھر تو شمر نے رکھا گلے پہ آہ
زانو ادھر جو سینے پہ ایذا سوا ہوئی

زخموں سے اڑ کے قطرۂ خوں چار سو گرے
سجدے کا اشتیاق جو تھا قبلہ رو گرے
گرتے ہی محو ہو گئے یادِ الٰہ میں
گھوڑے سے جو حسینؑ گرے جنگ سر ہوئی
چلائی یوں سکینہ کہ میں بے پدر ہوئی

اماں بس اب چلو مرے بابا کی لاش پر
ہے ہے کا شور تھا کہ قیامت تھی آشکار
ڈیوڑھی پہ آ کے گر پڑے سجادؑ دل فگار
فضہ نے خیمہ گاہ کا پردہ الٹ دیا
خالی ہے زین اور ہے ماتھا لہو سے لال
جس طرح کھولتی ہو زنِ سوگوار بال

جیسے پسر کو روتی ہو ماں دھاڑیں مار کے
سمجھے یہ سب کہ قتل ہوا فاطمہؑ کا ماہ
چلائی بنت فاطمہؑ اے ذوالجناح شاہ
ہے ہے مرے غریب برادر کو کیا کیا
دو دن کی بھوک پیاس کا مارا کہاں گرا
آقا ترا امام ہمارا کہاں گرا

نتھنے یہ کس کے خون سے ہیں تیری زین پر
سیدانیو بچھڑ گیا تم سے مرا سوار
کٹتا ہے واں گلوئے شہنشاہ نامدار
خیمے میں جاؤ لوٹنے کو فوج آتی ہے
دن ہو گا تین چار گھڑی وقتِ قتلِ شاہ
آندھی اٹھی کہ سارا جہاں ہو گیا سیاہ
غل تھا کہ لو قیامت کبریٰ بپا ہوئی

تھا فرش میں قبلۂ دو عالم کا مقتدا
سجدہ بھی اس ولی کو نہ کرنے دیا ذرا
گردن پہ تیغ اور لبوں پر تھی یہ دعا
واجعفراہ وا ابتاہ وا محمداہ
صدمے ہوئے رگوں پہ جو خنجر کی دھار کے
چپ ہو گئے نبی و علی کو پکار کے

اس حشر میں خیام کی جانب جو کی نظر
دیکھا وہ سانحہ کہ نہ دیکھے کوئی بشر
نکلی حرم سے ایک ضعیفہ برہنہ سر
چہرہ تو آفتاب سا اور کان میں گہر
چادر نہ اضطراب میں تھی جسم پاک پر
تھا اک پسر تو دوش پہ اور ایک خاک پر

چلاتی تھی ارے کوئی رستہ مجھے بتائے
کچھ سوجھتا نہیں یہ ضعیفہ کدھر کو جائے
اکبر کہاں ہے ہاتھ مرا تھامنے کو آئے
بھائی سے چھوٹتی ہوں بہن ہائے ہائے ہائے
مہماں کیا تھا بادشہ مشرقین کو
اے کربلا ابھی سے میں روؤں گی حسین کو

اے نہر پیاس سے مرا بھائی ہو بیقرار
اے دشت گرد میں نہ بھرے شہ کا جسم زار
اے تیغو! حسین کے لاشے سے ہوشیار
اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہ دار
اے ابر رو نہ دھوپ ہو بھائی کی لاش پر
سایہ کرو پروں کا تن پاش پاش پر

طے کر چکی تھی نصف مسافت وہ سوگوار
آئی صدا اے حضرت خاتون روزگار
بیٹی لٹے گا اب نہ محمد کا یادگار
پھر جا خدا کے واسطے پھر جا ترے نثار
تن سے جدا سر پسر فاطمہ ہوا
اب آکے کیا کرے گی یہاں خاتمہ ہوا

گھبرا کے اس نے جانب مقتل جو کی نظر
دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری یہ پیٹ کر
میں لٹ گئی پھوپھی مرے بابا کا ہے یہ سر
زلفیں لہو بھری ہوئی رخ پر لٹکتی ہیں
ہے ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

خاموش اے انیس جگر ہو گیا دو نیم
کام آئے گی یہ مدح بروز امید و بیم
حسرت کا غم نہ کھا کہ ہے آقا ترا کریم
اب جلد یاں سے روضۂ سرور پہ ہو مقیم
حاصل حضوری شہ گردوں اساس ہو
ہے وہ غلام خاص جو آقا کے پاس ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میداں میں ہوا خاتمہ جب آلِ عبا کا
گھر ہو گیا تاراج امامِ دوسرا کا
کنبہ ہوا محبوس شہِ عقدہ کشا کا
عریاں ہوا سر بلوے میں خاصانِ خدا کا
جن بی بیوں کا سایہ نہ دیکھا تھا کسی نے
افسوس انھیں بے پردہ کیا فوجِ شقی نے

وہ خیمہ جو تھا رتبے میں کعبے کے برابر
اور اوج میں تھا گنبدِ گردوں سے بھی بہتر
مسند وہ جو تھی جلوہ گہِ احمد و حیدر
وہ فرش جو تھا نور میں جوں عرش منور
دنیا میں بنا دیں کی تھی جس گھر کی زمیں سے
اعدا نے وہ گھر پھونک دیا آتشِ کیں سے

کونین میں تھی جن کے لیے عزت و توقیر
قرآں میں ثنا جن کی کرے مالکِ تقدیر
یعنی حرمِ محترمِ حضرتِ شبیر
شمشیر بکف لوٹنے آئے انھیں بے پیر
بے اذن جہاں پاؤں ملک نے نہ دھرا تھا
ہیہات وہ گھر لوٹنے والوں سے بھرا تھا

جس شخص کا دادا تھا علی فاتحِ خیبر
یعنی خلفِ سبطِ نبی حامدِ بے پر
راضی بہ رضا جیسا تھا عاشقِ داور
عالم کے لیے عقدہ کشا دین کا رہبر
جس کے نہ ڈگے پاؤں بزرگوں کے چلن سے
ہاتھ اس کے ستم گاروں نے باندھے تھے رسن سے

قطع نظر ان باتوں کے بے تشنہ و بیمار
پاؤں پہ ورم درد سر اور تپ میں گرفتار
تھا ضعف سے اک گام تھا جیسے دشوار
پیدل لیے جاتے تھے اسے ظالم و غدار
غش آتا تھا گر راہ میں تشنہ دہنی سے
ظالم اسے چونکاتے تھے نیزے کی انی سے

تھا گردنِ لاغر میں تو اک طوق گلوگیر
چلنے میں جو گر پڑتا تھا با حالتِ تغیر
اٹھنے کی تعضید کوئی کرتا تھا بگڑ کر

سر پہ نہ عمامہ ہے نہ ہے پاؤں میں نعلین
لب خشک حرارت سے جگر سینے میں بے چین
منزل پہ نہ کچھ کھاتے تھے پیتے تھے عابد
رستے میں کہیں بیٹھنے دیتے نہ تھے دم بھر

سردارِ دو عالم کا جو سایا نہ تھا سر پہ
تھی قید میں یہ اس جگر افگار کی صورت
جوں بید نقاہت کے سبب کانپتا تھا تن
لب پیاس سے نیلے تھے برنگ گلِ سوسن
خاموش تھے کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے عابد
جب دم نظر آتی تھی کوئی وادیٔ پرخار
بے قبر کی جا آپ تو تھے گھوڑوں پہ اسوار
بیمار کے آگے سے نہ سرکاتے تھے کانٹے

اللہ رے صبر پسرِ سیدِ ابرار
جکڑے گئے زنجیروں میں مانندِ گنہگار
یہ ظلم و ستم تھے یہ صعوبت یہ جفا تھی
آگے تو چلا جاتا تھا وہ عاشقِ باری
شہزادیوں کو دی تھی ان اونٹوں کی عاری
نامحرموں کی بھیڑ سے شرماتی تھیں رانڈیں
اکبر سے بچھڑنے کا کسی رانڈ کو تھا غم
حیدر کے نواسوں کا کوئی کرتی تھی ماتم
کوئی غمِ عباس میں مصروفِ بکا تھی

اور پاؤں میں بیمار کے پہنائی تھی زنجیر
اونٹوں پہ حرم روتے تھے اور ہنستے تھے بے پیر
کانٹوں پہ کوئی کھینچتا تھا طوق پکڑ کر

ہیں شدتِ آزار سے سوجی ہوئی ساقین
اشک آنکھوں میں اور دل میں غمِ قبلۂ کونین
اعجازِ امامت سے فقط جیتے تھے عابد
بیمار کو کھینچے لیے جاتے تھے ستمگر
سنولا گیا تھا دھوپ سے رنگِ رخِ انور
پہچانی نہیں جاتی تھی بیمار کی صورت
اور طوق کے لنگر سے جھکی جاتی تھی گردن
تلواریں سرِ پاک پہ چمکاتے تھے دشمن
منہ موڑے ہوئے سر کو چلے جاتے تھے عابد
لے جاتے تھے عابد کو اسی راہ سے کفار
اور برہنہ پا جاتا تھا وہ دین کا سردار
نشتر کی طرح پاؤں میں چبھ جاتے تھے کانٹے

ایذا پہ تو ایذا تھی اور آزار پہ آزار
درد و الم و رنج و مصیبت میں گرفتار
ہر لحظہ مگر بخششِ امت کی دعا تھی
پیچھے حرمِ شاہ میں تھی گریہ و زاری
جن پر نہ کجاوا تھا نہ محمل نہ عماری
بالوں سے چھپائے ہوئے منہ جاتی تھیں [illegible]
کوئی غمِ اصغر میں فغاں کرتی تھی پیہم
قاسم کو کوئی روتی تھی گردن کو کئے خم
لب پر کسی کے ہائے حسینا کی صدا تھی

کہتی تھی کوئی لٹ گیا مقتل میں مرا راج
مارا گیا ہے ہے پسر صاحب معراج
کہتی تھی کوئی خانۂ زہرا ہوا تاراج
ہے ہے ہوئی اب ایک ردا کے لیے محتاج
چلاتی تھی کوئی مجھے صدمہ یہ پڑا ہے
وارث مرا بے گور و کفن رن میں پڑا ہے
تھے پیاس سے غش گودیوں میں ماؤں کی اطفال
گل برگ سے لب سوکھ گئے تھے اور دھوپ سے رخ لال
ان بچوں میں تھا بالی سکینہؑ کا یہ احوال
کانوں سے لہو بہتا تھا اور سوجے تھے گال
رنگ اڑا تھا کرتے کا گریبان پھٹا تھا
اور چاند سا منہ گرد یتیمی سے اٹا تھا
بیٹھی تھی جو ماں پاس تو چلاتی تھی رو رو
میں مرتی ہوں لوگو مرے بابا کو بلا دو
کیا جانے سدھارے ہیں کدھر سینہ پہ تجھ کو
کیوں آ کے گلے لگتے نہیں وہ چھاتی سے مجھ کو
دیدار سے اپنے مجھے ترساتے ہیں بابا
بیٹی سے خفا ہیں جو نہیں آتے ہیں بابا
وہ ہوتے تو گھر کو نہ لعیں لوٹنے آتے
وہ ہوتے تو در در نہ لعیں مجھ کو پھراتے
وہ ہوتے تو کیوں خوں مرے کانوں سے بہاتے
وہ ہوتے تو کیوں ظالموں کی قید میں جاتے
کیوں گریہ کرے نالہ و فریاد سکینہؑ
مرنے سے ہوئی باپ کے برباد سکینہ
رو کر کبھی چلاتی تھی اس طرح وہ ناداں
اچھے مرے بابا میں تمہارے گئی قرباں
فرقت میں تمہاری میں کوئی دم کی ہوں مہماں
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
بے چین ہوں گودی میں اٹھا لو مجھے آ کر
نیند آتی ہے چھاتی پہ سلا لو مجھے آ کر
اس بن سے سفر کو جو روانہ تھی وہ ناکام
پیٹتی تھیں رانڈیں کہ پڑا تھا کہرام
منزل پہ پہنچتے تھے وہ قیدی جو سرِ شام
جز رنج نہ ملتا تھا وہاں بھی انہیں آرام
پانی کے عوض اشکوں سے منہ دھوتے تھے قیدی
تا صبح عزیزوں کے لیے روتے تھے قیدی
واں بیٹھتے تھے سایوں میں خیموں کے بداختر
اور سایۂ افلاک تھا یاں رانڈوں کے سر پر
سوتے تھے ادھر فرشِ مصفا پہ ستمگر
یاں تکیہ کی جا سنگ تھے اور خاک کا بستر
واں تہنیتِ قتلِ امامِ مدنی تھی
یاں وارثوں کا ذکر تھا اور سینہ زنی تھی
اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راقمِ اخبار
نزدیکِ دمشق آیا جو وہ قافلہ اک بار
بولے عمرِ سعد سے آ کر یہ خبردار
اس راہ میں ہوا ایک محبِ شہِ ابرار
قتلِ شہِ بیکس کا جو احوال سنا ہے
شب خوں کا تری فوج پہ قصد اس نے کیا ہے

سنتے ہیں کہ وہ شخص بھی ہے صاحب لشکر
ٹھہرا تا ہو یہ ہم قسم ایک ایک سے ہو کر
ہیں بیٹیاں زہراؑ کی گرفتار رسن میں
گھبرا گیا سن کر عمر سعد جفا کار
دیکھو کہے دیتا ہوں خبردار خبردار
سر شہ کا نہ چھن جائے یہی خوف و خطر ہے
محنت سے ہو تم لوگ نے ان شیروں کو مارا
عالم کے شجاعوں میں ہوا نام تمھارا
گر چھوٹ گئیں بیٹیاں زہراؑ و نبیؐ کی
ہے سید سجادؑ دو عالم کا شہزادہ
جن کا کہ علیؑ صاحب دلدل سا ہو دادا
آگاہ ہیں سب قتل شہنشاہ امم سے
کہنے لگا تب شمر کہ یہ خوف عجب ہے
آقائے دو عالم کا جو سر تن سے کٹا ہے
سب مانتے ہیں آل رسول دوسرا کو
لازم ہے اسیروں کی حفاظت یہی تدبیر
سجادؑ کو پہنائیے دو طوق گلو گیر
گر فاقوں سے ان رانڈوں کی طاقت نہیں تو کیا
غیر اب کوئی عابدؑ کے قریں آنے نہ پائے
چادر کوئی زینبؑ کے لیے لانے نہ پائے
کر دو یہ تقید کہ ہلے لب نہ کسی کا
اس راہ میں دن بھر تو رہے ظلم
ناگہ انھیں اک دیر نظر آ گیا محکم
بولا عمر اس دیر میں ایذا تو سہیں گے

ہیں ساتھ بہت اس کے جوانان دلاور
کھینچو عمر سعد سے چل کر سر مرتد
اعدا سے چھڑا کر انھیں پہنچا دو وطن میں
ایک ایک کو بلوا کے یہ سمجھایا بہ تکرار
چوکی میں اسیروں کی تغافل نہ ہو زنہار
ہشیار رہو دن سے کہ شب خوں کا ڈر ہے
سر تن سے محمدؐ کے نواسے کا اتارا
ڈر ہے کہ بنا کام بگڑ جائے نہ سارا
پھر قید یہ جرأت نہیں پڑنے کی کسی کی
ہر گز نہیں رہتے ہیں کوئی اس سے زیادہ
کانٹوں پہ ہم اس کو لیے جاتے ہیں پیادہ
سر پیچ کے سجادؑ کو لے جائیں گے ہم ساتھ
اخبار میں یہ واقعہ ہر سمت گیا ہے
خوں جوش میں شیعوں کا ہے دل غم سے بھرا ہو
مارا ہے جفا سے پسر شیر خدا کو
صندوق میں تو رکھیں مقفل سر شبیرؑ
اور پاؤں میں بھی چاہیے زنجیر پہ زنجیر
ہر بازو سے بازو بھی بندھے ہوئیں رسن میں
رہ گیروں کو حال اپنا یہ دکھلانے نہ پائے
ہر گز کوئی رانڈوں پہ ترس کھانے نہ پائے
چلا کے نہ لے نام حسینؑ ابن علیؑ کا
اک دشت میں پہنچے سر شام آ کے وہ جب ہم
اس دیر کے نزدیک ہوئی فوج فراہم
محفوظ مگر آفت شب خوں سے رہیں گے

داخل کرو یاں قافلے کو نوحہ گروں کے
کیا کر سکیں گے دوست علی کے پسروں کے
آئے نہ پرندہ بھی کوئی دیر کے در تک
یہ کہہ کے گیا دیر کے دروازے پہ بے پیر
کی آن کے دیرانی نے یہ بام پہ تقریر
گھبراتے ہو مرے دیر کو کیوں فوج گراں سے
آتے ہیں پرستش کو یہاں صاحب زنار
کہنے لگا اس سے عمر سعد جفا کار
اک شخص نے یثرب سے خروج اس پہ کیا تھا
اقبال سے حاکم کے ہوئی فتح لڑائی
اس راہ میں شب خونوں کی جو ہم نے ہے پائی
وہ رات جو گزرے گی ہیں امن و اماں سے
دیرانی نے دروازے کو ناچار کیا وا
صندوق سر شہ کا تو اک حجرے میں رکھا
تاریکی میں سو اشکوں سے دھونے لگیں رانڈیں
برپا ہوا خیمۂ عمر سعد کا در پہ
بستر پہ جو آرام تھا دیرانی کو دم بھر
جس حجرے کے اندر سر شاہ شہدا ہے
افلاک سے آتے ہیں ملک مضطر و حیراں
گیسو تو ہیں بکھرے ہوئے اور چاک گریباں
بولو کہ جگر کٹتے مرے پیوند ہو بیٹا
آؤ مری چھاتی سے لگو جلد مرے لال
سینچا جسے ہے مری بچی نے سدا سال
ماتم میں ترے آہ رلایا مجھے بیٹا

رکھو یہیں صندوق شہیدوں کے سروں کے
شب بھر رہیں قیدی یہیں آگے نظروں کے
حلقے کیے ہشیار رہے وہ سحر تک
ہاتھوں سے ہلانے لگا دروازے کی زنجیر
دروازے کی کیا کھولنے کی کرتے ہو تدبیر
تم کون ہو کیا کام ہے آئے ہو کہاں سے
لشکر کے اترنے کی جگہ یہ نہیں زنہار
اپنے کا یہ لشکر ہے جو ہے شام کا سردار
حاکم نے ہمیں قتل کا حکم اس کے دیا تھا
سر لائے ہیں اور رانڈوں کی بندی بھی ہے آئی
یاں رانڈوں کی اور ہو گی سروں کی نگہبانی
لے کر انہیں ہم صبح چلے جائیں گے یاں سے
داخل ہوا اس میں وہ لعین ستم آرا
اور گوشوں میں رانڈوں کو بٹھا کر نکل آیا
دروازہ کیا بند تو رونے لگیں رانڈیں
ہشیار رہا گرد جفا کار کا لشکر
جب نصف گئی رات تو کیا دیکھا وہ مضطر
واں خود بخود اک نور خدا جلوہ نما ہے
اور تخت پہ اک پیر ہے با حال پریشاں
کہتا ہے کہ اے لال یہ نانا ترے قرباں
کس حجرۂ تاریک میں تم بند ہو بیٹا
ہاتھوں سے سنبھالو کہ ہے نانا کا برا حال
اجڑا وہ چمن اور وہ کھیتی ہوئی پامال
تربت میں بھی اعدا نے ستایا مجھے بیٹا

وہ شخص ہیں ہم ان کی زباں پر یہی تقریر
اک کہتا ہو بابا ترے صدقے ہے یہ پیر
کس جرم پہ مارا مجھے اے تیغِ تقدیر
اک کہتا ہے سر پیٹ کے باحالتِ تغییر
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ وابستۂ غم ہوں
تم کشتۂ شمشیر ہو میں کشتۂ سم ہوں

اتری اسی حجرے میں پھر اک کالی عماری
غل ہے کہ ہٹو آتی ہو زہرا کی سواری
چلاتی ہوا اس طرح وہ باگریہ و زاری
اے لال یہ مادر تری مظلومی کے واری
چھاتی پہ تری چڑھ کے کیا ذبح شقی نے
اس دن کو تجھے پالا تھا اس کوکھ جلی نے

ہے ہے بھری یہ خوں میں تری چاند سی تصویر
ہے ہے تری پیشانیٔ روشن پہ لگا تیر
ہے ہے ترا خورشید سا منھ اور خط شمشیر
ہے ہے تری گردن پہ چلا خنجرِ بے پیر
تو بعد شہادت بھی گرفتارِ محن ہے
سر نیزہ پہ ہے تن خاک پہ محتاجِ کفن ہے

صدقے ترے اے قوم جفا پیشہ کے مہماں
کس ظلم سے تو قتل ہوا ہائے مری جاں
جب چلتا تھا گردن پہ تری خنجرِ بُرّاں
میں کوکھ کو پکڑے ہوئے چلاتی تھی ہر آں
تنہائی میں گہہ اٹھتی تھی گہہ گرتی تھی بیٹیا
پروانہ صفت گرد ترے پھرتی تھی بیٹیا

اے میرے غریب اے مرے بیکس مرے مظلوم
اے سبط پیمبر کے شہید اے مرے صابر مرے مغموم
اے بے وطن اے میرے ستم کش مرے معصوم
ہے ہے تجھے اعدا نے رکھا پانی سے محروم
جب عرش تلے سر ترا ہاتھوں پہ دھروں گی
اس ظلم کی اللہ سے فریاد کروں گی

زہرا نے جو یہ بین کئے باولِ غمناک
تھرائی زمیں ہلنے لگا گنبد افلاک
ویرانی کا دل خنجرِ غم سے ہوا صد چاک
غش کھا کے گرا خوف کے مارے پسرِ خاک
ہوش آیا تو دیکھا نہ وہ مجمع نہ فغاں ہے
پرخوں وہی سر ہے وہی تاریک مکاں ہے

روتا ہوا پاس اس سرِ پرخوں کے وہ آیا
اور ہاتھوں کو تسلیم بجا لا کے اٹھایا
چاہے تو سرِ پاک کو آنکھوں سے لگایا
آخر کو یہ آداب سخن لب پہ یہ لایا
یہ تو ہوا معلوم کہ تو خاصۂ رب ہے
اللہ بتا دے ترا کیا نام و نسب ہے

انساں کا پس از مرگ یہ دیکھا نہیں اعزاز
معلوم مجھے ہوتا ہے تو صاحب اعجاز
کر مجھ سے تکلم کہ یہ بندہ ہو سرافراز
یہ کون تھے جو آئے تھے مجھ پر بھی کھلے راز
حیراں ہوں قرابت تجھے ان لوگوں سے کیا ہے
توریت میں انجیل میں نام ان کا لکھا ہے

تو کون ہو کہ مجھ سے بیاں اپنی تو روداد
اعجاز سے رو کر سرِ شہ نے کیا ارشاد
رن زدہ ہوں کشتۂ شمشیرِ جفا ہوں
نانا تھے وہ شاہ تھے جنھیں حضرت آدمؑ
بابا تھے وہ پکڑے تھے کلیجہ جو بصد غم
مائی تھیں وہ حوریں جنھیں ملتے تھے نیتیں
کیا نام ہیں ان لوگوں کا تجھ پہ کروں اظہار
بابا ہے مرا شیرِ خدا حیدرِ کرار
اور فاطمہؑ زہرا مری ماں کو کہ جلی ہے
میں وہ ہوں کہ لاشے پہ کوئی جس کے نہ رویا
میں وہ ہوں کہ امت کے لیے جان کو کھویا
صابر ہوں نہ شکوہ نہ گلا کرتا ہوں اب بھی
میں وہ ہوں بلایا جسے اعدا نے دغا سے
میں وہ ہوں کہ مجروح ہوا تیغِ جفا سے
پامال ہوا گھوڑوں سے تن جس کا وہ میں ہوں
ہے باپ مرا قاسمِ روزیٔ دو عالم
خیمہ مرا کعبے سے بزرگی میں نہ تھا کم
یہ ظلم نہ ہوگا کسی کافر کے بھی گھر پر
سیلی مری معصوم سکینہؑ کو لگائی
بہنیں مری دیتی تھیں محمدؐ کی دہائی
جن بی بیوں کا باپ شہنشاہِ عرب ہے
ویرانی نے جس دم یہ سنا قصۂ جاں کاہ
صدقے تری مظلومی کے اے عاشقِ اللہ
ہم گرد تو پھیروں کہ ولی ابن ولی ہو

خاصانِ خدا تیرے لیے کرتے ہیں فریاد
ہرگز نہ سنی ہوگی جو مجھ پر ہوئی بیداد
مظلوم ہوں سید ہوں غریب الغربا ہوں
موسیٰؑ تھے ادھر اور ادھر عیسیٰؑ مریم
وہ بھائی تھے جو میرے لیے کرتے تھے ماتم
اماں تھیں وہ جو چاک گریباں کیے تھیں
نانا کا مرے نام تو ہے احمدِ مختار
بھائی حسنؑ سبز قبا سیدِ ابرار
بے جرم چھری جس کے کلیجے پہ چلی ہے
میں وہ ہوں کہ تربت میں نہ آرام سے سویا
میں وہ ہوں کہ کھیتی کو مری خوں سے بویا
امت کی شفاعت کی دعا کرتا ہوں اب بھی
میں وہ ہوں کہ بچے مرے مارے گئے پیاسے
میں وہ ہوں کہ کاٹا مری گردن کو قفا سے
دامانِ بیاباں ہے کفن جس کا وہ میں ہوں
اور تیسرا فاقہ تھا کہ جب ذبح ہوئے ہم
آتش سے جلا کر اسے کیا خوش ہوئے ظالم
چادر بھی نہ چھوڑی مرے ناموس کے سر پر
بیمار پسر کو مرے زنجیر پنھائی
بیداریوں سے بھی انھیں کچھ شرم نہ آئی
سر ننگے پھرایا انھیں بلوے میں غضب ہے
چلایا کہ امت نے کیا ظلم یہ کیا آہ
قربان ترے اعجاز کے اے سرورِ ذی جاہ
معلوم ہوا اب کہ حسینؑ ابن علیؑ ہو

یاں آپ کے آنے سے رسولِ زمن آئے
روتے ہوئے گلزارِ جناں سے حسن آئے
زندہ نہ ادھر آپ کا آنا ہوا آفت
ہیں آپ جہنم کے بھی جنت کے بھی مختار
فرمایا کہ گر کلمۂ توحید کا اقرار
ایماں کا پس از مرگ ثمر تجھ کو ملے گا
اللہ ری تاثیر کلامِ شہِ ذی شاں
کیا فیض ہے مولا کا میں اس فیض کے قرباں
رتبہ بھی دیا عزت و توقیر بھی بخشی
دیرانی نے پھر رو کے کہا اے مرے مولا
سنولا گیا ہے دھوپ میں خورشید سا چہرہ
منظور یہ ہے دفن کروں جا کے نجف میں
شب گزری تو مہلت نہ ذرا دیں گے اعدا
اور کوچ کا نقارہ بجا دیں گے اعدا
کیا جانیے جائیں گے اب یاں سے کدھر کو
ارشاد کیا رو کے سرِ شہ نے یہ اس دم
ناموس مرے قید میں روتے ہیں بصد غم
عابد کو قلق ہوئے گا مر جائیں گی زینب
بیٹی مری اک تین برس کی ہے سکینہ
بانوئے حزیں پیٹے گی اپنا سر و سینہ
رستے میں بہت ہوں گے انھیں رنج سفر کے
کیا کیا نہ ابھی ہوں گے ستم شام میں ہم پر
سر ننگے کھڑے ہوئیں گے ناموس پیمبر
اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے گا ظالم

اور فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
ہے فخر کی جا گھر میں مرے پنجتن آئے
مر کر مرے گھر آپ کا آنا ہوا آفت
بخشا لیجئے گا مجھ کو بھی یا سیدِ ابرار
بخشا ہے اگر نار سے تو توڑیے زنار
ضامن ہوں کہ فردوس میں گھر تجھ کو ملے گا
پڑھ کر کلمہ کو وہ ہوا دل سے مسلماں
کافر کو پس از مرگ بھی دی دولتِ ایماں
اسلام بھی اور خلد کی جاگیر بھی بخشی
نیزے پہ تو ہوتی ہے بہت آپ کو ایذا
لے نکلے چھپا کر سرِ پُر نور کو بندا
سونپوں گہرِ پاک کو پاکیزہ صدف میں
پھر نیزے پہ اس سر کو چڑھا دیں گے اعدا
اونٹوں پہ اسیروں کو بٹھا دیں گے اعدا
دشمن کا وہ سر جانتے ہیں آپ کے سر کو
ہر چند بہت دیتے ہیں ایذا ہمیں اظلم
ہرگز بھی ان سے نہیں ہوئیں گے جدا ہم
ہیں ساتھ نہ جاؤں گا تو گھبرائیں گی زینب
جیتی وہ پہونچنے کی نہیں تا بہ مدینہ
میں چھوڑوں انھیں یہ نہیں الفت کا قرینہ
ساتھ ان کے ہیں اور ساتھ ہیں یہ سب سر کے
لے جائیں گے جب سامنے حاکم کے سراسر
مارے گا چھڑی ہونٹوں پہ بیری وہ ستمگر
دروازے پہ سر کو مرے لٹکائے گا ظالم

روتا تھا وہ سن سن کے سرِ شاہ کی تقریر
پھر نصب کیا نوکِ سناں پر سرِ شبیرؑ
خاموش انیسؔ اب ہو کہ دل ٹکڑے ہو غم سے

اتنے میں ہوئی صبح اٹھے ظالمِ بے پیر
رانڈوں کو لیے شام کی جانب ہوئے رہ گیر
دریا ہے رواں آنسوؤں کا دیدۂ نم سے

رباعی

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
آہوں کا دھواں منھ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ سیدانیوں نے قاسمؑ نے
دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رباعی

کس غم میں یہ لذت ہو جو اس غم میں ہے
سینے کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک
رونے کا مزہ ماہِ محرم میں ہے

رباعی

قاسمؑ کو عدو نے جب خوں میں لال کیا
شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
گھوڑوں کی سموں سے اس کو پامال کیا

دشتِ وغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے
ذروں میں روشنیٔ تجلیٔ طور ہے
اک آفتابِ رُخ کی ضیا دُور دُور ہے
کوسوں زمین عکس سے دریائے نور ہے
اللہ رے حُسن طبقۂ عنبر سرشت کا
میدانِ کربلا ہے نمونہ بہشت کا

حیراں زمیں کے نور سے ہے چرخِ لاجورد
ماند کھڑا ہے رخِ آفتاب زرد
ہے رُوکشِ فضائے ارم وادیٔ نبرد
اُٹھتا ہے خاک سے تتقِ نور جائے گرد
حیرت ہے حاملانِ فلک ان کو تکتے ہیں
ذرے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

ہے آبِ نہر صورتِ آئینہ جلوہ گر
تاباں ہے عکسِ چشمۂ خورشید ہر بھنور
لہریں بسانِ برق چمکتی ہیں سر بسر
پانی پہ مچھلیوں کی ٹھہرتی نہیں نظر
یہ آب و تاب ہے کہ گہر آب آب ہیں
دریا تو آسماں ہے تارے حباب ہیں

پرتو فگن ہوا جو رُخِ قبلۂ انام
مشہور ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
اور سنگریزے درِ نجف بن گئے تمام
صحرا کو مل گیا شرفِ وادیٔ السلام
کعبے سے اور نجف سے بھی عزت سوا ہوئی
خاک اس زمینِ پاک کی خاکِ شفا ہوئی

پھیلا جو نورِ مہرِ امامت دمِ زوال
ذروں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا محال
سارے نہال فیضِ قدم سے ہوئے نہال
اختر بنے جو پھول تو شاخیں بنیں ہلال
پتے تمام آئینۂ نور ہو گئے
صحرا کے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

مل افقاز ہے حسین کی شوکت زہے وقار
رخ سے عیاں ہو دبدبۂ شاہِ ذوالفقار
کیوں کر چھپے نہ ماہ ودو ہفتہ حجاب سے
یہ روئے روشن اور یہ گیسوئے مشک فام
ایسے میں یوں نظر نہیں آتا ہے مہِ تمام
زلفوں میں جلوہ گر نہیں چہرہ جناب کا
قرباں کمانِ ابروئے مولا پہ جانِ دل
چشمِ غزال دشت ختن چشم سے خجل
پتلی بہ بابِ قبلہ نما بے قرار ہے
رخسار ہیں ضیا میں قمر سے زیادہ تر
ریشِ مخضب اور یہ رخ شاہ بحر و بر
قرآن سے عیاں ہے بزرگی امام کی
کس منہ سے کیجئے لبِ جاں بخش کا بیاں
کیا درِّ آبدار ہیں اس درج میں نہاں
ذرے زمیں پہ عکس سے سارے چمک گئے
شمع حریم لم یزلی تھا گلوئے شاہ
اسے چرخ بے مدار یہ کیا ستم ہے آہ
جس پر رسول ہونٹوں کو ملتے ہوں پیار سے
منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
تھا جو ستون کہ رکنِ رسالت کا تکیہ گاہ
تھا جس حصیر پہ وہ دو عالم کا بادشاہ
اوج زمیں بہشت بریں سے دوچند تھا

گویا کھڑے ہیں جنگ کو محبوب کردگار
ہے نورِ حق جبینِ منور سے آشکار
چودہ طبق میں نور ہے اس آفتاب سے
یاں شام میں تو صبح ہو اور صبح میں ہو شام
قدرت خدا کی نور کا ظلمت میں ہو مقام
ہے نصف شب میں آج ظہور آفتاب کا
گر ماہِ نو کہیں تو ہے تشبیہ مبتذل
دیکھا جسے کرم سے خطائیں ہوئیں بحل
گریاں ہیں وہ یہ گردش لیل و نہار ہے
جن پر نظر سکی نہ کبھی شمس کی نظر
پیدا ہیں صاف معنیٔ والّیل و والقمر
کھائی قسم خدا نے اسی صبح و شام کی
چوسی جنھوں نے احمدِ مختار کی زباں
گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں
جس وقت یہ کھلے تو ستارے چمک گئے
تاریک شب میں جیسے ہویدا ہو نورِ ماہ
شمشیرِ شمر اور محمد کی بوسہ گاہ
کٹ جائے کربلا میں وہ خنجر کی دھار سے
یاد آگئی گریہ حدیثِ غم و الم
جلتے تھے ذکرِ حق میں لبِ پاک دم بدم
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے
کرسی بھی اس کی پشت کی تھی ڈھونڈھتی پناہ
حسرت سے عرش کرتا تھا اس فرش پر نگاہ
منبر کا فلک سے بھی پایہ بلند تھا

ن د منظور یاں تھی و رخ گوئے شام

اصحابِ خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
سر پہ ملک صفات مگس راں تھے وہ عرب
خادم بلال، قنبرِ گردوں اساس تھا
گیسو تھے وہ مفسرِ واللیل اذا سجیٰ
وہ ریشِ پاک اور رُخِ سرورِ انبیا
اوڑھے سیاہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا

پہلو میں بادشاہ کے تھا جلوہ گر وزیر
دونوں جہاں میں کوئی نہ دونوں کا تھا نظیر
ظاہر میں ایک نور کا دو جا ظہور تھا
مصروفِ وعظ و پند تھے سلطانِ مشرقین
نانا بغیر دونوں نواسوں کو تھا نہ چین
کہتے تھے دیکھیں کون قدم جلد اٹھاتا ہے

وہ گورے گورے چہروں پہ زلفیں ادھر ادھر
اختر سے وہ جھمکتے ہوئے کان میں گہر
ہیکل پہ نقش نامِ خدائے جلیل کے
مسجد میں آئے ہنستے ہوئے جب وہ گل بدن
تسلیم کو حسینؑ سے پہلے جھکے حسنؑ
بڑھ بڑھ گئے خم سلام کو چھوٹے بڑے ہوئے

بیٹوں کو تھا علیؑ کا اشارہ کہ بیٹھ جاؤ
پھیلا کے ہاتھ بولے محمدؐ کہ آؤ آؤ
بھائی حسنؑ جو آپ کی گودی میں آئیں گے
بولے حسنؑ کہ واہ ہمیں اور کریں پیار
بولے بچشمِ نم یہ حسینؑ فلک وقار
کب ہو، جو ہیں تو ہم ہیں ان کے پیارے ہیں

تاباں تھا بیچ میں وہ مہِ ہاشمی لقب
جبریل تہ کیے ہوئے تھے زانوئے ادب
نعلین اس کے پاس، عصا اس کے پاس تھا
رُخ سے عیاں تھے معنیٔ والشمس والضحیٰ
گویا دھرا تھا رحل پہ قرآں کھلا ہوا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

سردارِ دیں علیؑ ولی خلق کا امیر
احمدؐ تھے آفتاب تو حیدرؑ مہِ منیر
گر غور کیجیے تو وہی ایک نور تھا
جو گھر سے نکلے کھیلتے زہرا کے نورِ عین
بڑھ جاتے تھے حسنؑ کبھی آگے کبھی حسینؑ
نانا کے پاس پہلے بھلا کون جاتا ہے

کرتے گلوں میں نور بدن جن سے جلوہ گر
رشکِ ہلال طوق گلے غیرتِ قمر
تعویذ گردنوں میں پرِ جبرئیل کے
خوشبو سے صحنِ مسجدِ جامع بنا چمن
خوش ہو کے مسکرانے لگے سرورِ زمن
بیٹھے رہے رسولؐ، ملک اٹھ کھڑے ہوئے

لازم نہیں کہ وعظ میں نانا کو تم ستاؤ
شبیرؑ نے کہا ہمیں پہلے گلے لگاؤ
ہم تم سے نانا جان ابھی روٹھ جائیں گے
اقرار کر چکے ہیں شہنشاہِ نامدار
دیکھیں تو کون کاندھے پہ ہوتا ہے اب سوار
آگے نہ بڑھیے آپ کہ نانا ہمارے ہیں

بھائی سے تب کہا یہ حسنؑ نے باالتفات
نانا ہمارے کیا نہیں سلطانِ کائنات
غصہ نہ اتنا چاہیئے خوش خو کے واسطے
یہ سن کے منہ علیؑ کا لگے دیکھنے رسولؐ
میں چاہتا ہوں ایک کی خاطر نہ ہو ملول
ہووے نہ رنج میرے کسی نورِ عین کو
شبیرؑ سے پھر اشارہ کیا ہو کے بیقرار
پھر دونے دیکھ کر سوئے شبیرؑ نامدار
چھاتی سے ہم لگائیں گے جان اپنی جان کر
دوڑے یہ بات سن کے برادر وہ خوش سیر
بیٹھے حسینؑ ہنس کے ادھر اور حسنؑ ادھر
نانا کے ساتھ پیار میں دونوں کا ساتھ تھا
پھر پھر کے دیکھتے تھے شہنشاہِ مشرقین
بیٹھے جو زانوؤں پہ وہ زہراؑ کے نورِ عین
جھک جھک کے منہ رسولؐ زمن چومنے لگے
شبیرؑ چاہتے تھے کہ چومیں مرے بھی لب
نانا کے منہ کے پاس یہ لاتے تھے منہ کو جب
بھائی کو دیکھ کر جو حسنؑ مسکراتے تھے
اٹھے حسینؑ زانوئے احمدؐ سے خشمگیں
سرخ پسینہ جسم میں رعشہ جبیں پہ چیں
گھر میں اکیلے تیوری چڑھائے چلے گئے
بیت الشرف میں آئے جو شبیرؑ نامدار
دوڑیں یہ کہہ کے فاطمہ زہراؑ جگر فگار
تجھ کو رلا کے غم میں مجھے مبتلا کیا

بے وجہ ہم سے روٹھتے ہو اے نکو صفات
ہوتی ہے ناگوار تمہیں تو ذرا سی بات
مچلے تھے یہ بھیا بچۂ آہو کے واسطے
ہنس کر کہا یہ دونوں ہیں میرے چمن کے پھول
روئیں گے یہ تو گھر سے نکل آئیں گی بتول
تم لو حسنؑ کو گود میں، میں لوں حسینؑ کو
غصہ نہ دکھاؤ پہلے تمہیں کو کریں گے پیار
آ اے حسینؑ آ تری باتوں کے میں نثار
دیکھیں تو پہلے کون لپٹتا ہے آن کر
پاس آئے آفتابِ رسالت کے دو قمر
تھے پاؤں زانوؤں پہ تو تھے ہاتھ دوش پر
گردن میں ایک آپ کا ایک ان کا ہاتھ تھا
گہ جانبِ حسنؑ تو کبھی جانبِ حسینؑ
تھا تن کو لطف قلب کو راحت جگر کو چین
ان کا گلا تو ان کا دہن چومنے لگے
پر کچھ گلے کے بوسوں کا کھلتا نہ تھا سبب
جھک جھک کے چومتے تھے گلا سیدِ عرب
غیرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
غصے سے رنگ زرد اور آنکھوں پہ آستیں
پوچھا کدھر چلے تو یہ بولے کہیں نہیں
دیکھا نہ پھر کے سر کو جھکائے چلے گئے
کرتے کو منہ پہ رکھ کے بہت روئے زار زار
بیٹے حسینؑ کیا ہوا تو کیوں ہوا اشکبار
قربان ہو گئی تجھے کس نے خفا کیا

میرا کلیجہ پھٹتا ہے اے دلربا نہ رو
صدقے گئی نہ درد ہو کہیں اے مہ لقا نہ رو
میری طرف تو دیکھو کہ بیتاب ہوتی ہوں
تو منھ تو کھول اے مرے شبیر خوش خصال
مل مل کے پشت دست سے آنکھیں کرو نہ لال
گھر سے گئے تھے ساتھ جدا ہو کے آئے ہو
تم چپ رہو وہ گھر میں تو سمجھے پھر آئیں
ان سے نہ بولیو وہ تمھیں لاکھ گر منائیں
واری اگر حسن نے رلایا برا کیا
بولے حسین ہم تو ہیں اس بات پر خفا
تم آن جان منھ کو تو سونگھو مرے ذرا
بھائی کے لب سے اپنے لبوں کو ملاتے ہیں
منھ رکھ کے منھ پہ بولی یہ زہرا جگر فگار
چوما اگر گلا تو خفا ہو نہ میں نثار
یہ مشک میں مہک نہ گل یاسمن میں ہے
کہنے لگے حسین یہ ماں سے بچشم نم
کیا انھیں یہ لطف و عنایت ہے دمبدم
رو رو کے آج جان ہم اپنی گنوائیں گے
یہ بات سن کے ہو گیا زہرا کا رنگ فق
صدقے گئی کرو نہ کلیجے کو میرے شق
میرا لہو بہے گا جو آنسو بہاؤ گے
یہ کہہ کے اوڑھ لی سر پر نور پر ردا
در تک گئی جو گھر سے وہ دلبند مصطفیٰ
دیکھا نبی حسین کو گودی میں لاتے ہیں

زہرا ہزار جان سے تجھ پر فدا نہ رو
بس بس نہ رو حسین برائے خدا نہ رو
چادر سے منھ کو ڈھانپ کے رونے لگے حسن
تر ہو گئے ہیں آنسوؤں سے گورے گورے گال
سلجھاؤں آؤ الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
سمجھی ہیں کچھ حسن سے خفا ہو کے آئے ہو
گذری ہیں کھیل سے مرے بچے کو کیوں رلائیں
لو آؤ جانے دو تمھیں چھاتی سے ہم لگائیں
پوچھوں کی کیا نہیں مرے پیارے نے کیا کیا
نانا نے چومے بھائی کے ہونٹھ ادھر گلا
کچھ بو نہ ناگوار ہے میرے دہن میں کیا
اب ہم نہ جائیں گے کہیں نانا رلاتے ہیں
بوئے گلاب آتی ہے اے میرے گلعذار
تم کو زباں چوستے تھے محبوب کردگار
خوشبو اُسی دہن کی تمہارے دہن میں ہے
کیا جانو تم حسن سے ہیں چاہتے ہیں کم
معلوم ہو گیا انھیں پیارے نہیں ہیں ہم
پانی نہ اب پئیں گے نہ کھانے کو کھائیں گے
بولی پسر سے رو کے وہ بنت رسول حق
سمجھے ہے یہ کیا کہا مجھے ہوتا ہے اب قلق
کاہے کو ماں جئے گی جو کھانا نہ کھاؤ گے
مونھ سے بہن کے گود میں شبیر کو لیا
فضہ نے بڑھ کے بوذر و سلمان کو دی صدا
ہٹ جاؤ سب کہ فاطمہ مسجد میں آتی ہیں

اللہ رے آمد آمدِ زہرا کا بندوبست
احمد کے گرد و پیش سے اٹھے خدا پرست
آئیں تو شاد شاہِ رسولِ زمن ہوئے
تعظیم فاطمہ کو اٹھے سیدالبشر
خم تھے حسین دوش پہ ماں کی جھکا کے سر
ماں کہتی تھی نہ روؤ مگر چپ نہ ہوتے تھے
گھبرا کے پوچھنے لگے محبوب ذوالجلال
بولیں بتول آج قلق ہے مجھے کمال
آتے ہیں ہنستے روتے ہوئے گھر میں جاتے ہیں
اشکوں کو جو رتی ہوں میں یا شاہِ بحر و بر
رونے سے اس کے ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
حیدر سے پوچھیئے مرے حسرت کے حال کو
اشک اس کے جتنے ٹپکے ہیں یا شاہِ نیکخو
روئے ہیں بھوکے شب کو یہ میرے گلو بجھ
دیکھا نہ تھا یہ میں نے جو حال اس کا آج ہو
شفقت سے آج آپ نے چومے حسن کے لب
رہتے ہیں دونوں ایک ہی یا سید عرب
اس کو جو ہو خوشی تو دل اس کا بھی شاد ہو
آپ ان کے ناز اٹھاتے ہیں یا شاہِ بحر و بر
اکثر انھیں چڑھایا ہے حضرت نے دوش پر
روٹھے تھے یہ سو قدموں پہ سر دھرنے آئی ہیں
یہ کہہ کے پھر حسین سے بولیں بچشم تر
آئے حسین ہاتھ جوڑتے سے جوڑ کر
رو رو کے دیکھتے تھے علی و بتول کو

سا تو فلک تھے اوجِ شرف جن کے پست
انساں تو کیا ملک کو بھی تھی قدرِ نشست
گھر میں خدا کے ایک جگہ تھے حسین پڑے
دیکھا کہ چشمِ فاطمہ ہے آنسوؤں سے تر
تھا اک ہلال مہر کے پہلو میں جلوہ گر
آنکھیں تھیں بند ہچکیاں لے لے کے روتے تھے
روتا ہے کیوں حسین یہ کیا ہے تمہارا حال
رو دیا ہے یہ حسین کہ آنکھیں ہیں دونوں لال
شفقت بھی آپ ہی کرتے ہیں آپ ہی رلاتے ہیں
شفقت کی اس کے حال پہ ہر دم رہے نظر
مجھ فاقہ کش غریب کا پیارا ہے یہ پسر
کس کس دکھوں سے پالا ہے اس نونہال کو
اتنا ہی گھٹ گیا ہو مرے جسم کا لہو
تر ہو گیا ہے آنسوؤں سے چاند سا گلو
حضرت تو جانتے ہیں کہ نازک مزاج ہے
بوسہ لیا نہ ان کے لبوں کا یہ کیا سبب
میں سچ کہوں یہ سن کے مجھے بھی ہو عجب
چھوٹے سے چاہیے کہ محبت زیادہ ہو
پھر کس سے روٹھیں آپ سے روٹھیں نہ یہ اگر
گیسو دیے ہیں ننھے سے ہاتھوں میں شبیر
منہ کے نہ چومنے کا گلہ کرنے آئے ہیں
لو جا کے اب نبی کے قدم پر جھکا دو سر
بے اختیار رونے لگے سید البشر
نزدیک تھا قلق سے غش آئے رسول کو

تھی آنسوؤں سے ریش مبارک تمام نم
لگ کے ستوں سے لگ گئے ہو کے رسالت مآب خم
ہو سکتا تھا نہ ضبط شہ مشرقین سے
شبیرؑ رو کے کہتے تھے نانا نہ روئیے
ہلنے لگے گا عرش معلیٰ نہ روئیے
سو بار دن میں ہم تو منہ اشکوں سے دھوتے ہیں
گھبرا گئے علیؑ ولی شاہ بحر و بر
بیٹی نثار ہو گئی یا سید البشر
جلدی بتائیے کہ مجھے تاب اب نہیں
حضرت کو علم غیب ہے یا شاہ انس و جاں
کیا آئی آج وحی خداوند دو جہاں
نالوں سے کانپتی ہوں مصیبت جہان کی
بولے جگر کو تھام کے محبوبِ ذوالجلال
کس منہ سے میں کہوں کہ قلق ہے مجھے کمال
ماتم کی یہ خبر ابھی جبریل لائے تھے
الماس پی کے مرے گا یہ جان ترا حسنؑ
بھر جائے گی کلیجوں کے ٹکڑوں سے یہ لگن
سوئے بہشت جب یہ جہاں سے سدھاریں گے
زہراؑ مجھے کلام کی طاقت نہیں ہے اب
اک بن میں تین روز رہیں گے یہ تشنہ لب
نیزے پہ سر چڑھے گا ترے نور عین کا
روئے خبر یہ کہہ کے جو محبوب ذوالمنن
زہراؑ پکاری ہائے کٹے گا مرا حسینؑ
یہ کیسی آگ ہے کہ مری کوکھ جل گئی

فرطِ بکا سے خاک پہ جھکتے تھے دم بدم
ہر لحظہ اضطراب زیادہ تھا صبر کم
روتے تھے بار بار لپٹ کر حسینؑ سے
روئیں گے اب نہ ہم شہ والا نہ روئیے
پھٹتا ہے اب ہمارا کلیجہ نہ روئیے
حضرت ہمارے رونے پہ کس لیے کو روتے ہیں
کی عرض فاطمہؑ نے قدم پہ جھکا کے سر
کیا وجہ ہے جو آپ ہیں اس طرح نوحہ گر
رونا خدا کے دوست کا یہ بے سبب نہیں
آئندہ و گذشتہ کا سب حال ہے عیاں
ہونا ہے جو حسینؑ پہ مجھ سے کرو بیاں
کیوں بابا جان خیر تو ہے اس کی جان کی
تجھ سے سنا نہ جائے گا اے فاطمہؑ یہ حال
زہراؑ! شہید ہوئیں گے تیرے یہ دونوں لال
سارے ملک حسینؑ کے پرسے کو آئے تھے
یہ وجہ ہے کہ چومتا ہوں اس کا میں دہن
ہوگا نہ زردی ترے اس لال کا بدن
بدکیش تیر اس کے جنازے پہ ماریں گے
حلقِ حسینؑ چومنے کا کیا کہوں سبب
کٹ جائے گا گلا یہی خنجر سے ہے غضب
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے لاشہ حسینؑ کا
گھبرا کے منہ حسینؑ کا تکنے لگے حسنؑ
میں مر گئی دہائی ہے یا سرورِ زمن
ہے ہے چھری کلیجے پہ زہراؑ کے چل گئی

فریاد یا نبیؐ شہ ابرار الغیاث
اے بیکسوں کے وارث و سردار الغیاث
قدرت ہے سب طرح شہ مشرقین کو
کس جرم پر یہ لال مرے قتل ہوں گے آہ
کی عرض فاطمہ نے کہ اے عرش بارگاہ
تلواریں کیا کھینچ کھینچ کے ظالم جو آئیں گے
آساں ہے کیا جو قتل کریں گے ستم شعار
اعدا پہ کیا چلے گا نہ دست خدا کا وار
ٹکڑے جگر جو ہوئے گا مجھ دل دو نیم کا
زہراؑ سے رو کے کہنے لگے شاہ نیک خو
اس وقت قتل ہوں گے یہ دونوں ماہ رو
لاشے پہ مجتبیٰؑ کے تو شبیرؑ روئے گا
چلائی سر پٹک کے یہ زہراؑ کہ ہے ستم
ماتم کی صف بچھائے گا کون اے شہ امم
ہم میں سے ایسے وقت جو کوئی نہ ہوئے گا
بچے کی میرے تعزیہ داری کریگا کون
دریائے اشک چشم سے جاری کریگا کون
ہوگا کہاں نبیؐ کے نواسے کا فاتحہ
بولے نبیؐ کہ آپ کو زہراؑ نہ کر ہلاک
پیدا کریں گے قوم اک ایسی بروئے خاک
بزم عزا میں آئیں گے وہ دور دور سے
ہو گی انھیں سے مجلس ماتم کی زیب و زین
آنکھیں وہ دینگے رونے کو سمجھینگے فرض عین
سامان تعزیت کے کبھی کم نہ ہوئیں گے

اے مرسلان حق کے طلبگار الغیاث
اے جزو کل کے مالک و مختار الغیاث
حضرت سے یوں گی اپنے حسنؑ اور حسینؑ کو
رو کر کہا رسولؐ خدا نے کہ بے گناہ
بچوں کو میرے کیا نہ ملے گی کہیں پناہ
حضرت نہ کیا نواسوں کو اپنے بچائیں گے
کیا شیر حق کمر سے نہ کھینچیں گے ذوالفقار
بالوں کو کیا نہ کھولے گی زہراؑ جگر فگار
بابا نہ کیا ہلاؤں گی عرش عظیم کا
بیٹی مجھے ستائیں گے تربت میں کینہ جو
دنیا میں جب نہ ہوگا علیؑ اور نہ میں نہ تو
شبیرؑ جب مرے گا تو کوئی نہ ہوئے گا
پیٹے گا کون تن سے جو نکلے گا اس کا دم
پرسے کو کون آئے گا اس کی بچشم نم
ہے ہے مرے حسینؑ کو پھر کون روئے گا
منہ ڈھانپ ڈھانپ گریہ و زاری کریگا کون
امداد بعد مرگ ہماری کرے گا کون
تربت پہ کون دیوے گا پیارے کا فاتحہ
فرما چکا ہے مجھ سے یہ وعدہ خدائے پاک
جو رات دن رہیں گے اسی غم میں دردناک
تن خاک سے بنائیں گے دل ان کے نور سے
دیں گے انھیں وہ لب کہ رہے جب یا حسینؑ
ہاتھ ایسے غیر سینہ زنی ہو جنھیں نہ چین
وہ حشر تک حسینؑ کے ماتم میں روئیں گے

ہوگا عیاں فلک پہ محرم کا جب ہلال
کھولیں گی بیبیاں بھی سکینہ کے بال
لیں گے صلے میں خلد ترے نورِ عین سے
پایا شہید ہوگا جو تیرا یہ دل ربا
ہووے گی شاد روحِ شہیدانِ کربلا
محبوبِ کبریا کے نواسے کی نذر ہے
کہنے لگی نبی سے بتولِ فلک جناب
اے بادشاہِ کون و مکاں مالکِ الرقاب
کیجیے دعا کہ خالقِ اکبر مدد کرے
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کائنات
چاہو تو رد کرے یہ بلا ربِ پاک ذات
محبوبِ حق نثار ترے نورِ عین پر
اللہ رے صبرِ دخترِ محبوبِ کردگار
خوشنود ہو کے کہنے لگے شاہِ ذوالفقار
اس راہ میں نہ مال نہ دولت عزیز ہے
کہنے لگے حسین سے پھر شاہِ بحر و بر
نانا سے بوسے لے کے ہاتھوں کو جوڑ کر
وعدے کو ہم نہ بھولیں گے گو خورد سال ہیں
روتے ہیں آپ کس لئے یا سیدِ امم
تلواریں بھی چلیں تو نہیں ہارنے کے ہم
ہم راست گو ہیں بات پہ حرف آتے ہیں
بچپن میں جو زباں سے کہا تھا کیا وہ کام
گردن جھکا کے برچھیاں کھایا کئے امام
تیغیں علی کے لال کے شانے پہ چل گئیں

رختِ سیاہ پہنیں گے زہرا وہ خوش خصال
ہر گھر میں ہوگا شور کہ ہے ہے علی کا لال
آنسو عزیز وہ نذر کریں گے حسین سے
مومن سبیلیں رکھیں گے پانی کی جا بجا
بھر بھر کے آبِ سرد پکاریں گے برملا
پیاسے نہ جا پئو کہ یہ پیاسے کی نذر ہے
ہے ہے میں کیا کروں کہ مرا دل نہیں ہوتا
درگاہِ حق میں آپ کی ہے عرض مستجاب
اللہ یہ بلا مرے بچے کی رد کرے
روح الامیں نے مجھ سے تو یہ بھی کہی ہے بات
لیکن نہ ہووے گی مری امت کی پھر نجات
موقوف ہے یہ امر تو قتلِ حسین پر
امت کا نام سن کے جھکایا سر ایک بار
صدقے حسن حسین تصدق علی نثار
پیارے پسر ہیں ہیں امت عزیز ہے
بتلا مجھے کہ کیا تری مرضی ہے اے پسر
امت کے کام آئے تو حاضر یہ بھی ہے سر
جھوٹے نہیں ہیں مخبرِ صادق کے لال ہیں
راضی ہیں ہم یہ راہِ خدا میں ہوں جو ستم
امت پہ اپنے سر کو تصدق کریں گے ہم
کہتے ہیں جو زباں سے وہی کر دکھاتے ہیں
جب وقت رن میں ٹوٹ پڑی تشنہ تیغِ شام
خوں میں قبا رسول کی تر ہو گئی تمام
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

چھیری زنخ جو پشتِ مبارک تھم مصاف
تیغوں سے بے وطن سے زیادہ تھا بر خلاف
سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بو تراب سے
بدلی میں فوج کیں کی گھرا وہ مہ منیر
مارا ابو الحتوف لعین نے گلے پہ تیر
تیورا کے آپ سانس جو سینے میں اڑ گئی
نیزہ لگا جو پشتِ مبارک پہ آن کر
جب آگے سامنے سے لگا گرز گاؤ سر
سنبھلے جو سانس لے کے گھوڑے پہ جھوم کے
چلائیں سر کو پیٹ کے فضہ کوئی آئے
ہے کون میرے نازوں کے پالے کو جو بچائے
یارو نہیں کوئی جو سنبھالے حسینؑ کو
اے ارضِ کربلا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہرِ علقمہ! مرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے مرے نورِ عین کو
بڑھ کر سناں نے سناں کا کیا جو وار
گھوڑے سے اتارنے کو رسولِ فلک وقار
اسوار مثلِ تختِ سلیماں صبا پہ ہو
یہ تاجِ عرشِ خالقِ اکبر ہے اے زمیں
ابنِ شبیہ حضرتِ پیمبر ہے اے زمیں
نوک اور آوجِ عرشِ علا سے ہوا ملا
ناگہ زمین دامنِ زیں تک ہوئی بلند
حربوں سے چور چور تھا شہ کا جو بند بند
آمادہ قتلِ شاہ پہ آکر عدو ہوئے

تھے وہ ہزار زخم فقط سر سے تا بہ ناف
غل تھا کہ برج ہوتا ہے گھر فاطمہؑ کا صاف
لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے
تیغوں سے چور ہو گیا کونین کا امیر
سینے میں چھد گیا دلِ شاہِ فلک سریر
اتنے میں اور فرق پہ تلوار پڑ گئی
سر رکھ دیا حضور نے گھوڑے کے یال پر
دلدل کی پشت پر جھکے سلطانِ نامور
زہرا بلائیں لینے لگی شہ نے چوم کے
گھوڑے سے گرتا ہے مرا بچہ کوئی اٹھائے
سو لہر کی پیاس میں یہ رنج ہائے ہائے
اے ذو الجناح تو ہی بچالے حسینؑ کو
اے دشتِ نینوا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہرِ بے وفا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے ذو الفقار تجھ سے میں لوں گی حسینؑ کو
دامن پکڑ کے زیں کا جھکے شاہِ نامدار
دشتِ نبرد کو ہوا احکامِ کردگار
اے مقتلِ حسینؑ متعلق ہوا پہ ہو
زہرا کی مدد ہے جس کی وہ گوہر ہے اے زمیں
تعظیم کر یہ سبطِ پیمبر ہے اے زمیں
دامن میں لے کے تجھے یہ در بے بہا ملا
اترے زمیں پہ گھوڑے سے سلطانِ ارجمند
تھے زخم ریگِ گرم پہ آتش پہ جوں سپند
یا دِ خدا میں شاہِ امم قبلہ رو ہوئے

خنجر چلا کے سنگ پہ شمرِ لعیں بڑھا
تیوری چڑھا کے غصے سے اور خشمگیں بڑھا
مرفق تلک چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
سوئے بہن کے آہ سوئے شاہِ دیں بڑھا
آیا نہ سنگ دل کو ترس اس نحیف پر
رکھا شقی نے پاؤں کلامِ شریف پر

خنجر لعیں نے حلق پہ سید کے جب رکھا
خیمے سے نکلے پیٹتے ناموسِ مصطفیٰ
زینبؑ تھیں آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
چلائے یہ حسینؑ کہ زینبؑ ادھر نہ آ
شمرِ لعیں گلے پہ جو خنجر پھیرا دے گا
تم نرم دل ہو تم سے یہ دیکھا نہ جائے گا

سیدانیاں یہ سنتے ہی باہر نکل پڑیں
گریان و سینہ چاک کھلے سر نکل پڑیں
چلا کے گھر سے بانوئے مضطر نکل پڑیں
کلثومؑ اور زینبِؑ بے پر نکل پڑیں
غل تھا فلک نے دفترِ عصمت الٹ دیا
فضہ نے پردۂ درِ دولت الٹ دیا

آگے بڑھی سکینہ تو دیکھا یہ ماجرا
خنجر گلے پہ پھیرتا ہے شمرِ بے حیا
کہہ کر زمیں پہ گر پڑی وا مصیبتا
للہ کر پکاری قسم حیدر بہرِ مصطفیٰ
جلدی پدر کے ذبح میں اے اہلِ شر نہ کر
تو میرے بین کو دیکھ مجھے بے پدر نہ کر

للہ شمر سبطِ پیمبرؐ کو چھوڑ دے
سید کو بے گناہ کو مضطر کو چھوڑ دے
حاجی کو بے وطن کو مسافر کو چھوڑ دے
مجھ کو تو ذبح کر مرے سرور کو چھوڑ دے
لپٹوں گلے سے میں پدرِ ناتوان کے
سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اے شمر دیکھ زخم بدن شہ کے پھٹ نہ جائیں
پانی تو دے کہ پیاس ذرا شاہِ دیں بجھائیں
اک دم ٹھہر کہ خاک تو زخموں سے ہم چھڑائیں
للہ حکم دے کہ حرم شہ کے پاس جائیں
وہ ہم کو اور ہم انھیں اک بار دیکھ لیں
کہہ دے تو آکے آخری دیدار دیکھ لیں

زینبؑ نے پھر یہ شمرِ لعیں سے کیا خطاب
اے شمر دل جلے کے جگر کو نہ کر کباب
خنجر ذرا تو روک لے اے خانماں خراب
سر پیٹتے ہیں دیکھ رسولِ فلک جناب
بابا زمیں پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے ہیں
بھائی حسنؑ، حسینؑ کے اب گرد پھرتے ہیں

اے شمر میں بھی بھائی تک آؤں جو تو کہے
ماں جائے کو گلے سے لگاؤں جو تو کہے
زخموں سے سب یہ ریت چھڑاؤں جو تو کہے
حالِ دلِ ضعیف سناؤں جو تو کہے
میں ستم رسیدہ ہوں کہ دل جلی سوگوار ہوں
اے شمر تجھ سے اذن کی امیدوار ہوں

یہ سن کے بھی نہ شمر خدا سے ذرا ڈرا
خنجر سے بوسہ گاہ نبی کاٹنے لگا
حضرت نے آنکھیں کھول کے قاتل کو دیکھا
وقفہ کر ایک دم کا لعیں بہر کبریا
حسرت رہے دلوں میں نہ کچھ جانبین کے
خنجر گلے پہ پھیر لو تو پھر حسین کے
خواہاں نہیں کہ دے مجھے آب و طعام تو
ہے آرزو کہ قتل نہ کر ان کے روبرو
دنیا میں آج تک نہ ہوا ظلم یہ کبھو
خنجر گلے پہ چاہنے والے ہوں چار سو
جاؤں گا میں کہاں کہ غریب و نحیف ہوں
سر کاٹ تو شوق سے میں خود ضعیف ہوں
سنتا تھا کب کلام شہ دیں وہ بے حیا
خنجر گلوئے شاہ پہ بس پھیرنے لگا
حضرت نے جھک کے سجدۂ خالق ادا کیا
شریاں پہ جب پہنچ گیا وہ خنجر جفا
بنت علی بڑھی تھی یہ گھبرا کے گر پڑی
دیکھا گیا نہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑی
پھر آنکھیں کھول کے یہ کیا شاہ نے کلام
دیکھا نہ ایک نے بھی یہ حسرت کا ہے مقام
نانا کہاں ہیں دیکھ لیں احوال تشنہ کام
پھر سوئے چرخ دیکھ کے کہنے لگے امام
گو شمر نے نہ قتل میں وقفہ ذرا کیا
بندے نے تیرے وعدۂ طفلی ادا کیا
یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہ بحر و بر
سینے سے سر کو کاٹ کے اترا وہ بدگہر
فریاد کرتی رہ گئی زینب بچشم تر
چلائی یہ سکینہ کہ ہے ہے مرے پدر
بانو کی چشم نم میں اندھیرا سا چھا گیا
چادر گری جو سر سے بدن تھرتھرا گیا
یاں اہلبیت میں تو قیامت ہوئی بپا
ہے ہے حسین پیاسے کا لاشے پہ غل ہوا
واں شمر کر کے گیسوئے سلطان کربلا
لٹکائے سر حسین کا اس فوج میں گیا
چوب سناں سے کھینچ کے باندھا سر حسین
سب کو بلند کر کے دکھایا سر حسین
بولے انیس بزم میں ہو نالہ و فغاں
پوچھو ان کے دل سے جو ہیں سخن فہم نکتہ داں
حق ہے سنا نہیں کبھی اس حسن کا بیاں
گویا کہ یہ خلیق کی ہے سر بہ سر زباں

سچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا
اور جلوہ خطوطِ شعاعی عیاں ہوا
دامانِ شب میں لشکرِ انجم نہاں ہوا
مصروف ذکرِ حق شہِ کون و مکاں ہوا
واں طبلِ جنگ بجنے لگا رزم گاہ میں
تکبیریاں بلند تھیں ناموس شاہ میں

وہ صبحِ قتلِ شہ تھی عجب صبحِ ہولناک
زہراؑ کی بیٹیوں نے گریباں کیے تھے چاک
بے چین تھی لحد میں محمدؐ کی روحِ پاک
زہراؑ پکارتی تھی یہ سر پر اڑا کے خاک
ہوتا ہے گھر تباہ شہِ مشرقین کا
دنیا سے آج کوچ ہے میرے حسینؑ کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ امامِ فلک جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
کہتا تھا منہ پہ رکھ کے فلک دامنِ سحاب
سوئے گا آج خاک پہ فرزندِ بوترابؑ
قدسی تمام مضطرب و اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنجِ لحد بے قرار تھے

تھا نوحہ خواں چمن میں ہر اک مرغِ خوش نوا
ماتم میں تھا گلوں کا گریباں پھٹا ہوا
کہتی تھی سر پہ خاک اڑا کر یہی صبا
اب خاک میں ملے گا یہ گلزارِ فاطمہؑ
کچھ باغیوں کو ڈر نہیں زہراؑ کی آہ کا
لٹتا ہے آج باغ رسالت پناہ کا

بھرتی تھی آہِ سرد ہر اک باغ میں نسیم
غنچوں کے دل دھڑکتے تھے تھا روز خوف و بیم
کہتی تھی عندلیب کہ فریاد ہے کریم
آئی ریاضِ دیں پہ عجب آفتِ عظیم
پانی نہیں ملا ہے کسی گل عذار کو
لوٹے گی اب خزانِ ستم اس بہار کو

ہر ذی حیات پر تھا غم و یاس کا ہجوم
میدان کارزار میں تھی صف کشی کی دھوم
دریا کے بند و بست میں تھا ابنِ سعدِ شوم
تھا حکم قتلِ سبطِ پیمبرؐ علی العموم
منظور تھا یہی عمرِ بد خصال کو
پانی ملے نہ ساقیِ کوثر کے لال کو

پھر شمرِ بے حیا سے یہ بولا وہ نابکار
ہیں سوئے میمنہ تو جواں آٹھ نو ہزار
رہ قلبِ فوج میں کہ تو ہے آزمودہ کار
تیروں کی فوج شہ پہ رہے ہر طرف سے مار
زخمی کریں یہ سب تنِ اطہر حسینؑ کا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹیو تو سر حسینؑ کا

سُن کر سخن عمر کا یہ بولا وہ کمینہ جو
اس بات کی تو ہے مجھے مدت سے آرزو
تو دیکھیو آج کہ زینبؑ کے روبرو
کاٹوں گا تیغ سے شہِ تشنہ کا گلو
سُلاؤں گا لحد میں جنابِ بتولؑ کو
پیاسا کروں گا ذبح میں سبطِ رسولؐ کو

ہوتا تھا اس طرف تو یہ سامان جنگ کا
بیٹھے تھے جانماز پہ یاں شاہِ کربلا
اتنے میں آئی ہاتفِ غیبی کی یہ صدا
اب مستعد ہو جنگ پہ اے لشکرِ خدا
باندھو کمر یہ حکمِ خدائے جلیل ہے
ہنگام کارزار ہے وقتِ رحیل ہے

جب یہ صدا سنی شہِ عرش احتشام نے
تسبیح جانماز پہ رکھ دی امام نے
پوشاک پہنی سبطِ رسولِ انام نے
مرنے پہ باندھی چست کمر تشنہ کام نے
آراستہ زرہ کو تنِ پاک پر کیا
حیدرؑ کی ذوالفقار کو زیبِ کمر کیا

آنکھوں میں اشک بھر کے ہر اک بی بی نے کہا
لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفیٰ
یہ سن کے بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا
بیتابی میں گری سرِ کلثوم سے ردا
حالت تباہ ہو گئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینبؑ نے آہ کی

دے ٹیکا چوبِ خیمہ پہ فریاد کر کے سر
چلائی یا رسولِ خدا آج ہو کدھر
لٹتا ہے بے گناہ شہِ بے وطن کا گھر
زہراؑ کے یادگار کی لیتے نہیں خبر
مظلوم پر سپاہِ لعیں کی چڑھائی ہے
بھائی بہن سے چھٹتا ہے نانا دہائی ہے

حالت بہن کی دیکھی جو شبیرؑ نے تباہ
زینبؑ سے رو کے کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
اماں کی بیکسی پہ کرو اے بہن نگاہ
ہو امتِ رسولؐ کی تم بھی تو خیر خواہ
بخشیں گناہ گاروں کی حاجت روا کرو
امت پہ نانا جان کی مجھ کو فدا کرو

لو گلے سے آج گلا ہم کٹائیں گے
تم پاؤ گی نہ ہم کو نہ ہم تم کو پائیں گے
سب ساتھ ہیں پسر کا نہ بھائی کا داغ ہو
تب بنت فاطمہؑ نے یہ سر پیٹ کر کہا
تھے جس گلے کو چومتے دن رات مصطفیٰ
اعدا اس تنِ دینِ نبی کو گرائیں گے
شہ نے کہا بہن یہی مرضی خدا
امرِ خدا میں بندے کا ہے اختیار کیا
ہر شخص یاں مسافر پا در رکاب ہے
ہر ذی حیات کے لئے ہے تلخی اجل
انساں نہ اپنی مرگ سے غافل ہو ایک پل
آج اس کی راہ میں نہ گر سر کٹاؤں گا
جینا جہاں میں اشرفِ آدم تو تھے نبیؐ
رحلت جہاں سے فاطمہؑ نے صغر سنی میں کی
سارے بزرگ تابعِ امرِ خدا رہے
جس طرح دل پہ تم نے اٹھائے ہیں داغ چار
زینبؑ نے تب کہا سر و سینہ پہ ہاتھ مار
گھر فاطمہؑ کا سامنے آنکھوں کے خاک ہو
بعد از نبیؐ و فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ
رخصت کا آپ مجھ سے جو فرماتے ہیں سخن
نانا نہیں، علیؑ نہیں، ماں دل جلی نہیں
جب آپ بھی نہ ہوئیں گے اے شاہ بحر و بر
اس وقت وارثی کرے گا کون آن کر
سر پر تمہارے خالقِ ارض و سما تو ہے

اب جیتے قتل گاہ سے پھر کر نہ آئیں گے
گردن کٹا کے نانا کی خدمت میں جائیں گے
زینبؑ! اگر تمہاری جدائی کا داغ ہو
بھیا بہن نثار ہو فرماتے ہو یہ کیا
خنجر سے ہو غضب اسے کاٹیں گے اشقیا
زہرا کے کیا کلیجے پہ خنجر پھرائیں گے
آگے تمہارے آج کٹے گا مرا گلا
دنیا میں اے بہن کوئی جیتا نہیں سدا
بحرِ جہاں میں زیست کا عالم حباب ہے
دنیا سے کوئی آج اٹھا اور کوئی کل
لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
تو رتبۂ عظیم شہادت نہ پاؤں گا
اللہ نے انھیں بھی نہ دی عمر سرمدی
کس ظلم سے شہید ہوئے مرتضیٰ علیؑ
نے میں رہوں گا نے حسنؑ مجتبیٰ رہے
یہ پانچواں بھی داغ سہو بہرِ کردگار
مر جائیں پنجتن نہ مروں میں جگر فگار
سب ہوں ہلاک اور نہ زینبؑ ہلاک ہو
حضرت کے سایہ میں ہے رہی آج تک بہن
وارث بہن کا کون ہے اے سرورِ زمن
اب آپ کے سوا تو بہن کا کوئی نہیں
اعدا پھرائیں گے مجھے بلوے میں ننگے سر
فرمایا شہ نے رو کے بہن دھیان ہو کدھر
بھائی اگر نہیں تو نہ ہووے خدا تو ہے

کچھ بن پڑا نہ زینبِ بیکس کو اس گھڑی
اس شور و غل میں آئی صدا یہ رسولؐ کی
بیٹوں کا کر خیال نہ بھائی کا نام لے
فرزندِ فاطمہؑ ہے مرا پارۂ جگر
ماتم میں اس کے نکلا ہوں جنت سے نوحہ گر
داغِ حسینؑ اپنے جگر پر اٹھاؤں گا
حضرتؑ گلے سے روکے زینبؑ کے لپٹ گئے تب کہا
خیمے سے نکلے روتے ہوئے شاہِ کربلا
تیار دیکھ کر حشر گرد ان جناب کو
جس دم سوارِ دوشِ پیمبرؐ ہوا سوار
فوجِ ملائکہ میں یہ اس دم ہوئی پکار
دیکھو سواری بادشہِ مشرقین کی
کیا شوکتِ سواریِ سرورِ دو جہاں
غرقِ سلاح گھوڑوں پہ بیٹھے ہاشمی جواں
سوکھی ہوئی زبانوں پہ ذکرِ اللہ تھا
تھی اک طرف تو کثرتِ ارواحِ انبیا
دامن تلک پھٹا تھا گریبانِ مرتضیٰ
کیا شانِ لشکرِ حشرِ والاصفات تھی
اللہ ری شان واہ رے لشکر زہے حشم
کیا ان کے میں ثباتِ قدم کو کروں رقم
پروانۂ سراجِ نبیؐ وہ سعید تھے
وہ فوج تھی کہ تختۂ گلزار تھا کھلا
پیشِ نگاہ باغِ شہادت کی تھی فضا
اس دن اجل گلوں سے جوان سب کے ہار تھی

غش آ گیا زمیں پہ گری کہہ کے یا علیؑ
اب صبر کر حسینؑ کو اے میری لاڈلی
بیڑے کو عاصیوں کے تباہی سے تھام لے
میں نے اسی نواسے پہ صدقے کیا پسر
زینبؑ عزیز رکھتا ہوں اس کو بھی مگر
دوزخ سے عاصیوں کو مگر بخشواؤں گا
کیا صدمہ عابدِ دیں نے سہا داغ آپ کا
جھک کر کو جھک گئے تھا باندھ کر پڑا
روح الامیں نے آن کے تھاما رکاب کو
آگے بڑھا پرے سے علمدارِ باوقار
کس شان سے چلا ہے محمدؐ کا یادگار
ہے آج آخری یہ زیارت حسینؑ کی
آگے علم تھا لشکرِ اسلام کا نشاں
سر پر علائے نورِ خدا چہروں سے عیاں
ایک ایک ملکِ صبر و قناعت کا شاہ تھا
اور ایک سمت فوجِ ملائک کا تھا پرا
گھوڑوں کے آگے آگے تھے سر ننگے مصطفیٰ
روحِ جنابِ فاطمہؑ بھی ساتھ ساتھ تھی
شاق ان دلیروں کا تھا کوہِ زرد ادم
سر کٹ گئے مگر نہ ہٹے گھاٹ سے قدم
زاہد تھے، متقی تھے، جری تھے، شہید تھے
تھا غیرتِ بہشت وہ صحرائے کربلا
خنداں برنگِ گل تھے جوانانِ مہ لقا
باغِ جنابِ فاطمہؑ پہ کیا بہار تھی

سائے میں تھے علم کے شجاعانِ ارجمند
مانندِ برق کوندتے تھے زیرِ راں سمند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
پہنچے جو اس شکوہ سے رن میں شہِ امم
کھولا جناب حضرت عباسؑ نے علم
اک غل ہوا کہ مثلِ علیؑ کیا جوان ہے
سب جانتے ہیں خوگرِ تختِ دلِ حسنؑ
جنگ آزما نہنگِ وغا شیرِ صف شکن
حسنِ حسنؑ کی چہرے پہ کیا خوب شان تھی
کیا اکبرِ جری کے کہوں رخ کی آب و تاب
وہ دل میں شوقِ جنگ کا وہ عالمِ شباب
ہر ایک کو گماں تھا تجلّیِ طور کا
حضرت کے پاس زینبؑ کے تھے پسر
آنکھیں تو نرگسی تھیں پہ تھی شیر کی نظر
ہیں چھوٹے چھوٹے سن پہ قیامت دلیر ہیں
کہتے تھے پیار کرکے انھیں شاہِ کربلا
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے وہ دونوں مہ لقا
حضرت پہ اپنی جانیں فدا کرکے جائیں گے
یہ ذکر تھا کہ رن میں بجے طبلہائے جنگ
جوشِ غضب سے سرخ ہوئے غازیوں کے رنگ
سبقت مری طرف سے نہ زنہار کیجیو
میں نے یہ اپنے باپ سے بارہا سنا
میں نائبِ رسولؐ ہوں اور حجتِ خدا
گو میرے دشمنوں کو نہیں کچھ تمیز ہے

روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
ہر دم نقیبِ فوج کی تھی یہ صدا بلند
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو
فتح و ظفر نے چوم لیے آن کر قدم
یہ رعب تھا کہ کانپ گیا لشکرِ ستم
یہ مرتضیٰؑ علیِ ولی کا نشان ہے
عمامہ سر پہ خلعتِ شاہانہ زیبِ تن
ناشاد و نامراد اسیرِ غم و محن
قالب تھا رزم گہ میں دلہن پاس جان تھی
ذرہ تھا جس کے حسن سے پرتوِ آفتاب
گویا کھڑے تھے رن میں رسولِ فلک جناب
جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا
دونوں صغیر برجِ شرافت کے تھے قمر
انصارِ شاہ کہتے تھے منہ ان کے دیکھ کر
کیونکر نہ ہوں کہ شیرِ الٰہی کے شیر ہیں
مادر کو جاکے خیمے میں دیکھ آؤ پھر ذرا
کرتے تھے عرض آپ سے کس طرح ہوں جدا
اب جائیں گے جو گھر میں تو ہم مر کے جائیں گے
چِلّوں میں جوڑنے لگے اہلِ ستم خدنگ
شہ نے کہا ابھی ہے مناسب نہیں درنگ
جب اُن کے وار ہولیں تو تم وار کیجیو
دشمن سے حرب میں نہیں کرتے ہیں ابتدا
میں اپنا ہاتھ اٹھاؤں یہ کب ہے مجھے روا
لیکن مجھے تو نانا کی امت عزیز ہے

یہ کہہ کے اپنی فوج سے آگے بڑھے امام
حیراں کو کیوں ستاتے ہو اے ساکنانِ شام
سید ہوں بے گناہ ہوں تشنہ جگر ہوں میں
مجھ کو ستاؤ گے تو نبی کو ستاؤ گے
زہرا کا باغ لوٹ کے کچھ پھل نہ پاؤ گے
دو گے جواب حشر کے دن کیا بتول کو

اے منصفو خیال کرو تم یہ کیا ہے قہر
اس بات سے ہر ایک ہے واقف میانِ دہر
سو تین دن سے گھر میں مرے قحطِ آب ہے
اس کے سوا کسی کا کوئی ہو جو میہماں
لکھ لکھ کے تم نے نامے بلایا مجھے یہاں
بیکس مسافروں پہ سبھی رحم کھاتے ہیں

مجھ کو نہ رنج دو کہ غریب الوطن ہوں میں
ہر چند مبتلائے بلا و محن ہوں میں
کھینچوں اگر تیغ تو تم سب ہلاک ہو
اس وعظ و پند نے نہ کیا کچھ انھیں اثر
حجت تمام کر کے پھرے شاہِ بحر و بر
آنسو بھر آئے آنکھ میں بیتاب ہو گیا

کہتا تھا اپنے دل میں یہ کانپ کانپ کر
افسوس شہ کو گھیر کے کیوں لایا میں ادھر
بے جرم آہ کس سے میں اب بخشواؤں گا
گھبرا کے حر سے بھائی نے اس وقت یہ کہا
تو ہے اکیلا معرکوں میں بارہا لڑا
تو رستمِ عراق ہے مردِ نبرد ہے

اعدا سے اس طرح بہ فصاحت کیے کلام
واللہ جنگ آلِ محمد سے ہے حرام
تم جس کے کلمہ گو ہو اسی کا پسر ہوں میں
وہ زخمی ہوں گے گر مجھے نیزے لگاؤ گے
واللہ سیدھے قعرِ جہنم میں جاؤ گے
کیوں بے چراغ کرتے ہو قبرِ رسول کو

پی جاتے ہیں چرند و پرند آ کے آبِ نہر
روئے زمیں کا آب ہے سب میری ماں کا مہر
بچوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے
اس سے دریغ کرتے ہیں دنیا میں آب و ناں
کھانا تو کیا پانی سے بھی تر نہ کی زباں
جو اپنے گھر میں آئے اسے یوں ستاتے ہیں؟

ہادی ہوں پیشوا ہوں امامِ زمن ہوں میں
شیرِ خدا کا لال ہوں صف شکن ہوں میں
گر بد دعا کروں تو ابھی جل کے خاک ہو
دینے لگے جواب درشتانہ اہلِ شر
اپنے پرے میں کانپ گیا حرِ نامور
حضرت کی بیکسی پہ جگر آب ہو گیا

بے جرم قتل کرتے ہیں سید کو اہلِ شر
ہے میرے سر پہ خونِ شہنشاہِ بحر و بر
کیوں کر نبی میں میں منھ دکھاؤں گا
سنتا ہوں تیرے دل کے دھڑکنے کی میں صدا
تھرا رہا ہے خوف سے یہ ماجرا ہے کیا
یہ بے حواس ہے کہ ترا رنگ زرد ہے

بھائی سے تب یہ کہنے لگا حُرِّ ارجمند
ہے طالبِ بہشت رہینِ جانِ مستمند
صدمہ یہ ہے کہ نرغے میں ہو رہنما مرا
اس دم عجب طرح کا مجھے اضطرار ہے
شہ عیال دار غریب الدیار ہے
رتبے میں یہ بھی حیدرِ صفدر سے کم نہیں
منصف ہو تو شہید کروں تشنہ کام کو
بے سر کروں حسینؑ علیہ السلام کو
حربے میں کس طرح سے کروں جسمِ پاک پر
یہ وہ ہے دوش پہ جسے احمدؐ چڑھاتے تھے
میوے اسی کے واسطے جنت سے آتے تھے
عزت اسی کے فیض سے فطرس نے پائی ہے
بھائی نے حُر سے رو کے کہا تب کہ مرحبا
بیکس کا ساتھ دیجیے کہ نام اس میں ہو بڑا
وہ بات ہو کہ خلد میں رہنے کو جا ملے
حُر نے کہا کہ میں تو نہایت ہوں شرمسار
تلوار اپنی کھینچ کے تو سر مرا اتار
کچھ دغدغہ نہ کر کہ مجھے اس میں چین ہے
کہنیو کہ ہاتھ جوڑ کے تھا حُر نے یہ کہا
اب اس کو بخش دیجیے جو کچھ ہوئی خطا
راضی حضور ہو گئے تو میں رستگار ہوں
اور اک وصیت اور کو سن لے مرا سخن
پاؤں میں میرے بہرِ خدا باندھ کر رسن
مر کر کروں گا عذر میں اپنے گناہ کے

تھرّا رہا ہے خوفِ الٰہی سے بند بند
بیمِ عذابِ نار سے ہے روح پر گزند
محسن مرا امام مرا پیشوا مرا
لڑنا ہے جس سے وہ شہِ عالی وقار ہے
جانِ نبیؐ ہے فاطمہؑ کا یادگار ہے
قتلِ حسینؑ قتلِ پیمبرؐ سے کم نہیں
نیزے لگاؤں جا کے میں اپنے امام کو
منہ کس طرح دکھاؤں گا خیر الانام کو
کیوں کر گراؤں عرش کے تارے کو خاک پر
جبرئیل اس کے جھولے کی ڈوری ہلاتے تھے
آنکھوں سے اس کے پاؤں ملائک لگاتے تھے
ہرنی اسی کے صدقے سے بچے کو لائی ہے
قدموں پہ ابنِ فاطمہؑ کے ہوں گے ہم فدا
شہ کی طرف چلو کہ مددگار ہے خدا
اس سے ملیں کہ ملنے میں جس کے خدا ملے
آنکھیں مری حسینؑ سے مطلق نہ ہوں گی چار
اور لے کے جا حضورِ شہنشاہِ نامدار
قدموں پہ ڈال دے کہ یہ نذرِ حسینؑ ہے
مولا کے پاس میں نہ خجالت سے آ سکا
اور میری مغفرت کے لیے کیجیے دعا
مجرم تو ہوں پہ عفو کا امیدوار ہوں
ہرگز نہ میری لاش کو تو دیجیو کفن
لے جانا کھینچ کر طرفِ سیدِ زمن
تو ہاتھ باندھ دیجیو مجھ روسیاہ کے

قسمت نے جیتے جی تو نہ ہونے دیا نثار
قدموں پہ ذوالجناح کے رکھ کر یہ جسم زار
نکلی نہیں ہے نامۂ اعمالِ زشت کیں
سمجھیں گے سب یہ شخص طرفدار شاہ ہے
بھائی کریم سبطِ رسالت پناہ ہے
آنسو نکل پڑیں گے سشہِ تشنہ کام کے
ناگاہ آئی عالمِ بالا سے یہ صدا
تجھ کو تو مل چکا ہے شہادت کا مرتبا
تو جلد جا کہ سبطِ نبیؐ بے قرار ہے
اے عاشقِ حسینؑ نہ کر پاس کے کفن
تیرے کفن کا ریں والدۂ پنجتنؑ
آراستہ ہو گلشنِ رحمت ترے لیے
شانہ کیے ہیں پر کا ترے سر پہ جبرئیل
جنت میں آج ہے یہ ترا رتبۂ جلیل
تیری رکاب میں شہِ دلدل سوار ہے
آئی صدائے حضرتِ زہرا یہ ایک بار
خیبر شکن پکارے کہ اے حرِ نامدار
میں اپنے ساتھ تجھے لے کے جاؤں گا
حر نے کہا یہ دیکھ کے صورت کو بھائی کی
حاجت روائے خلق نے حاجت روائی کی
توفیق دیکھ ساقیِ کوثر کی ذات کا
کہہ کر سخن یہ چیخ کر کیا نعرۂ امام
سر کو چلے جھکائے ہوئے جا کے تیغ نیام
ہمراہ سے کے بیٹے کو اور اپنے بھائی کو
حضرت پہ صدقے کر ذری لاشِ بات بار
کہیو کہ ہے حضور میں حاضر گناہ گار
دوزخ میں چاہو ڈال دو چاہے بہشت میں
سر اپنا کاٹ ڈالا ہو اور عذر خواہ ہو
واں بغض کو ہے دخل نہ کینے کو راہ ہو
وہ جرم بخش دیں گے اپنے غلام کے
اے میہمان اپنا تو حت کا بیڑ گلا
باب بہشت صبح سے تیرے لیے ہو وا
جنت میں مصطفٰےؐ کو ترا انتظار ہے
اپنی ردا کا دیں گی تجھے فاطمہؑ کفن
آئے ہیں تیرے لینے کو یاں خلد سے حسنؑ
لاتی ہیں حوریں خلعتِ جنت ترے لیے
جعفر ادھر ہیں اور ادھر مسلم و عقیل
حاضر ہیں جامِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
روحِ جنابِ فاطمہؑ تجھ پر نثار ہے
میں صدقے تیرے اے مرے بچے کے جاں نثار
تو کس لیے حسینؑ سے ہو اتنا شرمسار
تیری خطا حسینؑ سے میں بخشوا دوں گا
شکرِ خدا کہ بخت نے میرے رسائی کی
مولا نے آن کر مری مشکل کشائی کی
کیا خوب مل گیا ہے وسیلہ نجات کا
فرزند ایک ساتھ تھا اک بھائی اک غلام
الفت سے بے قرار ہوئے یاں شہِ انام
وہ پیشوائے خلق چلا پیشوائی کو

مابینِ راہ پہونچا جو نہی حُرِ خوش صفات
رو مال سے تو اپنے سرے باندھ دونوں ہات

دیکھو تو کیا رحیم یہ سبطِ رسُول ہے
پہونچے قریب جب کہ شہنشاہِ باکرم

حُر نے کہا یہ قدموں پہ گر کر بچشمِ نم
کیجئے کرم غلام پہ حیدر کے واسطے

توبہ ہوئی قبول تو مژدہ سنائیے
سر کاٹ لیجئے آگ میں مجھ کو جلائیے

یاں ہو قصاص اسے مرے سرور تو خوب ہے
اشدرے رحم رونے لگے شاہِ کربلا

قدموں سے سر اُٹھا کے گلے سے لگا لیا
دنیا میں تو نے دولتِ عقبیٰ حصول کی

تقصیر تو نے ایسی بھلا میری کی ہو کیا
نادم ہوں جو منے ماں کا تری نام ہو لیا

کی عرض حُر نے ذکر یہ کیا یا امام ہے
شہ نے کہا کہ تو مجھے بھائی سے ہے سوا

واللہ تیری پشت پہ ہے دستِ مصطفیٰ
کوثر کا جام ساقیٔ کوثر سے پائے گا

اونچے تو تھا یہ اب ترا اعلیٰ مقام ہے
آزاد ہو چکا ہے کہ حُر تیرا نام ہے

واللہ تو محب ہے محمد کی آل کا
تب حُر نے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا

آتی تھی آسمان سے صدا یہ کہ مرحبا
کیا جانیے وہ کون بزرگ اے امام تھے

ہو کر پیادہ بھائی سے اپنے کہی یہ بات
تشریف آپ لاتے ہیں یاں شاہِ کائنات

اب اپنی سمت رحمتِ حق کا نزول ہے
تسلیم کے لئے ہوئے چاروں سوار خم

روحی فداک اے پسرِ سیدِ امم
تقصیر بخش دیجئے پیمبر کے واسطے

تعزیر کا عمل ہے تو دُرّے لگائیے
مولا عذابِ نار سے مجھ کو بچائیے

دنیا سے پاک ہو کے اٹھوں گر تو خوب ہے
عقدہ کشا نے ہاتھ کئے دونوں اس کے وا

جیکر پہ ہاتھ پھیر کے شفقت سے یہ کہا
بھائی، کریم نے تری توبہ قبول کی

روکا جو تھا مجھے تو کچھ ایسی نہیں خطا
تو نے ادب سے صبر کیا اور نہ کچھ کہا

وہ آپ کی کنیز ہے خادم غلام ہے
جو تیرا مرتبہ ہے اسے میں ہوں جانتا

تیری بلائیں لیتی ہیں رو رو کے فاطمہؑ
تو پہلے مجھ سے گلشنِ جنت میں جائے گا

اب تو ہے اور گلشنِ دار السلام ہے
دوزخ کی آگ دوست پہ میرے حرام ہے

حوروں کو اشتیاق ہے تیرے جمال کا
واں سے غلام آپ کی جانب تھا جب چلا

اور تھا کسی نے مژدۂ جنت مجھے دیا
شہ نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے

حر کو عجب سرور ہوا سن کے یہ کلام
بتلائے سب عزیز رفیقوں کے اپنے نام
انصارِ شاہ کا تھا ہجوم اس جوان پر
قدموں پہ گر کے شاہ کے بولا وہ نیک نام
حضرت پہ پہلے سب سے فدا ہوگا یہ غلام
قصدِ نبرد گاہ ابھی اے جواں نہ کر
بھائی ابھی تو آیا ہے جلدی ہے ایسی کیا
شرمندہ تیرے منہ سے ہوں اے مرد باوفا
تجھ پہ ہر ایک پیاس کے مارے نڈھال ہے
حر نے کہا کہ اے مرے مولا ترے نثار
میداں میں زخم کھانے کا ہوں میں امیدوار
صدقے میں آپ کے مجھے عزت نصیب ہو
مہماں کے اس کلام پہ حضرت نے رو دیا
حر کو اٹھا کے بولا یہ وہ منبعِ سخا
کاندھے پہ اس کو ڈال لے ہر چند کیا ہے یہ
تسلیم کر کے کہنے لگا حر ارجمند
کونین میں غلام کی عزت ہوئی دو چند
ملبوس خاص اپنا دیا ہے حضور نے
فرمایا شہ نے قصد ہے مرنے ہی کا اگر
ماں باپ کا ہی نام جو دنیا میں ہے پسر
ہے مجھ کو رنج اس کی جوانی کے واسطے
میداں میں آج قتل ہوا گر یہ نونہال
داغِ پسر کسی کو دکھائے نہ ذوالجلال
بیٹا بھی قتل ہو گیا وارث بھی چھٹ گیا

سے آئے سنا تھا فوج میں اپنی اے امام
حر سے ہوئے بشوق بغل گیر تشنہ کام
احسنت و مرحبا تھا ہر اک کی زبان پر
میں نے ہی پہلے آپ کو روکا تھا یا امام
کہنے لگا یہ رو کے وہ مولائے خاص و عام
شرمندہ تو حسین کو اے میہماں نہ کر
پہلے مرے رفیقوں کو ہو لینے دے فدا
کچھ تیری میہمانی کا ساماں نہ ہو سکا
فاقے سے تین دن کے محمد کی آل ہے
اس کمتریں غلام سے ہیں آپ شرمسار
اس پیاس میں ہے خواہش شمشیر آبدار
دعوت یہی ہے بس کہ شہادت نصیب ہو
اس کو اتار دوش پہ ڈالے تھے جو عبا
دعوت نہ کر سکا تجھے خلعت نہ دے سکا
اے حر مگر تبرک آلِ عبا ہے یہ
اس وقت عرش سے ہے مرا مرتبہ بلند
فیاضِ خلق نے کیا خادم کو بہرہ مند
ذرے کو آفتاب کیا ہے حضور نے
بیٹے کو اپنے سوئے وغا تو روانہ کر
برباد کر نہ میرے لئے اپنا سارا گھر
ہو اک پسر تو فاتحہ خوانی کے واسطے
مادر کو اس کی ہوئے گا رنج و قلق کمال
سر اپنا پیٹ کر یہ کہے گی وہ خستہ حال
زہرا کے لال کے لئے گھر میرا لٹ گیا

رو کر کہا یہ حر نے کہ اے شاہِ بحر و بر
ماں اس کی شہر بانو ہے کیا ہے زیادہ تر
برچھی کی نوک سینۂ اکبر کے پار ہو
شہ نے کہا کہ ہے یہی مرضی تو لے سدھار
کوڑا کیا سمند کو غازی نے ایک بار
یہ رعب تھا حسینؑ کے اس میہمان کا
چہرے پہ حسنِ دینِ نبیؐ کا تھا یہ ظہور
رکھے تھا خود فرقِ ہمایوں پہ ذی شعور
یوں جلوہ گر زرہ میں تنِ سرخ فام تھا
لٹکا ہوا تھا شانے پہ وہ حلقۂ کمال
مختارِ باب فتح تھی تیغ اس کی بیگماں
جوہر سے اس کے جوہرِ تابندہ ماند تھے
دریائے آہنی میں تھا وہ شہسوار غرق
راکب گر اس کو غرب ہے وہ رخشِ شرق
گردوں پہ واں نہ برق کی چشمک تمام ہو
اس شان اور شکوہ سے آیا جو حر نظر
نیزے کو تول کر وہ ہوا حر پہ حملہ ور
نیزے پہ بس اٹھا کے اسے صدرِ زین سے
صفوان کے تین بھائی تھے اور نامدار
بھائی نے حر کے ان کو بھی بھیجا سوئے نار
جب تیسرے کو دوڑ کے مارا غلام نے
فوجِ عدو میں پھر تو در آئے وہ چار شیر
چو رنگ کرتے تھے وہ جوانوں کو گھیر گھیر
سر پر پڑی تو صاف گئی تا کشِ زین پر

اکبر سے بھی عزیز ہے کیا یہ مرا پسر
زہرا کا گھر مٹے نہ ہو برباد میرا گھر
شہزادے پہ غلام نہ رن میں نثار ہو
تسلیم کر کے گھوڑے پہ تب حر ہوا سوار
چاروں جواں چلے سوئے میدانِ کارزار
فوجِ ستم سے شور اٹھا الاماں کا
پھیلا ہوا چار طرف فوجِ کیں میں نور
ہر اک کو تھا گماں کہ تجلیِ شمعِ طور
گویا بچھا ہوا چمنستاں میں دام تھا
قرباں ہوئی تھی جس کے چم و خم پہ کہکشاں
کیا گرد وہ سپر کی میں خوبی کروں بیاں
وہ ایک تو ہلال تھا اور چار چاند تھے
صرصر میں اور گھوڑے میں تھا مطلقاً نہ فرق
اور آسماں پہ چمکے نکل کر سمندِ برق
اور شرق میں ہو اس فرسِ تیز گام ہو
نکلا تب اس سے لڑنے کو صفوان بد گہر
رو کر کے وار حر نے دکھایا عجب ہنر
دے مارا یوں کہ گرد نہ اٹھی زمین سے
تلواریں کھینچے آئے عبید ابنِ کارزار
بیٹے نے ایک کو کیا دو صورتِ خیار
احسنت کی صدا دی شہِ خاص و عام نے
انبار تھے سروں کے ہوئے اور خون کے ڈھیر
قہرِ خدا تھی ضربتِ تیغِ حرِ دلیر
زیں سے کھنچی تو آن کے ٹھہری زمین پر

ایسے رن کہ لشکرِ کیں دنگ ہو گیا — دشتِ نبرد خون سے گلرنگ ہو گیا
جو منھ پہ آیا تیغ کے چورنگ ہو گیا — عرصہ ہر اک پہ زندگی کا تنگ ہو گیا
تینوں سوار گھبر گئے پر حشر ڈھا گیا — تنہا ہی فوج سے وہ بہادر لڑا کیا

دیکھا جو حر نے خاک کے اوپر گرا پسر — بیتاب الفتِ پدری سے ہوا جگر
بیٹے کی سمت دیکھا ذرا منھ کو پھیر کر — مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
غازی قریبِ لاشِ پسر جا کے گر پڑا — مہمانِ شاہ گھوڑے سے تیورا کے گر پڑا

زینبؑ نے دیکھا خیمے کے در سے جو حرؑ کا حال — سر پیٹ کر پکاری کہ اے فاطمہؑ کے لال
گھوڑے سے زخمی ہو کے گرا حرِ خوش خصال — لاش اس کی کر نہ ڈالیں ستمگار پائمال
میں بیٹے کو لاشۂ مہماں پہ آؤں گی — میں اس کے واسطے صفِ ماتم بچھاؤں گی

آئی صدائے فاطمہؑ اے زینبؑ حزیں — موجود میں تو ہوں جو یہاں اس کی ماں نہیں
میرے حسینؑ پر ہو صدقے یہ نازنیں — بیٹا ہی جانتی ہوں اسے یہ سمجھ یقیں
اب چین سے مزار میں ہرگز نہ سوؤں گی — چالیس روز لاش پہ مہماں کی روؤں گی

ماں کی صدا یہ سن کے چلے شہ پیادہ پا — رو کر سر اس کا شاہ نے آغوش میں لیا
مہماں کو پایا شاہ نے بسمل سا لوٹتا — منھ مل کے شہ کے قدموں پہ تب حر نے یہ کہا
کیا رتبے میں نے آپ کے صدقے سے پائے ہیں — محبوبِ کبریا مرے لینے کو آئے ہیں

اور ایک بی بی پہلو میں کرتی ہیں بیاں — اپنے پسر کے واسطے روتی ہو جیسے ماں
ہیں پونچھتی ہر دو اے مرے روئے خونچکاں — کچھ میری ماں سے بھی وہ زیادہ ہیں مہرباں
شہ نے کہا یہ جو ترے غم میں ملول ہیں — مادر مری وہ فاطمہؑ بنتِ رسولؐ ہیں

یہ مژدہ سن کے حر تو گیا جانبِ ارم — لاشے پہ اس کے روئے بہت شاہِ باکرم
بس اے انیسؔ اب یہ دعا کر بچشمِ نم — بلوا لو کربلا میں مجھے یا شہِ امم
کیجیے مدد کہ رنج و الم بے شمار ہیں — میں اک نحیف و زار ہوں دشمن ہزار ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب کوفیوں نے کوفے میں مسلم سے وفا کی — جو عہد کیا ایک نے اس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے نہ محمدؐ سے حیا کی — مظلوم پہ بے کس پہ مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دم مرگ دیا تشنہ دہن کو — کس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

مسلم سا بھی مظلوم زمانے میں نہ ہوگا — دشمن تو ہزاروں تھے وہ بیکس تن تنہا
دم بھر بھی کہیں آشنا نہ روادار کوئی تھا — کچھ امن کی صورت نظر آتی نہ تھی اصلا
اس پر بھی نہ کچھ رنج تھا اپنا نہ الم تھا — کوفے میں چھپے آدمی نہ شبیرؑ کا غم تھا

جانے کی کہیں راہ نہ تھی بند تھے رستے — کوفی چلے آتے تھے کہ ظلم پہ کستے
گھیرے تھے سواران ستم گار کے دستے — تھے نیچے، اور کوٹھوں سے پتھر تھے برستے
جب وار نہ چل سکتا تھا اس شیر ژیاں پر — انگارے لعیں پھینکتے تھے سوختہ جاں پر

زخم ہوا اس شہ کے ہراول پہ یکایک — تلوار سے کٹ کر گرے لب ہائے مبارک
پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک — دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر چلے یاں تک
آلودہ تھی سب ریش مبارک جو لہو سے — چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر بن مو سے

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بیکس و ناچار — اعدا نے کیا مسلم بیکس کو گرفتار
اس زخمی کے بازو میں رسن باندھ کے یکبار — کوٹھے پہ عدا لے گئے کو سر سے گئے کفار
تو ٹکڑے محمدؐ کا ہوا دل بھی جگر بھی — مارا گیا مسلم بھی ہوئے قتل پسر بھی

بیٹوں نے تو پایا بھی کفن آبِ رواں کا
کوفے پہ تو سر کٹ گیا اس شیرِ ژیاں کا
خندق کے رہنے نہ دیا غار میں لاشہ
اعدا نے دمِ قتل جو کچھ کی تھی وصیت
سب غاصبوں نے غصب کی جو کچھ تھی بضاعت
نیزے پہ گیا شام کی جانب سرِ مسلمؑ
نکلے نے ادھر ہو چکے تھے شاہ روانا
مانع رہے احباب پہ حضرت نے نہ مانا
یہ شوقِ شہادت کا اس عاشقِ رب کو
ہر گام پہ ہر دشت میں بھرتے تھے دمِ عشق
کہتے تھے کہ بہتر ہے بڑھے جو قدمِ عشق
کیا صبر کروں صبر کا ہنگام نہیں ہے
ہر منزل و ہر دشت میں کرتے تھے یہ تقریر
ملے جلد ہو یہ راہ گوارا نہیں تاخیر
بھائی کی جدائی کا بڑا رنج و تعب ہے
بھیجا تو ہے بھائی کو پہ دل ہو مرا بیتاب
اس شہر میں دشمن ہیں بہت تھوڑے ہیں احباب
بچنے کا نہیں کیا ہی گر پیچ پڑے گا
بھیجا تھا جو پہلے تو گیا تھا وہ بصد یاس
پھر بھیجا تھا میں نے تو وہ تھا جینے سے بے آس
مسلمؑ نہ ملے ایسی نہ کوئی بات ہوئی ہو
جاتا تھا اسی سوچ میں وہ عاشق باری
پردے کو اٹھا مسلمِ مظلوم کی پیاری
کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا

اور باپ کو کیا کفن اور غسل کہاں کا
اور جائے کفن خوں سے تن پاک کو ڈھانکا
رسّی سے پھرے کھینچتے بازار میں لاشہ
اس کو بھی بجا لائے نہ وہ اہلِ شقاوت
مقروض کیا خلق سے وہ صاحب ہمت
محتاج رہا گھر کو بھی پہ گھر مسلمؑ
منظور تھا کوفے کو بسرعت انھیں جانا
تھا مدِ نظر امر جو کچھ دل میں تھا ٹھانا
یعقوبؑ نمط جاتے تھے یوسفؑ کی طلب کو
معشوق کی خاطر تھا گوارا ستمِ عشق
ہے دل مرا پروانۂ شمعِ حرمِ عشق
بن سر کے کٹائے مجھے آرام نہیں ہے
پہونچا دے کہیں منزلِ مقصود پہ تقدیر
اب وصل کا معشوق کے مشتاق ہو شبیرؑ
مسلمؑ سے ملاقات نہ ہووے تو غضب ہے
تشویش سے آتا نہیں تا صبح مجھے خواب
ہے بحرِ شجاعت کا وہ اک گوہرِ نایاب
کوفے میں اکیلا وہ ہزاروں سے لڑے گا
جا کر کسی منزل سے پھر آیا تھا مرے پاس
پچھتاتا ہوں اب اور بھی ہے کہ مجھے وسواس
وہ آخری ہم سے نہ ملاقات ہوئی ہو
جس دم کہیں سائے میں ٹھہرتی تھی سواری
حضرت سے یہ کہتی تھی چچا جان میں واری
کوفے سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا

بابا کی ملاقات کو اب دل ہے تڑپتا
گھبراتی ہوں کچھ بس نہیں اور ہے یہ تمنا
مشتاق ہے دل چشم بھی دیدار طلب ہے
گزرے ہیں بہت دن کہ ہیں بابا تو سفر میں
سوزش ہے تپ ہجر کی تپتے سے جگر میں
میں کیا کہوں جو درد و غم و رنج ہے جی کو
فرماتے تھے تب شاہ کہ اے باپ کی شیدا
میرا بھی یہی حال ہے جو حال ہے تیرا
میں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں ہے
تم باپ کے اور بھائیوں کے غم سے ہو مضطر
اس پاس تو ماں ہے نہ پدر ہے نہ برادر
دس کے تو سبھی چاہنے والے ہیں سفر میں
حضرت نے جو کی دختر مسلم سے یہ تقریر
چلائی سکینہ ترے صدقے مری ہمشیر
زینب نے کہا رو کے میں قربان گئی صغریٰ
رونے کی صدا محلوں سے آئی جو اک بار
جلتی تھی زمیں دھوپ یوں تھی جو شرربار
لب خشک تھے گرمی سے ہر اک غنچہ دہن کے
ہر دشت حرارت کے سبب تھا کرۂ نار
ہر کوہ تھا جوں آہن حداد شرربار
جو سوتا تھا آغوش بتولِ عذرا میں
مسکن سے پرندے نہ نکلتے تھے نہ باہر
اٹھتے تھے چرندے بھی ترائی سے نہ دم بھر
تھے شاہ سفر میں ستم قوم شقی سے

کشتی بھی نہیں راہ کسی طرح کروں کیا
اک دن میں پہنچ جاؤں جو دو دن کا ہو رستا
قسمت میں ملاقات خدا جانیے کب ہے
مدت ہوئی سوئی نہیں آغوش پدر میں
راحت نہ سفر میں ہے نہ آرام جگر میں
بابا سے جدائی نہ ہو دنیا میں کسی کو
گھبراتی ہو کیوں جلد ملے گا ترا بابا
بھائی کی ملاقات کو میں بھی ہوں تڑپتا
صغریٰ کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے
دو بھائی تو ہمراہ ہیں اور ساتھ ہے مادر
اس غم میں شفا ہووے گی بیمار کو کیونکر
کیا حال ہوا ہووے گا اجڑے ہوئے گھر میں
صغریٰ کے لئے رونے لگیں بانوئے دلگیر
اب دیکھئے کب تجھ سے ملاوے ہمیں تقدیر
بچی ترا اللہ نگہبان مری صغریٰ
راہی ہوئے روتے ہوئے وال سے شہ ابرار
سایہ کئے تھا فرق مبارک پہ علمدار
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے
بے برگ تھیں سب ڈالیاں اور جلتے تھے اشجار
تھی گرم زمیں پاؤں اٹھا لیتے تھے رہوار
چپکا وہ چلا جاتا تھا اس گرم ہوا میں
سائے کے لیے بیٹھے تھے پتوں میں چھپ کر
تا شام پڑے رہتے تھے سب جھیلوں کے اندر
ان روزوں میں چھڑوا دیا گھر آل نبیؐ سے

اطفال کی گرمی کے سبب بجھتی نہ تھی پیاس
جو مانگتا تھا پانی پلا دیتے تھے عباسؑ
جو پوچھتا فرماتے یہ رونے کا سبب ہے
اکبرؑ نے کہا پانی نہ ملنے کا سبب کیا
شہ نے کہا اتروں گا تو دریا ہی پہ بیٹا
آرام کہیں اے مرے جانی نہ ملے گا
یہ کہہ کے چلے واں سے جو روتے شہ والا
برپا کیے واں خیمۂ اردوئے معلیٰ
شہ نے کہا اب دیکھیے صحرا کو بھی چل کر
یکبار پس پشت لگائے ہوئے ہتھیار
داہنی طرف اکبرؑ خلفِ سیدِ ابرار
اور پہلوؤں میں زینبؑ و مسلمؑ کے پسر تھے
تھا حسنِ رخِ شاہ سے سب دشت منور
عبد حبشی دو تھے مگس راں عقبِ سر
عمامے سروں پہ تھے نازی وہ جواں تھے
اس روز تھے مغموم بہت حضرتِ شبیرؑ
ہر سو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر
رخساروں پہ آنکھوں سے کبھی اشک رواں تھے
قاصد کوئی نامہ تھا جو مسلمؑ کا نہ لایا
ناگاہ اُسے اک مردِ مسافر نظر آیا
تسلیم کی اس شخص نے جھک کر شہِ دیں کو
لے ہاتھ میں ہاتھ اس کا اٹھے شہ والا
اے شخص تو آتا ہے کدھر سے مجھے بتلا
شہ نے کہا کوفے کا مسافر تو اگر ہے

مر جائے تڑپ کر نہ کوئی تھا یہی وسواس
کچھ سوچ کے تب روتے تھے شبیرؑ بصد یاس
پانی نہ میسر ہو کسی دن تو غضب ہے
واں اتریں گے یا شاہ جہاں ہووے گا دریا
پر خیمہ اٹھا دیں گے مرا ہنس کے اعدا
چوبیس پہر بچوں کو پانی نہ ملے گا
وارد ہوا اک دشت میں وہ دلبرِ زہراؑ
دن ڈھل گیا جب اور لگا پھیلنے سایا
بیٹھے سرِ رہ کرسی پہ خیمے سے نکل کر
صف باندھ کے استادہ ہوئے شاہ کے انصار
تھے بائیں طرف قاسمؑ و عباسؑ علمدار
دو چار ادھر کو تھے تو دو چار اُدھر تھے
انصار تھے یوں گرد ہوں جوں ماہ کے اختر
اک رشکِ بلال اور تھا اک غیرتِ قنبر
پیشانیوں پہ سجدۂ خالق کے نشاں تھے
خاموش تھے خویش اور تھا صورتِ تصویر
تھا دھیان خبر پوچھوں جو آئے کوئی رہگیر
لب پر کبھی دنیا کی مذمت کے بیاں تھے
تشویش میں تھا حیدرِ کرار کا جایا
بھیجا کسی کو اسے حضرت نے بلایا
نعلینِ مبارک پہ لگا ملنے جبیں کو
لے جا کے کنارے اسے اس طرح سے پوچھا
وہ کہنے لگا کوفے سے آتا ہوں میں شاہا
مسلمؑ مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے

صحت سے تو ہیں ساتھ جو دو بیٹے ہیں اس کے
کیا کرتے تھے تو نے انھیں دیکھا ہو تو کہہ دے
اس گرمی میں کیا کام تھا بچوں کا سفر میں
کم سن تھے بہت ان کی طرف سے ہے یہ دھڑکا
تھا یاد وطن میں بھی نہ گھر کا انھیں رستا
ان منزلوں میں بھول سے گھبرا گئے ہوں گے
سنتا ہوں بہت لوگ بھی کی آن کے بیعت
خط میں مجھے لکھا تھا کہ جلد آئیے حضرت
دھڑکا ہے اسی کا کہ وہ ایسا نہ ہو پھر جائے
سن ہو گیا حضرت سے یہ سن کر وہ مسافر
چہرے سے جو اس شخص کے حیرت ہوئی ظاہر
اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے
رو رو کے وہ کہنے لگا کس منہ سے کہوں آہ
اور پاؤں میں لاشوں کے رسن باندھ کے کھنچوا
دونوں سروں کی شام میں جانے کی خبر ہے
مارا گیا بے جرم و خطا آپ کا بھائی
مرنے سے بھی پہلے ہوئی بیٹوں سے جدائی
دریا پہ انھیں مار کے جب آیا تھا حارث
لایا تھا جو دریا پہ وہ پکڑے ہوئے گیسو
تھے ایک ہی رسّی میں بندھے دونوں کے بازو
رخ میں نے بھی دیکھے تھے عجب غنچہ دہاں تھے
جب شہ نے سنی یہ خبر مسلم بے پر
سینے میں تڑپنے لگا دل شکل کبوتر
بلوا کے مدینے سے ہمیں مر گئے مسلم

لڑتے تو نہیں پہلے پہل ماں سے جو چھٹے
ماں روتی ہے ان کے لئے بھائی ہیں تڑپتے
بابا سے بھلے تھے نہ رہے اس لئے گھر میں
آگاہ نہیں رنج سفر سے ابھی اصلا
اس عمر میں صحرا کوئی دیکھا تھا نہ دریا
رخ تابش خورشید سے سنولا گئے ہوں گے
بے دینوں کو یارب ہوئی کچھ دین پہ رغبت
کیا حاکم کوفہ بھی ہے معروف اطاعت
تنہا مرا بھائی کہیں اعدا میں نہ گھر جائے
کیا کہتا کہ مسلم کے وہ تھا حال سے ماہر
کہنے لگے گھبرا کے شہ صابر و شاکر
جو گزری ہو کہہ دے کہ مرے دل کو قلق ہے
مسلم کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہ
بازار میں کھینچے لئے پھرتے ہیں سر راہ
لاشوں کو سر دار چڑھانے کی خبر ہے
تربت بھی مسافر کی کسی نے نہ بنائی
بچوں کو غریب الوطنی میں اجل آئی
دربار میں دو چھوٹے سے سر لایا تھا حارث
سنتا ہوں بہت منتیں کرتے تھے وہ گل رو
کہتے تھے ہمیں بیچ دے پر قتل نہ کر تو
رخساروں پہ دونوں کے طمانچوں کے نشاں تھے
رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
منہ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر
ہم کوفے تک آئے تو سفر کر گئے مسلم

پھر کوٹ کے چھاتی یہ کہا شاہ نے رو رو
ہم بھی وہیں آ ملتے ہیں تم سے کوئی دن کو
اب خونِ جگر کب تلک اس غم میں پیوں گا
میرے لئے گھر چھوڑ کے تم آئے وطن سے
تیغوں کے لگے زخم بندھے بازو رسن سے
شرمندہ ہوں کیا بھائی یہ احساں کئے بھائی
رو رو کے پھر اس شخص سے کہنے لگے سرور
اس واسطے کہتا ہوں کہ یہ واقعہ سن کر
ہے دخترِ مسلمؑ بھی گرفتارِ الم میں
دو بیٹے بھی زوجہ بھی ہوا اس کی مرے ہمراہ
دل پر مرے اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا آہ
شرم آتی ہے سمجھانے کا یارا مجھے کب ہے
فرما کے یہ آنکھوں سے بہت اشک بہائے
بیٹھے تھے جہاں پھر وہیں تشریف جو لائے
رکھ لیتے تھے رومال کبھی دیدۂ نم پر
تھے خویش و برادر سبھی گردِ شہِ مظلوم
عباسؑ کو تشویش تھی اکبرؑ بھی تھے مغموم
کیا وجہ ہے جو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں ماموں
قاسمؑ کا عجب حال تھا روتے تھے جو سرور
تھے مضطر و حیراں پسرِ مسلمؑ بے پر
یارا نہیں جو پوچھیں کہ حضرت نے سنا کیا
جس وقت سے کوفے کے وہ کچھ گیا اخبار
دھڑکا ہے کہ خلقت نہیں کوفے کی وفادار
یہ کہتے تھے اور جوش تھا سینے میں بکا کا

بھائی چھٹے دنیا کے غم و رنج سے تم تو
آمادۂ مرگ اپنے برادر کو بھی سمجھو
میرے لئے مارے گئے میں بھی نہ جیوں گا
میرے ہی طرفداری میں سر کٹ گیا تن سے
میرے لئے محروم رہے گور و کفن سے
جان اپنی بھی دی بیٹے بھی قربان کئے بھائی
کیجو یہ خبر تو ابھی ظاہر نہ کسی پر
ہووے نہ پریشاں مری جمعیتِ لشکر
مر جائے گی سر پیٹ کے وہ باپ کے غم میں
مسلمؑ نہیں مارا گیا میں مر گیا واللہ
کیا ہوگا وہ جب ہووے گی اس حال سے آگاہ
عورت کے لئے رنج رنڈاپے کا غضب ہے
رخصت وہ ہوا آپ بھرے سر کو جھکائے
تر ریشِ مبارک ہوئی یہ اشک بہائے
روتے تھے کبھی سر کو جھکا زانوئے غم پر
لیکن سببِ گریہ نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اس سوچ میں تھے زینبِ دلگیر کے معصوم
چل کر کہیں اماں سے کہ کیوں روتے ہیں ماموں
بیتاب تھا دل رنگ تھا رخ کا متغیر
آہستہ یہ کہتا تھا برادر سے برادر
کیا جانیے رونے کے مسافر نے کہا کیا
اس وقت سے غمگیں ہیں نہایت شہِ ابرار
بابا سے کہیں پھر گئے ہو دیں نہ جفاکار
منہ تکتے تھے آنسو بھرے آنکھوں سے چچا کا

حیدر کے نواسے تھے زبس عاشق شیدا
زینبؑ نے کہا خیر تو ہو صدقے میں تم پر
یاد آتا ہے گھر تنگ ہو یا رنج سفر سے
رو رو کے یہ کہنے لگے زینبؑ کے وہ پیارے
کچھ آج عجب صدمہ ہوا ماموں پہ ہمارے
کیا جانیے کیا غم ہے دل و جان بہن کو
یہ سنتے ہی گھبرا گئیں سب بی بیاں اک بار
ہو خیر کہ تھی بانوئے صغریٰ مری بیمار
وارث مرا دو بیٹے لئے ساتھ گیا ہے
اس وقت عجب خیمے میں برپا تھی قیامت
زنہار نہ زینبؑ کو رہی صبر کی طاقت
چلا کے کہا مجھ کو نہ تڑپائیے بھائی
آواز جو زینبؑ کی سنی شاہ نے یکبار
زینبؑ نے کہا اے اسد اللہ کے دلدار
غم دیدہ تو ہے اور بھی غم کھائے گی زینبؑ
حضرت نے کہا کان میں زینبؑ کے یہ رو کر
میرے لئے مارا گیا مسلم سا برادر
اک کوفی کے ہاتھ آ گئے فرزند بھی اس کے
بیٹھی ہے کہاں دختر مسلم کو تو لاؤ
رو کر کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے کہ جاؤ
دیکھو کہیں یاں ہوگی کہ واں ہوگی سکینہؑ
یہ سنتے ہی کلثومؑ بلانے کو چلی تھی
تھی ساتھ ہی ان دونوں کے مسلم کی بھی بیٹی
یوں پیار تو کرتے تھے پہ تھی جب آ کر

روتے ہوئے خیمے میں گئے با دل مضطر
کیوں روتے ہو جلدی کہو مر جائے گی مادر
یا اس لئے روتے ہو کہ چھوٹے ہو پدر سے
دم مارے نہ واللہ جو ہم پر چلیں آرے
وہ روتے ہیں خویش و رفقا غم میں ہیں سارے
پوچھے کوئی بڑھ کر یہ نہیں تاب کسی کو
بانو نے کہا روتے ہیں لو شہ ابرار
کہتی تھی کھڑی زوجۂ مسلمؑ بدل زار
کرنے لگے سب فکر کہ نگہبان خدا ہے
مضطر سب کے تھے فق تھی ہر ایک ایک کی صورت
ڈیوڑھی پہ گئی مضطر و بیتاب نہایت
باہر میں نکلتی ہوں نہیں آئیے بھائی
با دیدۂ تر خیمے میں آئے شہ ابرار
صدقے گئی کچھ رونے کا باعث کرو اظہار
واللہ چھپاؤ گے تو مر جائے گی زینبؑ
کس طرح نہ روؤں کہ ستم ہو گیا مجھ پر
بے کس کو ہوا گور و کفن بھی نہ میسر
پردیس میں مارے گئے دلبند بھی اس کے
جلدی اسے لا کر مری چھاتی سے لگاؤ
کبریٰ و سکینہ کی صاحب کو بلاؤ
وہ بھی وہیں ہووے گی جہاں ہوگی سکینہؑ
جو سامنے کبریٰ و سکینہ نظر آئی
حضرت کے قریب آ کے بدستور وہ بیٹھی
اس روز بہت پیار کیا چھاتی لگا کر

حضرت نے پھر آہستہ یہ فرمایا بہن سے
زینبؑ الغیظ سے آئیں جو شبیرؑ کے آگے
ہاتھوں کو کبھی ملتے تھے رخسارے اس کے
کہیں اور بھی چیزیں کئی منگوا کے عنایت
شک دل میں پڑا لڑکی کے دیکھی جو یہ شفقت
اس لطفِ فراواں کا سبب کیا ہے چچا جان
انداز وہی آج مجھے ہے نظر آتا
اس پیار پہ دل ہے مرا ٹکڑے ہوا جاتا
کرنے سے بڑی دور سفر کر گئے بابا
یہ کہہ کے وہ بیٹی تو کہا شاہ نے رو رو
ان سے تری اب میری بہن زینبؑ غمخوار
تم بے پدری کا تجھے معلوم نہ ہوگا
یہ سنتے ہی سر پیٹ کے چلائی وہ دختر
میں جیتی رہی آپ گئے جانب کوثر
مہمان پہ کچھ رحم بھی کھایا نہ کسی نے
بیٹی کی سنی زوجۂ مسلم نے جو زاری
کیا آئی خبر کیا ہوا کیوں روتی ہو واری
اب کیا کہوں تقدیر مری سو گئی واں
تم رانڈ ہوئیں ناک سے اب نتھ کو بڑھاؤ
اب ماتمی صف پیٹنے رونے کی بچھاؤ
تم آٹھ پہر رہتی تھیں مشتاق خبر کی
پیغام رنڈاپے کا سنا بیٹی سے جس دم
سب ہے مرے والی مرے صاحب ہمدم
کس جیتی ہوں صدمہ ہے مری جانِ حزیں پر

لے آؤ وہ وہ میں نے جو رکھوائے ہیں بندے
حضرت نے وہ کانوں میں بھتیجی کے پنہائے
منہ پر کبھی رکھ دیتے تھے منہ پیارے اس کے
اور سر پہ بھی ہاتھ اس کے پھرایا بصد الفت
کہنے لگی کچھ سوچ کے اور تھام کے رقت
الطاف بھتیجی پہ یہ کیسا ہے چچا جان
جس طرح یتیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا
کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکیں نہیں پاتا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا
بابا کی جگہ اپنے تم اب مجھ کو ہی سمجھو
کبریٰ و سکینہ سے زیادہ ہے مجھے تو
اب ہوگا پر اک مسلم مظلوم نہ ہوگا
ہے ہے مرے بابا میں نہیں پاؤں گی کیونکر
کس بے کسی سے قتل ہوئے صدقے میں تم پر
تلواریں چلیں تم پہ بچایا نہ کسی نے
سر پہ سے ردا گر پڑی گھبرا کے پکاری
بیٹی نے کہا لوٹ گئی آہ ہماری
پردیس میں بن باپ کی میں ہو گئی واں
اب روؤں گلے مل کے میں تم سے ادھر آؤ
بالوں کو پریشان کرو خاک اڑاؤ
آئی ہے سنانی مرے مظلوم پدر کی
منہ پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری وہ بصد غم
لاشے پہ وہاں کس نے کیا ہوگا ماتم
کس بے کسی سے لاش پڑی ہوگی زمیں پر

بے دردوں میں زخموں کو دیا ہووے گا کس نے
بے کس تھے کفن تم کو دیا ہووے گا کس نے
پردیس میں فرزند کہاں چھٹ گئے ہوں گے
اتنے میں صدا حضرت زہرا کی یہ آئی
تو رانڈ ہوئی آج محمد کی دہائی
تھرا رہی ہے قبر نبی تیری فغاں سے
وارث جو ترا لال ہے میرے جو اقرباں
تنہائی کا تو مسلم بے کس کی نہ کر دھیان
آ گئے مرے کوفے میں ترا راج لٹا ہے
لاش اس کی لعیں کھینچے لئے جاتے تھے جب وہ
کرتے تھے رسول عربی نالۂ جاں کاہ
کفنا کے غسل قبر میں لاش اس کی دھر گئے
زہرا کا بیان سن کے یہ برپا ہوا محشر
چھاتی سے لگا کر انھیں کہنے لگے سرور
جو ہونا تھا سو ہو چکا اس کشتۂ غم پہ
اب تم کو یہ بہتر ہے کہ پھر جاؤ وطن کو
ماتم میں گوارا نہ کرو رنج و محن کو
اب جنگ سے منہ موڑ کے جائیں گے نہیں ہم
جن کوفیوں نے مارا ہے بابا کو ہمارے
جو ظلم و ستم سہہ کے وہ جنت کو سدھارے
وہ دن تو بیتنے کا کیا کر گئے ہم بھی
یہ کہتے تھے اور روتے تھے دونوں زمیں پر
مل کر کف افسوس یہ فرماتے تھے سرور
سو بار نہ کوئی مسلم مظلوم کے غم میں

سر تن سے جدا میں زانو پہ لیا ہووے گا کس نے
تربت میں انھیں دفن کیا ہووے گا کس نے
نرغے میں مرے بچوں کے دم گھٹ گئے ہوں گے
اے زوجۂ مسلم، الم و غم کی ستائی
وارث کی سنانی تجھے قسمت نے سنائی
پرسا تجھے دینے کو میں آئی ہوں جناں سے
اے رانڈ ہو مجھ پہ ترا اب جدا احساں
میں پاس تھی جس دم وہ ہوا خوں میں غلطاں
وارث کا ترے سر مرے زانو پہ کٹا ہے
سر ننگے پڑی پھرتی تھی میں لاش کے ہمراہ
لائے تھے کفن خلد بریں سے اسد اللہ
محبوب خدا آپ اسے دفن کریں گے
تڑپے پسر مسلم مظلوم زمیں پر
اب صبر کرے تم کو عطا خالق اکبر
اب باقی رہا وہ ہے جو کچھ ہوا کہ ہم
مادر کو بھی ہمراہ اور چھوٹی بہن کو
وہ کہنے لگے سن کے یہ حضرت کے سخن کو
حضرت کے قدم چھوڑ کے جائیں گے نہیں ہم
ہم بیچ رہیں گے انھیں بے جان سے مارے
سر تن سے کوئی یوں ہی ہمارا بھی اتارے
مارا انھیں للکار کے یا مر گئے ہم بھی
رو رو کے انھیں تھامتی تھی شاہ کی ہمشیر
کیا داغ برادر کو دیا ہائے برادر
تا صبح رہی سینہ زنی اہل حرم میں

نے کو نماز سحری پڑھ کے چلے شاہ
اک دشتِ خطرناک میں جا پہنچے جو ناگاہ
اس غم نے کیا خائف و ترساں تھے گھوڑے
منھ پھیر کے گھوڑے نے کہا عرض کروں کیا
کیا جانے زمیں کیسی ہو کیسا ہے یہ صحرا
پوچھا تو کوئی بولا یہی دشتِ جفا ہے
یہ سن کے اتر گھوڑے سے حضرت نے پکارا
اب آگے ہو اس دشت سے کب جانے کا یارا
سادات کے یہ خون کے بہنے کی جگہ ہے
ارمان اسی دشت میں تھا آنے کا ہم کو
نزدیک ہی سمجھو نہ بعید اہلِ ستم کو
جیتوں کو ہے آپس کی ملاقات غنیمت
فراشوں نے یہ سنتے ہی خیمے کیے استاد
تھے گرمی کے دن پیاس کی ہونے لگی فریاد
دیکھو تو بہت دور ہے دریا کہ قریں ہے
کی عرض رفیقوں نے کہ اے سرور والا
دریا تو ہے پر فوج کی کثرت ہے یہ اس جا
خالی ہی لیے مشکوں کو دریا سے پھر آئے
یہ سن کے گئے خیمے میں شہ سر کو جھکائے
زینبؑ نے کہا شہ سے بہن صدقے یہ جائے
کس دکھ میں تو اے وارثِ اولاد علیؑ ہے
شہ نے کہا مرضی خدا یونہی ہے خواہر
لشکر نہ مرا ہوگا نہ میں صاحبِ لشکر
کل اشکوں کا کاہے کو خنجر کے تلے سے

روتے ہوئے سب قافلے والے ہوئے ہمراہ
گھوڑا نہ بڑھا آگے تو بولے شہِ ذیجاہ
پیاری ہے مری جاں سے کیا جاں تجھے گھوڑے
ٹھہرا ہوں ہرگز قدم آگے نہیں بڑھتا
پوچھے تو کسی سے کوئی کیا نام ہے اس کا
نام اس کا ہے اک ماریہ اک کرب و بلا ہے
صد شکر کہ تقدیر نے منزل پہ اتارا
مسکن ہے یہی اور یہی مدفن ہے ہمارا
تا حشر ہمارے یہی رہنے کی جگہ ہے
استادہ کرو خیمے اتارو حرم کو
گھیرے گئے ہیں آن کے اعدا کوئی دم کو
فرصت جو ملے ان سے تو یہ رات غنیمت
اور محملوں سے اترے حرم بادلِ ناشاد
گھبرا کے رفیقوں سے کیا شاہ نے ارشاد
بچے مرے سب پیاسے ہیں اور پانی نہیں ہے
ہم بیچ میں ہیں گرد ہے سب لشکر اعدا
مطلق نظر آتا نہیں دریا کا کنارا
پینے کو بھی پانی نہ ملا پیاسے پھر آئے
دیکھا جو سکینہ کی طرف آنسو بھر آئے
اس دم کے جینا تری مظلومی دکھائے
نانا ہے نہ بابا ہے نہ ماں کو کھ جلی ہے
تم دیکھو گی کٹ جائے گا تن سے مرا سر
سب جائیں گے جنت کو مرے خویش و برادر
آج اور کل ہی دن میں سکینہ کو گلے سے

تا صبح رہی بھائی بہن سے یہی تقریر — میداں میں صف آرا ہوا واں لشکر بے پیر
مقتل کو چلے بہر وغا حضرت شبیرؑ — روتی رہیں سب بی بیاں باحالت تغیر
جاتے ہی لڑائی ہوئی شمشیر زنوں سے — سر کٹ کے گرے شہ کے رفیقوں کے تنوں سے
پھر رن میں گئے مسلمؑ مظلوم کے جائے — یاں تک وہ لڑے لاشوں پہ لاشے ہی گرائے
جوہر انھیں شمشیر شجاعت کے دکھائے — مارے گئے وہ جیتے نہ پھر خیمے میں آئے
باقی بھی رضا لے کے جانے لگے رن میں — سب تا بہ دم ظہر ٹھکانے لگے رن میں
جب کٹ گیا سب سید مظلوم کا لشکر — اور رہ گیا تنہا خلفِ ساقیٔ کوثر
کہتا تھا لعینوں سے کہ اے قوم ستمگر — اب میں ہوں رہا خیمۂ ناموس پیمبرؐ
منظور اگر یہ ہے کہ جاؤں نہ وطن کو — تو اور کہیں جانے دو مجھ تشنہ دہن کو
کتنا انھیں سمجھایا پہ اعدا نے نہ مانا — سمجھے وہ گنہ پیاسے کو پانی کا پلانا
تیروں سے تن اس فاطمہؑ کے لال کا چھانا — یہ جانِ پیمبرؐ ہے لعینوں نے نہ جانا
پرخوں کیا جامۂ فرزند علیؑ کو — ٹکڑے کیا تلواروں سے ملبوس نبیؐ کو
نیزوں سے اسے خاک پہ گھوڑے سے گرایا — چھاتی پہ چڑھا شمر تڑپنے وہ نہ پایا
آئینۂ خنجر جو چمکتا نظر آیا — زینبؑ نے نکل خیمے سے یہ شور مچایا
سینے سے اتر اس کے یہ کیا کرتا ہے ظالم — فریاد سے زہراؑ کی نہیں ڈرتا ہے ظالم
ہے ہے یہ گلا بوسہ گہ مصطفیٰؐ ہے — بے جاں نہ کر اس کو یہ دل و جانِ نبیؐ ہے
یہ زخمی جو چھاتی ترے زانو سے دبی ہے — واللہ یہ چھاتی سے محمدؐ کی لگی ہے
محبوبِ خدا جس کے لئے اونٹ بنا ہے — تو سینے پہ اس شاہِ دو عالم کے چڑھا ہے
رو رو کے یہ چلاتی تھی زینبؑ تو کھلے سر — اور حلق پہ شبیرؑ کے واں چلتا تھا خنجر
جس وقت جدا ہو گیا تن سے سرِ انور — یہ دیکھ کے غش ہو کے گری زینبؑ مضطر
جس دم یہ ہوا ظلم انیس اس شہِ دیں پر — حیرت ہے کہ کیوں گر نہ پڑا عرش زمیں پر

ن خاتونِ قیامت کا پسر زار ہے بے غم

١٧

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا
سب ملک رو سیاہ کے زیر نگیں ہوا
شبیرؑ سے زیادہ اسے بغض و کیں ہوا
ایذائے اہلبیتؑ کا در پئے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ ان پہ ہو تو ریاست یہ سست ہے

خط حاکم مدینہ کو لکھا بشد و مد
مضموں یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسینؑ سے لے تو بجد و کد
میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہونچا اسے مدینے میں جب نامۂ یزید
پڑھ کر وہ خط بہت متردد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید
میں فاطمہؑ کے لال کو کیونکر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے نکو روش پہ ستم کیا ضرور ہے

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب
بھائی بھتیجے شاہ کے حاضر تھے پاس سب
فرمایا اس سے جا کہ میں آؤں گا وقت شب
معلوم ہے مجھے جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے
اس کی طلب نہیں یہ اجل کا پیام ہے

گھبرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق و یار
قاسمؑ نے رکھ لی سامنے شمشیر آبدار
اکبرؑ نے بھی طلب کیا اسباب کارزار
آئے کمال غیظ میں عباسؑ نامدار
کہہ کر یہ بات صورتِ شیر اللہ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینبؑ کے دونوں بیٹوں کو امامؑ رشی تاب
جا کر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
حاکم کے گھر جاتے ہیں شاہِ فلک جناب
اماں ہمارے تیغے لا دیجئے شتاب
بگڑے گی گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینبؑ کا رنگ زرد
آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہ سرد
کیا والیِ مدینہ ہے آمادۂ نبرد
ایسی علیؑ کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا کیا خطا ہوئی

ہے ملک سے غرض نہ اسے حبِ جاہ ہے
قبضے میں نے خزانہ ہے اور نے سپاہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ غیروں سے راہ ہے
جائے نشست قبرِ رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگ اس سے جب غریب پہ فاقے گذرتے ہیں

نانا ہیں اس کے سرور و حیدر پدر حسنؑ
صدقے غریب بھائی پہ ہو جائے یہ بہن
زندہ ہے جب تلک یہ تو جیتے ہیں پنجتنؑ
مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گریاں ملے گا چین نہ زہراؑ کی جائی کو
جنگل میں جا رہے گی بہن اپنے بھائی کو

بھائی کو میرے پاس بلاؤ سنوں یہ حال
کیا بات ہے جو خاطرِ اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہؑ کا لال
بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لے چلیں

زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امامِ دیں
منہ دیکھ شہ کا رونے لگیں زینبؑ حزیں
فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں خوف کچھ نہیں
حاکم کے گھر میں جانے لگا حیدرؑ کا جانشیں
وہ اور ہے جگہ تمہیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا کے بہن کو حضرت بچشمِ تر
باندھی شہِ نجف کے کمربند سے کمر
ڈالا عبائے پاک محمدؐ کو دوش پر
لے کر عصا نبیؐ کا چلے شاہِ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہِ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گرد ماہ کے

اس دم کمال حضرت زینبؑ تھیں بیقرار
بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباسؑ سے بلا کے کہا اے وفا شعار
بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہِ خوش خصال ہوں
تم اک طرف ہو ایک طرف میرے لال ہوں

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب چالیس شخص لے کے چلا ابنِ بوتراب
جو دیکھتا تھا شانِ امامِ فلک جناب کہتا تھا وہ کہ رات کو نکلا ہو آفتاب
رستے میں شب کو حسنِ نبی کا ظہور تھا افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام تم سب رہو یہیں کہ نہیں یاں تمھارا کام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام دروازہ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبرائے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں نے تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

پاسِ ادب ہے کہہ نہ سکے کچھ رفیق و یار بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار سایے کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جاں نثار
شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دور کی کفشیں لئے رہے گا یہ خادم حضور کی

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھیے خطِ یزید کو اے شاہِ دیں پناہ پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں دانستہ دیں یہ ہاتھ سے عزت وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستونِ دین و نشانِ رہِ یقیں خالق نے اپنے راز کا محرم کیا ہمیں
واللہ ہم ہیں وارثِ سردارِ مرسلیں روشن ہمارے نورِ امامت سے ہے زمیں
گردش سے گو زمانے کی مظلوم آج ہیں فضلِ خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں

بھیجا ہماری شان میں خالق نے ہل اتیٰ کافی سند کے واسطے ہے لفظِ قل کفیٰ
زیبا ہمارے تن پہ ہے تشریفِ انما ہم کو کیا خدا نے سرافراز لافتیٰ
ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں قرآں ہے جتنے ہماری ہی شان میں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاحترام قبرِ رسول پر اسی شب کو گئے امام
لپٹے ضریحِ پاک سے اور یہ کئے کلام رخصت کرو حسین کو یا سیدِ انام
تربت میں لے کے جلد لگا لیجئے سینے سے اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے

حضرت کی قبر چھوٹتی ہے مجھ سے نانا جان میں چھپ رہوں جہاں کہیں یا نہیں مکاں
آرام سے گھروں میں ہیں سب زیرِ آسماں فریاد ہے حسین کو ملتی نہیں اماں
ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں

یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا — بس یک بیک مزارِ نبیؐ کانپنے لگا
آئی ضریحِ پاکِ محمدؐ سے یہ صدا — ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
تیرے الم سے خنجرِ کیں دل پہ چلتے ہیں — جاتا ہے تو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر — دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر — بھائی مرا وطن سے ہے عازمِ سفر
ملتی نہیں پناہ، شہِ دیں پناہ کو — سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

اماں تمھاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن — کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ بہن
ہے ہے اجاڑ ہوتا ہے پھولا پھلا چمن — دو دن سے بیقرار ہیں شاہِ خستہ تن
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نے شب کو سوتے ہیں — تربت پہ نانا جان کی جا جا کے روتے ہیں

زینبؑ کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام — رخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر کیا سلام
شبیرؑ تو گھر میں روتے رہے شاہِ خاص و عام — وقتِ سحر وطن سے چلے سیّد امام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا — اہلِ وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

مایوس تھے جو فاطمہؑ کے نورِ عین سے — ملتے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے — غل تھا مدینہ ہوتا ہے خالی حسینؑ سے
رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی تھیں — کوٹھوں پہ پردے والیاں منہ ڈھانپے روتی تھیں

آتی تھی جب عماری زینبؑ قریبِ بام — ان عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امام
اے بی بیو برائے خدا ہو یہ میرا کام — شہ کی سلامتی کی دعا کیجو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں — بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

ناکے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام — سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امام
اہلِ حرم کو ساتھ لئے باصد احترام — اس رکنِ دیں نے کعبہ میں جا کر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو — واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو

صحرائے کربلا میں ہوا جب ورودِ شاہ — اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے روکی راہ
منظور تھا کہ ہو دینِ بنی فاطمہؑ تباہ — چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دریا تھا گرد موجزن افواجِ شام کا — تھا جوں حباب بیچ میں خیمہ امام کا

کرتے تھے استغاثہ امامِ فلک جناب
موجود تھے وہ سب پہ نہ دیتے تھے کچھ جواب
اس وقت بڑھ کے شمر لعیں نے کیا خطاب
بس بس سخن کو طول نہ اب دیجئے بے حساب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں سرانجامِ جنگ ہے
باتوں کا یہ نہ وقت کہ ہنگامِ جنگ ہے

فرمایا شہ نے قتل کا تیرے ہے گر خیال
مہلت طلب ہے آج کی شب فاطمہؑ کا لال
مردود نے کہا نہیں مقبول یہ سوال
اکبر بگڑ کے کہنے لگے او زبوں خصال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور حکم قتل سیدِ والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا شمر روسیاہ
دی مہلت آج آپ کو یا شاہِ دیں پناہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے بیکسی کے شاہ
دیکھا کہ حال حضرت زینبؑ کا ہے تباہ
مل مل کے ہاتھ کہتی ہیں ہے ہے میں لٹتی ہوں
پردیس میں حسینؑ سے بھائی سے چھٹتی ہوں

زینبؑ کے پاس روتے گئے اور یہ کہا
بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم پہ میں فدا
مہلت ہے شب کی آؤ گلے سے لگو ذرا
ملو گے نہ اور چھٹے پھر تم سے ہم جدا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم رن میں سوئیں گے
مہماں ہیں اور آج کی شب کل نہ ہوئیں گے

بنتِ علیؑ یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہیں کر گئی سفر
اعدا مجھے پھرائیں گے لیے ہیں ننگے سر
بہتر ہے موت آئے اگر اس حیات سے
گور و کفن تو پاؤں گی بھائی کے ہات سے

روئے امام سن کے بہن کے کلامِ یاس
فرمایا یہ جہانِ فنا ہے مقامِ یاس
پھر اور نا امیدوں کو آیا پیامِ یاس
گزرا وہ روز چھا گئی خیمے پہ شامِ یاس
شیدائیوں کو قطع امیدِ حیات تھی
وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

کرتا تھا سائیں سائیں وہ صحرائے لق و دق
تھے بی بیوں کے صورتِ مہتاب رنگ فق
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا قلق
آواز سے دلوں کی ہوتے تھے سینے شق
مائیں انھیں سلاتی تھیں خود تھاپ تھاپ کر
سینوں سے چمٹ جاتے تھے وہ کانپ کانپ کر

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا
خیمے کے گرد پھرتے تھے عباسؑ با وفا
مانندِ شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا
بیدار ہوشیار رہو اے آلِ مرتضےٰ
نزدیک صبحِ جنگ ہے کچھ رات اب نہیں
آقا بھی جاگتے ہیں یہ غفلت کی شب نہیں

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور
ناموس مصطفیٰ کی خبرداری ہے ضرور
حوروں کی ہو طلب تو خدمت میں ہو قصور
حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور
اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئیو
کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئیو

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور
پھیلی سپیدی ہو گئی ظلمت جہاں سے دور
کافور کی طرح سے اڑا روئے مہ کا نور
یاد خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیور
آثار صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے
حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

پھیرا سلام جب تو اٹھائے دعا کو ہات
خالق سے کی یہ عرض کہ اے رب پاک ذات
سب راتیں ہو چکیں نہیں باقی ہے کوئی رات
ہے روز قتل قطع ہوئی مدت حیات
طاعت کا وقت ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی
شاہد ہے تو کہ شام سے سویا نہیں کبھی

شرمندہ ہوں کہ کس لئے آیا تھا کیا کیا
جو حق بندگی تھا نہ وہ کبھی ادا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لا انتہا کیا
یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت روا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نور عین پر
آسان کر دے قتل کی مشکل حسینؑ پر

ہتھیار سج کے صحن میں آئے امام پاک
دیکھا کہ اہلبیت گریباں کئے ہیں چاک
فرمایا الوداع کہ اب ہوں گے ہم ہلاک
ناموس مصطفیٰ نے اڑائی سروں پہ خاک
بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں
زینبؑ قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

ہو کر وداع گھوڑے پہ حضرت ہوئے سوار
حلقہ کئے تھے گرد عزیز و رفیق و یار
مانند گل شگفتہ تھا ہر ایک گل عذار
تھی فاطمہؑ کے باغ پہ وہ آخری بہار
مرنے کے شوق میں قدم آگے جو بڑھتے تھے
ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا پھول جھڑتے تھے

مولیٰ کے ساتھ صبح سے کھولی نہ تھی کمر
آتے تھے تیر ادھر سے تو بن جاتے تھے سپر
زخموں سے چور چور ہو کے گرتے تھے خاک پر
رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر
کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے
منہ اپنا ان کے چہروں پہ شبیر ملتے تھے

قاسمؑ نے رن میں لاش پہ لاشہ گرا دیا
عباسؑ نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبرؑ نے دم میں نامردوں کو بھگا دیا
انداز ضرب شمشیر الٰہی دکھا دیا
تنہا جب ان کے بعد شہ بحر و بر ہوئے
تیروں کے سامنے علی اصغرؑ سپر ہوئے

اس وقت تھی امام پہ کیا بیکسی و یاس
فاقہ تھا تین روز کا سوا پہر کی پیاس
اعدا ادھر تو نیزوں پہ نیزے گھماتے تھے
میداں سے آ کے کہنے لگا شمر بے ادب
جو آپ کو بچاتے تھے مارے گئے وہ سب
اب کے جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی
یہ سن کے آ گیا شہِ دیں جاہ کو جلال
بل کھا کے اٹھے ریش مخضب کے سارے بال
تو جانتا ہے ابنِ علیؑ کو ہراس ہے
مشہور ہے کنندۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوچتا نہیں کہ سوا ہے جواں پسر
وارث ہوں ذوالفقار جناب امیرؑ کا
دے حکم جنگ کس لیے لڑنے میں دیر کی
گو ہاتھ کانپتے ہیں مگر دل تو خیر ہے
بھائی کا غم سہا علی اکبرؑ کو رو چکا
یہ کہہ کے کھینچی تیغ تو تھرا گئے فلک
دیکھی کسی نے تیغ ید اللہ کی چمک
تابندگی برق نگاہوں سے گر گئی
تپتے تھے زمینوں کے چھپے راس چپ و پیش
جلتے تھے برقِ تیغ سے اعدا مثال خس
تم نے پیا ہے شیر جناب بتولؑ کا
اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہوئے یہ شاہ
مارا جواں پسر کو یہ کیا منصفی تھی واہ
پوچھو تو اس سے خاک میں یوں جس کا گھر ملے

لاشیں تھیں گرد اور نہ تھا کوئی آس پاس
دشمن کئی ہزار اکیلا وہ حق شناس
خیمے سے اہلبیتؑ ادھر نکلے آتے تھے
طاقت علیؑ کی کیا ہوئی لڑتے نہیں جو اب
ہاتھوں کے کانپنے کا ہو شاید یہی سبب
حضرت سے ذوالفقار بھی کھینچی نہ جائے گی
مانند شیر ہو گئیں آنکھیں غضب سے لال
فرمایا سامنے سے سرک او زبوں خصال
مجھ کو فقط رسولؐ کی امت کا پاس ہے
لشکر اٹھاؤں کوہ کا ٹوٹی ہے گو کمر
لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
رگ رگ میں میری زور ہے زہراؑ کے شیر کا
دیکھوں تو فوج شام کی کیسی دلیر ہو
شبیرؑ بھوک پیاس میں جینے سے سیر ہو
کس کس جوان کو انہیں ہاتھوں سے کھو چکا
فریاد کا سماں ہے ہوا شور تا سمک
آنکھوں کو بند کر کے لگے کانپنے ملک
شکلیں اجل لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی
بجلی سا کوندتا تھا ہر اک غول میں فرس
ہر صف تھا یہ شور کہ بس اے حسینؑ بس
امت پہ رحم کیجیے صدقہ رسولؐ کا
تم نے کیا نہ رحم کہ اکبرؑ تھا بے گناہ
میں ہو گیا تباہ کہ تم ہو گئے تباہ
ہاں پھر تجھے نہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوئیں حملہ ور — دیکھا نبیؐ کے لال کو گھوڑے کی باگ پر
فرماتے ہیں حسینؑ بس اُمت پہ رحم کر — اے لال میرے پاس ترا ہو جواں پسر
جب تک کہ سر کٹے نہ جنت میں آؤگے — عباسؑ سے ملوگے نہ اکبرؑ کو پاؤگے

یہ سنتے ہی میان میں کی شہ نے ذوالفقار — رو کر کہا کہ آپ کی اُمت پہ میں نثار
ہے اب فقط حسینؑ کو اماں کا انتظار — آئی صدا بتولؑ کی اے میرے گلعذار
میں بیٹھی تھی برچھی جب اکبرؑ نے کھائی ہے — اماں تو دیر سے تمھیں لینے کو آئی ہے

اس بن کی خاک میں کبھی سر پر اڑاتی ہوں — اصغرؑ کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں
زینبؑ کو ڈھونڈنے کبھی خیمے میں جاتی ہوں — سر پیٹتی ہوئی کبھی میداں میں آتی ہوں
راحت میں فاطمہؑ کی نہ کیوں کر خلل پڑے — جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام — باہم چلے یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
چھوٹی رکاب پاؤں سے ادھر ہاتھ سے لگام — تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام
ہر بی بی در پہ خیمے کے غش کھا کے گرتی تھی — گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر ننگے پھرتی تھی

آخر گرا زمیں پہ زہراؑ کا نازنیں — عرش الٰہ کانپ گیا ہل گئی زمیں
آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شمر آستیں — زانو تو رکھا چھاتی پہ گردن پہ تیغ کیں
بے سر نماز میں پسر فاطمہؑ ہوا — سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

بس اے انیسؔ ختم کلام اب ضرور ہے — لطفِ سخن اٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے
دعوے کلام کا نہ بیاں کا غرور ہے — حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے
مارا دماغ و بحث و سیر کا رزار نیست — لیکن دل و دو نیم کم از ذوالفقار نیست

رباعی

جس پر کہ نظرِ لطف کی شبیرؑ کریں — اونچے اصلاب کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس — جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں
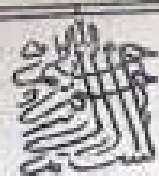
آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب
ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں بے آب
تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف میں جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیر ستم تن سے گزر جاتے ہیں

گیسوئے آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوست ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے
لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
شکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

خوں میں تر جیب عبا کے ہیں سر زخمی ہے
ہے جبیں چاند سی پر نور جگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بے کار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

برچھی آ کر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آ جاتا ہے
بڑھتے ہیں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امامِ دو جہاں گرتے ہیں

گرتے ہیں قطرۂ خوں زخمِ جبیں سے پیہم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہیں غم

ہے عبا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے
زیں سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمدؐ کا نگیں

برچھیاں گڑ دیں اور بیچ میں ہیں شہِ دیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں

لاکھ تلواریں ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے
سیکڑوں خنجر فولاد ہیں اور اک سر ہے

باگ گھوڑے کی شکستی ہے اٹھا سکتے نہیں
کوئی سیّد کا نہیں آہ بچانے والا

پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہو وقتِ زوال
کبھی زینبؑ کا ہو غم گاہ سکینہؑ کا خیال

شکلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر

اہلِ کیں سنتے ہیں یہ تیغِ ستم چمکا کر
یہ سخن سن کے بھی غصہ نہیں فرماتے ہیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِ غفور
کرتے ہیں یہ مجھے بے جرم و خطا تیغوں سے چور

جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
تو نے بچپن سے مرے ناز اٹھائے یا رب

تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب
بھوک میں خلد کا کھانا مجھے امداد کیا

دستِ مجروح سے کھینچ سکتے نہیں تیرِ ستم
کرتے ہیں شکرِ خدا خشک زباں سے ہر دم

ہونٹ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پر خوں ہے
چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں

ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جلد یہیں

ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں
ضربیں لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا

سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
مارے گرمی کے زباں خشک ہو جلتی ہے

اینٹھی جاتی ہو زباں پیاس کی شدت ہو کمال
دن جو ڈھلتا ہو تو حضرت ہوئے بے چین حال

نیرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے
بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر

آبِ شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
یاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
ہاتھ امت پہ اٹھانا نہیں مجھ کو منظور

پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں
وہ عنایت کیا جو تجھ سے کیا میں نے طلب

روزہ رکھا تو چھپا مہر نمایاں ہوئی شب
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد کیا

اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے ربِّ قدیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیر
جلد گردن پہ رواں خنجرِ برّاں ہووے
غم نہیں کچھ مجھے گر بیکس و بے یار ہوں میں
تو مددگار ہے، مختار ہے، لاچار ہوں میں
تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جاوے
سختیاں مرگ کی کر اپنے کرم سے آساں
دل میں ہو یاد تری بند ہو جس وقت زباں
بعد جہلم جو مجھے قبر میسر ہووے
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا
خوفِ محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاس حسین
تقویت دل کو کرم سے ہے ترے احساں
مشکلیں بندوں کی کر دیتا ہے دم میں آساں
عاصیوں سے بھی محبت نہیں کم کرتا ہے
میں تری راہ میں مظلومی سے ہوتا ہوں فدا
چاہتا ہوں میں یہی اپنی شہادت کا صلہ
ہے گوارا مجھے جو کچھ کہ اذیت ہووے
عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہِ بندہ نواز
اے مرے خیر کے فرزند نبی کے دمساز
رتبہ عاشقِ کامل ہے دل شاد رہو تو
تو بھی مقبول ہے اور تیری عبادت بھی قبول
عاجزی بھی تری مقبول شہادت بھی قبول
ہم نے خیلِ شہدا کا تجھے سردار کیا

ہو رواں حلق پہ اس پیاسے کے اب شمشیر
حکمِ حاکم میں یہ طاقت ہے کروں میں تاخیر
اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہو جائے
زیرِ شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
وقت مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں
عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہو جاوے
لب پہ تکبیر ہو جب حلق پہ خنجر ہو رواں
دم بھروں تیرا ہی تن سے جو نکلنے لگے جاں
زخمی تن پہ نثار اے مرے داور ہووے
بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
ہوگی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسین
نہیں مایوس کہ رحمت ہے تری بے پایاں
شکرِ الطاف و عنایات میں قاصر ہے زباں
جرم وہ کرتے ہیں تو لطف و کرم کرتا ہے
تو ہے آگاہ کہ دو دن سے ہوں بھوکا پیاسا
مغفرت امتِ عاصی کی ہو اے بارِ خدا
اُن کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہووے
یک بیک عالمِ بالا سے یہ آئی آواز
تجھ سے ہم خوش ہیں پسند آیا ترا عجز و نیاز
جو کہا وہ ہی کیا صادق الاقرار ہے تو
یہ اطاعت بھی ہے مقبول یہ طاعت بھی قبول
تیری خاطر سے ہے بخشش امت بھی قبول
امتِ احمدِ مختار کا مختار کیا

دوست داروں کا ترے گلشنِ جنت ہو مقام — تا ابد سایۂ طوبیٰ میں کریں گے آرام
ہوں گے محشور ترے ساتھ عزادار تمام — تجھ کو جو روئیں گے تو رنج ان پہ ہو دوزخ کی حرام
غم نہ کھا اہلِ جہاں تیرے محب سارے ہیں — تو ہے پیارا ترے پیارے بھی ہیں پیارے میرے
ہوں گے ہر رنج سے محفوظ ترے تعزیہ دار — سختیِ مرگ نہ ان کو ہو نہ ایذائے فشار
دمِ مردن نظر آوے گا علی کا دیدار — تیرے گلشنِ فردوس کی دیکھیں گے بہار
دارِ دنیا ہی میں ہیں جو سو انھیں ایذا ہے — آنکھیں جب بند ہوئیں پھر تو درِ جنت وا ہے

تجھ سا عابد نہ ہوا ہے نہ کوئی ہووے گا — تیر کھا کھا کے کسی نے بھی یوں شکر کیا
طاعتِ خلق سے اک سجدہ ہے افضل تیرا — عرشِ اعظم پہ ملائک تری کرتے ہیں ثنا
سارا گھر میری محبت میں فنا تو نے کیا — بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا
حشر تک روئے گا مظلومی پہ تیری عالم — تیرا ماتم نہیں ہووے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے یہ شرف بخشیں گے ہم — آئیں گے کعبے کی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبے میں سوا ہووے گی — خاکِ تربت کی تری خاکِ شفا ہووے گی

یہ صدا سن کے ہوئے شاد شہِ ہر دوسرا — آگئی از سرِ نو جسم میں طاقت گویا
جھک گئے سجدے کی طرف شکر سے سر کو جھکا — میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے — اس کفِ خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے
ابھی مولا نے سرِ عجز اٹھایا نہ تھا آہ — نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امامِ یکتا — آئی خاتونِ قیامت کی صدا بسم اللہ
تھا نشہ آپ علی خواب سے گھبرائے ہوئے — دوڑے محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

اک جفا کیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا — چھد گیا توڑ کے چھاتی کو کلیجہ سارا
پشتِ تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا — گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
گرد آلود جبیں سے شہِ پرنور ہوئی — ریت زخموں کے لئے مرہمِ کافور ہوئی
خاک و خوں میں جو تڑپتے تھے شہنشاہِ زمن — گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخمِ بدن
طلبِ آب میں کہتے ہوئے تھے خشک دہن — گرد کھینچے ہوئے تلواریں کھڑے تھے دشمن
غم اسی کا بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی — پھر سکینہ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

کان میں آتی تھی زینب کی صدائے جانکاہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ
تن زخمی پہ جو پیکان ستم گڑتے تھے

کہتا تھا فوج میں سب سے عمر بد اختر
رگیں تفتیدہ ہیں ہے غش میں علی کا دلبر
تیغ سے فاطمۂ زہرا کا گلا چاک کرو

ایسے مظلوم کا سر کاٹنا کیا ہے دشوار
عورتیں ہیں کئی خیمے میں غریب و ناچار
خوں بہا بھی نہ کوئی مانگنے کو آوے گا

کانپ کر کہتے تھے سب ہم سے نہ ہوگا یہ ستم
ایسے مظلوم کی چھاتی پہ جو رکھے گا قدم
بیٹے قبر سے محبوب خدا آویں گے

کون بے کس کو بھلا ذبح کرے بے تقصیر
گو کہ بے کس ہے یہ آساں نہیں قتل شبیر
تو سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی خونخواہ نہیں

تھا جو دمساز عمر ابن نمیر ظالم
تا جبیں ہوگیا مجروح سر شاہ امم
نہ میسر تجھے اس ہاتھ سے کھانا ہووے

چاہا ظالم نے کہ پھر شہ پہ کرے تیغ کا وار
خشک اس وقت ہوئے دست ستمگر یکبار
یاں سر پاک سے حضرت کے لہو جاری تھا

جب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی سرور کو
فوج سے شمر بڑھا کھینچے ہوئے خنجر کو
خلف احمد مختار کا قاتل ہوں میں

دل تڑپ جاتا تھا کرتے تھے عجب درد سے آہ
نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

کھینچے کیوں تیغوں کو ہاتھوں میں کھڑے ہو ششدر
جاؤ کیا دیر ہے کاٹو سر مظلوم کا سر
حملہ ان خاتمۂ پنجتن پاک کرو

جس کا کوئی بھی مددگار نہ ہمدرد نہ یار
مر چکے پہلے ہی جو خون کے تھے دعویدار
اک پسر ہے سو وہ بیمار ہے مر جاوے گا

ذبح فرزند محمد کو نہیں کرنے کے ہم
پاؤں جل جائے گا تھرائے گا عرش اعظم
بخدا فاطمہ کی آہ سے جل جاویں گے

پھیرتا ہے کوئی پیاسے کے گلے پر شمشیر
حشر میں ہوئیں گے محبوب خدا دامنگیر
جنت احمد نہیں حیدر نہیں اللہ نہیں

بڑھ کے تیغ اس نے سر شاہ پہ ماری اس دم
تھام کر سر کو پکارے یہ امام عالم
تو تہی دست جہنم کو روانا ہووے

دیکھا انگشت بدنداں ہیں رسول مختار
ہاتھ سے تیغ گری خوف سے بھاگا خونخوار
ختم سوئے قبلہ تھے بند آنکھیں تھیں غش طاری تھا

غل ہوا یہ کہ غش آیا خلف حیدر کو
سب کہتا تھا کہ اب کاٹو سر سرور کو
کام میرا ہے اسی کام کے قابل ہوں میں

مجھ کو حیدرؑ سے غرض ہے نہ محمدؐ سے ہے کام
دولتِ فاطمہؑ لے جاؤں میں پاؤں انعام
منہ نہ میں دولتِ دنیا سے کبھی پھیروں گا
تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریب
رو رو چلانے لگی زینبؑ ناشاد و حزیں
جسمِ زہراؑ کے پسر پر نہیں کھاتا کوئی
کس سے فریاد کروں جا کے یہیں کیا ہو ہو
لاکھ دشمن ہیں مرا بھائی ہے تنہا ہو ہو
سرورِ گلزارِ رسالت کو قلم کرتے ہیں
گرد زینبؑ کے تھا اور بھی بیبیوں کا ہجوم
کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکینہؑ معصوم
جاؤں گی اب میں ٹھہرنے کی نہیں آپ کے پاس
باپ کے پاس سے جا کر اسے سرکاؤں گی
اپنے بابا کی میں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی
سب کے پیارے مرے بابا کو نہ مارے کوئی
کتنا روکا اسے بانو نے پہ ہرگز نہ رکی
پیچھے سر کھولے ہوئے خیمے سے زینبؑ نکلی
او لعیں حیدرِ کرار کی پوتی ہوں میں
دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر
سر پہ آئے گی تیغ تو میں جاؤں گی کدھر
باپ بن ایک دم آرام نہ آوے گا مجھے
ہنسلیاں اپنی گلے سے تجھے دیتی ہوں اتار
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں ترے آگے ناچار
گھر میں جو کچھ زر و زیور ہے وہ لا دوں گی میں

رو دیں محبوبِ خدا ہو وے خوشی حاکمِ شام
روحِ حیدرؑ کی ہو بے چین مجھے ہو آرام
آج زہراؑ کے کلیجے پہ چھری پھیروں گا
آسماں ہل گیا تھرا گئی عرش کی زمیں
غش میں بھی گھیرے ہیں جو میرے بھائی کو لعیں
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی
نہ محمدؐ ہیں نہ حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ ہے ہے
تیغوں سے کٹتا ہے زہراؑ کا کلیجہ ہے ہے
ہائے سیّد پہ مسافر پہ ستم کرتے ہیں
بانو روتی تھی کھڑی پیٹتی تھی سر کلثومؑ
اے پھوپھی نرغۂ اعدا میں ہیں شاہِ مظلوم
شمر خنجر لیے جاتا ہے مرے بابا کے پاس
جوڑ کر ہاتھوں کو منت سے میں سمجھاؤں گی
خیمے تک ان کو سنبھالے ہوئے آؤں گی
ان کے بدلے مرا تن سے اتارے کوئی
چھوٹے سے ہاتھوں سے سر پیٹتی میداں کو چلی
پہنچی رن میں تو سکینہؑ یہ عمر سے بولی
رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کی ہوتی ہوں میں
باپ اگر مار گیا میرا تو جیوں گی کیوں کر
میں تو ہوں آپ کی خدام اعاشق ہو چلے
کون پھر رات کو چھاتی پہ سلاوے گا مجھے
لے مرے کان کا دُر پر مرے بابا کو نہ مار
منع کر دے کوئی بے کس کو نہ مارے تلوار
جان بابا کی بچے گی تو دعا دوں گی میں

بھیڑ میں مجھ کو نظر آتے نہیں بابا جاں
گرد پھر پھر کے میں ہوں اپنے پدر کے قرباں
دم آخر تو بھلا کام میں آؤں اُن کے
کتنا کہتی رہی وہ جنتِ شہِ عرش جناب
پیٹ کر سر کہا زینب نے کہ او خانہ خراب
ظلم مت کر اسد اللہ کی جائی ہوں میں
میری اماں کا ہے مشہور جہاں میں پردا
اس کی بیٹی ہوں ترے ظلم سے یہ وقت پڑا
مجھ کو اللہ و پیمبر سے چھپاتا ہے تو
مارا جاتا ہے ترے سامنے زہرا کا پسر
تیر کس کو لگے غربال ہوا کس کا جگر
دل زہرا ہے جگر شیر خدا کشتہ ہے
قتل مظلوم کو کیوں کرتا ہے بے جرم و گناہ
دل جلی ہوں ابھی سینے سے کھینچوں گر آہ
بد دعا دوں میں تو نازل ابھی آفت ہووے
غش میں حضرت نے سنے جب کہ زینب کے سخن
دیکھا سر ننگے کھڑی روتی ہے مقتل میں بہن
کہ کیا تم نے کہ پردے سے کھلے سر نکلیں
کس کو سمجھاتی ہو کوئی نہ سنے گا فریاد
جتنا تم پیٹتی ہو اور لعیں ہوتے ہیں شاد
شوق مرنے کا ہے سر تن سے جدا ہونے دو
گود میں میری سکینہ کو اٹھا لو ہمشیر
پھر یہ بچی کو پکارے ترے صدقے شبیر
وقت طاعت ہے ذرا یاد خدا کر لیویں

اتنا کہہ دے کہ رک جائیں یہ بے ایماں
جا کے دیکھوں گی بدن پر ہیں لگے زخم کہاں
اپنے کرتے سے لہو منہ کا میں پونچھوں اُن کے
اس ستم گر نے دیا کچھ نہ سکینہ کو جواب
تجھ کو آتا نہیں کچھ روحِ پیمبر سے حجاب
ننگے سر پردے کے باہر نکل آئی ہوں میں
بعد رحلت بھی جنازہ نہ کسی نے دیکھا
برہنہ تن ہوں گریباں ہو پھٹا سر ہی کھلا
میں تو فریادی ہوں اور آنکھ چراتا ہے تو
دیکھتا ہے تو یہ تلوار میں پڑتی کس پر
ذبح کرنے کو کسے کھینچے ہیں ظالم خنجر
ظلم سے تیرے محمد کا گلا کٹتا ہے
اب تلک میں نے بہت صبر کیا ہے واللہ
تو ابھی جل جائے تری فوج بھی ہو خاک سیاہ
سر کے بالوں کو جو کھولوں تو قیامت ہووے
کھول کر دیدۂ پرخوں کو اٹھائی گردن
بنت زہرا کو پکارے یہ شہنشاہ زمن
جیتے جی میں کہ سرا پردے سے باہر نکلیں
باز آئے گا نہیں قتل سے میرے جلاد
حشر کے روز خدا دیوے گا ان کی داد
جاؤ گھر میں مجھے امت پہ فدا ہونے دو
کوئی اصغر کی طرح مار نہ بیٹھے اسے تیر
تو بھی جا ساتھ بہو بھی جاؤ اے بے دلگیر
ہم بھی اب آتے ہیں سجدے کو ادا کر لیویں

کہہ کے یہ غش ہوئے پھر رن میں شہنشاہِ امم
شمرِ ظالم نے رکھا سینۂ اقدس پہ قدم

جگرِ فاطمہ زہرا پہ چلی تیغِ دو دم
آگئے زینب کے ہوئے ذبح حسینؑ آہ ستم

پیٹ کے بنت شہنشاہِ زمن رونے لگی
باپ کو بیٹی، برادر کو بہن رونے لگی

فتح کا فوجِ مخالف میں بجا نقارا
غل ہوا قتل ہوا شیرِ خدا کا پیارا

بس انیسؔ اب نہیں گویائی کا مجھکو یارا
غم سے خوں ہوگیا سینے میں کلیجہ سارا

کس سے ایسا دردِ مصیبت کا بیاں ہوتا ہے
آنکھیں روتی ہیں قلم روتا ہے دل روتا ہے

رباعیات

دنیا میں ہیں علیؑ کے پیارے ایسے
رضواں ہے فدا گل ہیں یہ سارے ایسے
کہتا ہے یہ حسرت کہ افلاک نے بھی
دیکھے نہیں کہکشاں ستارے ایسے

حاصل جو شہِ دیں کی حضوری ہو جائے
لاکھوں منزل سفر سے دوری ہو جائے
قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت
ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے
ناداں تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا
آمادہ ترا دلیل جانے کی ہے

معراج شہ یثرب و بطحا ہم ہیں
ہر عیب و جنون سے مبرا ہم ہیں
گو دل میں ہزاروں مضموں ہیں مگر
خاموش بزبانِ لب دریا ہم ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتن کی مدح — زینت کلام کی ہے رسولِ زمن کی مدح
ہے لذتِ زباں شہِ خیبر شکن کی مدح — آرامِ جان و دل ہے حسین و حسن کی مدح
ہر دم یہ ذکر باعثِ عیش و سرور ہے — دل کی جو روشنی ہے تو آنکھوں کا نور ہے

دریائے نور کا دُرِ یکتا حسین ہے — رنگیں گلِ حدیقۂ زہرا حسین ہے
مظلومِ کربلائے معلّیٰ حسین ہے — سارا جہاں غلام ہے آقا حسین ہے
رتبہ جلی ہے سب پہ امامِ جلیل کا — خدمت ہے جس کے گھر کی شرف جبرئیل کا

مصباحِ بزمِ حیدرِ صفدر حسین ہے — گلگوں قبائے عرصۂ محشر حسین ہے
بے سر ہے پر زمانے کا سرور حسین ہے — روشن ہے جس سے عرش وہ گوہر حسین ہے
عالم میں کیوں ضیا نہ ہو اس کے ظہور سے — اللہ خود بنائے جسے اپنے نور سے

محبوبِ ذوالجلال کا پیارا حسین ہے — مہرِ عرب کی آنکھوں کا تارا حسین ہے
بعد از حسن امام ہمارا حسین ہے — بخشش کا عاصیوں کی سہارا حسین ہے
سب کو اسی کی حشر کے دن احتیاج ہے — حقا کہ اس کے سر پہ شفاعت کا تاج ہے

ہر سپہرِ امامت و حشمت و جلال — جس کو کبھی ازل سے ابد تک نہیں زوال
زر رنگ تھا کہ گلشنِ ایماں ہوا نہال — سرسبز کر گیا شہِ کبریا کا لال
کیا فیض ہے کہ سایۂ طوبیٰ میں گھر ملا — اُمت نہال ہو گئی ایسا ثمر ملا

پہلے تو زنگ کفر کیا شیرِ حق نے دور
ظاہر ہوئے حسینؑ تو حق نے کیا ظہور
خُوب عشّے کے ساتھ جب اِن کی ولا ہوئی
حامی ہو ایک تن بھی تو آفت کی ہے سپر
ششدر رہوں کس لیے جو منکرِ حیات در
گر آسماں سے بھی کہیں درجے رفیع ہیں
کردیں گے سرد گرمیِ بازارِ آفتاب
شیعوں کی فردِ فرد کو کرلیں گے انتخاب
کہہ دیں گے ہم کہ شاہ کے لشکر کے ساتھ ہیں
ہے جن کو شیرِ حق کے گھرانے سے ارتباط
جب تھام لیں گے جادۂ تبرا باحتیاط
شبیرؑ ہیں عشّے ہیں رسولِ کریم ہیں
جنّاتِ عدن و گلشنِ فردوس رُوئے حُور
آسائشِ بہشت ہر اک راحت و سُرور
اس باغ میں جگہ نہیں خاروں کے واسطے
رونے کا غم میں شاہ کے اشرف سے صلا
مردم پہ کیوں نہ واجب عینی ہو یہ ملا
روئے تو جرم دفترِ عصیاں سے دھو گئے
رونے میں صرف ہو تو نہیں عمر کا حساب
مردم کی آبرو کا سبب دیدۂ پُر آب
جو کچھ ہے اجر تذکرہ لا الٰہ میں
ذکرِ حسینؑ حق کی عبادت سے کم نہیں
نالہ ہر اک اذان و اقامت سے کم نہیں
مسجد سے اوج بیت ہے کب اس مقام کا

برعکس جو تھے قتل ہوئے سب وہ پُر غرور
وہ بھی خدا کے نور تھے یہ بھی خدا کے نور
ایماں کے آئینے کو دوبارہ جلا ہوئی
یارِ پنجتن ہیں جبر ہیں کیا خوف کیا خطر
آٹھوں بہشت شاہ کے ہیں دوستوں کے گھر
بچّا وہ خدا کے دوست ہمارے شفیع ہیں
ہونے گا ابرِ رحمتِ حق دامنِ جناب
ہم پاک ہیں ہمارے گناہوں کا کیا حساب
حیدر ہمارے مالکِ کوثر کے ساتھ ہیں
قدموں سے ہو گئی ہوئی ان کے رہ صراط
اُس پل کو طے کریں گے بصد فرح و انبساط
کیا ڈر ہیں صراط سے دل مستقیم ہیں
وہ گوہر و زبرجد و یاقوت کے قصور
طوبیٰ و کوثر و ارم و خلد و نور
یہ سب ہیں شہ کے تعزیہ داروں کے واسطے
دل کو سرور آئینۂ چشم کو جلا
جو حق سے ان کے نام پہ مانگا وہی ملا
دامن نہ تر ہوا تھا کہ وہ پاک ہو گئے
ان آنسوؤں سے ہو رخِ ایماں کی آب و تاب
حاصل ہر اک نفس پہ تسبیح کا ثواب
حاصل ہیں یاں وہ سب حسنات ایک آہ میں
رونے کا اجر اجرِ شہادت سے کم نہیں
ہر صف کشی نمازِ جماعت سے کم نہیں
وہ گھر خدا کا ہے تو یہ گھر ہے امام کا

رفعت کروں میں تعزیہ خانے کی کیا رقم
اک ایک ذرہ ہے رشکِ درِ گلشنِ ارم
سمجھے اگر فضیلتِ عنبر سرشت کو
حق کہ رکنِ کعبۂ ایماں ہو یہ مقام
قدسی طواف کرتے ہیں آ آ کے صبح و شام
ہے آسماں کا قول کہ میں خاکِ راہ ہوں
ہے کہکشاں کو شوق کہ میں رہگزر بنوں
زہرہ کو آرزو ہے کہ رشکِ قمر بنوں
کہتے ہیں نجم اختر طالع بلند ہوں
ہر اک سبوِ سبیل کا ہے چشمۂ حیات
آتی ہے یاد تشنگیٔ شاہِ کائنات
پانی کو اس کے چشمۂ کوثر پہ فوق ہے
آبِ حیات میں بھی نہ ہوگی یہ آب و تاب
زمزم کو اس کی چاہ میں ہر دم ہے اضطراب
کہتا ہے آب نذرِ امامِ جلیل ہوں
ہیں یہ گلاب پاش کہ فوارہ ہائے نور
پروانوں کی طرح سے ملائک کا ہے وفور
اس گھر کا نور زینتِ عرشِ اکبر ہے
ہے کحلِ چشمِ حور و ملک اس مکاں کی خاک
قرآن ترتبوں کے نثارِ ضریحِ پاک
جرأت کا جوش بھی ہے خدا پر نظر بھی ہے
ہے پست اوج پایۂ منبر سے نہ فلک
شمعوں کا نور اور علمِ پاک کی جھلک
مجلس میں مومنوں نے جو آنسو بہائے ہیں

ہے جلوہ گاہ روحِ رسولِ فلک حشم
آتی ہے بوئے خلد صبا لے کے دم بدم
رضواں بھی بھول جائے شمیمِ بہشت کو
میکال و جبرئیل ہیں مصروفِ اہتمام
کوئی تو بھیجتا ہے درود اور کوئی سلام
کہتا ہے عرش فرشِ درِ بارگاہ ہوں
خورشید کو ہوس ہے کہ قندیلِ در بنوں
ہے نور کی ہوس کہ چراغ آن کر بنوں
مجمر بنے جو مہر تو ہم بھی سپند ہوں
صدقے ہیں ایک جام پہ سو کوزۂ نبات
سردی میں اس کی حشر کی گرمی سے ہو نجات
پانی خضر کو سبیل بنانے کا شوق ہے
کوثر کے منہ میں آب ہے جس کے بھر آئے آب
خوشبو یہ ہے کہ شرم سے پانی ہو یاں گلاب
دھونے سبیل کو ہے کہ میں سلسبیل ہوں
شمعیں ہیں دستِ حور میں یا ہے چراغِ طور
کعبہ بھی گر طواف کو آئے تو کیا ہے دور
یہ بارگاہ و قبلۂ عالم پناہ ہے
اے ہدیۂ آسمانِ شرف روحنا فداک
دل جس کو دیکھ دیکھ کے ہوتے ہیں چاک چاک
قرآں بھی ہے حضور میں تیغ و سپر بھی ہے
منبر پہ روضہ خواں ہو کہ جو عرش پر ملک
جس کی چمک زمیں سے ہو آسماں تلک
دیکھو دعا کو ہاتھ علم نے اٹھائے ہیں

پیچیدہ عود کا یہ دھواں اور گلوں کی بو — گویا کھلے ہیں گیسوئے حوران ماہرو
بے تاب ہیں علیؑ ولی شاہ نیک خو — منبر کے پاس روتی ہیں زہراؑ کشادہ مو
اس بزم میں رسولؐ جو ماتم کو آئے ہیں — سر پیٹنے کو ہاتھ علیؑ نے اٹھائے ہیں

ہے جلوہ گر جو حضرت عباسؑ کا علم — شوکت وہی ہے رعب وہی اور وہی حشم
مشکِ سکینہؑ دیکھ کے گڑتے ہیں تیرِ غم — ہیہات ایسے شیر کے بازو ہوئے قلم
ہر دم رہے نہ کیوں دلِ زہراؑ بھرا ہوا — ہے آج تک لہو سے پھریرا بھرا ہوا

رونق ہو کیوں نہ تعزیہ خانوں میں جابجا — ہوتے ہیں خود شریک شہنشاہِ کربلا
کرتا ہے نقل ایک متولی پارسا — یعنی ہوا فلک پہ جو ظاہر یہ عزا
عیشِ جہانِ دوں کو فراموش ہو گیا — سب شہر مثلِ کعبہ سیہ پوش ہو گیا

بزمِ عزا تھا روضۂ سلطانِ مشرقین — دن رات مجلسیں تھیں سب اور ماتمِ حسینؑ
مردوں میں شورِ سینہ زنی عورتوں میں بین — آتی تھی فاطمہؑ کی صدا ہائے نورِ عین
جس دم بیاں شہادتِ سرور کے ہوتے تھے — زوار قتل گاہ میں جا جا کے روتے تھے

اک شب جو میں نے غور سے روضے پہ کی نظر — دیکھا اداسی چھائی ہے مرقد پہ سر بسر
صندوق پر وہ نور نہ رونق ضریح پر — جس طرح بادشاہ کرے شہر سے سفر
ہے عرش پر وہ زینتِ عرشِ بریں نہیں — ثابت یہ تھا مکاں تو ہے لیکن مکیں نہیں

کچھ کہہ سکا نہ میں یہ رہا دل کو اضطراب — جہلم کے بعد میں نے یہ دیکھا میانِ خواب
روضے میں جلوہ گر ہیں شہِ آسماں جناب — سمجھا ضریحِ پاک کو میں برجِ آفتاب
قربان تھے ملک حرمِ روشن کی شان پر — تھی چاندنی زمین پہ نور آسمان پر

کرتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے حق سے یہ دعا — یا غافر المعاصی و یا واہب العطا
بہرِ نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ و مجتبیٰؑ — کچھ اور دے نہ اکبرؑ و اصغرؑ کا خوں بہا
امت کو واسطے مرے پیاروں کے بخش دے — یا رب گناہ تعزیہ داروں کے بخش دے

عسرت میں میرے شیعوں کا رہ تو کفیلِ کار — وسعت دے ان کے رزق میں ہیں یہ عیال دار
آساں کر ان غریبوں پہ سختیِ احتضار — سوئیں لحد میں جب تو نہ ہو صدمۂ فشار
داماں ہو فاطمہؑ اور ان کے ہاتھ ہوں — جب روزِ حشر ہو تو یہ سب میرے ساتھ ہوں

فارغ ہوا اس دعا سے ہوئے شاہِ تشنہ لب
خادم میں یہ، رہا ہے محرم میں اندوہ و غضب
ہر سو ہجوم حسرت و اندوہ و یاس تھا
کیا یاں نہ تھے حضور کہا آپ نے کہ ہاں
ہے ہر جگہ ظہور زمیں ہو کہ آسماں
تربت تو یاں ہے کیوں مرے زوار اداس تھے
دنیا میں دوستوں کی بھی خاطر ضرور ہے
ہر دل میں روشنی ہے ہر اک گھر میں نور ہے
ہے مجھ سے قرب بعد ہو گر مشرقین کا
مصروف دل سے ہیں سبھی غم میں وہ خوش سیر
بر میں سیہ لباس تو رخ آنسوؤں سے تر
ہر چند کس جگہ مرا غم دہر میں نہیں
آداب تعزیت میں ہیں مصروف صبح و شام
لب پر کبھی درود، تحیت کبھی سلام
رہتے ہیں تربتوں کو وہ قرآں سمجھتے ہیں
پیاسوں کا ذکر تشنہ دہانی ہے جابجا
ہم کربلا نہ جو وہی پانی ہے جابجا
دل اُن کے بےکسی پہ مری دردناک ہیں
دروازے پر سبیلیں ہیں لشکر ہیں جابجا
بازار میں بلند ہے سقوں کی یہ صدا
پیلے نہ جاؤ نذر حسینؑ قتیل ہے
کیا عشق ہے کہ نام پہ میرے فدا ہیں سب
غمخوار اہلبیت رسولِ خدا ہیں سب
سبطِ نبیؐ کی پیاس پہ آنسو بہاتے ہیں

کی عرض میں نے جھک کے قدم پر بصد ادب
رونق جو آج ہو یہ نہ تھی اس کا کیا سبب
مولا کہاں روضۂ انور اداس تھا
میں نور حق ہوں عرش خدا ہے مرا مکاں
تھا فیض یاں ہند کا شبیرؑ مہماں
جو کربلا سے دور ہیں ہم ان کے پاس تھے
تم پاس ہو تو اوروں سے مرقد بھی دور ہے
میں آفتاب ہوں مرا ہر جا ظہور ہے
جس گھر میں تعزیہ ہو وہ گھر ہے حسینؑ کا
سر پیٹنے میں ہوتے ہیں دن ان کے یوں بسر
مجلس نہ جس میں ہو کوئی ایسا نہیں ہے گھر
ماتم جو گھر میں ہے وہاں یہ کسی شہر میں نہیں
سو طرح کا نذر میں کرتے ہیں اہتمام
حرمت ضریح کی ہے علم کا ہے احترام
منبر کو اور ضریح کو ایمان سمجھتے ہیں
چشموں سے آنسوؤں کے روانی ہے جابجا
نوحے ہیں اور مرثیہ خوانی ہے جابجا
سینے تو ہیں کبود، گریبان چاک ہیں
رہتے ہیں مثل آئینہ قلب باصفا
پی لو یہ آب بہر شہنشاہ کربلا
تھا جس کا قحط اب وہی پانی سبیل ہے
کیوں کر نہ ہوں غلام [illegible] ہیں سب
مظلوم کے ہیں دوست کثیر البکا ہیں سب
خنجر کا نام سن کے تو غش ان کو آتے ہیں

سنتے ہیں نامرادیِ قاسم کا جب بیاں
غل کرتے ہیں کہ مر گئے عباسِ نوجواں
جب ذکرِ تشنہ کامیِ اصغر کے ہوتے ہیں
پیاسے رہے ہیں ساتویں تاریخ سے جو ہم
ہوتا ہے آٹھویں سے تو یہ شہر بزمِ غم
روحِ علیؑ بھی ساتھ محبوں کے ہوتی ہے
دُلدل بنا کے لاتے ہیں وہ سب بچشمِ تر
چھینٹیں لہو کی زیں پہ اور تیر ادھر ادھر
غش آتے ہیں کلیجوں پہ شمشیر پھرتی ہے
ہوتی ہے جب عیاں وہ شبِ حسرت ملال
ہوتا ہے فرطِ غم سے عجب عورتوں کا حال
ہر تعزیے کے سامنے یوں بین ہوتے ہیں
روتی ہیں بیبیاں جو گھروں میں ہیں پردہ نشیں
چلاتی ہیں جو لڑکیاں ہیں ہو کے ہے حسینؑ
ان کی بکا سے تیرِ الم دل پہ چلتے ہیں
کیوں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو نہ یہ ملال
یاد رہے نصیب خوشا حشمت و جلال
سجدہ کرو کہ نذر تمھاری قبول ہے
رو رو کے فصلِ گریہ و ماتم قریب ہے
ذی الحجہ کا سفر ہے محرم قریب ہے
آ پہنچے ہیں غریبوں کی مشکل کشائی کو
ہے دھوم ہر طرف کہ سواری ہے متصل
قدرِ شمع ہیں اشک کے دانوں سے منفعل
خواہش نہیں کچھ اور شہِ خاص و عام کو

سر پیٹتے ہیں سب بنے دولھا بصد فغاں
اکبرؑ کے غم سے چشم کسی کی ہو خونفشاں
کرتوں سے منہ کو ڈھانپ کے بچے بھی روتے ہیں
شربت پہ نذر دیتے ہیں وہ صاحبِ کرم
تابوت واں اٹھاتا ہے کوئی، کوئی علم
زہرا ہر ایک بزم میں جا جا کے روتی ہے
مجلس کے لوگ پیٹتے ہیں اللہ کے اپنا سر
ہر سمت سے وہ نکلتی ہوئی تیغ اور سپر
آنکھوں میں ذوالجناح کی تصویر پھرتی ہے
جس کی سحر کو قتل ہو فاطمہؑ کا لال
ماتم میں کھول دیتی ہیں اپنے سروں کے بال
جیسے کسی عزیز کی میت پہ روتے ہیں
اس وقت یاد آتے ہیں زینبؑ کے مجھ کو بین
یاد آتی ہو سکینہؑ مجھے اپنی نورِ عین
غربت پہ اپنی خود مرے آنسو نکلتے ہیں
کرتا ہے خود تمھاری ثنا فاطمہؑ کا لال
کس مرتبہ خوشی ہیں شہنشاہ خوش خصال
رونا قبول تعزیہ داری قبول ہے
جس کی خوشی دلوں کو ہو وہ غم قریب ہے
اب آ چکا امامِ دو عالم قریب ہے
ہو آنسوؤں کی فوج رواں پیشوائی کو
آنکھیں لیے ہیں پنجۂ مژگاں میں تحفۂ دل
ہاتف کی ہے صدا کہ غریبو نہ ہو خجل
تسبیحِ اشک چاہیے نذرِ امام کو

ہے قہر شبِ نورِ سحر سر پہ سفید
بام و ستون و خانہ و دیوار و در سفید
جیسے بیاضِ چشم ادھر اور اُدھر سفید
مردم سیاہ پوش ہیں سب اہلِ گھر سفید
روشن ہو کیوں نہ تعزیہ خانہ حسینؑ کا
سب نور ہے یہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا

مصروفِ غم رہو کہ یہ صحبت ہے مغتنم
مجمع یہ دوستوں کا یہ رقت ہے مغتنم
سر پہ اجل کھڑی ہے یہ فرصت ہے مغتنم
ہاتھ آئے گی نہ پھر کہ دولت ہے مغتنم
گو مر گئے تو ماتمِ شاہِ امم کہاں
یہ مجلسیں تو حشر تک ہیں پر ہم کہاں

شکرِ خدا کہ موت نے دی مہلت اس برس
اک دم میں ٹوٹ جاتا ہے یہ رشتۂ نفس
جو دی حیات ہے اسے جینے کی ہے ہوس
لیکن قضا سے کچھ نہیں چلتا کسی کا بس
چپکے چلے گئے ہیں زباں تک ہلی نہیں
ہم کیا پیمبروں کو تو مہلت ملی نہیں

فانی ہیں سب کسی کو نہ دے گی اجل اماں
چکھے گی آہ ذائقۂ موت ہر زباں
اس دم کھلے گا جسم سے نکلے گی جب یہ جاں
تھا گنجِ شائگاں کہ ہوا صرفِ رائگاں
لازم ہے قدرِ عشرہ کو جنسِ خطیر ہے
جس کی بہا نہیں ہے وہ دُرِ بے نظیر ہے

پھر کر نہ آئے گا وہ گزرتا ہے جو کہ دم
اس دم کی احتیاط مناسب ہے دمبدم
کہتا ہے دم قریب ہے اب منزلِ عدم
ڈھلتا ہے سن مگر ہوئی جاتی ہے عمر کم
انجامِ کار قبر کی منزل نظر میں ہے
ہم ہیں وطن میں عمر ہماری سفر میں ہے

جو شے کہ مستعار ہو کیا اس کا اعتبار
ہر گل پہ یاں خزاں ہو کبھی اور کبھی بہار
ہے عمر بے وفا تو زمانہ ہے بے مدار
آنکھوں کے آگے اٹھ گئے کیا کیا رفیق و یار
افسوس اس چمن میں وہ سروِ رواں نہیں
ڈھونڈیں انہیں کہاں کہ قدم کا نشاں نہیں

کیسے شریکِ تعزیہ داری تھے اگلے سال
اور اس برس تو زیرِ زمیں ہیں وہ خوش خصال
معلوم کیا نہیں کہ وہاں کیا ہوا ان کا حال
عزت پہ ان کی رحم کرے ربِ ذوالجلال
جز بے کسی نہیں کوئی ہمدم مزار میں
تنہا پڑے ہیں خانۂ تاریک و تار میں

رختِ سیہ عزا میں جو کرتے تھے زیبِ تن
سوتے ہیں آج قبر میں پہنے ہوئے کفن
مٹی میں بھیگنے پاتے نہ تھے جن کے پیرہن
پیوندِ خاک ہو گئے وہ غیرتِ چمن
سب گلعذار عاشقِ سبطِ رسول تھے
آخر وہ لوگ بھی کسی گلشن کے پھول تھے

جن دوستوں کی یاد میں روتے ہیں آج ہم
کل اور اسی طرح سے کریں گے بپا الم
ہستی سے ہے ضرور سفر جانبِ ارم
ماتم کرو حسینؑ کا جب تک ہے دم میں دم
حامی تھا اسبطِ رسالت پناہ ہے
توشہ یہی ہے اور یہی زادِ راہ ہے

یہ دن وہ ہیں کہ راہ میں ہیں شاہ بحر و بر
آئی ہے قتلِ مسلمِ مظلوم کی خبر
ہیں اہلبیت محمل و ہودج میں نوحہ گر
آفت کا سامنا ہے مصیبت کا ہے سفر
گھیرے ہے رنج حسرت شہِ عالم پناہ کو
کاٹا ہے سختیوں سے پہاڑوں کی راہ کو

دو منزلیں ادھر تھیں ابھی شاہِ کم سپاہ
ظاہر ہوا ہلالِ محرم فلک پہ آہ
دیکھا جو چاند رونے لگے شاہ دیں پناہ
پڑھ کر دعا رخِ علی اکبرؑ پہ کی نگاہ
رونے پہ شہ کے قاسمِ بے پر نے رو دیا
بابا کے منہ کو دیکھ کے اکبرؑ نے رو دیا

تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امام
اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہِ شام
آنے کی شمر کے ہوئی چھٹی کو دھوم دھام
تھی پانچویں کہ دشتِ ستم بھر گیا تمام
زغنہ ہوا چھٹی سے شہِ مشرقین پر
ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسینؑ پر

تھا ہشتم و نہم کو تو اک شورِ العطش
تھے نہرِ علقمہ سے بہتی کنارہ کش
خیمے میں جاں بلب تھے کئی طفلِ مہوش
اصغر کو اور سکینہؑ کو آتے تھے غش پہ غش
تھا قحطِ آب گھر میں شہِ حق شناس کے
بانو کا دودھ گھٹ گیا شدت سے پیاس کے

حصہ مظالم

جب رن میں صبحِ قتل غریباں عیاں ہوئی
ہمراہ شب سپاہِ کواکب رواں ہوئی
تیار فوجِ قبلۂ کون و مکاں ہوئی
واں طبلِ جنگ بجنے لگا یاں اذاں ہوئی
مصروف حق کی یاد میں سب ارجمند تھے
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند تھے

ہوتے تھے تیز یاں پہ واں خنجر و تبر
سجدے میں یاں جھکے ہوئے تھے غازیوں کے سر
یہ فوج تھی خدا کی وہ تھا لشکرِ عمر
اعمالِ خیر یاں تھے ادھر کید و مکر و شر
ایمان اور کفر میں باہم لڑائی تھی
کعبے پہ کافرانِ عرب کی چڑھائی تھی

پہنے ہوئے تھے بر میں زرہ واں ہر اک شریر
یاں بازوؤں پہ حفظ کو تھے جوشنِ کبیر
جوڑے تھے کانوں پہ ہر اک جوان و پیر
آہوں کی برچھیاں تھیں ادھر اور دعا کے تیر
شبیریوں کو وردِ نامِ خدا صبح و شام تھا
سیفی تھی ان کی سیف سپر حق کا نام تھا

پیچھے صفیں درست تھیں آگے شہِ امام
تسبیح خاک پاک میں جو جس طرح امام
سجدہ کبھی تھا گاہ قعود اور کبھی سلام
تھے کس حضور قلب سے حاضر وہ تشنہ کام
دربار کبریا میں ہر اک فرض ادا تھا
ان کی طرف نماز کو روئے نیاز تھا

حاضر تھی پانچ وقت اطاعت میں ان کی نماز
ہر دم تھا ان کی صوت حسن پر اذاں کو ناز
قد قامت ان کے قامت موزوں سے سرفراز
تھا با ادب رکوع جھکائے سرِ نیاز
جبیں ور ود ان کی نہ کیوں روح پاک پر
سجدے کا سر ہے آج تلک جن کی خاک پر

استادہ تھا قیام اطاعت میں روز و شب
واں خود قعود تہ کئے تھا از پئے ادب
شائق قنوت تھا کہ اٹھائیں گے ہاتھ کب
مشتاق تھی دعا کہ ہلیں گے کب ان کے لب
عشق ان سے تھا تشہد عالی کلام کو
تسلیم کرتے تھے ملک ان کے سلام کو

فارغ ہوئے نماز سے جب وہ خدا پرست
کمریں بندھیں کہ ہے یہ لڑائی کا بندوبست
اک اک شیر تھا حُبِ علی سے مست
تھے عزم یہ کہ فوج ضلالت کو دیں شکست
سر بھی کٹیں تو رن میں قدم گاڑ دیجئے
کوفے کے در پہ جا کے علم گاڑ دیجئے

تعقیب فرض صبح ابھی پڑھ رہے تھے شاہ
جو تیر آئے رن سے گئے سوئے خیمہ گاہ
کی مڑ کے شاہ نے رُخِ عباس پر نگاہ
غازی نے عرض کی کہ بڑھی آتی ہے سپاہ
لازم ہے جنگ خیمے کی ڈیوڑھی سے دور ہو
روکے انھیں غلام جو حکم حضور ہو

شہ نے کیا اشارہ کہ چلتے ہیں ہم بھی اب
آنے دو تیر جاؤ نہ تم جو رضائے رب
چپ رہ گیا یہ سن کے وہ غازی بصد ادب
سجدے میں سر جھکا کے اٹھے شاہِ تشنہ لب
رخصت کو بیبیوں سے علی کا خلف گیا
بیت الشرف میں تیر برج شرف گیا

خیمے میں جا کے شاہ پہننے لگے لباس
ہتھیار جب سجے تو ہوئی بیبیوں کو یاس
بانو کا رنگ زرد تھا زینب تھی بے حواس
دامن قبا کا پکڑے کھڑی تھی سکینہ پاس
پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھارئیے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر
کیا بابا جان یاں سے کہیں اور ہے سفر
اچھا چلو کہاں تو ڈری ہوں میں رات بھر
آواز گریہ آتی ہے جنگل سے تا سحر
اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں
اصغر بھی چونک چونک کے جھولے میں روئے ہیں

پھوپھی بھی سنتی تھیں یہ شاہِ نامدار
صاف آتی تھی صدا مرے بیکس پدر نثار
سونا ہے کل زمیں پہ مرے رشکِ ماہ کو
دل کانپتا ہے غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
جلتی ہے لو کبھی، کبھی اڑتی ہے گرد خاک
جنگل کے لوگ آ گئے : لشکر کو لوٹ لیں
بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر
کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی بچھونے میں رات بھر
کانوں سے بالیاں جو اتارے تو کیا کروں
ہر دم صدا یہ آتی تھی یا سرورِ زمن
قسمت میں ہے کہ رانڈ بنے اک نئی دلھن
برباد خاندانِ رسولِ کریم ہو
کس کو یتیم کہتے ہیں یا شاہِ دیں پناہ
روکا ہے واں ہیں کہ چشمہ جہاں نہ چاہ
فاقہ تو ارث ہے ہمیں اس کا گلہ نہیں
بیٹی کے اس کلام پہ روئے امامِ دیں
زندہ ابھی تو ہے پدر بیکس و حزیں
مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
اچھا نہ یاں رہیں گے جو لگتا ہے تم کو ڈر
ان بھولی بھولی باتوں پہ قربان ہو پدر
دشمن ہیں سب امامِ غریب الدیار کے
ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھا دے تمھارے کان
تجھ پر نثار جانِ حسینؑ اے سکینہ جان
اس غم سے مجھ کو صبر نہیں بیقرار ہوں

اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی تھی زار زار
ہے ہے حسینؑ تیر اگلا اور چھری کی دھار
بالوں سے جھاڑ آئی ہوں میں خوابگاہ کو
کیا ملال خیز ہے یہ دشت ہولناک
گریاں رہی تو شب کو میں جاؤں گی ہلاک
دشمن کہیں : فاطمہؑ کے گھر کو لوٹ لیں
اٹھواؤ خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر
ڈرتا ہے دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گہر
کوئی طمانچہ آن کے مارے تو کیا کروں
اب گرد میں ہیں آلِ محمدؐ کی انجمن
بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن
ڈھل جائے دوپہر تو سکینہ یتیم ہو
یہ کیا غضب ہے کون سا مجھ سے ہوا گناہ
کیا خوب میہمانیٔ آلِ نبیؐ ہے واہ
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں
منھ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں
بی بی نہ رو و دور نہ جائیں گے ہم کہیں
پانی تمھارے واسطے لینے کو جاتے ہیں
ہم بعد عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
سچ ہے کہ یہ مقام نہایت ہے پرخطر
دکھلاؤ ماں کے پاس یہ بُندے اتار کے
فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمھارا ہے مجھکو دھیان
بن پانی اینٹھی جاتی ہے ننھی سی یہ زبان
بی بی تمھارے منھ سے بہت شرمسار ہوں

تم تشنہ لب ہو اور ہیں سیراب وحش و طیر — اپنا جنھیں سمجھتے تھے نکلے وہ لوگ غیر
بس اب خدا اٹھائے بہت کی جہاں کی سیر — مانگو دعا کہ باپ کا ہو خاتمہ بخیر
بے کس پہ اب کرم اجلِ نیک پے کرے — شبیر جلد آج کی منزل کو طے کرے

تو الوداع گود میں اب والدہ کی جاؤ — گھٹتا ہے خوں حسین کا آنسو نہ تم بہاؤ
چھاتی سے پھر لپٹ کے ذرا منہ سے منہ ملاؤ — اک بار اور کاکلِ مشکیں کی بو سنگھاؤ
آئیں نہ آج ہم تو سکینہ نہ رو دیا — شب کو پھوپھی کی چھاتی پہ منہ رکھ کے سوئیو

بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی میں پدر — جنگل میں چھوڑ کر مجھے جاؤ گے کس کے گھر
بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہِ بحر و بر — یہ پیار آخری ہے مرے دل کو ہے خبر
میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ — صغرا تو واں چھٹی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ

مانوں نہ ایک میں کوئی مجھ سے کہے ہزار — باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہِ نامدار
مجھ کو اتار دیتے ہو گودی سے بار بار — بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا پیار
ہے ہے طبیعت آپ کی بیٹی سے ہٹ گئی — اتنی سی عمر میں مری قسمت الٹ گئی

حضرت کے سامنے تو ہے اعدا کا یہ ستم — فاقے پہ فاقہ دکھ پہ ہو دکھ اور غم پہ غم
ہوگا نہ جب کوئی تو رہیں گے کدھر کو ہم — شب کیسی دن کو دشت میں لٹ جائیں گے حرم
ہوں گے وہ ظلم جو نہ سنے ہوں جہان میں — رسّی گلوں میں ہوگی گلے ریسمان میں

جس دم کیے سکینہ نے یہ جانگزا کلام — روئے لپٹ کے زینبِ ناشاد سے امام
قدموں پہ تھی جھکی ہوئی بانوئے نیک نام — کھولے سروں کو بیٹھی تھیں بیبیاں تمام
آمادۂ سفر تھا مسافر عراق کا — تھا شور الوداع کا اور الفراق کا

نکلے حرم سرائے شہِ آسماں شکوہ — پُر نور ہو گئے رخِ روشن سے دشت و کوہ
ہاتھوں پہ سر دھرے تھے جوانانِ حق پژوہ — حقا کہ بادشاہ عجب تھا عجب گروہ
ایذا کشِ عشقِ شاہ ہیں چین ان کے واسطے — بہتر حسیں وہ تھے حسین ان کے واسطے

دیندار فرشتہ وش وفادار اہلِ درد — سرمہ ہے چشمِ حور کا جن کے قدم کی گرد
لب پیاس سے کبود تو فاقوں سے رنگ زرد — دم میں اگر صفوں کو الٹ دیں دمِ نبرد
رستم نظر ملا نہ سکے ان کی چشم سے — مر جائے ڈر سے شیر کو دیکھیں جو خشم سے

ہر بات میں خشوع و خضوع و فروتنی
محتاج پر حسینؑ کی دولت سے دل غنی
قبضے میں جوں کمان ہنر ناوک افگنی
جنگ آزما ہنر ور وغا تیغ کے دھنی
گر آسماں گرے تو زمیں پر کھڑے رہیں
ٹل جائے کوہ پر قدم ان کے گڑے رہیں

تھا ولولہ جہاد کا مشتاق جنگ تھے
کمریں کسی کھنچے ہوئے گھوڑوں کے تنگ تھے
رانوں میں بیقرار کمیت و سُرنگ تھے
تھے بحر میں نہنگ تو بر میں پلنگ تھے
گھوڑے اڑا کے تیغ سے بجلی کو پے کریں
پانی تو کیا ہے آگ کے دریا کو طے کریں

ان سب کو لے کے آئے جو دشتِ وغا میں شاہ
غل تھا عجب شکوہ کا لشکر ہے واہ واہ
صف باندھ کر کھڑے ہوئے جس دم وہ نیک خواہ
دیوارِ نور کھنچ گئی گویا میانِ راہ
جلوہ رُخوں کا غازیوں کے تا فلک گیا
بڑے فلک زمیں کا ستارہ چمک گیا

کھولا جناب حضرتِ عباسؑ نے علم
رفعت ہوئی نثار تصدق ہوا حشم
اڑنے لگا ہوا سے پھریرا جو دم بدم
دشتِ وغا میں پھیل گئی نکہتِ ارم
پرچم فزوں تھا حسن میں گیسوئے حور سے
خورشید زرد ہو گیا پنجے کے نور سے

ناگاہ کوسِ حرب بجا فوج میں ادھر
شورِ دہل سے آ گئے جنبش میں دشت و در
گرجا جو طبل رعد بجا کر الحذر
قرنا کے غل نے کر دیا گوشِ سپہر کر
دھاوں کا ابر اٹھا کہ زمیں تیرہ ہو گئی
تیغوں کی بجلیوں سے نظر خیرہ ہو گئی

نکلے وغا کو شہ کے رفیقانِ بے نظیر
چمکی ادھر سے تیغ تو برسے ادھر سے تیر
لیکن کہاں قلیل کہاں لشکرِ کثیر
خوں کی شفق میں ڈوب گئے وہ مہِ منیر
نے بھوک سے ہراس انھیں تھا نہ پیاس سے
سینوں پہ زخم کھاتے تھے کس کس حواس سے

اک بار دس ہزار کمانیں ہوئیں جو زہ
تیر آئے اس طرح کہ برستا ہو جیسے مینھ
نے تھی شکن جبیں پہ نہ ابرو پہ تھی گرہ
تیروں سے غازیوں کی قبائیں بنی زرہ
سوئے جناں پچاس مددگارِ شہ گئے
باقی بس شیر فوجِ حسینی میں رہ گئے

یوں ان کے بیچ میں تھے شہِ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
چہروں پہ وہ صفا کہ خجل موتیوں کی آب
تھامے شکار بند کوئی اور کوئی رکاب
آنکھیں لڑی ہوئی تھیں صفِ فوجِ شام سے
تلواریں اگلی پڑتی تھیں ان کی نیام سے

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
ہاتھوں میں زور صف شکنی دل میں شوقِ جنگ
رگ رگ میں ان کی زورِ شجاعت بھرا ہوا

نکلے رضا جہاد کی لے کر جو وہ دلیر
انبار دست و پا کے ہوئے اور سروں کے ڈھیر
جن کے خدنگ گرتے تھے بکتر کو توڑ کر
لڑ کے کئی لڑے کہ جواں خوں میں بھر گئے
بجلی سے تیغ کے ادھر آئے ادھر گئے

دہشت سے زرد تھے یہ شجاعوں کا رنگ تھا
یکتا تھے جو جواں اجل ان سے دوچار تھی
یارا قرار کا نہ مجال فرار تھی
تھا شور کس جری کے پسر یہ دلیر ہیں

نصف النہار رنگ تھا ہنگامۂ جدال
مارا گیا جہاد میں قاسمؑ حسنؑ کا لال
گھر سے نکل کے شہ کی بہن پیٹنے لگی
لپٹی دلہن سے دولھا کی ماں پھینک کر ردا
بچپن میں رانڈ ہو گئی تو وا مصیبتا
یہ داغ تھا نصیب میں مجھ سوگوار کے

یہ شور تھا کہ آن کے فضہ نے دی خبر
بیٹھے ہو کیا اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
ماتم کرو جھلے کا بھرا گھر اجڑ گیا
دوڑے دلہن کو چھوڑ کے ناموسِ مصطفیٰ
اٹھی مگر نہ زوجۂ عباسؑ باوفا
پرسا دلھن کو دیتی تھی وہ اور دلہن اُسے

چہرہ کسی کا غیرتِ گل کوئی سبز رنگ
وہ موسمِ شباب، جوانی کی وہ امنگ
آنکھوں میں نشۂ مے وحدت بھرا ہوا

ہر صف پہ یوں لگے کہ جھپٹتا ہو جیسے شیر
سرکش تھے وار کے ان کی زبردستیوں سے زیر
بھاگے وہ مثل تیر کمانوں کو چھوڑ کر
گھوڑوں پہ جو چڑھے تھے سر ان کے اتر گئے
دو کر دیا اسے تو اسے چار کر گئے

اسوار کی کمر تھی نہ گھوڑے کا تنگ تھا
گرتی ہیں بجلیاں یہی ہر سو پکار تھی
چھوٹے نیمچوں کی چمک دل کے پار تھی
حضرت پکارتے تھے کہ شیروں کے شیر ہیں

آئی مگر قیامتِ کبریٰ دمِ زوال
دولھا کی لاش ہو گئی گھوڑوں سے پائمال
سہرا بڑھا کے سر کو دلہن پیٹنے لگی
کہتی تھی میں نہ مر گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
ناشاد، نامراد ہوئی میں ترے فدا
رنڈسالا پہنا بیاہ کا جوڑا اتار کے

وہ سوگوار ٹوٹ گئی شاہ کی کمر
مارے گئے فرات پہ عباسؑ نامور
فریاد ہے کہ بھائی سے بھائی بچھڑ گیا
کوئی تو ننگے سر تھی کوئی تھی برہنہ پا
دو رانڈیں پیٹنے لگیں منہ پہ ایک جا
بازو سے تھامے تھی شہ کی بہن اُسے

روتا تھا ماں کے پاس علمدار کا پسر
چلاتی تھی تڑپ کے سکینہ بچشم تر
پانی کو مانگتے ہیں بہت شیرخوار نُوں
پڑھتے ہیں بیبیوں کو ہو الفاتہ الفراغ
پیری میں قہر ہے پسر نوجوان کا داغ
پہونچے ہیں دیر میں جو تن پاش پاش پر
لکھتا ہے یہ حمید کہ سنتے ہی یہ خبر
اک آسمانِ نور سے نکلے کئی قمر
ظاہر تھا صاف سب کے منھوں کی ترشح سے
اک بی بی سب کے آگے تھی بکھرائے سر کے بال
بیتا تھا چرخ کہتی تھی جب وہ بصد ملال
صدقے گئی دلھن بھی نہ ماں کو دکھا گئے
آئی جناب فاطمہ کی یک بیک صدا
کاٹا ستمگروں نے مرے لال کا گلا
روندیں گے اب سوار تن پاش پاش کو
زینب نے ڈھکے فوج کی جانب جو کی نگاہ
ہے ہے حسین کہکے گری وہ بانگ آہ
ہم سب کے چین اب تہ افلاک اٹھ گئے
لوٹا بلا کے گھر سے محمد کی آل کو
ہے ہے کفن دیا بھی نہ زہرا کے لال کو
دیکھیں بغور زخم تن پاش پاش کے
لاشے کے گرد جمع تھیں ازواج انبیا
دامن تنگ تھا چاک گریبان تھا
زہرا پچھاڑیں کھاتی تھیں دلبر کی لاش پر

کہتا تھا ہم یتیم ہوئے مر گئے پدر
لٹ جائیں گی چچی مجھے اس کی نہ تھی خبر
ہے ہے مری چچی میں تمہارے نثار ہوں
جو رن میں غل ہوا کہ شاہ فاطمہ کا باغ
لو گھر ہوا امام دو عالم کا بے چراغ
آیا ہے غش حسین کو اکبر کی لاش پر
سیدانیاں خیام سے دوڑیں برہنہ سر
چہروں پہ تھی یہ ضو کہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
حوریں نکل پڑی ہیں کھلے سر بہشت سے
صورت جو تھی علی کی تو خیر النسا کی چال
پالا تھا کن دکھوں سے تجھے ہائے میرے لال
اے میرے شیر موت کے پنجے میں آ گئے
اے زینب اپنے لال کو تو رو رہی ہے کیا
میں ننگے سر ہوں دے مجھے پرسا حسین کا
کس سے کہوں اٹھائے جو بے کس کی لاش کو
دیکھا کہ ہے سناں پہ سر شاہ دیں پناہ
چلائی ہائے خانۂ زہرا ہوا تباہ
ہے ہے جہاں سے پنجتن پاک اٹھ گئے
پیاسا کیا شہید شہ خوش خصال کو
لوگو خبر کرو اسد ذوالجلال کو
ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے
سر پیٹتے تھے غم میں نواسے کے مصطفیٰ
ہے ہے حسین کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰ
برپا تھا حشر شافع محشر کی لاش پر

اب اے انیس سبطِ نبی سے یہ عرض کر — بلوائیے مزار پہ یا شاہِ بحر و بر
کب تک پھرے غلام زمانے میں دربدر — یہ عمرِ پنج روزہ اسی در پہ ہو بسر
ہاں خاک ہو اگر تو عجب مرتبا ملے — بس اک لحد کی صحنِ مقدس میں جا ملے

رباعیات

جز مدح سخن منہ سے کوئی کم نکلے — ہر دم سینے سے آہِ پُرنم نکلے
روحی بفداک یا حسین ابن علیؑ — نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

افسوس یہ عصیاں یہ تباہی دل کی — کی خوب انیس خیر خواہی دل کی
کپڑے اُجلے پہن کے نازاں ہوئے تم — بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

پیری آئی عذار بے نور ہوئے — یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس — جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

ماں کہتی تھی راحت نہ تمھیں آہ ملی — تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی
ماں صدقے برس دن نہ جیے — افسوس تمھیں عمر ایسی کوتاہ ملی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا عشق تھا شبیر سے محبوب خدا کو
کیا چاہتے تھے ابن بتول عذرا کو
اک دم نہ جدا کرتے تھے اس ماہ لقا کو
چھاتی پہ لٹاتے تھے شہ کرب و بلا کو
یہ حال تھا الفت سے رسول عربی کا
رونا نہ گوارا تھا حسین ابن علی کا

خاتون قیامت سے یہ فرماتے تھے اکثر
شبیر کے رونے سے قلق ہوتا ہے دل پر
زہرا اسے چھاتی سے جدا کیجو نہ دم بھر
ٹکڑا ہے کلیجے کا مرے یہ ترا دلبر
بے چین یہ ہوگا تو اذیت مجھے ہوگی
راحت اسے پہنچے گی تو راحت مجھے ہوگی

اے فاطمہ یہ عرش الٰہی کا ہے تارا
پیارا ہے جناب احدی کا ترا پیارا
یہ لال ہے فرزند جگر بند ہمارا
رنج اس کا محمد کو نہ ہوئے گا گوارا
ہنستا ہے جو یہ دل مرا کھل جاتا ہے زہرا
رونے سے جگر سینے میں ہل جاتا ہے زہرا

تب فاطمہ کہتی تھیں کہ یا احمد مختار
ایسا تو کسی کو نہیں حضرت نے کیا پیار
اس لال سے الفت ہے مجھے یا شہ ابرار
فرماتا تھا اس طرح وہ کونین کا سردار
بیٹا ترا یاور ہے رسول دوسرا کا
پیار اس لئے کرتا ہوں کہ پیارا ہے خدا کا

یہ شمع ہدایت ہے یہ ہے خاصہ باری
دوزخ سے بچائے گا یہ امت کو ہماری
ایذا مرے بعد اس کو بہت دیں گے ناری
بیٹا مرے کام آئے گی دولت یہ تمہاری
کیا کیا کہوں جو مجھ پہ یہ احسان کرے گا
سب گھر مری امت پہ یہ قربان کرے گا

معشوق جسے اپنا کہے ایزدِ غفّار
آخر تو یہ ہوئے گا مصیبت میں گرفتار
تم کہتی ہو پیارا ہے بہت پیار کیا ہے
الفت سے کبھی فاطمہؑ کی گود سے لے کر
جب ہنستے تھے غنچہ سا دہن کھول کے شبّر
اس تشنگی پر بھی جو دہن آپ کا تر تھا
رسالے کتابوں میں روایت ہے یہ تحریر
جاری دہن پاک سے ہوتی تھی جوئے عسل و شیر
کس طرح کہوں نہر لبن اس کو زباں سے
گودی میں کبھی اور کبھی زانو پہ بٹھاتے
شفقت سے کبھی حجرے کی ڈیوڑھی کو جاتے
منہ چومتے تھے بوسۂ رخ لیتے تھے حضرت
بچپن میں تو تھی پرورش اس طرح سے پائی
اور مار یہ پیاس کی تکلیف اٹھائی
تیغیں برچھیوں کے جھوک میں کھانے کو کھڑے تھے
سجدے کے لئے جھکتے تھے جب سیدِ ابرار
جس وقت تلک آپ اترتا نہ وہ دلدار
جس پیار کی یہ شفقت اور یہ حمایت تھی نبی کی
اک بار پڑا تھا غش جو ہچکی ہو گئی پر
تھا تنگ گریبانِ قمیص تن شبّر
اس حسن پہ خنجر جو پھرا ہوگا شقی کا
تھے جلوہ نما حجرے میں اک دن شہِ والا
گودی میں تھے ان کے رخ روشن کا دوبالا
کس حسن سے وہ زانوؤں پہ جلوہ نما تھے

اس پیارے کو اے فاطمہؑ کیونکر کروں پیار
جیتے بھی مرے سوچیے نواسے کو نہ آزار
سو بار میں صدقے ہوں جو اس پر تو بجا ہے
رکھ دیتے تھے شبیرؑ کے لب پر لب اطہر
جھک جھک کے زباں اپنی چوساتے تھے پیمبر
محبوب الٰہی کی زباں کا وہ اثر تھا
لیتے تھے محمدؐ کی زباں منہ میں جو شبیرؑ
سے لے مزے پیتا تھا وہ صاحبِ توقیر
وہ شیر تو بے شیر میں تھا کہیں شیر جہاں سے
نیند آئی تو آغوشِ مبارک میں سلاتے
حجرے سے اٹھا کبھی کاندھے پہ چڑھاتے
انجام کا دھیان آتا تو رو دیتے تھے حضرت
دن رات زباں اپنی محمدؐ نے چوسائی
پانی کی کبھی روز نہ صورت نظر آئی
اور خنجرِ کیں پیاس بجھانے کے لئے تھے
ہنستے ہوئے تب پیٹھ پہ چڑھتے تھے وہ اسرار
سجدے سے اٹھاتے نہ تھے سر احمدِ مختار
سو بار دن میں حضرت نے چھاتی پہ اس کی
روتے تھے نبی ہو گئی تھی ناخوشِ مضطر
جلدی سے محمدؐ نے کیا چاک نے اٹھ کر
کیا حال ہوا ہوگا بتول حسنی کا
اک زانو پہ بیٹھے تھے اک زانو پہ بیٹا
اور گاہ براہیم پہ تھی شفقت مولا
تھے شمس ضحیٰ آپ تو وہ بدرِ دجیٰ تھے

اُس روز نہایت تھے خوشی احمدِ مختار
جو روحِ امیں عرش سے نازل ہوئے اک بار
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ ایزدِ غفار
دونوں نہ ترے پاس رہیں گے ترے دلدار
یا پیارے نواسے کو دو یا لختِ جگر کو
دنیا سے اٹھا لیں گے ہم ایک پسر کو

فرمایا نبی نے سرِ تسلیم جھکا کر
مختار ہر اک بندے کا ہے خالقِ اکبر
جو کچھ مرے مالک کی خوشی ہو وہی بہتر
موجود ہے شبیرؑ و براہیمؑ و پیمبرؐ
بخشا تھا مجھے تو نے یہ کرم ربِ علا کے
سو دونوں یہ میرے نہیں بندے ہیں خدا کے

جبرئیلؑ نے کی عرض کہ یا سیدِ والا
ہے آپ پہ کیا کیا کرمِ خالقِ یکتا
فرمایا ہے مجھ سے کہ مرے دوست سے کہنا
ان دونوں میں جو ہووے زیادہ تمہیں پیارا
وہ پاس رہے تیرے کہ اپنی یہ رضا ہے
اس امر کا ہم نے تمہیں مختار کیا ہے

فرمایا نبی نے نہیں کچھ کہنے کا یارا
کس کو رکھوں اور کس کا کروں داغ گوارا
فرزند بھی پیارا ہے نواسا بھی ہے پیارا
یہ میرا کلیجہ ہے تو وہ آنکھوں کا تارا
فرزند سے ہو انس زیادہ تو بجا ہے
پر الفتِ شبیرؑ تو بیٹوں سے سوا ہے

ہووے گی اگر فاطمہؑ کے لال کی رحلت
جاتی رہے گی بس مری آغوش کی زینت
کاندھے پہ مرے کون چڑھے گا بصد الفت
کون آ کے لپٹ جائے گا مجھ سے بمحبت
پھر کس کی خوشی کے لئے میں اونٹ بنوں گا
کاندھے پہ چڑھا کر کسے مسجد میں پھروں گا

ہے میں نے زباں اپنی چسا کے اسے پالا
میں اس سے اور مجھ سے ہے یہ گیسوؤں والا
رکھتا ہوں شب و روز میں اس ماہ کا ہالا
گودی سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
میں فاطمہ زہراؑ کو نہ رنجیدہ کروں گا
اس لال کو مٹی میں نہ پوشیدہ کروں گا

ایسا اسے کرتی ہے بتولِ عذرا پیار
یہ رات کو سوتا ہے تو رہتی ہے وہ بیدار
شانے سے کبھی ٹوٹتا ہے زلف کا گر تار
آنکھیں مری بیٹی کی نظر آتی ہیں خونبار
سوتا ہے مرے پاس تو گھبراتی ہے زہراؑ
سو مرتبہ دروازے تلک آتی ہے زہراؑ

پالا ہے بڑے دکھ سے بڑی کی ہے مشقت
بے چین رہی آپ وہ اور دی اسے راحت
فاقوں میں بھی کی آسیا گردانی کی محنت
دولت کے عوض اس کو ملی ہے یہی دولت
پھر دل کہو کس شغل سے بہلائے گی زہراؑ
اس پر جو زوال آیا تو مر جائے گی زہراؑ

گم ہو گیا اک روز جو وہ صاحبِ اقبال
ڈیوڑھی سے نکل آئی تھی وہ کھولے ہوئے بال
مر جائیں نہ زہرا و علی یہ مجھے ڈر ہے
دُنیا سے جو اُٹھ جائے گا زہرا کا یہ دلبر
آفاق میں بن بھائی کا ہو جائے گا شبّر
گر فاطمہ کا ماہ لقا آج مرے گا
اولاد سے بڑھ کر کوئی ہوتا نہیں پیارا
ہوئے نہ جدا فاطمہ کی آنکھوں کا تارا
اس غم میں جگر سے سو گزر جائے نبیؐ پر
رخصت ہوئے جبریلِ امیں سن کے یہ گفتار
پوشاک کو تبدیل کرو اے مرے دلدار
فرزند یہ تجھے ہم نے رہِ خالق میں دیا ہے
رونے لگی سن کر یہ سخن مادرِ غمخوار
اور تیسرے دن فوت ہوا ہائے وہ دلدار
ہر چند کہ ہے صدمۂ جاں کاہ نبیؐ پر
اس روز سے جب پیشِ نبی جاتے تھے سرورؑ
اے میرے پیارے ترے قرباں پیمبرؐ
دولت مجھے بخشی ہے جنابِ احدی نے
بیٹے کو محمدؐ نے تصدق کیا جس پر
برچھی جو کلیجے پہ لگی مر گئے اکبر
لاشہ لئے بیٹے کا وہ مظلوم کھڑا تھا
راوی کتبِ معتبرہ میں ہے یہ لکھتا
انبوہ تھا مسجد میں فصیحانِ عرب کا
حیران تھے یہ نقشہ تھا گروہِ فصحا کا

میں کیا کہوں خاتونِ قیامت کا جو تھا حال
چلاتی تھی لٹتا ہے مرے دل ہائے مرے لال
مرنے سے تو اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے
خم ہو گی الم سے کمرِ حیدرِ صفدر
اور سب سے زیادہ ہے یہ صدمہ مرے جی پر
امت کی شفاعت کہو پھر کون کرے گا؟
سو اپنے پسر کا مجھے مرنا ہے گوارا
شبیر پہ قربان ہے فرزند ہمارا
لیکن کوئی صدمہ نہ ہو زہرا و علیؑ پر
فرزند سے فرمانے لگے احمدِ مختار
مادر سے تو دیکھ لے وہ آخری دیدار
بیٹا ترے مالک نے تجھے یاد کیا ہے
اس روز سے اس طفل کو لاحق ہوا آزار
فرماتے تھے رو رو کے نبی احمدِ مختار
پر صدقے ہیں سو بیٹے حسینؑ ابنِ علیؑ پر
فرماتے تھے محبوبِ خدا ہاتھ پکڑ کر
تو وہ ہے کہ فرزند کو صدقے کیا تجھ پر
فرزند کو کھو کر تجھے پایا ہے نبیؐ نے
ٹکڑے ہوئے تلوار سے اس شاہ کے دلبر
اور حلق سے پانی کو ترستے گئے اصغر
اُس جانِ پیمبر پہ عجب وقت پڑا تھا
اک روز تھے زیبِ سرِ منبر شہِ والا
فرما رہے تھے وعظ شہِ یثرب و بطحا
غل بزم میں تھا فضلِ علی فضلِ علی کا

واں حضرتِ خاتونِ قیامت کا بھی تھا لال
منبر پہ کبھی چڑھتا تھا وہ صاحبِ اقبال
سب روکتے تھے ہاتھوں سے اُس رشکِ قمر کو
فرماتا تو تھا وعظ وہ زینت دہِ افلاک
وہ کعبۂ دیں جاتا تھا جس سمت فرح ناک
تھا دھیان کہ پیارا مرا رنجیدہ نہ ہوئے
دوڑا سوئے منبر جو محمد کا نواسا
گرتے ہوئے شبیر کو احمد نے جو دیکھا
صدمہ ہوا ایسا شہِ لولاک کے اوپر
اس سانحے کو دیکھ کے گھبرا گئے مختار
شبیر کو گودی میں لیا دوڑ کے اک بار
بتلاؤ مجھے چوٹ دکھائی نہیں پیارے
کیوں دوڑ کے چلتے ہو میں قربان تمہارے
تم گر گئے اک چوٹ لگی دل پہ ہمارے
گرنے سے ترے زلزلہ تھا عرشِ بریں پر
اے اہلِ عزا پیٹنے رونے کی ہے یہ جا
اک دن وہ قیامت کا تھا وا حسرت و دردا
اُس جانِ پیمبر کا عجب حال ہوا تھا
اس دن نہ محمد تھے کہ گودی میں اٹھاتے
ہر سمت سے تھے دشمنِ دیں تیغیں لگاتے
لاکھوں میں اکیلا وہ شہِ تشنہ جگر تھا
پیشانیٔ نورانی تو تھی تیر سے زخمی
پہلو تھا ہر اک نیزۂ بے پیر سے زخمی
القصہ جراحت سے کہیں تن میں نہ جا تھی

دن کھیل کے چار برس کا تھا سن و سال
ہنستا ہوا پھر واں سے اترتا تھا وہ فی الحال
جاتے تھے ادھر کو کبھی آتے تھے اُدھر کو
پر تھا سوئے شبیر خیالِ شہِ لولاک
جوں قبلہ پھرتی ادھر کو نظرِ پاک
مجمع میں نظر گر کہیں پوشیدہ نہ ہوئے
الجھے قدم اور گر پڑا وہ دلبرِ زہرا
کچھ وعظ بھی کہنے کا رہا ہوش نہ اصلا
سمجھے کہ گرا عرشِ بریں خاک کے اوپر
منبر سے تلے کود پڑے احمدِ مختار
فرمایا میں قربان ترے آ مرے دلدار
پاؤں میں کہیں ضرب تو آئی نہیں پیارے
آؤ مرے کاندھے پہ چڑھو اے مرے پیارے
شبیر مرے عضوِ بدن سر سے ہیں سارے
جبریل نے پر آ کے بچھائے تھے زمیں پر
شبیر کا صدمہ تھا نبی کو نہ گوارا
گھوڑے سے گراتے تھے اسے خاک پہ اعدا
سب نازنیں تن تیروں سے غربال ہوا تھا
نے ساقیٔ کوثر تھے کہ پانی تو پلاتے
اور تیر بھی پیغامِ اجل لے کے تھے آتے
غم خواروں میں کوئی نہ ادھر تھا نہ اُدھر تھا
تھا سینہ و سر خنجر و شمشیر سے زخمی
اور دل تھا غمِ اصغرِ بے شیر سے زخمی
کچھ ہوش نہ تھا اپنا مگر یادِ خدا تھی

حضرت سے جدھر دیکھتے تھے شہ ابرار
مولائے دو عالم کا نہ تھا کوئی مددگار
قاسم تھے نہ عباسؑ نہ ہم شکلِ نبیؐ تھے

وہ دھوپ وہ پیاس اور وہ تنہائی کا عالم
جز ذاتِ خدا کوئی نہ ہمدرد نہ ہمدم
اُف تھے نہ شکوہ کی بھی تقریر زباں پر

تھا وقتِ زوال اور ہوا چل رہی تھی تیز
گویا کہ ہوا تھی کرۂ نار سے آمیز
سب جھیلوں میں صحرا کے پرندے تڑپتے تھے

تھا چتر زری سعد کے خیمے نے لگایا
واں گھوڑوں کو پانی تھا کئی بار پلایا
طاقت نہ سخن کی تھی شہِ تشنہ دہاں میں

چھڑکاؤ سے ہوتی تھی ادھر رن کی زمیں سرد
کھانا تو وہاں خیموں میں کھاتے تھے وہ نامرد
تھا ضعف بہت تاب و تواں جسم میں کم تھی

سب تیروں سے غربال تھا وہ چاند سا سینہ
کانوں میں یہ پہنچی تھی جو فریادِ سکینہؑ
تھا دل تو تڑپتا پہ نہ جا سکتے تھے حضرت

عباسؑ کے لاشے کو صدا دیتے تھے مولا
یہ وقت مدد ہے کہ ہوئے ہم تن تنہا
سر پیٹتی خیمے سے نکلتی ہے سکینہؑ

آتی تھی صدا حضرتِ زہراؑ کی یہ اک آن
رن جلتی ہے اور دھوپ ہے شدت پہ مری جان
یہ دھوپ کا صدمہ نہ سہا جائے گا واری

یا تیر نظر آتے تھے یا خنجرِ خوں خوار
سوتے تھے پڑے خاک پہ سب مونس و غمخوار
کیا بیکس و مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

لٹ جانے کا رانڈوں کے الم بیٹوں کا ماتم
مظلوم ادھر ایک ادھر سیکڑوں ظالم
ہر وقت مگر جاری تھی تکبیر زباں پر

جلتا تھا حرارت سے وہ میدانِ بلا خیز
جوں اخگرِ سوزاں تھا ہر اک سنگ شرر ریز
اور دھوپ میں تنہا شہِ مظلوم کھڑے تھے

اور فاطمہؑ کے لال کا تھا سر پہ نہ سایا
اک قطرہ نہ دو دن سے تھا شبیرؑ نے پایا
نیلے تھے لب اور پڑے کانٹے تھے زباں میں

اڑ اڑ کے تنِ شاہ پہ پڑتی تھی ادھر گرد
تھا فاقوں سے رنگِ رخِ فرزندِ نبیؐ زرد
بازو تھا جو زخمی تو کمر ضعف سے خم تھی

زخموں سے لہو بہتا تھا چہرے سے پسینہ
مظلومی سے رو دیتے تھے سلطانِ مدینہ
کس یاس سے خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت

اب اٹھو بس سو چکے بھائی لبِ دریا
ہم جا نہیں سکتے کہ ہیں گھیرے ہوئے اعدا
تم جا کے سنبھالو کہ مچلتی ہے سکینہؑ

صدقے ترے اے قوم وفا پیشہ کے جوان
بچے رو کے اولاد کے لئے سر پہ میں قربان
وہ رو رو کے پیاسے ہو غش آجائے گا واری

مادر سے یہ تب کہتے تھے رو کر شہِ ابرار
اللہ کا اب سر پہ ہے سایہ مجھے درکار

پر کیا کہوں امّاں مجھے صدمے یہ پڑے ہیں
محتاجِ کفن کے ہیں مرے ہمدم و یاور
مہلت مجھے اتنی نہیں دیتے ہیں ستمگر
کیا جانیے کیا بعد مرے حال کریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھے رجعیوں والے
وہنے کو بیاوے گئے تلواریں نکالے
غل تھا کہ وہ ٹکڑے محمد کے جگر کو
لگتے تھے جو نیزے تنِ شبیر پہ کاری

ہر نیزے پہ جھکا جاتا تھا سر ضعف تھا طاری
ان کا تو یہ تھا ظلم یہ بیداد و جفا تھی
فرماتا تھا اعدا سے وہ مولائے دو عالم
میں ابنِ یداللہ ہوں اے فرقۂ ظلم

بے کس ہوں نبی زادہ ہوں نالان و حزیں ہوں
میں وہ ہوں نبی نے جسے کاندھے پہ چڑھایا
میں وہ ہوں کہ جبرئیل نے جھولے میں جھلایا
تم لوگ ہو باطل کی طرف میں سوئے حق ہوں

دیکھو تو مرا حلم کہ کیا صبر کیا ہے
غم کھایا ہے اور خونِ جگر نیچ پیا ہے
سوچو تو کہ تم لوگوں نے کیا بے ادبی کی
تم وہ ہو کہ بے جان کیے تم نے مرے پیارے

عباس کو ٹکڑے کیا دریا کے کنارے
بچّے کو مجھے جینے کا مرا تیر سے مارا
سایہ کرے کون آ کے ہوا قتل علمدار
واللہ کہ تشویش کچھ اپنی نہیں زنہار

سب دھوپ میں لاشے مرے پیاروں کے پڑے ہیں
رتی میں پڑے ہیں علی اکبر و علی اصغر
جو میں انھیں پوشیدہ کروں خاک کے اندر
گھوڑوں سے ستمگر انھیں پامال کریں گے

اور آ گئے پس پشت سواروں کے رسالے
زہرا کے جگر بند پہ چلنے لگے بھالے
گھوڑے پہ سنبھلنے نہ دو زہرا کے پسر کو
تھا شکرِ خدا ہر دہنِ زخم سے جاری

کچھ منھ سے نہ فرماتا تھا وہ عاشقِ باری
یاں حمدِ الٰہی تھی اور امّت کی دعا تھی
کیوں تینوں سے مجروح مجھے کرتے ہو اے قوم
اتنا ذکر و ظلم کہ شبّیر ہو برہم

سیّد ہوں مسافر ہوں گنہگار نہیں ہوں
میں وہ ہوں کہ زہرا نے جسے دودھ پلایا
میں وہ ہوں کہ خالق نے مرا ناز اٹھایا
میں مصحفِ ناطق کے مرقع کا ورق ہوں

بدلا بھی نہیں خونِ عزیزاں کا لیا ہے
اس وقت تلک رنج نہیں بیچ دیا ہے
اور میں نے برائی بھی نہیں چاہی کسی کی
میں وہ ہوں کہ کرتا ہوں دعا حق میں تمھارے

بھالے مرے فرزند کو آ گے مرے مارے
اور میں نے کسی کو نہیں شمشیر سے مارا

واللہ کہ تم تو مجھے بیٹوں سے سوا ہو
منظور مجھے یہ ہے کہ تم سب کا بھلا ہو
شبیرؑ تو بے کس ہے غریب الغربا ہے
میں کون ہوں اے ظالمو سمجھو مرا رُتبا
جز میرے نہیں کوئی محمدؐ کا نواسا
تم لوگوں کا مہمان ہوں آوارہ وطن ہوں
سن کر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
ہم کیا کریں گر احمدِ مرسل کے ہو جانی
اس سوکھے ہوئے حلق پہ خنجر کو دھریں گے
تلواروں سے ہم خوں بہائیں گے تمہارا
کس دھوم سے گھر لوٹنے آئیں گے تمہارا
ہے کام محمدؐ سے نہ حیدرؑ سے غرض ہے
بے کس ہوئے اب کیوں نہ کرو عجز کی تقریر
اب جیتے نہیں بچنے کے یا حضرتِ شبیرؑ
بچتے ہیں تو یہ ظلم و ستم کم نہ کریں گے
یہ سوکھی زباں ہو گئے ہر بار دکھاتے
عباسؑ مدد کرنے کو اس دم نہیں آتے
وہ جاہ و حشم کیا ہوا وہ اوج کہاں ہے
تم کہتے ہو تقصیر مری کچھ نہیں زنہار
بیعت سے خلیفہ کی کیا کس لئے انکار
سب ہے یہ غلط ہو کے پیاسے بھی نہیں تم
یہ سنتے ہی غصہ شہِ تشنہ کو آیا
کافی ہے شہادت کو تو اے بارِ خدایا
اب تو ستمِ تیغ اٹھائے نہیں جاتے

کچھ خیر نہیں اُمتِ محبوبِ خدا ہو
اس امر کا ہے ترک مناسب جو بُرا ہو
سید کے ستانے میں تمھیں فائدہ کیا ہے
بابا ہے علیؑ ماں ہو مری فاطمہؑ زہرا
ڈھونڈھو گے جو عالم میں تو پاؤ گے نہ مجھ سا
دو تھوڑا سا پانی کہ بہت تشنہ دہن ہوں
شبیرؑ زیادہ نہ کرو چرب زبانی
ہرگز نہ ملے گا نہ ملے گا تمھیں پانی
ہاں آبِ دمِ تیغ سے سیراب کریں گے
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھائیں گے تمہارا
اور آگ سے خیمہ بھی جلائیں گے تمہارا
ہم لوگ سپاہی ہیں ہمیں زر سے غرض ہے
طاقت نہیں اتنی کہ کھینچے آپ شمشیر
یہ باتیں ہیں بے فائدہ بے جا ہے یہ تدبیر
تم عجز کرو رحم کبھی ہم نہ کریں گے
اکبرؑ کو کمک کو نہیں اس وقت بلاتے
قاسمؑ بھی نہیں آن کے دکھ درد بٹاتے
یاور کہو کیا ہو گئے وہ فوج کہاں ہے
ہم کہتے ہیں ہو حاکمِ کوفہ کے گنہگار
کرتے نہیں اب آگے مدد احمدِ مختار
اور احمدِ مرسل کے نواسے بھی نہیں تم
منھ کر کے سوئے گنبدِ گردوں یہ سنایا
کیا ترے بندے کو ہے اعدا نے ستایا
اور تیغ کے جوہر بھی دکھائے نہیں جاتے

اس وقت صدا عالم بالا سے یہ آئی
ہم شاد کریں گے تجھے اے میرے فدائی
قتل ان کا اگرچہ تجھے منظور نہیں ہے
اعدا سے یہ فرمانے لگے سید عالم
چاہوں جو ابھی دفتر کونین ہو برہم
کرتا تمہیں غارت ابھی خالق کی قسم ہے
محتاج نہیں پانی کا میں بیکس و بے پر
عباس کا جویا ہوں نہ یاد آتے ہیں اصغر
اب عاجز و بے کس کی شجاعت کو بھی دیکھو
فرما چکے تھے ابھی اعدا سے یہ سرور
بیٹھے سنبھل کر بہ سر زیں شہ صفدر
غل تھا کہ عجب شوکت و شان شہ دیں ہے
ہر چند کہ تھا تیروں سے زخمی تن اطہر
پیدا تھی سراپا سے مگر شوکت حیدر
تھا پیچ تنیں عنبری اس پہ تباہی
تھی قبضے میں تیغ کمر حیدر کرار
جعفر کی کماں دوش پہ تھی غیرت گلزار
تھا موسیٰ عمراں کا کمر بند کمر میں
لشکر پہ رجز پڑھتے چلے یوں شہ والا
ہیں دفتر امکاں کو کر دوں گا تہ و بالا
یہ ہستی دشمن کے لیے سیل فنا ہے
اعدا کی طرف بھی دل و دست لگے بجنے
دکھلائی روانی طبیعت کے نہنگ نے
تلواریں کھنچیں نیزے چلے چار طرف سے

خالق کو یہ مظلومی و غربت تری بھائی
ہاں اب تو مناسب ہے انھیں چشم نمائی
پر تو تو کسی حال میں مجبور نہیں ہے
مجبور نہ سمجھو مجھے اے لشکر ظلم
گر بیکس و تنہا ہوں یہ لاکھوں سے نہیں کم
پر کیا کروں میں تیغ میں نانا کا قدم ہے
چاہوں تو ابھی بہنے لگے چشمۂ کوثر
کافی ہے مدد کرنے کو میری مرا داور
او ناطقہ کے شیر کی طاقت کو بھی دیکھو
جو تیغ یہ اشتر نکل آئی تڑپ کر
بجلی سا لگا کوندنے وہ ابر زمیں پر
ہوتا ہے یہ ظاہر کہ وہ مظلوم نہیں ہے
اور تیغ شب و روز کے پیاسے بھی تھے سرور
احمد کا عمامہ تھا عجب شان سے سر پر
اور دوش مبارک پہ محمد کی عبا تھی
حمزہ کی سپر باندھے تھے اس دن شہ ابرار
تھے ہاتھوں میں دستانۂ بوطالب سردار
سینے پہ تھی زرہ حضرت داؤد کی بر میں
میں احمد مختار کی ہوں گود کا پالا
کون آج ہے تلوار مری روکنے والا
یہ برق جہاں سوز ہے یہ تیغ خدا ہے
جوں رعد لگے کافر و مغرور گرجنے
گھوڑوں کے کسے تنگ لگے اسلحے بجنے
بارش ہوئی تیروں کی کمانداروں کی صف سے

چمکی صفتِ برقِ غضب شاہ کی تلوار
لرزی جو زمیں کانپ گیا گنبدِ دوّار
جبریل کے خیبر میں جو پر کاٹ چکی ہے
یاں سبطِ پیمبر صفِ ہیجا میں در آئے
یاں سے گئے واں اور اُدھر سے اِدھر آئے
جان اس میں نہ تھی سامنے اس تیغ کے جو تھا
کوہِ سرِ کفار کٹے مثلِ پرِ کاہ
دوڑا ملک الموت اُدھر جس پہ چلے شاہ
سب کہتے تھے جرأت یہ نہیں قدرتِ رب ہے
جس شخص کے سر تک گئی وہ صاعقہ کردار
بجلی تھا چھلاوہ تھا کہ صرصر تھا وہ رہوار
ٹاپوں میں بھی آقا کی خوشی کرتا تھا گھوڑا
تھیں لشکرِ اعدا میں صفیں درہم و برہم
تکبیر کے نعرے شہِ دیں کرتے تھے پیہم
تلوار چمکتی تھی جو فرزندِ علی کی
فرماتے تھے اس وقت شہِ کرب و بلائی
کیوں قوتِ دستِ شہِ مرداں نظر آئی
کیوں تین شب و روز کا پیاسا نہیں شبیر
بتلاؤ مری کون مدد کرنے کو آیا
کس بے کس و تنہا نے تمہیں آج بھگایا
اس وقت بھی کچھ جنگ میں ہرگز نہیں کد کی
کیا رحم ہے اعدا پہ یہ جب کر چکے تقریر
گویا ہوئی تب یوں اسد اللہ کی شمشیر
آپ ان کے لیے روتے ہیں یہ ماجرا کیا ہے

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اظہار
ماہی سے کہا گاوِ زمیں نے خبردار
پھر آج وہی تیغِ شرربار کھنچی ہے
ہر سو سرِ بے تن تنِ بے سر نظر آئے
اس صف کو کیا قتل تو اس غول پہ آئے
جس نے کیا کچھ قصد وہ اک ضرب میں دو تھا
ہر غول میں تھا شور اکہ عظمت اللہ
جز کوچۂ زخم اور نہ ملتی تھی کہیں راہ
رہوار قیامت ہے تو تلوار غضب ہے
دو ہو کے گرے اسپ گرانا کٹ پہ اک بار
اس سمت کبھی تھا تو کبھی فوج کے اس پار
جو چاہتے تھے شاہ وہی کرتا تھا گھوڑا
ہتھیار چھٹے ہاتھوں سے پیدا ہوئے اَلَم
جو زندہ تھے ڈر سے وہ ہوئے جاتے تھے بے دم
چلّاتے تھے اعدا کہ دہائی ہے نبیؐ کی
کس شخص کے نانا کی یہ دیتے ہو دہائی
سیّد کے ستانے کی سزا کچھ کہو پائی
کیوں احمدِ مرسل کا نواسا نہیں شبیر
اکبر نے کہ عباس نے دکھ دو دیا یا
کس نے تمہیں زورِ اسد اللہ دکھایا
کیا مارا تمہیں کو کہ ہو امّت مرے جد کی
امت کے لیے رونے لگے حضرت شبیر
یا سرورِ دیں آپ کے دشمن ہیں یہ بے پیر
حضرت نے کہا پاسِ رسول دوسرا ہے

تشریف یہاں لائے ہیں سلطان رسالت
نانا کی مجھے روح سے ہوتی ہے ندامت

کچھ خبر نہیں سب مرے نانا کی ہے امت
ہم وہ ہیں کہ دشمن سے بھی رکھتے ہیں محبت

برباد مجھے کر کے نہ پھولے نہ پھلیں گے
میں اس لئے روتا ہوں کہ دوزخ میں جلیں گے

کہہ کر یہ سخن میاں میں شہ نے رکھی تلوار
سب اسلحہ گھوڑے پہ رکھا کھول کے اک بار

دہاڑ لگا رونے تو بولے شہ ابرار
اس میرے بزرگوں کے تبرک سے خبردار

رو رو کے تو اس وقت نہ لگ سے مرا دل گر
کوڑا کبھی مارا ہو جو تجھ کو تو بحل کر

اب جا کے مرا حال نہیں جائے گا دیکھا
قاتل ترے اسوار کے سینے پہ چڑھے گا

ڈیوڑھی پہ کھڑا ہوجیو تو رک کے رستا
تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دختر زہرا

کہہ دیجو بہن سے کہ تبرک یہ دیا ہے
اور گھر سے نکلنے کو تمہیں منع کیا ہے

رو کر کہا گھوڑے نے اے عاشق باری
حضرت نے جھڑی بیبیوں کی مجھ کو دکھائی

آقا تری کس منہ سے کروں شکر گزاری
اور آج تو ہے آخری حضرت کی سواری

مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ میں منہ موڑ کے جاؤں
حضرت کو مصیبت میں یہاں چھوڑ کے جاؤں

مولا مجھے منہ اپنا ہے دلدل کو دکھانا
خدمت میں محمدؐ کی ہے یاں سے مجھے جانا

پھر مجھ کو دن وار کہے گا نہ زمانا
فرمائیں گے فردوس میں یہ آپ کے نانا

دشمن ہوئی سب خلق یہ قدرت ہے خدا کی
گھوڑے نے بھی پیارے سے ہمارے نہ وفا کی

بچپن سے ہوئے آپ مری پیٹھ پہ اسوار
بوڑھا ہوا اب زندگی مجھ کو نہیں درکار

اسوار نہ ہو اور سے خلق میں جواد
ہے کون مرا قدر شناس اے شہ ابرار

حضرت نہیں جاتے ہیں نہ گھر جاؤں گا میں بھی
سر اپنا پٹک کر یہیں مر جاؤں گا میں بھی

اے اہل عزا لگ جانے کی یہ جا ہے
روتا ہوں میں تنہا پسر شیر خدا ہے

تلواریں ہزاروں ہیں اور اک تنہا گلا ہے
اور سامنے لاشہ علی اکبرؑ کا پڑا ہے

فرماتے ہیں بابا کو بچاتے نہیں اکبر
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے نہیں اکبر

گر لاشہ عباس سے کرتے ہیں یہ فریاد
اے قوت بازو تمہیں آکر کرو امداد

تم دیکھتے ہو ہم پہ جو کچھ ہوتی ہے بیداد
مظلوم کو گھیرے ہیں ہزاروں ستم ایجاد

لاشہ علی اکبر کا اٹھانے نہیں دیتے
جاتا ہوں جو خیمے میں تو جانے نہیں دیتے

بوچھار ہے تیروں کی شکستہ ہے لپینا
گرتا ہے لہو بن کے رکابوں سے پسینا
چلاتی ہے رو رو کے یہ ڈیوڑھی پہ سکینہ
بابا مجھے بے آپ کے دشوار ہے جینا
شہ کہتے ہیں بی بی کہیں آنا نہیں ملتا
تلواروں سے بچ کر کہیں جانا نہیں ملتا

وہ لُو وہ کڑی دھوپ وہ زخموں کی اذیت
وہ بیکسی و یاس وہ تنہائی وہ غربت
تیروں کی وہ بوچھار وہ تلواروں کی ضربت
وہ دن کا وہ فاقہ غضب اور پیاس کی شدت
حالت ہے عجب پیاس سے فرزندِ علیؑ کی
منھ سے نکل آئی ہے زباں سبطِ نبیؐ کی

چھڑکاؤ ادھر ہے تو ادھر اشک فشانی
شہ پیاسے ہیں سیراب ہیں وہ ظلم کے بانی
سیّد کو بنی زادے کو دیتے نہیں پانی
کہتے ہیں کہ ہے نسلِ علیؑ ہم کو مٹانی
سناں ہے ادھر چہرے کا ہر دشمنِ دیں پر
پڑتی ہے ادھر دھوپ شہِ عرش نشیں پر

طعنے کے سخن منھ پہ سنا جاتا ہے کوئی
ہنس ہنس کے مسافر کو رلا جاتا ہے کوئی
تلوار برابر سے لگا جاتا ہے کوئی
خوں جسمِ مبارک کا بہا جاتا ہے کوئی
خشکیدہ زباں فوج کو دکھلاتے ہیں مولا
رہوار پہ جھک جھک کے سنبھل جاتے ہیں مولا

ناگاہ گرے گرم زمیں پر شہِ ابرار
آثار قیامت کے ہوئے رن میں نمودار
اور ہائے پئے قتل بڑھا شمرِ ستمگار
گردن پہ نمازی کے پھرا خنجرِ خوں خوار
فرزند زبردست ید اللہ کو مارا
شبیرِ سرِ کبریا احمدِ ذی جاہ کو مارا

لاشے پہ بہن آئی ہے چہرے پہ ملے خاک
کہتی ہے کہ ہے ہے پسرِ شہِ لولاک
محتاج کفن کو ہے ترا پیکرِ صد چاک
تم مر گئے اور رہ گئی یہ خواہرِ غمناک
اے کاش کہ دنیا میں یہ ناشاد نہ ہوتی
تم پر یہ مرے سامنے بیداد نہ ہوتی

شیدا ہیں ترے پیکرِ بے سر کے تصدق
جیتے رہے فدا زلفِ معنبر کے تصدق
قربان علم کے ترے لشکر کے تصدق
اکبر کے جگر نقد تصدق علی اصغر کے تصدق
کچھ فکر بہن کی شہِ والا نہیں کرتے
اس بلوے میں شمشیر کی پروا نہیں کرتے

خاموش انیسؔ آہ بہت رنج و محن ہے
مجلس میں بپا ماتمِ سلطانِ زمن ہے
صد شکر کہ تو ناظمِ اقلیمِ سخن ہے
ہاں موتیوں سے جڑنے کے قابل یہ سخن ہے
رکھ دل کو غنی ذکرِ امامِ ازلی میں
ثروت اس کی ہے سرکارِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں

مرثیہ نمبر ۵۴

کوفے میں جب حرمِ حضرتِ شبیرؑ آئے | روتے اور پیٹتے باحالتِ تغیر آئے
ننگے سر بلوے میں سب صاحبِ تطہیر آئے | پہنے زنجیرِ گراں عابدِ دلگیر آئے
یوں تو اس شہر میں بندی نہ کبھی آئی تھی | ننگے سر رانڈیں تھیں اور خلق تماشائی تھی

سرِ بازار عجب طرح کا تھا بلوۂ عام | سیر کو لوگ گھروں سے چلے آتے تھے تمام
جا کہیں خالی نہ تھی بھر گئے تھے کوچہ و بام | کثرتِ خلق سے مشکل تھا اٹھانا اک گام
کوئی غمگین تھا اور شاد کوئی ہوتا تھا | کوئی ہنستا تھا اسیروں پہ کوئی روتا تھا

ایک سے ایک یہ کہتا تھا یہ خوش ہو ہو کر | بندی آتی ہے مدینے کی تماشے کو چلو
سیر پھر ایسی نہ ہووے گی میسر تم کو | جن کو دیکھا نہ کسی نے انھیں چل کے دیکھو
پردے والے سرِ بازار نہ دیکھے ہوں گے | ایسے قیدی کبھی زنہار نہ دیکھے ہوں گے

شہر کے قلعے سے ہوتا کے تک انبوہ کثیر | شاد و خرم چلی آتی ہے پیادوں کی بھیر
غل تھا عورات میں ہر سمت کہ ہو ہو تشہیر | بے خطر ہو کے سب کہتے تھے صغیر اور کبیر
ننگے اونٹوں پہ جو سیدانیاں محبوس ہیں یہ | احمد و حیدر و شبیر کی ناموس ہیں یہ

آہ وہ فوجِ مخالف کا کروں کیا میں بیاں | آگے آگے تو چلے آتے تھے لشکر کے نشاں
پیچھے گھوڑوں پہ تھے اسوار نمودار جواں | بج رہا تھا دہلِ فتح ہر اک تھا شاداں
پرے شاہوں کی جھانجھ بجی جاتی تھی | باجوں سے ہائے حسینا کی صدا آتی تھی

پیچھے ان لوگوں کے مقتولوں کے کوتل گھوڑے
زین ڈھلکے ہوئے اور خوں میں سراسر ڈوبے
گردنیں ڈالے ہوئے چپکے چلے جاتے تھے
پیچھے ان گھوڑوں کے نیزوں پہ شہیدوں کے تھے سر
راہ کی گرد بھی چاند سے رخساروں پر
سر ایک ایک سے تھی صولت و شوکت ظاہر
سب کے آگے سرِ عباسؑ تھا نیزے پہ علم
دیکھ کر اس کو تماشائی یہ کہتے تھے بہم
رتبہ یہ پہنچا یہ شہنشاہ و بنی ہاشم کا
سرِ اکبرؑ پہ جو پڑتی تھی خلائق کی نگاہ
کوئی کہتا تھا کہ واللہ یہ ہے غیرتِ ماہ
نیزے پہ یوسفِ یعقوب کا سر دیکھا ہے
سرِ قاسمؑ کو ہر اک دیکھ کے کرتا تھا بیاں
سہرا ماتھے پہ بندھا ہو تو یہ چھپتا ہو عیاں
اس طرح بیاہ کسی کا نہ ہوا ہوئے گا
اک سناں پر تھا سرِ سبطِ رسولِ مدنی
ہے عیاں چہرے سے مظلومی غریب الوطنی
اس کا کیا نام ہے یارو یہ پسر کس کا ہے
یہ جو آپس میں تماشائیوں نے ذکر کیا
ایہا الناس میں بیکس ہوں علیؑ کا بیٹا
تن سے سر میرے عزیزوں کا اتارا ناحق
دوش پر اپنے نبیؐ نے چڑھایا تھا مجھے
رختِ نو عید کے دن خلد سے آیا تھا مجھے
گھر بلا کر کوئی یہ جور و جفا کرتا ہے

تسمے باگوں کے کٹے گردنوں پہ تیر لگے
بال سے ان کے ٹپکتے تھے لہو کے قطرے
آنسو ان گھوڑوں کی آنکھوں سے بہے جاتے تھے
کوئی خورشید لقا اور کوئی رشکِ قمر
خشک لب پیاس سے اور خون سے تھے چہرے تر
مرنے کے بعد بھی تھی شانِ شجاعت ظاہر
بند تھے غنچۂ نرگس کی طرح دیدۂ نم
دیکھو تو مر گئے پر بھی ہو عجب جاہ و حشم
سر ہے نیزے پہ دھرا اولادِ بنی ہاشم کا
کہتے تھے رو رو کے کیا جب کہ گیا حسن ہو واہ
کوئی گھبرا کے یہ کہتا تھا کہ اے بارِ الٰہ
یاں سناں پر ترے محبوب کا سر دیکھا ہے
اس میں سب شیوۂ مظلوم کی ہو شوکت و شاں
عقد کے بعد یہ نوشاہ ہوا ہے بیجاں
ایسا نوشاہ دیکھو کوئی نہ بنا ہوئے گا
لوگ کہتے تھے کہ تیوری پہ ہو پیشانی چینی
یہ سرِ پاک کہاں اور کہاں نیزے کی انی
کس سے پوچھیں نہیں معلوم یہ سر کس کا ہے
آئی اس دم سرِ شاہِ شہدا سے یہ صدا
میرا نانا ہے نبیؐ باپ علیؑ شیرِ خدا
میں وہ ہوں جس کو پیاسا ہے مارا ناحق
جیتے جی اپنے نبیؐ نے نہ رلایا تھا مجھے
دودھ خاتونِ قیامت نے پلایا تھا مجھے
اپنے مہمان سے کوئی بھی دغا کرتا ہے

آپ سے تو میں نہ تھا شہر میں ان کے آیا
سیہانی کے عوض خون پیا غم کھایا
ان لعینوں نے جدا تن سے کیا سر تیرا
برچھیاں کھا کے میں گھوڑے سے جو زیں سے گرا
لے کے خنجر مری چھاتی پہ ستمگار چڑھا
سر کے بے کاٹے نہ اترا مرے سینے پر سے
سر اس تیغ سے جنگل میں پڑا ہے مرا تن
ہاتھ میں عابد بیمار کے باندھی ہے رسن
ننگے سر لوٹے ہیں اونٹوں پہ بٹھا کر لائے
کیا کہوں ننھے سے بچوں پہ جو ہے ظلم و ستم
مارتے ہیں اسے جھنجھلا کے طمانچے اظلم
آج جدا اس مری پیاری پہ ستم ہوتے ہیں
سرور نے فصاحت سے کیے یہ جو بیاں
خولی تب آگے بڑھا لے کے سر شاہ زماں
تھا ورم پاؤں پہ تن ضعف سے تھراتا تھا
ہتکڑی ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھاری زنجیر
تھی یہ تاکید کہ چلنے میں نہ کیجو تاخیر
کہتا تھا ظالمو بے جرم ستاتے ہو مجھے
نہ تو ہے پاؤں میں نعلین نہ سر پر دستار
مجھ پہ اب رحم کرو ہوں میں ضعیف و بیمار
اب غش آیا تو نہیں پھر میں سنبھل سکنے کا
کئی منزل تو چلا آیا ہوں دن بھر پیدل
پنڈلیاں سوج کے شل ہو گئیں دونوں ہیں بے کل
نکلے لہو ایک تو ہے طوق و سلاسل بھاری

یاں کے باشندوں نے خط لکھ کے مجھے بلوایا
تین دن میں نے نہ اس گرمی میں پانی پایا
خیمے سب پھونک دیے لوٹ لیا گھر سارا
میں نے چاہا کہ کروں سجدۂ معبود ادا
پورا سجدہ بھی مجھے شمر نے کرنے نہ دیا
رگڑ کے دے دے کے گلا کاٹا مرا خنجر سے
لاش نے آج تلک پایا نہیں غسل و کفن
قید کر لائے ہیں ناموس مرے یہ بدظن
چادریں بھی نہیں بیبیوں کو اڑھا کر لائے
نام لے کر مرا روتی ہے سکینہ ہر دم
کان بھی زخمی ہیں گالوں پہ بھی ہے آہ ورم
یہ مری روح پہ دو اشتر الم ہوتے ہیں
اپنے سر پیٹ کے رونے لگے سب خورد و کلاں
دیکھا اب لوگوں نے پھر قید میں اک نوجواں
رسی کھینچے ہوئے اونٹوں کی چلا جاتا تھا
کھینچے تلواریں کئی اس کے پس پشت شریر
اور تھی ضعف سے اس قیدی کی حالت تغیر
چل نہیں سکتا ہوں کھینچے لیے جاتے ہو مجھے
پڑ سے پڑ سے ہوا جسم ہے کانٹوں سے فگار
لڑکھڑاتا ہوں چڑھا ہے مجھے شدت سے بخار
گر پڑا اب کی تو ہرگز نہیں چل سکنے کا
میں نے اس حال سے بھی طے کیے کیا کیا جنگل
آج ناطاقتی سے دل یہی کہتا ہے نہ چل
اور ہے سب منزلوں سے آج کی منزل بھاری

کہتے تھے رو رو کے ایک ایک سے یہ زین العباد
کوئی دیتا نہ تھا اس بیکس مظلوم کی داد
ظلم سے کھینچے لیے جاتے تھے اس کو جلاد
بانو اشتر سے یہ چلاتی تھی ہے ہے سجاد
جو جو اس بے کس و تنہا پہ ستم ہوتے تھے
پیٹ کر سینہ و سر اہل حرم روتے تھے

بولنے کیا کہ وہ تھے گرد سواروں کے پرے
تھی یہ تاکید کہ خبردار کوئی غل نہ کرے
غم سے تھے اشک ہر اک بی بی کی آنکھوں میں بھرے
اہلبیت نبوی ہاتھ تھے چہروں پہ دھرے
پشت پا پر تھی نگہ زانو پہ نہوڑا سر تھا
عرق شرم سے ایک ایک کا چہرہ تر تھا

اپنے سائے سے بھی جو لوگ کہ شرماتے تھے
بلوہ عام میں سر ننگے وہ جاتے تھے چلے
بال سنبل سے تھے ہر بی بی کے منہ پر بکھرے
چاند سے چہرے پہ تھی اپنے کوئی خاک ملے
اونٹ پر بید کے مانند کوئی کانپتی تھی
اور کوئی مہندی لگے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتی تھی

ننگے سر بیٹھی تھی اک اونٹ پہ بنت زہرا
نہ تھا پردہ نہ تھا برقع نہ تھی سر پہ ردا
دیکھ کر سوئے فلک کہتی تھی اے بار خدا
آل کا یہ ترے محبوب کی رتبہ پہونچا
یہ ستمگار نہیں پاس ہمارا کرتے
پاس آ آکے ہیں رانڈوں کا نظارا کرتے

رانڈوں کی چھاتیوں سے لپٹے ہوئے تھے اطفال
ہونٹ گل برگ سے سوکھے ہوئے منہ دھوپ سے لال
اشک آنکھوں میں بھرے پیاس کے مارے بیحال
راہ کی گرد سے آلودہ جھنڈولے وہ بال
دل دھڑکتے تھے پڑے خوف سے چہرے فق تھے
جور اعدا سے کئی بچوں کے چہرے شق تھے

تھیں کئی لڑکیاں چھوٹی کئی لڑکے چھوٹے
آنسو آنکھوں میں بھرے ضبط کیے بیٹھے ہوئے
گورے گورے وہ گلے اور گریبان پھٹے
نرگسی آنکھوں سے تھے اشکوں کی صورت ٹپکتے
اک سکت تھا نہ رو کر کوئی بچہ پانی
ڈر سے اعدا کے ہوا جاتا تھا زہرہ پانی

چاند سے چہرے سے اک اک کے یتیمی تھی عیاں
کئی فاقے جو کئے تھے تو نہ تھی تاب و تواں
بیبیاں ان کی غریبی پہ جو کرتی تھیں فغاں
جھڑک کر ہاتھ وہ کہتے تھے نہ رو دو اماں
کھینچ کر تیغ نہ پھر تم کو ڈراوے کوئی
نوک نیزوں کی نہ شانوں پہ چبھاوے کوئی

کوئی لاتے تھے جو ہمراہ وہاں بچوں کو
میوے لے لے کے کھلاتے تھے وہ ان کو خوش ہو
اونٹ پر کہتی تھی ماں سے یہ سکینہ رو رو
بیٹی قربان ذرا منہ کو تو اپنے کھولو
لوگ کھاتے ہیں جو چیزیں وہ دلادو ہم کو
میوے بازار میں بکتے ہیں منگا دو ہم کو

بانو اشتر پہ یہ سمجھاتی تھی اس کو رو رو قید میں صدقے گئی ضد نہ کرو ہٹ نہ کرو
میوے بازار میں بکتے ہیں اگر بکتے وہ بند آنکھیں کرو منہ ڈھانپو او دہشت دیکھو
میوے کچھ چیز ہیں جن کے لیے تم روتی ہو صبر لازم ہے تمہیں فاطمہ کی پوتی ہو

میوے ان کو نہیں کے بچے نہ کھائیں کیونکر قید میں مائیں نہیں سر پہ سلامت ہیں پدر
بے گنہ باپ ترا قتل ہوا اے دختر خوں سے دل داد وہیں کہاں تھیں مری خستہ جگر
دیکھتی ہو کہ مصیبت میں گرفتار ہوں میں وارثہ ہوں قید میں اعدا کی ہوں ناچار ہوں میں

ہوتے سرور تو ابھی تم کو کھلاتے میوے یاں نہ تھے تو وہ جنت سے منگاتے میوے
ہوتے عباس تو لینے ابھی جاتے میوے جیتے ہوتے علی اکبر تو وہ لاتے میوے
اب نہیں جیتے ترے ناز اٹھانے والے مر گئے سب ترے میوے کے کھلانے والے

کہہ کے بانو نے سکینہ سے جو رو کر یہ بیاں ڈھانپ کر کرتے سے منہ رونے لگی وہ ناداں
اتنے میں آیا نظر حاکم ظلم کا مکاں شمر چلایا کہ جلد اونٹوں کو بٹھلا دو یہاں
نیزے داروں سے کہو غل نہ مچائیں قیدی با ادب اونٹوں سے جلدی اتر آئیں قیدی

سنی یہ ظلم کی تقریر تو گھبرائے حرم اونٹوں پر بیدم تھے خوف سے تھرائے حرم
بچے لے گود میں ناچار اتر آئے حرم چلے دربار میں ظالم کے وہ دکھ پائے حرم
کبھی بالوں سے کبھی ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے تھے پاؤں کھنچتے ہی نہ تھے سب کے قدم کانپتے تھے

جب کہ ڈیوڑھی پہ اسی حال سے پہنچے قیدی اس گھڑی چھا گئی ہر بی بی کے رخ پر زردی
بانو دروازے کے بازو سے لپٹ رونے لگی خاک پر بیٹھ کے یہ کہنے لگی بنت علی
وہ ہے مرتد اسے صورت نہ دکھاؤں گی میں سامنے حاکم ظالم کے نہ جاؤں گی میں

عمر سعد نے اس وقت یہ زینب سے کہا اٹھ کے دربار میں چل تو نے یہ حیلہ ہے کیا
سر برہنہ تجھے بازاریوں نے دیکھ لیا پیش حاکم تجھے جاتے ہوئے آتی ہے حیا
چل تو چل ورنہ ابھی شمر کو بلواتا ہوں سر دربار ابھی تجھے کھینچ کے لے جاتا ہوں

پیٹ کر سر کہا زینب نے او نا ہنجار میرے بھائی کی طرح میرا بھی سر تن سے اتار
ہونے جائے مجھے دربار لعیں میں زنہار فاطمہ ماں ہے مری میں ہوں علی کی دلدار
کھینچ کر جو میاں سے مجھے لے جاوے گا کیا پیمبر کو نہ منہ حشر میں دکھلاوے گا

طیش میں آ گیا زینبؑ سے یہ سنتے ہی شریر
اُڑ گئے ہیں مرے دولت پہ کئی آ کے امیر
بنتِ زہرا کسی تدبیر نہیں آتی ہو
ماجرا سنتے ہی یہ غیظ میں آیا بے دیں
یوں تو ناموسِ حسینؑ ابنِ علیؑ آتے نہیں
میں سمجھا ہوں بہت بے کس و مجبور ہیں وہ
شمرِ بے دین چلا سنتے ہی حاکم کی یہ بات
پہونچا جب آلِ محمدؐ کے قریب وہ بدذات
شمر سے سنتے ہی یہ بیبیاں جی کھونے لگیں
خولی رسی لیے زینبؑ کی طرف جو ہی بڑھا
رو کے پھر حضرتِ زینبؑ سے یہ عابدؑ نے کہا
آپکے رتبے سے آگاہ یہ جلاد نہیں
رو کے زینبؑ سے یہ سجادؑ نے تقریر جو کی
پہونچیں دربار میں راشد یہ لگا کہنے شقی
عرض کی شمر نے تب، زینبِؑ دلگیر یہ ہے
دیکھ زینبؑ کی طرف کہنے لگا وہ ملعون
تب کہا زینبِؑ بیکس نے بہا چشم سے خون
دین و دنیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں میں
تجھ کو معلوم نہیں حال مری مادر کا
اس کی بیٹی ہوں میں سر ہو مرا مجلس میں کھلا
کیا جواب اس کا پیمبر کو تو دے گا ظالم
تیغ کیں سبطِ پیمبر پہ چلائی تو نے
شکل ناموسوں کو میری دکھائی تو نے
کچھ سزا تو نے نہ اس ظلم کی پائی ظالم

جھک کے سر دست یوں کہنے لگا وہ بے پیر
آپکے خوف سے دے سکتا نہیں میں تعزیر
سترِ مظلوم کی ہمشیر نہیں آتی ہے
شمر سے کہنے لگا چپ ہی جبیں ہو کے لعیں
جا انھیں رسیوں سے باندھ کے لا میرے قریب
کوئی وارث ابھی جیتا ہے جو مغرور ہیں وہ
رسی اک لے کے ہوا خولیِ ملعون بھی ساتھ
خولی سے کہنے لگا باندھ کے اک ایک کا ہات
کوئی وارث جو نہ تھا ڈھانپ کے منہ رونے لگیں
رو دیے سجاد یہ کہتے ہوئے کرتا ہے یہ کیا
رو بہ جا کم ظلم کے چلو بہرِ خدا
بابا صاحب کی وصیت تمھیں کیا یاد نہیں
خاک سے پیٹتی چھاتی کو اٹھی بنتِ علیؑ
ان میں یہ کون سی عورت جو بیاں آتی تھی
دخترِ فاطمہؑ ہے شاہ کی ہمشیر یہ ہے
شرط اب ہو کہ نہ آنے کی سزا میں تجھے دوں
میرے رتبے کو سمجھتا نہیں اے سنگ دل
او ستمگر اسد اللہ کی بیٹی ہوں میں
غیر محرم نے جنازہ بھی نہ جن کا دیکھا
اب بھی اس ظلم سے دل میں نہیں نادم ہوتا
تو نے برباد کیا خانۂ زہرا ظالم
کی بلا کر مرے بھائی سے برائی تو نے
ہائے لوٹی مری اماں کی کمائی تو نے
مر گئے وہ پہ تجھے موت نہ آئی ظالم

سرِ دربار جو زینبؑ نے کیا یہ ارشاد
بولا خولی سے کہ گویا ہے بہت یہ ناشاد
شہِ مظلوم کی خواہر کی اتارے گردن
سن کے یہ کھینچ لی اک دشمنِ دیں نے تلوار
دوڑ کے تھامے ہوئے زنجیر امامِ بیمار
ظلم عورت پہ یہ اللہ سے ڈر اے ظالم
بلبلانے لگے یہ دیکھ کے ننھے بچے
میری بے کس پھوپھی اماں پہ یہ افگار سے صدقے
اب کہاں ہیں شہِ والا جو بچا دیں تم کو
تخت کے نیچے جو رکھا تھا سرِ شاہ ہدا
کچھ خبر ہے تمھیں جو ظلم کہ مجھ پہ ہوتا
اب تو اے فاطمہؑ کے لال کرامت کیجے
تھر تھرا ڈر سے جو زینبؑ نے کیا یہ مذکور
ہو گئے حاکم سے مخاطب یہ کہا او مقہور
فضلِ خالق سے میں مجبور نہیں ہوں ظالم
تجھ کو معلوم نہیں کیا مری خواہر ہے یہ
بخدا حیدرِ کرار کی دختر ہے یہ
ہاتھ گر اس پہ اٹھا تیرا تو گل جاوے گا
میں نے تو سجدۂ خالق میں کٹایا سر کو
سر برہنہ کیا اہلِ حرمِ مضطر کو
منہ چھپانے کو نہ برقع نہ ردا دیتا ہے
اس ستم کی جو خبر خلد میں پاوے گی بتول
پایۂ عرش کو جنبش تہِ پا دے گی بتول
حشر محشر نہ کونین جو حشر یاں ہو گا

برہم اس دم ہوا وہ دشمنِ دیں حقد نژاد
تیغ کو کھینچ کے آوے کوئی جلدی جلاد
تن سے اس بیکس و مضطر کی اتارے گردن
سر کھلا خاک پہ تب بیٹھ گئی زینبؑ زار
لپٹی یہ کہہ کے تب اس بی بی سے واں دخترِ چار
دخترِ فاطمہؑ کو قتل نہ کر اے ظالم
لپٹ کر سر کو سکینہؑ نے کہا ہاتھوں سے
آگے بڑھ کے ستمگر مری گردن کاٹے
ہائے چچا جیتے نہیں بابا جو بچا دیں تم کو
بھائی کے سر کی طرف دیکھ کے زینبؑ نے کہا
قتل ہوتی ہوں بچاتے نہیں مجھ کو بھیا
اپنی ہمشیر کی اس وقت حمایت کیجے
غفلت سے بس ہوا او بچا سرِ شاہ غفور
قتلِ زینبؑ کو کرے تو یہ ترا کیا مقدور
اب بھی چاہوں تو ترا تخت الٹ دوں ظالم
او ستمگر جگرِ جانِ پیمبر ہے یہ
بنتِ زہراؑ ہے یہ زہراؑ کے برابر ہے یہ
پڑ نگہ سے اسے دیکھے گا تو جل جاوے گا
تو نے لٹوا لیا ملعونوں سے میرے گھر کو
اب ستاتا نہ خبردار مری خواہر کو
دخترِ فاطمہؑ زہراؑ کو سزا دیتا ہے
اپنا سر کھولے تہِ عرش کے جاوے گی بتول
حق کا دریائے غضب جوش میں لا دے گی بتول
درہم و برہم ابھی دفترِ امکاں ہو گا

معجزے سے سرِ سرور نے جو یہ باتیں کیں
بھاگا تب تخت سے سب اٹھ کے وہ ملعون بے دین
خوف سے درہم و برہم ہوا دربارِ لعیں
بس انیس آگے مجھے لکھنے کی اب تاب نہیں
جس سے غم گیں ہیں نبی آہ یہ وہ ماتم ہے
جس کا پایاں نہیں واللہ یہ وہ ماتم ہے

رباعیات

جب کٹ گیا سجدے میں سرِ پاکِ حسینؑ
سب لوٹ پڑے لٹ گئی پوشاکِ حسینؑ
فریاد ہے امت نے کفن کے بدلے
پامال کیا پیکرِ صد چاکِ حسینؑ

تھے زیست سے ہاتھ اپنے دھوئے سجادؑ
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجادؑ
جب تک جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا
چالیس برس باپ کو روئے سجادؑ

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے
غربت میں کفیل اس کا خدا ہوتا ہے
کیا خضر کی احتیاج اسے کعبے میں
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

افسوس یہ عصیاں یہ تباہی دل کی
کی خوب انیس خیر خواہی دل کی
کپڑے اجلے پہن کے نازاں ہوئے تم
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

۲۲
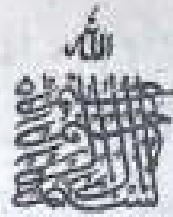
جب سُنی ہند کے آنے کی خبر زینبؑ نے
یاس سے کی سوئے افلاک نظر زینبؑ نے
شرم سے زانو پہ جھکا لیا سر زینبؑ نے
کہا ایک ایک سے با دیدۂ تر زینبؑ نے
خاک لے کر مرے چہرے پہ لگاؤ لوگو
ہند آتی ہے، کہیں مجھ کو چھپاؤ لوگو

اب یہ دکھلانے کے قابل نہیں صورت میری
اب نہ رتبہ ہے وہ میرا نہ وہ عزت میری
بھائی کے ساتھ گئی دولت و حشمت میری
اس نے پہچانا جو آ کر تو ہے ذلت میری
گو کہ نورِ نظرِ صاحبِ معراج ہوں میں
ایک چادر کے لئے آج تو محتاج ہوں میں

اس نے دیکھا تھا مدینے میں مرا جاہ و حشم
گھر تھا آباد سلامت تھے شہنشاہِ اُمم
قید اب خانۂ زنداں میں ہوں میں کشتۂ غم
نیل بازو پہ ہیں رسی کے اور آنکھوں میں ہے نم
چاک ماتم میں گریباں کھلے سر ہوں میں
شرم آتی ہے کہ شبیرؑ کی خواہر ہوں میں

اب نہ وارث کوئی سر پہ ہے نہ کوئی والی
ہو گیا فاطمہؑ زہراؑ کا بھرا گھر خالی
سخت جاں رہ گئی ہوں ایک یہ رونے والی
اقتدار اس کو ہے اور یاں ہے پریشاں حالی
آج ہر طرح مجھے ہند سے ذلت ہوگی
نام لوں گی تو بزرگوں کی خجالت ہوگی

میری مادر کا ہے مریم سے زیادہ رتبا
نہ کہا جائے گا مجھ سے کہ ہوں بنتِ زہراؑ
لونڈیاں اس کی کہیں گی کہ تعجب کی ہے جا
دخترِ شیرِ خدا اور نہیں سر پہ ردا
خاک پر بیٹھی ہے سایا نہیں بستر بھی نہیں
یہ تو زہراؑ کی کنیزوں کے برابر بھی نہیں

در بدر پھرتی اگر دختر حیدر ہوتی — ہوتی زہرا کی جو بیٹی تو کھلے سر ہوتی
قید یوں ہوتی جو شبیر کی خواہر ہوتی — سر پہ احمد کی نواسی کے نہ چادر ہوتی
قتل پردیس میں سبط شہ لولاک ہوا — کیا خبر ان کو کہ گھر فاطمہ کا خاک ہوا

منہ چھپانے کی یہ کو وجہ یہ باعث یہ سبب — گر کہا میں نے کہ ہوں بنت شہنشاہ عرب
طعن سے یوں وہ کہیں گی کہ نہایت ہے عجب — بھائی تو قتل ہوا اور رہی جیتی زینب
نام رہتا جو یہ آوارہ وطن مر جاتی — بھائی سے پہلے مناسب تھا بہن مر جاتی

کتنا چاہا تھا کہ مر جاؤں پہ آئی نہ اجل — سخت جانی سے ہوا عزت زینب میں خلل
ہائے مر جاتی تو ہو جاتا یہ جھگڑا فیصل — نام رہتا کہ بہن مر گئی بھائی کے بدل
کچھ بن آتی نہیں جب دم ہے مقدر پھرتا — میں اگر مرتی تو پھر کون کھلے سر پھرتا

کون پھر دیکھتا کٹتے ہوئے بھائی کا گلا — کس کے سر پر سے ردا چھینتے آ کر اعدا
باندھا جاتا رسن ظلم سے بازو کس کا — کھینچ کر اونٹ پہ بٹھلاتے کسے اہل جفا
اب وہ آوے گی تو چھپنے کو کدھر جاؤں گی — ہند اس حال سے دیکھے گی تو مر جاؤں گی

وہ تو ہے تخت نشیں اور میں خاک نشیں — پردہ رہ جائے جو ہو جاؤں میں پیوند زمیں
اس خرابے میں تو کوئی حجرہ بھی نہیں — کیا کروں ہائے کہاں جا کے چھپوں میں غمگیں
اے اجل آ نہ رسوائے جہاں ہو زینب — اے زمیں تھوڑی جگہ دے تو نہاں ہو زینب

کہہ کے یہ خاک کو چہرے پہ ملا آخر کار — پیچھے سب بیبیوں کے جا کے چھپی وہ ناچار
رکھ کے سر زانو پہ رونے لگی جوں ابر بہار — ناگہاں آن کے ڈیوڑھی پہ پکارا خونخوار
اٹھو اے قیدیو کیا بیٹھے ہو تعظیم کرو — زوجۂ حاکم شام آتی ہے تسلیم کرو

یہ جو غل ہند کے آنے کا سکینہ نے سنا — ماں کے پاس آ کے لپٹنے لگی گھبرا گھبرا
ماں بتلاؤ تو ڈیوڑھی پہ یہ غل ہے کیسا — کیا ہمیں لوٹنے کو آتے ہیں پھر اہل جفا
پھر ستائیں گے کہیں آن کے اعدا مجھ کو — مار بیٹھے نہ کہیں شمر طمانچہ مجھ کو

اچھی اماں مجھے گودی میں اٹھا لو جلدی — دل دھڑکتا ہے کلیجے سے لگا لو جلدی
شمر دیکھے نہ کہیں مجھ کو چھپا لو جلدی — بھائی سجاد کو پاس اپنے بلا لو جلدی
کچھ اسیروں پہ غضب حاکم بے پیر نہ ہو — قتل کی خاطر بیمار کے تدبیر نہ ہو

رو کے کہنے لگی بانو نہ رو اے پیاری
زنِ حاکم کی یہاں آنے کی ہو تیاری
قید خانے میں وہ آتی ہے امیروں کی طرح
کل کی ہے بات کہ میرا بھی تھا یہ عز و وقار
مسندِ احمدِ مختار کی میں تھی مختار
اب نہ وہ گھر ہے نہ مسند ہے نہ شاہی میری
ایک دن وہ تھا کہ زہرا نے بنایا تھا دلہن
آج باندھی ہے ستمگاروں نے بازو میں رسن
دیکھوں کیا ذلتیں قسمت مجھے دکھلاتی ہے
کس کو معلوم تھا ہو جائے گا گھر یوں برباد
اک زمانہ تھا کہ پیدا ہوئے تھے جب سجاد
گھر مرا لٹ گیا محتاج ہوں نادار ہوں میں
سنتی ہوں عقد میں تھی یہ بھی شہ والا کے
پانی کیجیو نہ طلب خشک زباں دکھلا کے
باپ حضرت کو نہ سجاد کو بھائی کہنا
سر کو نیوڑھا کے وہ کہنے لگی اچھا اماں
لیکن اتنی تو اجازت دو تمہارے قرباں
گھر میں حاکم کے جو بابا کا پتا پاؤں گی
ذکر یہ تھا کہ ہوئی ہند کی آمد اک بار
مہندی ہاتھوں میں لگے پہنے لباسِ زرتار
واں یہ ساماں تھا امیروں کے دکھانے کیلئے
جوں قدم ہند نے دروازۂ زنداں میں رکھا
عرض کر دو کہ ٹھہر جائیں حضورِ والا
یا تو بیمار کی آنکھیں ابھی بند کریں

اب بھلا کیا ہے جب لوٹ گئے آ کر ناری
سر کو نیوڑھا کے مرے پہلو میں بیٹھو واری
اور ہم خاک پہ بیٹھے ہیں فقیروں کی طرح
اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے امام ابرار
سامنے رہتی تھی صف بستہ کنیزوں کی قطار
ہائے تقدیر مری ہائے تباہی میری
خواب میں دیکھا تھا دیدارِ شہنشاہِ زمن
میں ہوں محتاجِ ردا اور وہ محتاجِ کفن
خاک میں مل گئی تب ملنے کو مسند آتی ہے
رسن و طوق کہاں اور کہاں میری اولاد
راہِ خالق میں بہت لونڈیاں کیں تھیں آزاد
اب تو خود قید مصیبت میں گرفتار ہوں میں
تم بتانا نہ کہیں گو مجھے پوچھے آ کے
بیٹھو قرباں گئی زانو پہ سر نیوڑھا کے
ہاں نہ کہنا مجھے صدقے گئی دائی کہنا
نہیں کرنے کی میں کچھ اپنی تباہی کا بیاں
ہند آئے تو میں پوچھوں خبرِ شاہِ زماں
انگلی پکڑے ہوئے ساتھ اس کے چلی جاؤں گی
روشنی آگے تھی اور پیچھے کنیزیں چار
ہند بھی غرقِ جواہر تھی بصد عز و وقار
یاں ردا میں بھی نہ تھیں منہ کے چھپانے کے لئے
تب نگہبانوں نے گھبرا کے خواصوں سے کہا
اک جواں بھی اسی زنداں میں ہے محبوس بلا
یا ہم آ کر کسی حجرے میں جدا بند کریں

ہند ٹھہری تا تو یہ رو کر کسی عورت نے کہا
نہ پرستار ہے کوئی نہ دوا ہے نہ غذا
کھول سکتا ہے نہ آنکھیں نہ اٹھا جاتا ہے

زرد رخسار ہیں رونے سے ہوا آنکھوں پہ ورم
اور مہ نو کی طرح گردنِ پر نور ہے خم
رُخ روشن سے عیاں بے پدری ہوتی ہے

یا تو سادات سے ہو یا ہو امیر ابن امیر
طوق گردن میں ہے اور پاؤں میں بھاری زنجیر
تن لاغر میں بخار آٹھ پہر رہتا ہے

کس فصاحت سے ادا کرتا ہے خالق کی نماز
ہے تو بے کس پہ خدا سے ہے عجب راز و نیاز
پاس بستر جو نہیں خاک میں تن اٹتا ہے

ہند کے دل پہ یہ سنتے ہی کیا غم نے اثر
اللہ اللہ زمانے میں ہیں ایسے بھی بشر
خود دوا اپنے دواخانے سے بھجواتی ہوں

یہ سخن کہہ کے جو آگے بڑھی تو دیکھا یہ حال
بال ہیں سر کے بڑھے ضعف ہے چہرے پہ کمال
ٹکڑے ٹکڑے تن پہ نور میں اک جامہ ہے

ہے نشاں سجدے کا اختر کی طرح سے روشن
نہ تو ابرو پہ گرہ ہے نہ جبیں پر ہے شکن
نیر برج شرف خاک پہ افتادہ ہے

دل سے وہ بولی یہ کیا ماجرا ہے یا اللہ
کس سے پوچھوں میں یہ ہے کون یتیموں کا شاہ
کس طرح کہیے کہ یہ صاحب توقیر نہیں

دیکھو آئی ہوں میں بیمار رہا ہے اک لڑکا
فاقہ کش بے کس و مظلوم غریب الغربا
آہ آتی ہے جو لب تک تو غش آجاتا ہے

ضعف ایسا ہے کہ سینے میں سماتا نہیں دم
پنڈلیاں سوجی ہیں مجروح ہیں کڑیوں سے قدم
پشت کے نیل دکھاتا ہے تو ماں روتی ہے

ایسے یوسف کو کیا ایسے خرابے میں اسیر
بولے نانے کے نکل جاتی ہے منھ سے تکبیر
اس پہ بھی خاک پہ سجدے ہی میں سر رہتا ہے

نہیں دیکھا کسی آواز میں یہ سوز و گداز
عابدوں میں اسے خالق نے کیا ہے ممتاز
باپ کو روتا ہے جس دم تو جگر پھٹتا ہے

کہا بتلاؤ کہ وہ خاصۂ باری ہے کدھر
ہائے اس حال کی پہلے سے نہ تھی مجھ کو خبر
روز دو وقت عیادت کے لیے آتی ہوں

خاک پر ایک جواں بیٹھا ہے خورشید جمال
طوق کے بوجھ سے گردن کا اٹھانا ہے محال
نہ ردا دوش پہ نے فرق پہ عمامہ ہے

جابجا طوق سے مجروح ہے نازک گردن
طوق گردن سے یہ پیدا ہے کہ ہو چاند گہن
شان و شوکت سے ہے ظاہر کہ نبی زادہ ہے

کس کا گھر لٹ گیا کشتی ہوئی یہ کس کی تباہ
ایسا سرزد ہوا کیا اس سے جو جکڑے ہے گناہ
آئی آواز کہ اس کی کوئی تقصیر نہیں

سامنے ہند گئی اور کیا جھک کے سلام   جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش مقام
ترک آداب ہے ہر چند پہ بتلایئے نام   کہا مولا نے کہ مظلوم و غریب و ناکام
قید ہوں ظلم رسیدہ بھی ہوں نادار بھی ہوں   بس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہوں
بولی وہ کون سی بستی ہے جہاں تھا مسکن   رو کے فرمایا غریب الوطنی اب ہے وطن
باپ کو پوچھا تو بولے شہ بے گور و کفن   کہا ہمراہ بھی ہے کوئی کہا طوق و رسن
دل کے جلنے کا سبب داغ پدر بتلایا   اس نے پوچھی جو فقد اخوان جگر بتلایا
بولی وہ کوئی عزیزوں میں بھی تھا اے غمگیں   رو کے فرمایا کہ تھے مگر اب کوئی نہیں
ایک بھائی تھا کہ مشہور تھا یوسف سے حسیں   سرو قد مہر لقا غنچہ دہن ماہ جبیں
چار گیسو رخ انور پہ پڑے رہتے تھے   لوگ ہر وقت زیارت کو کھڑے رہتے تھے
نہ وہ بھائی ہے نہ عمو ہے نہ سر پہ ہے پدر   ایک ہیں باقی میں سب کر گئے دنیا سے سفر
سترہ شخص ہوئے آنکھوں کے آگے بے سر   ان کا دھیان آتا ہے جس وقت تو پھٹتا ہے جگر
اب کئی بیبیاں ہیں ساتھ کہ جی کھوتی ہیں   اپنے بچوں کے لئے آٹھ پہر روتی ہیں
ہند کے دل پہ یہ سن کر ہوا اندوہ و قلق   کہا حضرت کی غریبی پہ جگر ہو گیا شق
آپ نے حال مفصل نہ سنایا مطلق   دو رضا رانڈوں میں جانے کی اب اے خاصۂ حق
رو کے پرسا انھیں کچھ حرف و حکایات کروں   آرزو ہے کہ اسیروں سے ملاقات کروں
سر کو نہوڑا کے یہ سجاد نے ارشاد کیا   فائدہ دکھ زدی رانڈوں کی ملاقات سے کیا
نہ کسی پاس قبا ہے نہ سر پہ ہے ردا   کھول کر بالوں کو چہرہ کو کیا ہے پردا
سخت صاحب غیرت ہیں وہ شرمائیں گی   پوچھیے گی نام و نسب کو تو وہ مر جائیں گی
اس نے اصرار کیا آپ نے سر نہوڑایا   گئی رانڈوں کے قریب ہند تو رونا آیا
سر جھکائے ہوئے ہر ایک کو روتا پایا   ہاتھ مل مل کے خواصوں سے یہی فرمایا
ایسی شہزادیوں کی ہائے یہ تقریریں ہیں   کس کے ماتم کے مرقع کی یہ تصویریں ہیں
کبھی دیکھا نہیں یہ گرد ہے چہروں کا نور   کوئی خورشید لقا ہے تو کوئی غیرت حور
شب معراج جو ہیں بال تو رخ شعلۂ طور   شرم سے رنگ اڑے جاتے ہیں غش کا ہے وفور
گو ہیں آفت میں یہ اللہ کے پیارے ہیں ::   بخدا عرش معلا کے ستارے ہیں ::

گورے گورے تو ہیں بازو پہ رسی کے نشان
ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں چہرے پہ غربت ہے عیاں
آہیں کیوں کر نہ بھریں گود یاں بھی خالی ہیں
اتنے میں جا پڑی اس کی رخ زینب پہ نگاہ
گو کہ یہ خاک پہ بیٹھی ہیں یہ احوال تباہ
غیر زہرا کسی بی بی کا یہ رتبہ کب ہے
کہہ کے یہ بیٹھ گئی سامنے آ کر فی الفور
دل سے کہنے لگی سب ہے وہی نقشہ وہی طور
پھر یہ کہتی تھی کہ وہ صاحب توقیر کہاں
جوڑ کر ہاتھ کہا سر تو اٹھاؤ بی بی
کیا مصیبت ہوئی روداد سناؤ بی بی
منہ سے کچھ بات کرو دل پہ قلق ہوتا ہے
گر ردا سر پہ نہیں کون سی یہ شرم کی بات
نہ تو دولت کو ہے حشمت کو ہے دنیا میں ثبات
رنج دنیا میں ہے خاصان خدا کی خاطر
رتبہ حضرت زہرا سے تو ہوگی آگاہ
جن کی توقیر تھی مریم سے فزوں بیش از حد
ایسی بی بی پہ یہ دنیا میں پریشانی تھی
نہ میسر تھی بجز نان جویں اور غذا
اور طرہ یہ تھا حیا کی تھی ایک ردا
شکر حق کرتی تھیں تکلیف اٹھا لیتی تھیں
داغ تھا باغ کے چھن جانے کا اور باپ کا غم
شکم پاک پہ دروازہ گرا ہائے ستم
پہنچے صدمے یہ جو صدمے الم محسن میں

نیلے رخسار ہیں اور خون ہے ہاتھوں سے رواں
چپ ہیں یا تصویر ہے گویا کہ نہیں منہ میں زباں
وطن آوارہ ہیں بے وارث و بے والی ہیں
منہ سے بے ساختہ نکلا کہ زہے عزت و جاہ
پُر عجب نور عجب شان ہے سبحان اللہ
میں قسم کھاتی ہوں یا فاطمہ یا زینب ہے
بال سرکا کے نظر کی رخ اقدس پہ ہنوز
بس یقیں ہو گیا زینب ہے یہ نہیں یہ کوئی اور
خیر نساء یہ کہاں اور زینب دلگیر کہاں
کیوں جھکی جاتی ہو شکل اپنی دکھاؤ بی بی
میں موئی جاتی ہوں آنسو نہ بہاؤ بی بی
آپ کے رونے سے سینہ مرا شق ہوتا ہے
صدقے جاؤں میں انکے یہ ہیں کیا کلمات
روز پیدا سے نیکوں کے ہوئے نیک صفات
سب سے افزوں ہے بلا اہل ولا کی خاطر
زوجہ شیر خدا سیدہ عالی جاہ
تم کو لازم ہے کرو ان کی مصیبت پہ نگاہ
فاقے پہ فاقہ تھا اور آسیہ گرداں تھی
کھانا اک دن جو بہم پہنچا تو دو دن نہ ملا
اس پہ بھی سیتی تھیں پیوند پہ پیوند سدا
دن کو تو اوڑھتی تھیں شب کو بچھا لیتی تھیں
رات دن آنکھ سے تھمتا تھا نہ آنسو اک دم
چوٹ پہلو پہ لگی ہو گئیں بچے بے دم
اٹھ گئیں خلق سے اٹھارہ برس کے سن میں

اب نہ زہرا نہ پیمبر ہیں نہ حیدر نہ حسن
ایک شبیر کے دم سے ہے ہمہ روشن
ایک زینب ہیں کہ سب جن میں ہیں شیر کے چلن
شہ دیں کی سال سلامت رہیں بھائی بہن
میری آنکھوں کے تلے پھرتی ہے صورت ان کی
پھر وہ دن ہو کہ کروں جا کے زیارت ان کی

حضرت فاطمہ زہرا کا جو احوال سنا
دم بخود سب رہیں پر ضبط نہ فضہ سے ہوا
کوٹ کر چھاتی کو کہنے لگی چلا چلا
ہائے بی بی تری مظلومی پہ لونڈی ہو فدا
ایسے دکھ پائے کہ جینے سے بھی منھ موڑ گئیں
قید ہونے کو بڑھاپے میں مجھے چھوڑ گئیں

سن کے فضہ کا بیاں رونے لگے اہل حرم
تب کہا ہند سے زینب نے بہ با دیدۂ نم
اے بہن دیدہ بیدار کے جو قیدی ان ہم
زیر دیوار رسولؐ دو سرا رہتے تھے ہم
رتبہ فاطمہؑ کو یوں سبھی پہچانتے ہیں
ان پہ جو گزری مصیبت وہ ہمیں جانتے ہیں

سانحہ اس بی بی کے محسن کا کیا غم ہم نے
دل سے کی خدمت مخدومۂ عالم ہم نے
سانحہ بیاری میں چھوڑا نہیں اک دم ہم نے
مر گئیں جب تو بچھائی صف ماتم ہم نے
غم محسن کے سوا داغ یہ تازہ دیکھا
شب کو اٹھتے ہوئے بی بی کا جنازہ دیکھا

ہند بولی کہ ہے کس گھر کے قریب آپ کا گھر
الحمد کہ اب پاؤں گی آقا کی خبر
یاد میں ان کی گزرتی ہے مجھے شام و سحر
کہئے کس طور سے ہو حضرت زہراؑ کا پسر
یاں تو مدت سے یہ چرچا ہے کہ اب آتے ہیں
چھوڑ کر روضۂ احمد کو وہ کب آتے ہیں

کہئے کے بیٹیاں کے بیٹے ہیں اب نام خدا
حسن ہم شکل پیمبر کا بہت ہے شہرا
سن میں اٹھارہ برس کا ہے وہ خورشید لقا
ہیں مسیں بھیگتی آغاز ہوا ہے سبزا
روح مادر ہے دل و جان شہ والا ہے
کہتے ہیں حضرت زینب نے اسے پالا ہے

اس کی شادی ابھی کہیں شاہ نے ٹھہرائی ہے
ابھی بن بیاہا ہے یا گھر میں دلہن آئی ہے
گھر کی زینت ہے وہی اور وہی زیبائی ہے
پسر فاطمہ نے کیسی بہو پائی ہے
مثل گل بیٹے کو ہنستا جو وہ پاتی ہوگی
ماں تو خوش وقتی سے پھولوں نہ سماتی ہوگی

جیسے اس گھر سے مقدر نے چھڑایا مجھکو
کوئی خط حضرت زینب کا نہ آیا مجھکو
جائے شکوے کی ہے یاں تک جو بھلایا مجھکو
بیاہ میں بیٹوں کے بھولوں نہ بلایا مجھکو
اب تو ہوں وہ جو رو رو کے گی تو کیا ہووے گا
کبھی قسمت نے لایا تو گلا ہووے گا

شہربانو کے بھی ہے دیکھنے کا شوق کمال
بیٹی سلطان عجم کی ہے وہ فرخندہ خصال
خورسندی ہوں کہ رکھتی ہو عجب حسن و جمال
اس پہ شیدا ہے نہایت اسد اللہ کا لال
اس کے بچے بھی نہیں اور وہ سدا شاد رہے
کوکھ آباد رہے مانگ بھی آباد رہے

سن کے یہ ہوگئی بیتاب علی کی جائی
تھا یہ زن دیکھ کے بیٹے کے ہو ہو جائی
مردنی سی رخ بانوئے حزیں پر چھائی
اڑ گیا رنگ گرہ زلف تک آئی
پر دل زار نے سینے میں آرام لیا
کیک بیک ہائے پسر کہہ کے جگر تھام لیا

آہ سے بازی تھرا گیا سینے میں جگر
ہند کہنے لگی زینب سے مخاطب ہو کر
ذکر پہ شادی اکبر کے یہ ہوگئی مضطر
بولی زینب کہ جواں مرگیا ہے ان کا پسر
درد دل ہے کہ کوئی دم چین نہیں لیتی ہیں
ذکر اولاد جب آتا ہے تو رو دیتی ہیں

ایسی بی بی کوئی دنیا میں نہ ہوگی ناشاد
باغ عالم میں کوئی جس کی بر آئی نہ مراد
راند ہونے کا الم داغ فراق اولاد
خرمن چین میں گھر ہوگیا سارا برباد
خاک پر شیر سے فرزند کو سوتے دیکھا
بیاہ بھی گیسوؤں والے کا نہ ہوتے دیکھا

جب کئی بار کیا ہند سے زینب نے کلام
منہ کو تکتی تھی مگر تھا اسے حیرت کا مقام
شان زہرا کی سراپا سے عیاں تھی جو تمام
ہوگیا صاف یقیں ہو نہ ہو ہمشیر امام
بولی صدقے تو فدا ہونے و قربان گئی
بس یقیں حضرت زینب ہو میں پہچان گئی

کہا زینب نے کہ اے ہند یہ بے جا ہے گماں
دختر حیدر کرار کہاں اور میں کہاں
ہوں میں جس حال میں زینب کی تھی کیونکر وہ شان
اس کے بازو پہ کبھی دیکھے تھے رسی کے نشاں
کبھی زنداں میں کھلے سر بھی اسے دیکھا تھا
کبھی بے مقنع و چادر بھی اسے دیکھا تھا

گو کہ دنیا میں ہمشیر نہیں سر پہ اس کے
سچ ہے یہ حیدر صفدر نہیں سر پہ اس کے
وہ قوی خلق میں شبیر نہیں سر پہ اس کے
گیا حسین اس کا برادر نہیں سر پہ اس کے
وطن میں چھوٹے ہیں یہ بیٹوں کی اسے آس تو ہے
علی اکبر تو ہے قاسم تو ہے عباس تو ہے

دختر فاطمہ وہ شام کے زنداں میں اسیر
بیٹی محتاج رداء اب وہ جو عالم کا امیر
کیا محمد کی نواسی کی یہی تھی تقدیر
رتبہ کیوں کر وہ ہو بی بی جو ہوئے کیا تشہیر
زینب دختر زہرا کے برابر کب ہوں
گر حسین اٹھ گئے دنیا سے تو میں زینب ہوں

گر کے یہ غش ہوئی وہ دخترِ سلطانِ عرب
بیبیاں اٹھنے لگیں سینہ و سر پیٹنے سب
فضہ چلائی کہ ہے ہے مری بے کس زینب
کون پہچانے تھیں ہو گئیں بن بھائی کی اب
قتلِ شبیر کا احوال سنایا نہ گیا
قید میں نام بھی غیرت سے بتایا نہ گیا

ہند بولی ہوئی معلوم حقیقت ساری
ہے غضب لٹ گئی زہرا و علی کی پیاری
میں تو کہتی تھی کہ زینب ہے یہی دکھیاری
ارے لوگو کہو کیا ظلم ہوا اک باری
کس نے بے جرم شہ جن و بشر کو مارا
کس نے خاتونِ قیامت کے پسر کو مارا

آنکھیں تلووں سے جو ملنے لگی با درد و بکا
ہوش میں آن کے یہ حضرتِ زینب نے کہا
میں عزادار ہوں اے ہند مجھے دے پرسا
کٹ گیا فاطمہ کے دل کا خنجر سے گلا
دونوں حیدر کے نواسوں کو بھی رو بیٹھی ہوں
علی اکبر کو بھی ان ہاتھوں سے کھو بیٹھی ہوں

ہاتھ رکھے ہو کلیجے پہ جو با درد و الم
شہربانو ہے یہی دخترِ سلطانِ عجم
یاد اکبر کی نہیں بھولتی اس کو اک دم
کبھی داماد کا غم ہے کبھی وارث کا الم
علی اصغر کو جو راتوں کو یہ چلاتی ہے
ساتھ زہرا کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

پھینک دی ہند نے یہ سنتے ہی سر پر سے ردا
پیٹ کر چھاتی کو چلائی کہ ہے ہے آقا
مرے سید مرے مظلوم و غریب و تنہا
تیری غربت کے تصدق تری تربت کے فدا
صف بچھا کر ابھی یہ لوگ نہ روئے آقا
قید کب یہ ہوا تم قبر میں سوئے آقا

کہا فضہ پیٹ کے زینب نے بصد آہ و فغاں
پسرِ فاطمہ نے پائی ابھی قبر کہاں
سر تو شہروں میں پھرایا گیا بالائے سناں
دھوپ میں جلتی ہے وہ لاشِ امامِ دو جہاں
کون ہے کس کی حمایت کا اٹھانے والا
طوق و زنجیر میں ہے قبر بنانے والا

گر رہا گھر مرے چھین نہ لیتے دشمن
شہِ مظلوم کو دیتی اسی چادر کا کفن
لاش سے ہوتی تھی رخصت جو میں با درد و محن
آئی دو بار صدا اچھی رہیں ہم کو بہن
یہ تو کہتا نہیں تم قبر بناتی جاؤ
ایک چادر مرے لاشے پہ اڑھاتی جاؤ

بس اتنا کہہ کے سنا زینب نے تھا طولِ کلام
کر دعا حق سے کہ یا ربِ علیم و علام
جلد دکھلا دے مجھے روضۂ پر نورِ امام
درِ آقا کی جدائی میں تڑپتا ہے غلام
آرزو ہے کہ جو تربت پہ افلاک ملے
خاک میں سبطِ پیمبر کی مری خاک ملے

دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے
ڈوبے ہوئے دو چاند لہو میں نظر آئے
غل پڑ گیا مسلم کے یہ لختِ جگر آئے
غربت زدہ و بے وطن و بے پدر آئے
شمشیرِ ستم چل گئی ان نوحہ گروں پر
کیا بے کسی و یاس برستی ہے سروں پر

یہ اس کے پسر ہیں کہ جو تھا مسلم بے پر
یہ اس کے پسر ہیں کیا جس کو تہِ خنجر
سر کاٹ لیا لاش پھری گلیوں میں در در
اب تک نہ ہوا گور و کفن جس کو میسر
بابا کو انھیں کے تہِ شمشیر کیا ہے
پاؤں میں رسن باندھ کے تشہیر کیا ہے

حاکم سے یہ تب کہنے لگا حارثِ بد کام
سر بچوں کے لایا ہوں لے خلعتِ انعام
پہچان لے مسلم کے پسر ہیں یہ گلفام
یہ وہ ہیں جو زندان سے بھاگے تھے سرِ شام
میں ڈھونڈھتا پھرتا تھا نہ ہاتھ آتے تھے دونوں
پاتے تھے جدھر راہ نکل جاتے تھے دونوں

حاکم نے کہا تو نے کہاں پھر انھیں پایا
تاریکی شب میں نظر آیا نہیں سایا
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ لایا
زوجہ نے مری تھا انھیں حجرے میں چھپایا
میں کہتا تھا دل میں کہ کہاں جاکے چھپے ہیں
اس کی نہ خبر تھی مرے گھر آکے چھپے ہیں

از بسکہ تھکا تھا مجھے نیند آگئی اس دم
کیا دیکھتا ہوں عالمِ رویا میں بصد غم
اک حجرے میں دو طفل نظر آتے ہیں باہم
سر پیٹ کے کہتے ہیں وہ با دیدۂ پرنم
تنہا ہیں کہاں جائیں ہم زنداں سے نکل کے
معلوم ہوا پڑ گئے پھندے میں اجل کے

چلائے جو وہ ہائے پدر کہہ کے دل افگار
خوش ہو گیا میں طالعِ خفتہ ہوئے بیدار
اک حجرے میں مسلم کے وہ پیارے نظر آئے
پکڑا جب انھیں میں نے تو کرتے تھے یہ فریاد
بن باپ کے ہیں ہم پہ ترس کر ستم ایجاد
کر رحم کہ معصوم ہیں دکھ پائے ہیں ظالم
بے سر نہ ہمیں کر تجھے داور کی قسم ہے
بس ظلم کو کم کر تجھے حیدر کی قسم ہے
وحشت سے تری سینوں میں دل ہلتے ہیں ظالم
میں نے کہا تم دونوں کے بابا کا ہے کیا نام
بے جرم و خطا ان کے گلے پہ چلی صمصام
آگاہ ہو مسلم کے ہیں لختِ جگر ہیں
یہ سنتے ہی غصہ مجھے معصوموں پہ آیا
ان دونوں نے جو ظلم نہ دیکھا وہ دکھایا
باہر انھیں لے آیا جو زلفوں کو پکڑ کر
جب لے کے چلا گھر سے انھیں قتل کی خاطر
مہماں مرے گھر آئے ہیں یہ دونوں مسافر
تقصیر جو کچھ ان سے ہوئی ہو وہ بحل کر
للہ تو معصوموں کے اب چھوڑ دے بازو
تلوار کو کر میاں میں ڈرتے ہیں یہ گل رو
کس یاس سے ہے ہے مرا منہ تکتے ہیں دونوں
یہ کہہ کے جو بچوں کو چھڑانے لگی اک بار
جا دور ہو کہتا تو ماروں گا نہ زنہار
اب حلق سے معصوموں کے شمشیر ملے گی

بے ہوش تھا یاں آنکھ مری کھل گئی اک بار
بستر سے اٹھا ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار
بالائے زمیں عرش کے تارے نظر آئے
مہماں ترے گھر آئے ہیں یہ بیکس و ناشاد
سو منتیں کرتے ہیں تری چھوڑ دے جلاد
ہم چھپنے کو دامن میں ترے آئے ہیں ظالم
تیوری نہ چڑھا تجھ کو پیمبر کی قسم ہے
کر رحم تجھے فاطمۂ اطہر کی قسم ہے
اب ڈھیلی رسن کر دے گلے چھلتے ہیں ظالم
رو کر کہا کہتے ہیں انھیں مسلمِ ناکام
ہم جب سے چھٹے باپ سے ہم کو نہیں آرام
مارا ہے دغا سے جسے ہم اس کے پسر ہیں
حجرے سے انھیں کھینچتا دالان میں لایا
مجرم کی طرح باندھ دیا رحم نہ آیا
استادہ کیا چوب سے رسی میں جکڑ کر
زوجہ نے یہ کہہ کر مرے پاؤں پہ رکھا سر
لے ان کے عوض کاٹ لے سر ہو مرا حاضر
ہے ہے مجھے مہمانوں کے آگے نہ خجل کر
کیوں کھینچتا ہے بچوں کے پکڑے ہوئے گیسو
قرباں ہیں چپ ہیں یہ بہے آنکھوں سے آنسو
وحشت سے تری کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں دونوں
جھنجھلا کے میں بولا تجھے کیا ان سے سروکار
میں قتل کروں گا یہی حاکم کے گنہ گار
سر ان کے دکھاؤں گا تو جاگیر ملے گی

ہرگز نہ سنا کھینچ دیا خنجر خونخوار
سر کاٹ لیا رہ گئی روتی وہ دل افگار

اور دونوں کے تن پھینک دیے نہر میں اک بار
دریا کی ترائی سے ہوئے ہاتھ نمودار

سر چھینے ہاتھوں سے پیمبر نظر آئے
آغوش میں مسلم کے وہ دلبر نظر آئے

یہ کہہ کے دکھانے لگا ان بچوں کے سر
مظلوم یتیموں کی رہائی وہ ستم گر

پھر کہنے لگا حاکم ظالم سے یہ ہنس کر
کیا دیر ہے منگوا دے مجھے خلعت گرند

جو کام کیا میں نے وہ ہوتا نہ کسی سے
کچھ کم نہیں یہ قتل حسین ابن علی سے

یہ سنتے ہی حاکم کا جگر ہو گیا پانی
بولا ارے یہ کیا کیا او ظلم کے بانی

بے سر کئے کیوں کشتۂ مظلوم کے جانی
جو میں نے کہا تھا وہ مری بات نہ مانی

کب میں نے کہا تھا تجھے سر لائیو ظالم
مل جائیں تو قیدی انھیں کر لائیو ظالم

معصوموں کو مارا تجھے کچھ رحم نہ آیا
مہمانوں کو اے دشمن دیں تو نے ستایا

کس جرم پہ بچوں کو تہ تیغ بٹھایا
جیتا تو نہ لایا تو انھیں مار کے لایا

کس واسطے محتاجوں کو ناداروں کو مارا
تقصیر یہی کیا جو وطن آواروں کو مارا

یہ ظلم کوئی کرتا ہے او ظالم بد خو
رسی میں کسے ہائے غضب دونوں کے بازو

آگے مرے سر لایا ہے پکڑے ہوئے گیسو
مارا انھیں کیا صاحب اولاد نہ تھا تو

نادان یہ ہے کہ اب منصب و جاگیر ملے گی
ظالم تری گردن سے بھی شمشیر ملے گی

رباعیات

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی اور کوئی فریادی ہے
اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا
ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لئے
رونا ہی چلا ہے چشم پرنم کے لئے
ہم کو دو دولتیں خدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو ہاتھ ماتم کے لئے

فخر ملک و اشرف آدم ہے محمدؐ
اکلیل سر عرش معظم ہے محمدؐ
حقا کہ خداوند دو عالم ہے محمدؐ
آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرار احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

مختار زمیں باعث افلاک نبیؐ ہے
والا گہر قلزم لولاک نبیؐ ہے
مصباح حریم حرم پاک نبیؐ ہے
شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

آدم ہے وجود شہ لولاک سے آدم
عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
سررشتۂ عمر اس کا اگر ہوتا نہ محکم
تو ہوتے نہ اضداد عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایات محمدؐ
ہے باعث احیا و حیات ذات محمدؐ

وہ پیش رو خیل رسولان سلف ہے
آدم کو اسی نور الٰہی سے شرف ہے
یہ در یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے
کرتا ہے پدر فخر یہ شان خلف ہے
پیغمبر حق کی ہو کیا نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجاد نبیؐ سے

جز ذات خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں
اس شاہ کے ہیں خوان کرم پہ بھی مہماں
وہ اصل ہیں و فرع سب عالم امکاں
تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب یزداں
باطن میں بھی فیض انکا ہو ظاہر بھی وہی ہے
اول بھی سمجھو ہے وہی آخر بھی وہی ہے

معراج ہے جو اس کو ملا رتبۂ اعلیٰ
یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا

اللہ سے جو قرب محمد کو تھا کہوں کیا
قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ

جبریل امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی
یا احمد مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

اللہ نے دی تھی اسے کونین کی شاہی
اُمّی تھے پہ تھا دل میں بھرا رازِ الٰہی

دی سنگ نے اس شہ کی رسالت پہ گواہی
اشجار بھی اعزاز سے اس کے ہوئے راہی

دی مردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو
دو کر دیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ہے
پیشِ عُقلا وجہ یہ کیا اور سبب ہے

ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایۂ رب ہے
دنیا میں کسی سایہ کا سایہ کہو کب ہے

ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہو جاں، جاں کی طرح سایہ نہاں تھا

پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا
لکھا ہے کہ وہ نورِ جنابِ نبوی تھا

دس سو برس اس دن سے وہ نورِ شہِ والا
استادہ رہا روبروئے خالقِ یکتا

گر حمد و ثنا گہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

اس نور سے فرماتا تھا یہ حضرتِ معبود
ہے خلق سے تو میری مراد اور مرا مقصود

عزت کی قسم اپنی جو تو ہوتا نہ موجود
تو ہی ہے بناءِ عالمِ ایجاد کی نابود

پیدا کبھی کرتا نہ زمیں کو نہ فلک کو
دوزخ کو نہ جنت کو نہ آدم نہ ملک کو

جو تیرا محب ہو ہمیں اس سے ہو محبت
جو تیرا عدو ہے ہمیں اس سے ہے عداوت

دی ہم نے تجھے سارے رسولوں سے فضیلت
ہر ایک کی امت سے ہے بہتر تری امت

تا اب کسی مرسل کا نہیں تیرے وصی سا
بیٹی تجھے دی فاطمہ سی خویش علی سا

سبطین وہ بخشے تجھے جو ہم کو ہیں پیارے
ہم ان کے رضا جو وہ رضا جو ہیں ہمارے

ہیں عرشِ معلّیٰ کے وہ تابندہ تارے
بخشائیں گے امت کے تری جرم وہ سارے

جو مرتبے تیرے ہیں وہ اوروں کے کہاں ہیں
تو ختمِ رسل ہے وہ شفیعِ دو جہاں ہیں

اک بار یہ سن کر سخنِ خالقِ اکرم
سجدے کے لیے جھک گیا وہ نورِ مجسم

بالا کیا سجدے سے سرِ پاک کو جس دم
پیشانی سے تب نور کے قطرے گرے پیہم

اس نور کے قطروں سے پیمبر ہوئے پیدا
دریائے نبوت سے یہ گوہر ہوئے پیدا

ان سب سے جناب احدی نے یہ ندا کی — پہچانتے ہو منزلت و قدر کو میری
پہلے سبھوں سے نور محمدؐ نے صدا دی — لاریب ہے تو خالق و معبود حقیقی
سب وہ تجھے واجب ہے کہ تجھ سا نہیں کوئی — تو رب ہے ہمارا ترا ہمتا نہیں کوئی
تب کرسی و لوح و قلم و عرش معلا — نجم و مہ و مہر و ملک و گنبد خضرا
شام و سحر و ظلمت و ضو جنت و دنیا — اللہ نے سب نور نبیؐ سے کیے پیدا
حق یہ ہے کہ باعث ہے وہ عالم کی بنا کا — کیا رتبہ ہے کیا فیض ہے محبوب خدا کا
اس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر — اور پھر کیے ہر حصے کے دو حصے کر کر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمدؐ و حیدرؐ — پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطین پیمبرؐ
زہراؑ کو پھر اس نور سے تنہا کیا پیدا — یوں پنجتن پاک کا نقشہ کیا پیدا
انساں سے بھلا ہو سکے ایسوں کی ثنا کد — اک نور محمدؐ سے ہیں یہ تا بہ محمدؐ
واللہ علیؑ سے ہیں علیؑ تک بھی امجد — بعد ایک کے ایک ان میں ہے صاحب مسند
سمجھے نہ کوئی یہ کہ محمدؐ سے جدا ہیں — ایک سیب کے ٹکڑے ہیں یہ سب نور خدا ہیں
آدمؑ کو کیا فوج ملائک نے جو سجدا — یہ نور محمدؐ کا فقط پاس ادب تھا
ہے یوسفؑ و یعقوبؑ کے جو حسن کا شہرہ — تھا واں بھی فقط نور محمدؐ ہی کا جلوا
اک صاعقہ گرتے ہوئے جو دور سے دیکھا — موسیٰؑ نے اسی نور کو تھا طور سے دیکھا
یہ ظلم ہوا کون سے مرسل کے حرم پر — گھر جل گیا چھینا گیا کس کا زر و زیور
اور کس کی نواسی پھری بلوے میں کھلے سر — تا شام گئی راہ میں بے مقنعہ و چادر
اس پر بھی رہائی نہ ملی رنج و محن سے — گردن کو جو کھولا تو بندھے ہاتھ رسن سے
بیٹی کو کہو کون سے مرسل کی ستایا — کس کے شکم پاک پہ دروازہ گرایا
داماد کا حق کون سے مرسل کے مٹایا — گردن میں رسن باندھ کے کس کو پھرایا
مقتول کہو کس کا نواسہ ہوا امت سے — کس پیارے کا کاٹا ہے گلا تیغ ستم سے
اللہ نے رتبے تو محمدؐ کو یہ بخشے — ہیں سارے رسولوں سے زیادہ شرف ان کے
ہر چند کہ سب مورد آفات و بلا تھے — پر ایسے مصائب بھی کسی نے نہیں دیکھے
کیا کیا نہ دیے رنج انھیں اہل جفا نے — آرام نہ پایا کبھی محبوب خدا نے

حق یہ ہے کہ ہوتی ہو جنہیں حق سے محبت — سہتے ہیں وہ درد و الم و رنج و مصیبت
نیکوں سے ہے خلق میں کیا کیا ہے اذیت — منہ پر ہو کھلا ان کے در محنت و حسرت
خاصان خدا متحمل جور و جفا ہیں — ارباب ولا جو ہیں وہ پابند بلا ہیں

پہلی تو مصیبت یہ ہے شاہ دوسرا کی — تھے بطن میں مادر کے کہ والد نے قضا کی
جب دم چھ برس کے ہوئے قدرت سے خدا کی — مادر نے بھی لی راہ گلستان بقا کی
دو صدمے ہوئے درد یتیمی کے جگر پر — دادا کے سوا کوئی نہ باقی رہا سر پر

بن باپ کے فرزند کا تھا پالنا مشکل — دادا رہا ہر امر میں پوتے کا متکفل
جب آٹھ برس کا ہوا وہ سرور عادل — دادا کو بھی در پیش ہوئی گور کی منزل
پھر راحت و آرام کی صورت کہو کیا تھی — تنہائی کی آفت تھی یتیمی کی بلا تھی

جز ذات خدا کوئی نہ تھا یار و مددگار — مادر نہ تھی جو چھاتی سے لپٹا کے کرے پیار
بابا کا تو دیکھا بھی نہ تھا آپ نے دیدار — رو دیتے تھے دادا کے لئے دن میں کئی بار
بے کس پہ عجب حادثۂ طفلی میں پڑا تھا — آنسو بھی کوئی پونچھنے والا نہ رہا تھا

وہ صغر سن اور آہ وہ تنہائی کی آفت — تھا اک دل نازک پہ وفور غم و محنت
کفار سے رہتا تھا ز بس خوف اذیت — چھپ چھپ کے کیا کرتے تھے خالق کی عبادت
مظلوم کی طاعت کی ثنا کرتے تھے قدسی — احمد کی یتیمی پہ بکا کرتے تھے قدسی

کرتا تھا فرشتوں کو ندا خالق اکبر — محبوب مرا گرچہ ہے بے والد و مادر
ہر آن حفاظت کے لئے میں تو ہوں سر پر — بھیجو صلوات اور سلام اس پہ مکرر
حاجت ہے محمد کو نہ مادر نہ پدر کی — ہوتی ہے یتیمی سے فزوں قدر گہر کی

خالق کو یہ تدبیر تھی جس شاہ کی منظور — چالیس برس اس کو ستاتے رہے مقہور
جب حق نے کیا دعوت اسلام پہ مامور — بس دشمن جاں ہو گئے سب فرد مغرور
راحت نہ ملی ایک دم شہ جن و بشر کو — ہر اک نے کسا قتل محمدؐ پہ کمر کو

جن لوگوں سے فرماتے تھے یہ احمد مختار — اے قوم نہ اصنام کو سجدہ کرو زنہار
بجز حق کے نہیں کوئی پرستش کا سزاوار — قائل ہو خدا کے کلمے کا کرو اقرار
وہ کہتے تھے ساحر ہے جواب اس کا نہ دو تم — کذاب ہے کاذب کی نصیحت نہ سنو تم

تھا خار کوئی راہ میں اس گل کی بچھاتا
اور سنگ دلی سے کوئی پتھر تھا لگاتا
دانائے زماں کو کوئی دیوانہ بتاتا
اس چاند پہ کوٹھے سے کوئی خاک گراتا
پرخوں نظر آتا تھا سر و روئے مبارک
بھر جاتے تھے سب خاک میں گیسوئے مبارک

کفار قریش آپ کے تھے درپئے ایذا
دو بار بہم ہو کے سبھوں نے کیا نرغا
گردن میں ردا ڈال کے اس زور سے کھینچا
جو صدمے سے دم گھٹ گیا محبوب خدا کا
یاں تک تو عداوت تھی ابوجہل لعیں کو
مجروح کیا سنگ سے حضرت کی جبیں کو

تنگ آن کے اس شاہ نے کی کعبہ سے ہجرت
تو بھی نہ ملی ہاتھ سے ظالموں کے راحت
تھا دو سہ یاران سے رہے اہل شقاوت
منظور تھا کر دیجئے گل شمع رسالت
بے دینوں نے کی سخت بدی شاہ امم سے
توڑا وہ دندان نبی سنگ ستم سے

جس شمع کی ہو روشنی اشرف کو منظور
ہوتا ہے فروغ اس کا زمانے میں کہیں دور
جوں جوں ہوئے چرچائے زوال ان کے وہ مقہور
ہوتا گیا خورشید ہدایت کا فزوں نور
پانی جو دیا آب دم تیغ علی نے
سرسبز کیا گلشن اسلام نبی نے

جس وقت ہوا کفر و ضلالت سے جہاں پاک
اور دور ہوا گلشن دیں سے خس و خاشاک
رونے کی ہے جا سینے میں ہوتا ہو جگر چاک
بیمار مدینہ میں ہوئے شہ لولاک
اک بار خزاں آ گئی ہستی کے چمن میں
طاقت نہ رہی بیٹھنے اٹھنے کی بدن میں

تھی شدت تپ ہر دم اور ضعف تھا طاری
تھے فاطمہ کے حال پہ اشک آنکھوں سے جاری
چھاتی سے لگا بیٹی کو باگریہ و زاری
فرماتے تھے میں تجھ پہ فدا اے مری پیاری
اٹھنا مرا دنیا سے ترے حق میں ستم ہے
دشمن تجھے دکھ دیں گے جو غم ہے تو یہ غم ہے

حیدر کو کبھی دیکھ کے پاس اپنے بلاتے
کس پیار سے داماد کو چھاتی سے لگاتے
پہلو میں کبھی دونوں نواسوں کو بٹھاتے
کچھ سوچ کے منہ چومتے اور اشک بہاتے
فرماتے تھے دونوں پہ فدا جان محمد
پژمردہ ابھی سے ہیں یہ ریحان محمد

افسوس مرے بعد ستم ہوئے گا ان پر
ہیہات مصیبت میں پڑیں گے مرے دلبر
مظلوم پہ کچھ رحم نہ کر دیں گے ستمگر
آرام جہاں میں نہ ملے گا انھیں دم بھر
ناحق یہ انھیں چھوڑتا ہوں امت بد میں
ان کے لیے تڑپے گی مری روح لحد میں

چھاتی پہ انھیں کون سلائے گا مرے بعد
کاندھے پہ انھیں کون چڑھائے گا مرے بعد
کون ان کے بھلا ناز اٹھائے گا مرے بعد
رو دیں گے پہ چپ ان کو کرادیگا مرے بعد

ماں باپ کو تو ہوش نہ ہوگا مرے غم میں
کون ان کی خبر لیوے گا اس درد و الم میں

یہ کہتے تھے اور تھی مرض الموت کی شدت
تھی بستر آزار سے اٹھنے کی نہ طاقت
زہرا ہوئی گھر میں جو اصحاب کی کثرت
نزدیک ہے اب دار فنا سے مری رحلت

اندیشے کی جا کب ہے یہ عبرت کا محل ہے
جو زندہ ہے اک دن اسے درپیش اجل ہے

تم سے یہ وصیت ہے کہ حق سے نہ گزرنا
جو سنت واجب ہے خلاف اس کے نہ کرنا
ہر دم غضب حضرت معبود سے ڈرنا
زنہار قدم راہ ضلالت میں نہ دھرنا

واللہ تو اللہ ہی بڑے حق کی رضا میں
مرتد ہے کرے گا جو خلل حکم خدا میں

تم پاس ہوں میں چھوڑتا دو امر عظیم اب
قرآن ہے اور عترت اطہار مری سب
ناجی ہے جو دونوں سے رکھے گا یہ مطلب
جو ہوگا خلاف ان کے نہ بخشے گا اسے رب

ان میں سے ہر اک مصحف ایماں کا ورق ہو
تابع رہو ان کے یہ رضامندی رب ہے

واللہ اگر ان کی رضامندی ہے درکار
تم ان سے خصومت نہ کبھی کیجو خبردار
آزار مجھے دو گے جو دو گے انھیں آزار
دونوں یہ جدا مجھ سے نہیں ہوویں گے زنہار

میں ساتھ تمھارے ہوں جو ساتھ ان کے رہوگے
مجھ سے اسی تقریب سے کوثر پہ ملوگے

پھر یوں کہا حیدر کی طرف کرکے اشارا
عاشق ہوں میں اس کا کہ خدا کا ہے یہ پیارا
واللہ مرے بعد یہ رہبر ہے تمھارا
رنج اس کو کوئی دے یہ نہیں مجھ کو گوارا

سمجھے نہ وصی جو اسے باعث ہے یہ شر کا
مختار یہ ہے احمد مختار کے گھر کا

بھائی بھی یہ میرا ہے وصی بھی ہے یہ میرا
اک نور سے میں اور یہ ہوا خلق میں پیدا
جو دین ہے مجھ پہ یہ ادا اس کو کرے گا
جو وعدے ہیں میرے یہ کرے گا انھیں ایفا

یہ واقف گنجینۂ اسرار نہاں ہے
یہ حجت حق ہے یہ امام دو جہاں ہے

جو دوست ہے اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
دشمن ہے جو اس کا مرا دشمن ہے وہ گمراہ
رتبے سے علی کے میں تمھیں کرتا ہوں آگاہ
جو اس سے لڑے ہووے گا کافر ہے وہ بدخواہ

جس کو کہ یقیں اس کی امامت کا نہیں ہے
قائل وہ محمد کی رسالت کا نہیں ہے

جو حکم علی کا ہے وہی حکم خدا ہے
جو کام یہ کرتا ہے مناسب ہے بجا ہے
میں دشمنِ حیدر پہ رعایت نہ کروں گا

یہ وہ ہے رہِ راہِ خدا میں جو مجاہد
پیدا ہوا جب خلق میں اس کا ہوں شاہد
اک عشق ازل سے ہے اسے ذاتِ خدا سے

بے شک حق و باطل کو جدا اس نے کیا ہے
یہ صاحبِ لولاک کے کاندھے پہ چڑھا ہے
یہ جرم گنہ گاروں کے بخشائے گا رب سے

زوجہ اسے زہرا سی ہے خالق نے عطا کی
ہے گو کہ وہ مخدومۂ عالم مری بیٹی!
اس نورِ نظر پر مرے حق کا یہ کرم ہے

واللہ ستارا مری بیٹی کا زبوں ہے
تسلیم کو اس کی فلک پیر نگوں ہے
جو بعد مرے نیک سلوک ان سے کرے گا

شاد اس کو کیا جیسے مجھے اس نے کیا شاد
سمجھاتا ہوں محبت سے اسے دل سے رکھو یاد
جس شخص سے زہرا کا نہ کچھ زور چلے گا

تم سب مری بیٹی کی تو عزت سے ہو آگاہ
زوج اس کا ہے اقلیمِ امامت کا شہنشاہ
جز حق کے کسی سے نہیں کچھ کہتے ہیں دونوں

بچوں کا ہے ساقی اور قناعت ہے بہت کم
خالق کی عبادت میں گزرتا ہے ہر اک دم
ہر چند کہ حاصل جو فدک کا ہو وہ کیا ہے

نبی اس کی جو ہے نبی رسولِ دوسرا ہے
ناحق کوئی حق اس کا جو چھینے تو خطا ہے
محشر میں کبھی اس کی شفاعت نہ کروں گا

یہ سابق الایمان ہے یہ ہے زاہد و عابد
سجدہ نہ کیا اور کو جز خالقِ واحد
ہم نام محمد کا ہے یہ عنایاتِ خدا سے

کعبہ میں قدم مہرِ نبوت پہ دھرا ہے
خالق نے اسے رتبۂ معراج دیا ہے
ہوگی مری امت کی نجات اس کے سبب سے

وہ میرا کلیجہ ہے تو یہ جان ہے میری
میں کرتا ہوں تعظیم یہ ہے اس کی بزرگی
باخطِ جلی عرش پہ نام اس کا رقم ہے

وہ مریم و حوا سے بھی رتبے میں فزوں ہے
وہ پارۂ تن ہے مرا اور یہ مرا خوں ہے
میں قبر میں آؤں گا وہ جس روز مرے گا

بیداد ہوئی اس پہ تو مجھ پر ہوئی بیداد
برباد ہوا میں جو ہوئی فاطمہ برباد
وہ تابہ ابد آتشِ دوزخ میں جلے گا

وہ فاقہ کش و بے کس و مظلوم ہے واللہ
پر دولتِ دنیا سے ہوا ان دونوں کو اکراہ
اک بوریے پر فاقے سے سو رہتے ہیں دونوں

مایا نہیں کچھ گھر میں خدا اس کا ہے محرم
آئندہ زہرا کو نہ چھینے کوئی از ظلم
پر اس کو بہت ہے کہ وہ خالق نے دیا ہے

بیٹے جو ہیں اس کے وہ مرے لختِ جگر ہیں
بحرین ہیں زہرا و علی اور وہ گہر ہیں
ناخوش کیا خالق کو اگر ان پہ جفا کی
سن سن کے یہ کہنے لگے اصحاب موافق
کس پر نہیں روشن شرفِ مصحفِ ناطق
موذی تھے عداوت سے نہ باز آتے تھے ظالم
حال ان کا نظر آیا جو سلطانِ امم کو
تحریر تمہارے لیے کچھ کرنا ہے ہم کو
واللہ عمل گر مرے لکھنے پہ کروگے
اک شخص چلا لینے دوات اور قلم جب
پھر آ رہیں تحریرِ نبی سے نہیں مطلب
کہتا ہو جو ہذیان اسے کب ہوش و خرد ہو
تکرار سے ان سب کی جو اک غل ہوا برپا
کیا ظلم ہے کیا قہر ہے واحسرتا و دردا
کہنا ہذیاں کا کلمہ حق میں نبی کے
اے مومنو انصاف کی جا ہے وہ پیمبر
جو کچھ ہے کلام اس کا نہیں وحی کا باہر
کونین میں لعن اس پہ نہ کیوں حشر تلک ہو
اصحاب سے فرمایا کہ اٹھ جاؤ سب اس دم
سب اٹھ کے گھر اپنے گئے صحبت ہوئی برہم
فرمانے سخن مصطفےٰ حیدر کو بلا کے
اس دن سے ہوئی اور فزوں شدتِ آزار
جبریلِ امیں نے یہ کہا آن کے اک بار
ہرچند عیاں اس پہ ہر اک رازِ نہاں ہو

دونوں فلکِ عز و شرافت کے قمر ہیں
اللہ کے پیارے ہیں محمدؐ کے پسر ہیں
کیجو نہ خیانت یہ امانت ہیں خدا کی
فرماتے ہیں وہ آپ جو ہو مرضیٔ خالق
ان باتوں سے جل جل کے ہوئے خاک منافق
جوں مارِ سیہ طیش سے بل کھاتے تھے ظالم
فرمایا کہ لے آؤ دوات اور قلم کو
تا راہِ ضلالت سے رکھو باز قدم کو
پھر حشر تلک تم کبھی گمراہ نہ ہوگے
کہنے لگا از راہِ عداوت یہ کوئی تب
قرآں ہی کافی ہو ہمارے لیے بس اب
اس وقت کی تحریر نہ تحریر سند ہے
اس صدمے سے محبوبِ الٰہی کو غش آیا
تحریرِ وصیت کے بھی مانع ہوئے اعدا
محبوبِ خدا سے یہ سخن بے ادبی کے
جس کے لیے قرآں میں کہے خالقِ اکبر
ہذیاں کہے اس شخص کے حق میں وہ ستمگر
کافر ہے وہ خود کفر میں اس کے جسے شک ہو
وہ سن چکا تم سے مجھے جس بات کا ہو غم
رو دیا کیے تا دیر شہنشاہِ دو عالم
زہرا کو بہت پیار کیا چھاتی لگا کے
زہرا کبھی روتی تھیں کبھی حیدرِ کرار
خالق نے خبر پوچھی ہے یا احمدِ مختار
تم پر مگر الطافِ خدائے دو جہاں ہے

پوچھا ہے کہ کس طرح سے ہیں آپ کو پاتے
کیا حال ہو جو سر نہیں تکیے سے اٹھاتے
حضرت نے کہا غش پہ غش ہیں متصل آتے
الطاف خدا کے ہیں بیاں کب کیے جاتے
ایذائے مرض سے نہیں گھبراتا ہوں جبرئیل
پر آپ کو مغموم بہت پاتا ہوں جبرئیل

آکر یہ صدا دی ملک الموت نے اس دم
دو اذن مجھے آنے کا یا سید اکرم
جبرئیل نے کی عرض یہ با دیدۂ پرنم
یہ قابض ارواح ہے اے قبلۂ عالم
اس نے کبھی رخصت نہیں مانگی ہے کسی سے
ہے اذن طلب حکم جناب احدی سے

بعد آپ کے یہ آج سے تا بہ قیامت
آنے کی کسی شخص سے مانگے گا نہ رخصت
یاں اس کو بلاویں ہیں جو دیں آپ اجازت
جبرئیل سے کہنے لگے اس وقت یہ حضرت
آنے دو اسے صابر و شاکر ہے محمدؐ
خالق نے بلایا ہے تو حاضر ہے محمدؐ

یہ سن کے اسے روح امیں نے جو بلایا
تب پاس محمدؐ کے وہ باصد ادب آیا
تسلیم بجا لا کے سخن لب پہ یہ لایا
خادم نے شرف آکے قدم بوسی سے پایا
یہ آپ کا اعلیٰ ہے مقام اے شہ والا
فرمایا ہے خالق نے سلام اے شہ والا

فرمایا ہے گر ہو مرے محبوب کی مرضی
تو جسم سے تو روح جدا کیجیو اس کی
راضی نہ محمدؐ ہو تو پھر آئیو جلدی
جو اس کی خوشی ہو وہی خوشنودی ہے اپنی
وہ کیجیو جو حکم رسول مدنی ہو
محبوب کی ہیبت سے نہ کہیں دل شکنی ہو

فرمانے لگے اس سے یہ تب سید ابرار
بندے پہ ہے کیا کرم ایزد غفار
جان و تن احمدؐ کا ہے وہ مالک مختار
ہر حال میں خالق کی خوشی ہے مجھے درکار
کر قبض مری روح کہ مرنے سے خوشی ہوں
مشتاق ملاقات جناب احدی ہوں

جب یہ ملک الموت سے فرما چکے حضرت
زہراؑ کو بلا چھاتی لگایا بصد الفت
رو کر کہا اے فاطمہؑ ہم ہوتے ہیں رخصت
سر پیٹ کے رونے لگی خاتون قیامت
زہراؑ کو کبھی دیکھتے تھے گاہ علیؑ کو
تر ریش تھی اشکوں سے یہ رقت تھی نبیؐ کو

پھر ہاتھ میں حیدرؑ کے دیا فاطمہؑ کا ہات
فرمایا امانت ہو خدا کی یہ خوش اوقات
تا زیست یہ ماتم میں مرے روئیگی دن رات
زہراؑ سے کوئی دل شکنی کی نہ کرے بات
مہماں ہے یہ اس پر الم و غم ہے جہاں میں
واحسرتا حیات اس کی بہت کم ہے جہاں میں

پھر شبر و شبیر کو پاس اپنے بلایا
منہ چوما، جبیں چومی، کلیجے سے لگایا
رو رو کے یہ پھر حیدرِ صفدر کو سنایا
اب اٹھتا ہے ان دونوں کے سر سے مرا سایا
پیارے ہیں مرے پیار بہت کیجیو ان کو
جب روئیں تو چھاتی سے لگا لیجیو ان کو

جس وقت نبی نے یہ کہا شیرِ خدا سے
رونے لگے چھاتی سے لپٹ دونوں نواسے
اشک ان کے پاک محمدؐ نے عبا سے
دونوں نے کہا رو کے رسولِ دوسرا سے
لے دو ہمیں ہمراہ جہاں جاتے ہو نانا
لے ساتھ ہمیں ہم کو کہاں جاتے ہو نانا

رو رو کے پیمبر نے کہا صدقے میں تم پر
خالق نے بلایا ہے تامل کروں کیوں کر
غم میں مرے دے صبر تمہیں خالقِ اکبر
ناچار ہے کیوں کر تمہیں لے جائے پیمبرؐ
فرزند تلک باپ کے کام آ نہیں سکتا
اس راہ میں ہمراہ کوئی جا نہیں سکتا

سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا برپا
بستر پہ ہوئے راست شہِ یثرب و بطحا
نزدیک محمدؐ ملک الموت بھی آیا
فرمانِ خدا فوجِ ملائک کو یہ پہنچا
نزدیک سواری ہے رسولِ عربی کی
صف باندھ کے تعظیم کرو روحِ نبی کی

دوزخ کو بجھا دو کہ ہو رحمت مری ظاہر
کھولو درِ افلاک مرے دوست کی خاطر
حورانِ بہشتی ہوں مکلف بہ جواہر
ہوں عرش کے ساکن درِ فردوس پہ حاضر
سلطانِ رسالت کی ہے آمد کوئی دم کو
پلکوں سے مصفا کرو گلزارِ ارم کو

وہ آتا ہے جو عاشقِ صادق ہو ہمارا
وہ آتا ہے جس کے لیے عالم کو سنوارا
وہ آتا ہے جو عرشِ معلیٰ کا ہے تارا
وہ آتا ہے جو سب سے بہت ہو ہمیں پیارا
ہنگام تلطف ہے مدارات کا دن ہے
معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے

یہ وہ ہے ستم جس نے سہے راہ میں میری
وہ امر کیا اس نے جو کچھ تھی مری مرضی
آئینۂ ایماں کو پھر شکل جلا دی
اسلام کو رونق مرے محبوب نے بخشی
اذیت نہ آرام ملا اہلِ ستم سے
پر کی نہیں امت کی شکایت کبھی ہم سے

سکانِ سماوات کو واں پہنچا یہ احکام
اور قابضِ ارواح نے یاں اپنا کیا کام
بیت الشرف فاطمہؑ میں پڑ گیا کہرام
کانپ اٹھی زمیں ہل گئے مسجد کے در و بام
[illegible] عرش تلک شیرِ خدا کی
کونین میں غل تھا کہ محمدؐ نے قضا کی

جبریلِ امیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
دنیا میں اب آنا ہوا موقوف ہمارا
رونق نہیں ہے صاحبِ معراج جہاں کی
اب کس کے لئے وحیِ خدا لائے گا جبریل
کیا شبّر و شبیر کو سمجھائے گا جبریل
اب دوش پہ شفقت سے چڑھا دیگا انہیں کون
چلاتی تھی یوں بنتِ نبی کوٹ کے سینہ
آرام کا میرے نہ رہا کوئی قرینہ
بے تاب میں ہوتی تھی جو رہتے تھے سفر میں
فاقوں میں مری کون خبر لیوے گا آکر
کون اب کرے گا دیکھ کے کنبہ مرا پیار
مظلوم و یتیم آج مجھے کر گئے بابا
میں چھوٹی تھی جب سر سے اٹھیں مادرِ غمخوار
میں سوتی تھی اور آپ رہا کرتے تھے بیدار
منہ پر ہے عبا مجھ سے روپوش ہیں بابا
ہے ہے مرے بچے ہوئے اب بیکس و مظلوم
تا حشر ہے دولتِ دیدار سے محروم
ان دونوں کی مظلومی و تنہائی کا غم کر
رو رو کے بیاں کرتے تھے یہ حیدرِ کرار
مرنے سے ہوا آپ کے میں بیکس و ناچار
صابر رہا ایذا سہی گو فاقہ کشی کی
کن آنکھوں سے دیکھیں گی جو ہو مرے مولا
حضرت مجھے گاڑینگے یہ تھی مجھ کو تمنا
کیوں کر کفن و گور کی تدبیر کروں گا

سر پیٹ کے تب تاجِ تقرب یہ پکارا
محبوبِ خدا گلشنِ ہستی سے سدھارا
فریاد ہے اٹھی برکت آج جہاں کی
احکام رسالت کے پہنچائے گا جبریل
اب کس کی خبر لینے کو یاں آئے گا جبریل
اس پیار سے چھاتی پہ سلا دے گا انہیں کون
میں لٹ گئی ہے ہے ہوا ویران مدینہ
طوفاں میں پڑا آلِ محمد کا سفینہ
اب حشر تک آئیں گے نہ بابا مرے گھر میں
کون آ کے چھاتی سے لگاوے گا مرا سر
کون اب کہے گا فاطمہ قربان میں تجھ پر
کیا قہر ہے گھر نہ ہرا نہ مری مر گئے بابا
مادر سے زیادہ مجھے بابا نے کیا پیار
فرماتے تھے آپ آکے نہ رو اے مری دلدار
میں رو رو کے چلاتی ہوں خاموش ہیں بابا
نانا کے اب کہہ کے پکاریں گے یہ معصوم
غمگین تو تھے اور بھی اب ہوئیں گے مغموم
اور بھی تو جہاں ہے فقط باپ کا دم ہے
مجبور مجھے کر گئے یا احمدِ مختار
جز ذاتِ خدا کون ہے اب میرا مددگار
واللہ کمر ٹوٹ گئی آج علی کی
نزدیک مرے آج قیامت ہوئی برپا
سو آپ اٹھے خلق سے وا حسرت و دردا
کن ہاتھوں سے میں آپ کو مرقد میں دھروں گا

حیدر یہ بیاں کرتے تھے با نالہ و افغاں
سر ننگے تھے اور چاک تھے کرتوں کے گریباں
منھ پر سے عبا کو کبھی سرکاتے تھے دونوں
نانا کے کبھی چہرے سے چہروں کو ملاتے
خوابیدہ سمجھ کر کبھی بازو کو ہلاتے
کہتے تھے کبھی آنکھیں نہیں کھولتے نانا
سر پیٹ کے کہتی تھی یہ زہرا نہ جگاؤ
بس دیکھ چکے آؤ ردا منھ پہ اڑھاؤ
جیتے ہو تو دنیا میں تمھیں کیا نہ ملے گا
یہ سن کے وہ سر اپنے پٹکتے تھے زمیں پر
غل مسجد جامع میں یہ تھا ہائے پیمبر
ماتم تھا ملائک میں رسول عربی کا
یاں غسل و کفن میں متوجہ ہوئے حیدر
تھے سب تو شریک کفن و دفن پیمبر
رہنا بھی دیا آ کے نہ زہرا و علی کو
کیا ظلم ہے کی جن کی پیمبر نے سفارش
یہ دولت دنیائے دنی کی ہوئی خواہش
بس دختر سلطان رسالت سے بدی کی
یہ حفظ مراتب تھا کہ قرآں کو جلایا
کس ظلم سے کس جور سے زہرا کو ستایا
جس خط پہ ہوئی مہر شہ جن و ملک کی
بے اذن جہاں تھی نہ فرشتے کی رسائی
تھی حق سے محسن کے محمد کی وہ جائی
ہے ہے مجھے غم اور دیا باپ کے غم میں

اور شبر و شبیر کا تھا حال پریشاں
تھے نانا کی میت کے قریب خاک پہ غلطاں
رو کر کبھی چھاتی سے لپٹ جاتے تھے دونوں
ہاتھوں کو اٹھا کر کبھی آنکھوں سے لگاتے
کرتے کبھی فریاد کبھی اشک بہاتے
آزردہ ہیں ایسے کہ نہیں بولتے نانا
اب ہاتھ سے تم نانا کے بازو نہ ہلاؤ
زاری کرو فریاد کرو خاک اڑاؤ
نانا سا مگر چاہنے والا نہ ملے گا
تھا نالہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر
منھ پیٹتے تھے ہاتھوں سے سلمانؓ ابوذر
تھا قوم نبی جان میں غل سینہ زنی کا
اصحاب نبی جمع ہوئے ڈیوڑھی پہ آ کر
محروم سعادت سے رہے چند بد اختر
بے چین کیا روح رسول عربی کو
ان سے وہ ستمگار ہوئے برسر کاوش
سب بھولے پیمبر کے کرم اور نوازش
کچھ عزت و توقیر نہ کی آل نبیؐ کی
بے دینوں نے حق مصحف ناطق کا مٹایا
محروم رہیں باپ کا ورثہ بھی نہ پایا
لی چھین کے پرزے وہ سند باغ فدک کی
اس گھر کی یہ عزت کہ اسے آگ لگائی
پہلو پہ گرا در تو یہ فریاد مچائی
بے جان ہوا محسن معصوم شکم میں

ہیہات نہ اس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا — کوڑا یہ ستم بازوئے زہراؑ پہ لگایا
مظلوم نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا — آرام لحد میں کبھی محمدؐ نے نہ پایا
رسّی تو اِدھر بند تھی گردن میں علیؑ کی — مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

جو اشتمد و زہراؑ و علیؑ کو ہوئی ایذا — جو ظلم و ستم خنجر و شمشیر پہ گزرا
ہو دیں گے کبھی ظالم و مظلوم بھی یکجا — اب جانے خموشی ہے اُنہیں آگے کہے کیا
جب حشر کو یہ دفتر جاں سوز کھلے گا — اس ظلم کا بھی حال اُسی روز کھلے گا

رُباعیات

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں — کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکر قرب معراج رسولؐ — خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں — گردوں پہ ملک اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اُٹھتا ہے — جن باپ کے سبطین نبیؐ ہوتے ہیں

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا — اڑنے کے لئے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز جان و ایماں — اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵

مہرِ سپہرِ عزّ و شرافت ہے فاطمہؑ | شرحِ کتابِ عصمت و عفت ہے فاطمہؑ
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت ہے فاطمہؑ | نورِ خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہؑ
رتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے | حوّا کا افتخار ہے مریم کا فخر ہے

زہراؑ کو کیا خدا نے دیئے رتبۂ جلیل | خدمت گزار جن کے سرافیل و جبرئیل
اُس سیدہ کا کوئی جہاں میں نہیں عدیل | جس کی کفیل فاطمہؑ اس کا خدا کفیل
ہے فرق اس کے مرتبے پہ مہر و ماہ پہ | لکھا ہے نام فاطمہؑ عرشِ اِلٰہ پہ

اللہ ری فاطمہؑ کی بزرگی زہے شرف | بابا تو فخرِ رسولانِ اسلف
شوہر ملا امیرِ عرب اور شہِ نجف | اللہ نے حسینؑ و حسنؑ سے دیئے خلف
دونوں امامِ خلق کے حاجت روا ہوئے | مشکل کشا کے بیٹے بھی مشکل کشا ہوئے

ہاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام | کوثر سے منہ کو دھولے تو لے فاطمہؑ کا نام
اے دل بعجز و درد سے کیجیو کلام | اے کلک اپنے سر کو جھکا دے با احترام
سوگند ہے پہلے سورۂ مریم کو دم کروں | تب فاطمہؑ کی عصمت و عفت رقم کروں

وہ فاطمہؑ کہ جو ہو سراپا خدا کا نور | ہے جس کے چہرۂ اقدس کا شمعِ طور
گر حور اس کو کہیے تو ہو عقل کا قصور | اس کے قدم کی خاک ہو سرمہ برائے حور
کس کو ملا یہ مرتبہ اعلیٰ جہان میں | بھیجی خدا نے آیۂ تطہیر شان میں

اکثر زباں سے اپنی یہ فرماتے تھے نبیؐ
ہے فاطمہؑ کو حق نے بزرگی عطا وہ کی
پیدا اگر جہاں میں نہ ہوتا مرا وصی
دنیا میں پھر بتولؑ کا ہمسر نہ تھا کوئی
جو سمجھے جو عقل کا اس کے قصور ہے
ہیں سایۂ خدا ہوں وہ خالق کا نور ہے

شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدر الدجیٰ ہے یہ
وہ جسم ہو ہے تو جان و دلِ مصطفٰےؐ ہے یہ
بحرِ سخا علی گہرِ بے بہا ہے یہ
عبدِ خدا ہے وہ تو کنیزِ خدا ہے یہ
زاہد ہیں حق پرست ہیں خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے سب سے جدا ایک ہیں

دونوں کا ایک نور خدا سے ظہور ہے
ظاہر ہے ان میں جس سے ہر ایک شئے وہ ہے
ہیں خاصگانِ حق ادب ان کا ضرور ہے
وہ نورِ چشم ہے تو یہ دل کا سرور ہے
ناری ہے جس نے دونوں کی خاطر ملول کی
ان کی خوشی خوشی ہے خدا و رسولؐ کی

حقا کہ فاطمہؑ کے فضائل ہیں بے شمار
دوزخ پہ اور خلد پہ اس کا ہو اختیار
لکھا ہے ہوگا عرصۂ محشر جو آشکار
اس روز ہوگی نور کے ناقے پہ وہ سوار
تابندہ ہوں گے لعل و زبرجد زمام میں
حوریں جلو میں ہوں گی ملک اہتمام میں

ہووے گا حکم حق سے شفاعت کا سر پہ تاج
قیمت نہ جس کی ہو سکے کونین کا خراج
ہووے گی اس گھڑی سب کو شفاعت کی احتیاج
غل ہوگا دیکھو مرتبۂ فاطمہؑ کو آج
کس دبدبے سے بیٹی پیمبرؐ کی آتی ہے
سرکو سواری شافعِ محشر کی آتی ہے

آئیں گی اس شکوہ سے محشر میں جب بتولؑ
اور جائیں گی بہشت میں دلبرِ رسولؐ
دیکھیں گی شیعیانِ علیؑ کو جو دل ملول
ہووے گا حکم حق کہ دعا ہو تری قبول
کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ کیا انتظار ہے
بخشش میں ان سبھوں کی تجھے اختیار ہے

کرلیں گی یوں وہ اپنے غلاموں کا انتخاب
دانوں کو جس طرح سے چنے بھوک میں عقاب
کھولے گا چشمِ شوق سے خلدِ بریں کا باب
اس دم خطائیں شیعوں کی ہو جائیں گی ثواب
خنداں پھریں گے سایۂ لطفِ رحیم میں
جنّاتِ عدن میں کبھی باغِ نعیم میں

اب زہد و فقر فاطمہؑ کا کچھ سناؤں حال
فاقے پہ فاقہ کرتی تھی اکثر وہ پُرملال
لاتے جو مزدِ آب کشی شیرِ ذوالجلال
تب جو منگا کے پیستی تھی وہ نکو خصال
دولت سے کچھ غرض تھی نہ حشمت سے کام تھا
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام تھا

جز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا
اس میں بھی لیفِ خرما کے پیوند جابجا

بستر سے تھا کبھی نہ تنِ پاک آشنا
فرشِ زمیں تھا خوابگہِ بنتِ مصطفےٰ

دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

ناقل ہے اس حدیث کا سلماں خوش سیر
مسجد سے ایک دن میں گیا فاطمہؑ کے گھر

فضہ نے آن کر یہ کہا تب قریبِ در
عریاں ہے پارۂ جگرِ سیّد البشر

کر لے حجاب کچھ ابھی آنا روا نہیں
بنتِ رسولِ پاک کے سر پر ردا نہیں

فضہ کو میں نے اپنی ردا دے کے یہ کہا
لے جا کہ اوڑھ لیویں اسے اشرفُ النسا

بعد اس کے میں جو داخلِ بیت الشرف ہوا
دیکھا کہ چکی پیستی ہیں بنتِ مصطفےٰ

محنت کشی کا رنج ہو اس حق شناس پر
اک ہاتھ ہے حسینؑ پر اک ہاتھ آس پر

پیشانی پر عرق ہے کفِ دست ہیں فگار
دیتی ہیں دودھ روتا ہے جب طفلِ شیرخوار

جاری زبانِ پاک پہ ہے حمدِ کردگار
پہلو میں مارے بھوک کے شبیرؑ ہیں بیقرار

شرماتی ہیں نہ رو کچھ اس میں بھی راز ہے
داری خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

زہراؑ کا حال دیکھ کے دل ہو گیا کباب
کی عرض فاطمہؑ سے بہ بادیدۂ پُر آب

اے دخترِ رسولِ خدائے فلک جناب
ان محنتوں کی آپ کے دل میں کہاں ہے تاب

جو پیستی ہیں دودھ پسر کو پلاتی ہیں
فضہ کے ہوتے آپ یہ ایذا اٹھاتی ہیں

فرمایا فاطمہؑ نے پس از شکرِ کردگار
اک دن تو فضہ کرتی ہے سب گھر کا کاروبار

اور کی ہے میں نے محنتِ یک روزہ اختیار
ایذا ہو اُس کو یہ نہیں منظور زینہار

گو میں محمدِ عربی کی عزیز ہوں
حق کی کنیز وہ بھی ہے میں بھی کنیز ہوں

سلماںؓ یہ سن کے جانبِ مسجد ہوئے رواں
ایذائے فاطمہؑ کا نبی سے کیا بیاں

بے اختیار رونے لگے سرورِ زماں
دیکھا کبھی علیؑ کو کبھی سوئے آسماں

آنسو بھر آئے آنکھ میں شیرِ الٰہ کی
زہراؑ کی بیکسی پہ محمدؐ نے آہ کی

عصمت سرا میں روتے گئے شاہِ لافتا
اک دم کے بعد آئے خوشی خوشی مصطفےٰ

پوچھا سبب نبیؐ نے خوشی کا تو یہ کہا
سوتی تھیں گھر میں فاطمہؑ جس وقت میں گیا

خادم بھی کوئی تھا نہ مرے نورِ عین کا
پر ہل رہا تھا آپ سے جھولا حسینؑ کا

چکی کے آس پاس کوئی تھا نہ مطلقاً
جو خرد ہوتے جاتے تھے آٹا بھی گرتا تھا
سوتے میں شغلِ طاعتِ ربِ ودود تھا
کہنے لگے یہ سُن کے رسولِ فلک جناب
تھی چکی پیسنے کی تنِ نازمیں نہ تاب
حق نے کیا بتولؑ کو راحت کے واسطے
اکثر فرشتے آتے ہیں خیر النسا کے گھر
جھولے کو تو جھلاتے ہیں جبریل نامور
میکال ذکرِ حق میں ہیں بدلے بتولؑ کے
محتاج تھی گر تھا سخاوت کا بھی یہ حال
دے آئی کچھ نہ پھر اسے جاکر وہ خوش خصال
سینے میں دل علائقِ دنیا سے پاک تھا
کرتا ہے ایک راوی شیریں سخن بیاں
اعرابی ایک آکے لگا کہنے ناگہاں
ایماں بھی لا چکا یہ فراغت نہیں مجھے
یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کائنات
کچھ دیوے اس کو ہو کوئی ایسا نکو صفات
سرتاجِ دیں نے اپنا عمامہ دیا اُسے
پھر ان سبھوں سے کہنے لگے سیدِ انام
سلماں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ کیا کلام
کوشش میں امرِ خیر کی جانا ثواب ہے
سلماں یہ کہہ کے واں سے گئے فاطمہؑ کے گھر
مخدومۂ جہاں نے کہا تب جھکا کے سر
فرزند میرے بھوک کی شدت سے مرتے ہیں

گردش میں آپ صورتِ گردوں تھی آسیا
تھی پیش روئے فاطمہؑ تسبیح کی صدا
دل میں خدا کی یاد تھی لب پر درود تھا
روزے سے آج فاطمہؑ ہیں یا ابا تراب
چاہا یہ کبریا نے کہ آجائے اس کو خواب
بھجوا دیا فرشتوں کو خدمت کے واسطے
اکثر خدا بتولؑ کی منگواتا ہے خبر
اور چکی پیستے ہیں سرافیل خوش سیر
چشمِ خدا یہ رہتے ہیں بنتِ رسولؐ کے
فاقے ہیں در پہ اُن کے جس نے کیا سوال
دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھی کچھ بھی مال
کوہِ طلا بھی سامنے زہراؑ کے خاک تھا
تھے مسجدِ مدینہ میں پیغمبرِ زماں
فاقے پہ فاقہ کرتا ہوں اے شاہِ انس و جاں
کپڑے بناؤں اتنی بھی طاقت نہیں مجھے
اصحابِ باوفا سے نبیؐ نے کہی یہ بات
اٹھے سخن یہ سنتے ہی حلالِ مشکلات
حیدرؑ کے بعد سعد نے جا دو دیا اُسے
ایسا بھی ہے کوئی جو کھلا دے اسے طعام
تعمیل توشہ کرتا ہے اس کے لئے غلام
بھوکے کو کھانا لا کے کھلانا ثواب ہے
سائل کا حال عرض کیا سب بچشمِ تر
غیر از خدا کسے ہے مرے حال کی خبر
مجھ پر تو تین روزے فاقے گزرتے ہیں

محتاج خود طعام کو ہیں فخرِ انبیا
سائل سے آہ سخت ہوں دوں میں کیا
طاقت نہیں ہے اتنی کہ اٹھ کر کھڑی ہوں میں
پر چوں سخی کی بیٹی مجھے آتا ہے حجاب
خیر النسا خدا نے کیا ہے مرا خطاب
اب تک تو رد سوال کسی کا کیا نہیں
مشہور ہے سخاوتِ محبوبِ ذوالجلال
کیا جانے اجنبی مری فاقہ کشی کا حال
اک نانِ جو بتول نے مجھکو عطا نہ کی
آخر اتار کر سرِ پُر نور سے ردا
کر رہن یہ ردا مری اور جو شتاب لا
خالق نے کی ہے چادرِ رحمت عطا مجھے
لے کر ردا کو حضرتِ سلماں ہوئے رواں
رکھی یہ ردائے دخترِ پیغمبرِ زماں
گھر میں جو کچھ نہ دینے کو پایا بتول نے
یہ سنتے ہی وہ رونے لگا اور یہ کہا
کس کا یہ حوصلہ ہے بجز بنتِ مصطفٰے
ناطق کلامِ حق ہے ثنائے بتول کا
یہ کہہ کے اس نے رکھ لی وہ چادر بچشمِ تر
ہر تار جوں خطوطِ شعاعی تھا جلوہ گر
بے دیں کو دم میں صاحبِ ایماں بنا دیا
لے آیا جا کے کچھ رطب و جو وہ بالیقیں
جلدی سے دے کے دخترِ سلطانِ مرسلیں
پر تھیں یہ ناتواں کہ بدن تھرتھراتا تھا

کرتے ہیں روز فاقہ کشی شاہِ لافتا
بچوں کو غش ہو کہ پٹختے ہیں بیجگر دست و پا
سجادے پہ نماز میں گر گر پڑی ہوں میں
یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ سائل کو دوں جواب
ہے شرم کی جگہ جو نہ ہوئے وہ بہرہ یاب
اس در پہ سائل آن کے خالی پھرا نہیں
فیاض ہے علیؑ ولی شاہِ خوش خصال
دل میں کہے گا وہ مرا خالی گیا سوال
حاجت روائے خلق نے حاجت روا نہ کی
سلماں سے زوجۂ اسد اللہ نے کہا
تا سیر ہو طعام سے اک بندۂ خدا
کافی ہے سر پہ سایۂ لطفِ خدا مجھے
شمعون کے پاس جا کے کیا اس طرح بیاں
جو دے کہ اک فقیر ہے زہرا کا میہماں
چادر گرو کو بھیجی ہے بنتِ رسولؐ نے
واللہ زہے یہ ہے یہ ہمت و سخا
حقا کہ مصطفٰے ہے فرستادۂ خدا
توریت میں ہے ذکر ردائے بتولؑ کا
نورِ خدا سے ہو گیا روشن تمام گھر
لایا یہودی کلمۂ طیب زباں پر
کافر کو اس ردا نے مسلماں بنا دیا
سلماں وہ دے کے بنتِ نبی کے گیا قریں
چکی میں پیسنے لگیں جو با دلِ حزیں
زہرا کو مارے ضعف کے غش پر غش آتا تھا

فاقے سے مارے ضعف کے بیحال تھے حسنؑ
بھوکوں پہ شکر ہو کہ ہوا فضلِ ذوالمنن
دنیا میں لوگ کھاتے ہیں نعمت زمانے کی
کہنے لگیں حسنؑ سے وہ بنتِ رسولِ حق
ہونے سے دیکھے مرا ہوتا ہے رنگ فق
کھاکے مقتدا سے حق میں جو سائل دعا کرے
سائل کا فاطمہؑ سے حسنؑ نے سنا جو نام
سائل ہے میہاں تو نہ مانگیں گے ہم طعام
روکے ہیں گو پہ آج تو محنت اٹھانے دو
کرتے کی آستین اٹھا کر وہ خوش صفات
جو پیسنے کو ہو گئے آمادہ ان کے سات
جو پیس چکے گندھا دو نہ احمدؐ کی جانی کو
آخر پکا کے روٹیاں اور اس پہ خرما دھر
ہیں آپ تین دن سے گرسنہ مع پسر
بولیں بتولؑ اس میں سے لینا روا نہیں
سلماں نے جاکے جب دیا سائل کو وہ طعام
کھانا دیا کس نے تو بولا وہ نیک نام
فاقہ جو تھا رسولؐ کو بھی مرتضیٰؑ کو بھی
اٹھ کر گئے بتولؑ کے گھر سرورِ زمن
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور زرد ہے بدن
فاقوں سے فاطمہؑ کا زبس شیر خشک تھا
آنکھوں میں آنسو بھر کے محمدؐ نے یہ کہا
کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے فخرِ انبیا
راضی ہوں میں تو جو کہ رضائے الٰہ ہے

چکّی کے پاس آکے کیا ان سے یہ سخن
فاقے سے سنسناتا ہے اماں مرا بدن
دو دن کے بعد یاں ہوئی تدبیر کھانے کی
وارد ہوا ہے اس طعام کا اک اور مستحق
بھوکا وہ پھر نہ جائے یہی ہے مجھے قلق
ہے کیا عجب جو حق تمہیں نعمت عطا کرے
کہنے لگا وہ سخت دل ستیر امام
دیوے گا ہم کو اجر سوا رب ذوالاکرام
ہوگا ثواب ہم کو بھی چکی پھرانے دو
چھوٹا سا چوب آس کی جانب بڑھا کے ہات
لے کر بلائیں فاطمہؑ نے تب کہی یہ بات
صدمہ نہ پہونچے کچھ تری نازک کلائی کو
سلماں کو دیں تو کہنے لگا یوں وہ خوش سیر
اب نانِ جو رکھو کہ حسنؑ ہوویں بہرہ ور
سائل کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں
تب اس سے پوچھنے لگے یوں سیدِ امام
زہراؑ کے گھر سے لایا ہوں اے شاہِ خاص و عام
حیرت ہوئی نبیؐ کو بھی شیرِ خدا کو بھی
دیکھا کہ فاطمہؑ میں نہیں طاقتِ سخن
مرجھا گیا ہے صورتِ گل چہرۂ حسنؑ
جھولے میں دودھ بن لبِ شبیرؑ خشک تھا
اے میری نورِ عین یہ کیا حال ہے ترا
گزرے ہیں تین روز کہ کھانا نہیں ملا
لیکن حسنؑ حسینؑ کی حالت تباہ ہے

سن کر سخن یہ رونے لگے سرورِ امم
کی یہ دعا رسولِ خدا نے بچشمِ نم
آسودگی ہے سارے زمانے کے واسطے
زہرا ہے تیری خاص کنیزوں میں انتخاب
دونوں کو پر ہے دولتِ دنیا سے اجتناب
صدمے عجب گزرتے ہیں اس باتمیز پر
حضرت کا یہ نہ ختم ہوا تھا ابھی کلام
خوشبو وہ تھی کہ جس سے معطر ہوا مشام
رتبہ یہ کم تھا مریم و حوا کے واسطے
اس سیدہ کو ہم نے وہ بخشا ہے اقتدار
سب نعمتوں پہ خلد کی اس کو ہے اختیار
دنیا میں آج گو اسے عسرت کے رنج ہیں
جس پر یہ کبریا کی عنایت ہو یہ کرم
دنیا سے کوچ کر گئے جب سرورِ امم
محبوبِ کبریا سا پدر گھر سے اٹھ گیا
تھا رونے پیٹنے کے سوا اور کچھ نہ کام
کہتی تھیں ڈاڑھیں مار کے یا سیدِ انام
رہتی ہے صبح و شام نظر سوئے در مری
تم کو تو مجھ بغیر نہ تھا اک دم قرار
چھاتی سے مجھ کو کون لگا کر کرے گا پیار
اس فاقہ کش کو چھوڑ کے بابا کدھر گئے
سینے میں درد و غم تو بدن زار رنگ زرد
تن میں کبھی بخار کبھی ہاتھ پاؤں سرد
جب آنکھیں دل میں یادِ رسالت پناہ کی

گودی میں پھر نواسے کو لے کر بہ درد و غم
اے رازق العباد کر ان بچوں پہ کرم
آلِ رسول روتے ہیں کھانے کے واسطے
تیرے کرم سے قاسمِ روزی ہو بوتراب
زہرا کا حال دیکھنے کی اب نہیں ہے تاب
فاقے ہیں تین روز سے تیری کنیز پر
موجود اک طبق میں ہوا خلد کا طعام
آئی صدائے غیب کہ اے سیدِ انام
کھانا یہ ہم نے بھیجا ہے زہرا کے واسطے
خدمت ہے جس کی بنتِ سلیماں کی افتخار
کہدے گی یہ جسے وہی ہوئے گا رستگار
پر فاطمہ کے واسطے عقبیٰ کے گنج ہیں
اس پر قلیل عمر میں کیا کیا ہوئے ستم
اس فاقہ کش پہ ٹوٹ پڑا کوہ درد و غم
سایہ تھا جس کا سر پہ وہی سر سے اٹھ گیا
سینے سے آہیں بھرتی تھی لے لے پدر کا نام
تم کیا جہاں سے اٹھ گئے زہرا ہوئی تمام
شفقت سے پوچھتے نہیں آ کر خبر مری
بیٹی سے کیوں خفا ہوئے یا شاہِ نامدار
فرقت میں آپ کی نہ جیے گی یہ سوگوار
آباد گھر بتول کا ویران کر گئے
سوزش جگر میں ہوش پراگندہ دل پہ درد
پوشاک میلی بال پریشان رخ پہ گرد
تکیے سے سر کبھی جو اٹھایا تو آہ کی

حضرت کے خالی حجرے میں دن بھر گزارتی
تکیوں پہ ملتی آنکھوں کو اور دھاڑیں مارتی
لاؤں کہاں سے آہ دو عالم کے شاہ کو
فریاد کی کبھی، کبھی چھاتی پہ مارا ہاتھ
غم تھا یہی کہ سر پہ نہیں شاہِ کائنات
دنیا کے درد و غم سے چھڑاتے نہیں مجھے
رغبت نہ کھانے پر تھی نہ پانی کا تھا خیال
کُرتا سیاہ بر میں پریشان سر کے بال
نے فرش سے غرض تھی نہ بستر سے کام تھا
اس صدمے پر بھی درپئے ایذا تھے اہلِ کیں
مسجد میں خطِ سند کا گئی لے کے وہ حزیں
بس چل سکا نہ زوجۂ خیر الانام کا
مانندِ بید غیظ سے تھرائی فاطمہؑ
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلائی فاطمہؑ
یا شاہ ضبط ملک مری آج ہو گئی
روزی گئی بتولؑ مرا باغ چھن گیا
بچوں کو اپنے آہ کھلاؤں گی اب میں کیا
مزدوری کر کے لاتے تھے سو وہ بھی چھٹ گئی
وودا دا اے پدر مجھے اعدا ستاتے ہیں
بچے گرسنگی سے مرے تلملاتے ہیں
کس سے کہوں جو کچھ مری توقیر ہوتی ہے
یہ بین کر کے کھول دیا فاطمہؑ نے سر
مسجد کے کانپنے لگے دیوار و بام و در
رقت ہوئی نہ ضبط جو اس دل فگار سے

بستر کے گرد آپ کے پھر پھر کے وارتی
بوٹے پہ جو آتی تو رو رو پکارتی
سوئے زمیں میں چھوڑ کے اس خوابگاہ کو
گر بات کی تو شفقتِ خیر الوریٰ کی بات
زہراؑ ابھی جہاں سے پیمبرؐ کی ہو وفات
پاس اپنے بابا جان بلاتے نہیں مجھے
چہرے پہ آنسو بہتے تھے آنکھیں تھیں تر و لال
پہروں زمیں پہ غش میں پڑی رہتی تھی نڈھال
گر کام تھا تو ذکرِ پیمبرؐ سے کام تھا
باغِ فدک ہوا جو تھا نان نفقہ کہیں
اس کو دیا جواب کہ تیرا یہ حق نہیں
پرزے کیا نوشتۂ رسالت پناہ کا
روتی نبیؐ کی قبر پہ پھر آئی فاطمہؑ
فریاد کرنے آئی ہے دکھ پائی فاطمہؑ
بیٹی تمھاری قوت کو محتاج ہو گئی
حاصل اسی کا تھا مرے جینے کا آسرا
حضرت کے غم سے ہو گئے حیدرؑ شکستہ پا
زہراؑ تمھارے مرنے سے ہر طرح لٹ گئی
ہر روز رنج نو مجھے دینے کو آتے ہیں
بے آس ہو کے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں
شیرِ خدا کے قتل کی تدبیر ہوتی ہے
ہاتھوں سے پیٹنے لگی چھاتی بچشمِ تر
جنبش میں آگئی لحدِ سید البشر
نکلے نبیؐ کے دستِ مبارک مزار سے

قبرِ رسولِ پاک سے پھر آئی یہ صدا
پہچانا سب نے لحن اور آواز مصطفا
گردوں پہ سن کے حشر کے شور و نشور کو
اتنے میں آئے روتے وہاں شاہ لافتا
بس بس خدا کے واسطے کرتی ہو کیوں بکا
لازم ہے تم کو رحم کہ رحمت کا باب ہو
یہ کہہ کے گھر میں لائے جنابِ بتول کو
اس پہ بھی دشمنی تھی یہ قوم جہول کو
پاسِ ادب رسول کے گھر کا اٹھا دیا
در سے لگی وہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
اک شخص نے ستم یہ کیا وا مصیبتا
پہلو پہ آئی ضرب جو بنتِ رسول کے
ضعیف رحم آیا کسی کو نہ زینہار
رسی گلے میں ڈال کے شہ کو گنہگار
غل تھا کہ کل تو احمدِ مختار مر گئے
اس رونے سے بتول کی حالت ہوئی تباہ
حسرت سے منہ پہ بچوں کے کرتی کبھی نگاہ
کرتی ہے موت قطع سخن اشتیاق کے
رخصت ہے تم سے اور وصیت ہے یہ مری
میرے حسنؑ حسینؑ کو ایذا نہ دے کوئی
مر جاؤں جب تو چھاتی پہ ان کو سلائیو
ہر دم مجھے غش آتا ہے یا شاہِ بحر و بر
ہوتا ہے اس کے حال پہ ٹکڑے مرا جگر
مجھ کو دعائیں بھیجنے کی پاس آ کے دیتی ہے

زہرا کو کیوں ستاتے ہو اس نے کیا ہے کیا
آثار حشر کے ہوئے عالم میں غل پڑا
نزدیک تھا کہ پھونکے سر اسرافیل صور کو
چادر اڑھائی فاطمہؑ کو اور یوں کہا
گھر میں چلو کہ روتے ہیں سبطینِ مصطفا
ایسا نہ ہو کہ خلق پہ نازل عذاب ہو
غش آ گیا فرطِ ضعف سے بنتِ رسول کو
رہنے دیا نہ چین سے اس دل ملول کو
دروازہ آ کے آگ سے اس کا جلا دیا
کیوں گھر مرا جلاتے ہو جیتے جی یہ کیا کیا
دروازہ لات مار کے اس پر گرا دیا
محسن ہوا شہید شکم میں بتول کے
بازو بھی تازیانے سے اس کا کیا فگار
کھینچی خدا کے دوست پہ شمشیرِ آبدار
اور آج فاطمہؑ پہ یہ صدمے گزر گئے
روتی تھیں بیٹھے حجرے میں پہروں با اشک و آہ
کہتیں کبھی علیؑ سے کہ اے ضیغمِ الٰہ
ایامِ وصل گزرے دن آئے فراق کے
بچوں سے میرے رہیو خبردار یا علیؑ
مجھ سے جدا یہ رات کو سوئے نہیں کبھی
دونوں کو پیار کیجیو گلے سے لگائیو
زینبؑ ابھی سے روتی ہے منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
یہ میری لاڈلی ہے غم میں نہ جائے مر
ہر دم بلائیں ننھے سے ہاتھوں سے لیتی ہے

رو کر کہا علیؑ نے یہ کیا کرتی ہو کلام
فرقت تمھاری اب ہے مجھے مرگ کا پیام
بن ماں کی بچی جہاں میں پدر کو بھی رو چکی
شب کو مجھے اٹھائیو اے شاہِ لافتیٰ
بیزار اہلِ ظلم سے ہے بنتِ مصطفیٰ
محسن کے خوں کی داد نہ جب تک میں پاؤں گی
یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ مشرقین
مادر کے منہ کو دیکھ کے روئے بہ شور و شین
یاں کوئی گھڑی کی محمدؐ کی پیاری ہے
بولے علیؑ یہ بیٹوں کو چھاتی لگا لگا
واں ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر دو دعا
بھیجا انھیں اُدھر جو وصیِ رسولؐ نے
مسجد میں مرتضیٰ گئے روتے پئے نماز
اے خالقِ زمین و زماں ربِ بے نیاز
مقبول یہ دعا مری ہر آن کیجیو
بیٹی ترے رسولؐ کی ہے ہو جگر فگار
فرزند وہ دیے کہ کیا جن کو تو نے پیار
محشر میں اٹھ کے قبر سے جب آئے فاطمہؑ
یہ کہہ کے چپ ہوئی جو وہ مظلومۂ زماں
کچھ کہتے کہتے ہو گئیں خاموش ناگہاں
چھوڑا جہانِ فانی کو بنتِ رسولؐ نے
زینبؑ نے سن کے نانا کی آواز دردناک
منہ پیٹا چھاتی کوٹی کیا پیرہن کو چاک
شہزادی میری ہائے جہاں سے گزر گئی

ماتم میں مصطفیٰ کے تو روتا ہوں صبح و شام
سمجھایا فاطمہؑ نے کہ ہے صبر کا مقام
مدت تمام عمر کی زہرا کے ہو چکی
دیکھے نہ دشمنوں میں جنازہ کوئی مرا
بھولی نہیں ہوں جو مجھے سب نے دکھ دیا
پیشِ خدا میں عرش کا پایہ ہلاؤں گی
اتنے میں آئے مضطر و حیراں حسنؑ حسینؑ
کہنے لگی علیؑ سے یہ آہستہ کی نور عین
بہلاؤ تم انھیں کہ مجھے دم شماری ہے
تم جاؤ سوئے روضۂ محبوبِ کبریا
تا رحم فاطمہؑ کے کرے حال پر خدا
حجرے کے در کو بند کیا یاں بتولؑ نے
یاں فاطمہؑ نے حق سے کہا اپنے دل کا راز
میں ہوں تری کنیز تو عالم کا کارساز
مشکل فشارِ قبر کی آسان کیجیو
زوجہ ہوں اس کی بخشی جسے تو نے ذوالفقار
سب کچھ دیا تو دے مجھے اتنا بھی اختیار
چاہے جسے بہشت میں لے جائے فاطمہؑ
زینبؑ یہ بولی فضہ سے با چشمِ خوں فشاں
آئی صدائے احمدِ مختار ناگہاں
صف ماتمی بچھاؤ قضا کی بتولؑ نے
کھولا جو در تو دیکھا سدھاریں بتولِ پاک
فضہ نے بین یہ کیے سر پہ اڑا کے خاک
فضہ فاطمہؑ کی بلا لے کے مر گئی

اتنے میں آئے فاطمہؑ زہرا کے نونہال
آنکھوں میں اشک گرد بھرے گیسوؤں کے بال
منھ دیکھ ایک ایک کا بولے بصد ملال
کیا غش پھر آ گیا ابھی اماں کا کیا ہے حال
زینبؑ پکاری قہر ہوا ننگے سر کرو
بابا کو ماں کے مرنے کی جا کر خبر کرو

یہ سنتے ہی وہ رونے لگے دھاڑیں مار کر
پھینکیں زمیں پہ ٹوپیاں اپنی اتار کر
واحسرتا کہا کئی باری پکار کر
پیراہنوں کو جیب کو پھر تار تار کر
مسجد میں جا کے کہنے لگے بابا جان سے
گھر میں چلو کہ اٹھ گئیں اماں جہان سے

بیٹوں سے مرگ فاطمہؑ کی سنتے ہی خبر
غش ہو گئے علیؑ ولی شاہ بحر و بر
چلائے شیعیان علیؑ پیٹ پیٹ کر
تازہ ہوا پھر آج غم سید البشر
مارا تھا بے گناہ جسے تازیانے سے
وہ فاقے کرنے والی سدھاری زمانے سے

غاصب فدک کے روز تادیا کس کو آہ
اب کس کا گھر جلانے کو جائیں گے رو سیاہ
محسن کے خوں کی ہو چکی اب حق سے دادخواہ
بنت رسول پاک کو ایذا دی بے گناہ
کس درد سے نواسے پیمبر کے روتے ہیں
دونوں کی بیکسی پہ جگر ٹکڑے ہوتے ہیں

اک دم کے بعد ہوش میں آئے جو مرتضیٰؑ
دیکھا پچھاڑیں کھاتے ہیں سبطین مصطفیٰ
روتے ہیں ڈاڑھیں مار کے اصحاب باوفا
غل ہے کہ ہائے دختر سردار انبیاؑ
پھیلائے ہاتھ دیکھ کے اس شور و شین کو
رونے لگے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

بیٹوں کو ساتھ لے کے چلا وہ فلک جناب
آئے حرم میں ساتھ جو با دیدۂ پر آب
زہراؑ کو مردہ دیکھ کے دل ہو گیا کباب
منھ سے ردا اٹھا کے یہ رو رو کیا خطاب
بی بی علیؑ کو چھوڑ کے دیر خراب میں
آخر گئیں رسول خدا کی جناب میں

اب کون لے گا شبر و شبیر کی خبر
چھوٹے سے سن میں ہو گئے بیکس مرے پسر
کیا کہہ کے دیوے ہائے تسلی انھیں پدر
افسوس ہو گیا ویران علیؑ کا گھر
بیٹے ہیں کب جو صبر کے صدمے اٹھاتے ہیں
ہم بھی تمھارے پاس کوئی دن میں آتے ہیں

سن کر خدا کے شیر سے پر درد یہ بیاں
برپا تھا حشر خانۂ زہراؑ کے درمیاں
منھ پیٹتی تھیں بیبیاں با نالہ و فغاں
تھا حال دلبران علیؑ یہ کہ الاماں
مرتے تھے ماں کے دونوں پسر لٹے جاتے تھے
حیدر جدا جدا انھیں چھاتی لگاتے تھے

ماتم میں گزری بنت نبیؐ کے جو آدھی رات ‏ — ‏ میت کو دے کے غسل و کفن شاہِ خوش صفات
گھر سے جنازے چلے بیٹیوں کو لے کے سات ‏ — ‏ زینبؑ پکاریں مار کے چھاتی پہ دونوں ہات
کیا ہے کہ بیٹیوں سے بھی منھ موڑے جاتی ہو ‏ — ‏ اماں اکیلے گھر میں ہمیں چھوڑے جاتی ہو
بس آ گئے دفن فاطمہؑ کا کیا شاد حال ‏ — ‏ کاغذ ہے سینہ ریش قلم کی زباں ہے لال
گر دل میں تیرے مرثیہ گوئی کا ہے خیال ‏ — ‏ بس اے انیسؔ حیدرِ صفدر سے کر سوال

ذہنِ سلیم اپنے کرم سے عطا کرو
! مرتضیٰ علیؑ مری حاجت روا کرو

رباعیات

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس ‏ — ‏ جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے ‏ — ‏ لو صاحبو ہو گیا محرم افسوس

قاسمؑ کو عدو نے خوں میں جب لال کیا ‏ — ‏ شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر ‏ — ‏ گھوڑوں کے سموں سے اسے پامال کیا

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے ‏ — ‏ پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے ‏ — ‏ غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

٢٦

جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا
کوثر پہ قافلہ گیا پیاسی سپاہ کا
گھر لٹ گیا جنابِ رسالت پناہ کا
خاک اڑ رہی تھی حال یہ تھا بارگاہ کا
بھائی نہ وہ رفیق نہ وہ نورِ عین تھے
ڈیوڑھی پہ رونے والیاں تھیں اک حسینؑ تھے

ڈیوڑھی وہ صبح تک تھے جو دستہ جواں ہزار
خادم ہے واں کوئی نہ کوئی ہے رفیق و یار
وہ دن وہ دوپہر کی تپش اور وہ غبار
پردہ ہوا سے سر کو سرکتا تھا بار بار
آفت تھی بیکسی تھی مصیبت تھی یاس تھی
بے فوج بادشاہ تھا ڈیوڑھی اداس تھی

وہ گھر کہ جس میں لاتے تھے جبریل وحیِ رب
واں تیر فوجِ ظلم کے آتے تھے ہے غضب
خود ہائے سر کھڑے تھے شہنشاہِ تشنہ لب
تر تھا جو ان پہ سر کے لہو سے لباس سب
لب پیاس سے کبود تھے رخسار زرد تھے
مولا کی ایک جان تھی اور لاکھ درد تھے

فرماتے تھے کہ واہ یہ تاخیر اے اجل
اکبر کے بعد کون سا تھا زیست کا محل
اب مجھ کو اک برس کے برابر ہے ایک پل
موت آئے اب یہ ہے شجرِ زندگی کا پھل
اک جا چھری گلوں پہ جو چلتی تو خوب تھا
یہ جان ان کے ساتھ نکلتی تو خوب تھا

اٹھتا نہیں حسینؑ سے اب بارِ زندگی
اے موت اب گرا کہیں دیوارِ زندگی
جیتے رہیں وہ جو ہیں طلبگارِ زندگی
اب وقت ہے اپنی جان سے بیزارِ زندگی
عشرت کی جا ہے خاک میں رنگِ چمن ملے
زندہ ہو باپ اور پسر کو کفن ملے

کی خوب سیرِ باغِ جہاں خوب پھل ملے — ہو عید اب گلے سے جو تیغِ اجل ملے
ممکن نہیں کہ خلق میں چین ایک پل ملے — دنیا میں آج ان کو نہ پایا جو کل ملے
جنت میں پیاس تشنہ دہانوں کو لے گئی — افسوس خوب چن کے جوانوں کو لے گئی

ہے ہے کہاں وہ گوہرِ بحرِ شرف گئے — جو میرے پاس رہتے تھے وہ کس طرف گئے
قاسم سدھارے شیرِ خدا کے خلف گئے — سارے مرے چنے ہوئے درِ نجف گئے
کیا تفرقہ یہ لشکرِ شاہی میں پڑ گیا — میں قافلے سے چھٹ کے تباہی میں پڑ گیا

ہم سب کے بعد خلق سے جانے کو رہ گئے — سر پیٹنے کو خاک اڑانے کو رہ گئے
پیری میں آہ ٹھوکریں کھانے کو رہ گئے — اس نوجواں کا داغ اٹھانے کو رہ گئے
بیٹا کہاں خبر جو دمِ انتقال لے — اتنا نہیں جو گرتے ہوئے کو سنبھال لے

فرما کے یہ جو گھر میں گئے شاہِ خوش خصال — محبوبِ حق کی آل کا دیکھا عجیب حال
بیٹھے ہوئے ہیں سب صفِ ماتم پہ کھولے بال — برپا ہے شورِ ماتمِ فرزندِ خوش جمال
بانو قریبِ مرگ ہے زینبؑ ہلاک ہے — سینے تو سب کبود ہیں بالوں پہ خاک ہے

بہنیں پکارتی تھیں کہ بیرن ترے نثار — اب تک تو گھر میں آتے تھے مقتل سے چند بار
بھیا سنگھا دو نکہتِ گیسوئے مشکبار — اس بھینی بھینی بو کے لئے دل ہے بے قرار
آئے نہ عمو جان کا پرسا بھی دینے کو — کیا بے کسی ہے چل بسے صغریٰ کے لینے کو

شہ نے کہا بہشت میں ہیں اکبرِ حسیں — صغریٰ کہاں ہماری ہے ان کو خبر نہیں
رخصت کرو حسینؑ کو اے زینبِ حزیں — خیمے تک آ نہ جائے کہیں فوجِ اہلِ کیں
لا دو رسولِ پاک کا رختِ کہن ہمیں — پہنا دو اپنے ہاتھ سے زینبؑ کفن ہمیں

بے خود تھی غم میں نورِ نظر کے وہ دل فگار — سمجھی نہ کچھ کہ کون یہ روتا ہے زار زار
جب یہ سنا گھبرا اٹھی محمدؐ کا یادگار — ماتم کی صف پہ گر پڑی اللہ کردہ سوگوار
رو کر کہا نہ پاؤں نہ قابو میں ہاتھ ہیں — کیونکر رہا جو کہو علی اکبر بھی ساتھ ہیں

پُر خوں جبیں پھٹے ہوئے کپڑے بدن پہ خاک — چادر سیاہ اک گریباں ہزار چاک
سر بھی جگر بھی سینہ پُر خوں بھی دردناک — بیکس بہن کے حال پہ روئے امامِ پاک
فرمایا آئیں کیا کہ سناں دل پہ کھائے ہیں — ہم ان کی لاش چھوڑ کے رخصت کو آئے ہیں

٣٦

جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا
کوثر پہ قافلہ گیا پیاسی سپاہ کا
گھر لٹ گیا جنابِ رسالت پناہ کا
خاک اڑ رہی تھی حال یہ تھا بارگاہ کا
بھائی نہ وہ رفیق نہ وہ نورِ عین تھے
دو بہنیں رونے والیاں تھیں اک حسینؑ تھے

ڈیوڑھی وہ صبح تک تھے وہ دستہ جاں نثار
خادم ہے واں کوئی نہ کوئی ہے رفیق و یار
وہ دن وہ دوپہر کی تپش اور وہ غبار
پردہ ہوا سے سر کو پٹکتا تھا بار بار
آفت تھی بیکسی تھی مصیبت تھی یاس تھی
بے فوج بادشاہ تھا ڈیوڑھی اداس تھی

وہ گھر کہ جس میں لاتے تھے جبریل وحیٔ رب
واں تیر فوجِ ظلم سے آتے تھے ہے غضب
نرغے میں گھر گئے تھے شہنشاہِ تشنہ لب
تر تھا جوان پسر کے لہو سے لباس سب
لب پیاس سے کبود تھے رخسار زرد تھے
مولا کی ایک جان تھی اور لاکھ درد تھے

فرماتے تھے کہ واہ یہ تاخیر اے اجل
اکبر کے بعد کون سا تھا زیست کا محل
اب مجھ کو اک برس کے برابر ہوا ایک پل
موت آئے اب یہ ہے شجرِ زندگی کا پھل
اک جا چھری گلوں پہ جو چلتی تو خوب تھا
یہ جان ان کے ساتھ نکلتی تو خوب تھا

اٹھتا نہیں حسینؑ سے اب بارِ زندگی
اے موت اب گرا کہیں دیوارِ زندگی
جیتے رہیں وہ جو ہیں طلبگارِ زندگی
اب دق ہوا اپنی جان سے بیمارِ زندگی
غربت کی جا ہے خاک میں رنگِ چمن ملے
زندہ ہو باپ اور پسر کو کفن ملے

کی خوب سیر باغ جہاں خوب پھل ملے
ہو عید اب گلے سے جو تیغ اجل ملے
ممکن نہیں کہ خلق میں چین ایک پل ملے
دنیا میں آج ان کو نہ پایا جو کل ملے
جنت میں پیاس تشنہ دہانوں کو لے گئی
افسوس خوب چن کے جوانوں کو لے گئی

ہے ہے کہاں وہ گوہر پُر شرف گئے
جو میرے پاس رہتے تھے وہ کس طرف گئے
قاسم سدھارے شیر خدا کے خلف گئے
سارے مرے چنے ہوئے دُرِ نجف گئے
کیا تفرقہ یہ لشکر شاہی میں پڑ گیا
میں قافلے سے چھٹ کے تباہی میں پڑ گیا

ہم سب کے بعد خلق سے جانے کو رہ گئے
سر پیٹنے کو خاک اڑانے کو رہ گئے
پیری میں آہ ٹھوکریں کھانے کو رہ گئے
اس نوجوان کا داغ اٹھانے کو رہ گئے
بیٹا کہاں خبر جو دم انتقال لے
اتنا نہیں جو گرتے ہوئے کو سنبھال لے

فرما کے یہ جو گھر میں گئے شاہ خوشخصال
محبوب حق کی آل کا دیکھا عجیب حال
بیٹھے ہوئے ہیں سب صف ماتم پہ کھولے بال
برپا ہے شور ماتم فرزند خوش جمال
بانو قریب مرگ ہے زینب ہلاک ہے
سینے تو سب کبود ہیں بالوں پہ خاک ہے

بہنیں پکارتی تھیں کہ بیرن ترے نثار
اب تک تو گھر میں آتے تھے مقتل سے چند بار
بھیا سنگھا دو نکہت گیسوئے مشکبار
اس بھینی بھینی بو کے لئے دل ہے بے قرار
آئے نہ عمو جان کا پرسا بھی دینے کو
کیا بے کسے چلے گئے صغریٰ کے لینے کو

شہ نے کہا بہشت میں ہیں اکبر حسیں
صغریٰ کہاں ہماری ہے ان کو خبر نہیں
رخصت کرو حسین کو اے زینب حزیں
خیمے تک آ نہ جائے کہیں فوج اہل کیں
لا دو رسول پاک کا رخت کہن ہمیں
پہنا دو اپنے ہاتھ سے زینب کفن ہمیں

بے خود تھی غم میں نور نظر کے وہ دلفگار
سمجھی نہ کچھ کہ کون یہ روتا ہے زار زار
جب یہ سنا کہ گھر سے محمدؐ کا یادگار
ماتم کی صف پہ گر پڑی اٹھ کر وہ سوگوار
رو کر کہا نہ پاؤں نہ قابو میں ہاتھ ہیں
کیوں کر کہا جو کہو علی اکبر بھی ساتھ ہیں

پرخوں جبیں پھٹے ہوئے کپڑے بدن پہ خاک
چادر سیاہ ایک گریباں ہزار چاک
سر بھی جگر بھی سینہ پرخوں بھی دردناک
بیکس بہن کے حال پہ روئے امام پاک
فرمایا آئیں کیا کہ سناں دل پہ کھائے ہیں
ہم ان کی لاش چھوڑ کے رخصت کو آئے ہیں

میں کیا ہوں ایک عبدِ نحیف و ضعیف و زار
حاضر ہوں جب بلائے کہ حاکم ہے کردگار
منظور پرورش ہے جو رب کریم کو
جو صرفِ فنا میں ہوں کیا ان کا آسرا
اٹھ جائیں بھائی بھانجے یا ہوں پسر جدا
وہ قید میں نہ گھر کی تباہی میں روتے ہیں

وہ کہتی تھی کہ جان نکل لے تو جائیے
مضطر ہے دل بہن کا سنبھل لے تو جائیے
بالوں پہ خاک اڑاؤں منھ کو پیٹ کے رو تو لوں
بولی قدم پہ گر کے یہ بانوئے خوش خصال
فرمائیے تو ساتھ چلے یہ شکستہ حال
عورت اب اس کنیز کی ہو یا تو آپ کے

منجدھار میں ہو ناؤ طلاطم ہے آشکار
اے ناخدائے کشتیٔ امت ترے نثار
رحم اب کہ بے قراری بسمل کا وقت ہو
بانو سے اضطراب پہ روئے شہِ امم
بانو اسیر و بیکس و بے آشنا ہیں ہم
موت اپنی خود طلب نہ کرے وہ تو کیا کرے

لازم ہے تم کو صبر یہ ہے صبر کا مقام
یاں گھر لٹے کہ قید میں جانا ہو سوئے شام
وہیں یہ تمھارا ساتھ تم ان سب کے ساتھ ہو
یہ کہہ کے نکلے خیمے سے شبیرِ دل فگار
گردن پہ ہاتھ پھیر کے بولا وہ نابکار
یہ گردشِ فلک یہ جفائے زمانہ ہے

قدرت نہ زندگی کی نہ مرنے پہ اختیار
ہے اس کی ذات راحم و غفار و پردہ دار
رانڈوں کو بھولتا ہے نہ طفلِ یتیم کو
میں ہوں تو کیا ہوں مالک و مختار ہے خدا
صابر اسی سے صبر کی کرتے ہیں التجا
روتے ہیں گر تو خوفِ الٰہی میں روتے ہیں

خنجر اجل کا حلق پہ چل لے تو جائیے
اچھا ذرا سکینہ بہل لے تو جائیے
ماں جائے بھائی میں تجھے جی بھر کے رو تو لوں
اے جانِ فاطمہ خلفِ شیرِ ذوالجلال
رخ پر نقاب ڈال کے بکھرا کے سر کے بال
یہ وہ مراد ہے جو مروں ساتھ آپ کے

موجیں ستم کی آتی ہیں طوفاں میں بار بار
بیکس کا ڈوبتا ہوا بیڑا لگا دے پار
حلّالِ مشکلات یہ مشکل کا وقت ہے
فرمایا ناگوار ہے صاحب تمھارا غم
یاور نہ بھائی بند نہ لشکر نہ وہ علم
جس کا کوئی نہ ہو نہ مرے وہ تو کیا کرے

مالک کی ہو اسی میں خوشی اور اسی میں نام
ہر دم رہے زباں کو شکرِ خدا سے کام
میرا ہوا ہے ساتھ کہ زینب کے ساتھ ہو
دیکھا کھڑا ہے ڈیوڑھی پہ اسپِ وفا شعار
طاقت نہ ہو تو جائے پیادہ وہ شہسوار
تو بھی تو تین روز سے بے آب و دانہ ہے

ابرو ہے یا کھنچی ہوئی حیدر کی ذوالفقار
قرباں کمانِ ہلالِ فلک مرتبت نثار
پیوستہ منکسر ہیں وہ جو ارجمند ہیں
آنکھوں کو کہیے عین تو عینِ خطا ہے یہ
نذرِ سب کو چشمِ آفت کہ عینِ عطا ہے یہ
سرخوش ہے جام ان کی جو الفت کا پی گیا
احسان بھی حیا بھی مروت بھی قہر بھی
بینا بھی نکتہ سنج بھی دانائے دہر بھی
سر شرم سے جھکائے ہے نرگس ریاض میں
آہو شکار و تیر و کماں دار و شیر گیر
خوں ریز و جاں فریب و دلآویز و بے نظیر
جس سادہ دل کو ان کی سیاہی کی یاد ہو
ذرّہ نواز و زہد نما صاحبِ امتیاز
حق بین و پاکباز و خدا بین و بے نیاز
گرد اس کے پھرے یہ کعبۂ ایماں کا طوف ہے
اللہ رے رعبِ شیر ہرن ہو گئے ہیں سب
آماجِ خوف تیر فگن ہو گئے ہیں سب
آنکھیں ملائیں کب یہ شریروں کی تاب ہے
شیرِ خدا کے شیر سے کیوں کر ہو چار آنکھ
خورشیدِ فاطمہ سے ملائیں ہزار آنکھ
کھو دے کوئی تو حاصلِ عینِ الکمال ہے
گر کوئی شوخ چشم و حیا جو نظر لگائے
عینِ الکمال کی سرِ میداں سزا وہ پائے
بینا کہیں کہ کھوئی بصیرت بصیر نے

یہ مو بھرے ہوئے نہیں جوہر ہیں آشکار
آنکھوں پہ جن کی جا ہو یہ ایسی ہیں ذوالفقار
اتنی فروتنی بھی ہے جتنی بلند ہیں
پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ
بیمار خود پہ سب کے مرض کی دوا ہے یہ
دیکھا نگاہِ لطف سے جس کو وہ جی گیا
خود موت بھی حیات بھی امرت بھی زہر بھی
تسنیم بھی بہشت بھی کوثر کی نہر بھی
جنّت سواد میں ید بیضا بیاض میں
ہشیار و خوش نگاہ و سخن سنج و دل پذیر
قبضے میں ابروؤں کی کمانیں مژہ کے تیر
ناخواندہ بھی اگر ہو تو روشن سواد ہو
طنّاز و شرمگین و گراں خواب و سرفراز
بیدار و داغ دادہ و خونبار و غم طراز
بس اے انیس بس نظرِ بد کا خوف ہے
خود دل شکستہ قلعہ شکن ہو گئے ہیں سب
خم صورتِ کماں ہمہ تن ہو گئے ہیں سب
کس دل کو اس نگاہ کے تیروں کی تاب ہے
وہ گربۂ چشم اور یہ آہو شکار آنکھ
عاجز ہے جھپکی جاتی ہے بے اختیار آنکھ
خود اس کی آنکھ پنجۂ مژگاں نکال لے
یوں بھینچے چشمِ زخم کو ظالم نہ تاب لائے
انگشت بن کے ہو کے مژہ چشم میں در آئے
مردم کہیں کہ عینِ خطا کی شریر نے

کیا نور ہے رخِ خلفِ بوتراب پر — ہے یہ عرق کہ عطر کے قطرے گلاب پر
کچھ تیرگی سی آگئی ہے آب و تاب پر — سونا چڑھا ہو پھر ورقِ آفتاب پر
آئے جلال میں جو جلالت حضور کی — تشبیہ ہے خدا و محمد کے نور کی
کیوں منہ کو پھیرتا ہے خجل ہو کے آفتاب — شرمندہ ہوگا اپنی چمک کھو کے آفتاب
آنکھیں ملے اٹھا ہو اگر سو کے آفتاب — لازم ہے آئے سامنے منہ دھو کے آفتاب
گر چاہتا ہے عرش سے سر اس کا جا ملے — کہہ دو کہ ارضِ پاک کے ذروں میں آملے

درجِ دہن پہ لعل و عقیقِ یمن نثار — غنچے نثار پھول تصدق چمن نثار
حسنِ بیاں پہ طوطیِ شکر شکن نثار — شورِ نمک پہ شاعرِ شیریں سخن نثار
فقروں میں لطف باتوں میں لذت بھری ہوئی — قرآن کی طرح ہے فصاحت بھری ہوئی

تو یہ تنافرِ کلمات اور یہ دہن — جملے صحیح شستہ و رفتہ ہر اک سخن
پھولا ہوا فصاحتِ الفاظ کا چمن — تقریر وہ سمجھ لیں جسے صاف مرد و زن
معنی کا بھی یہ حال ہے حسنِ قبول سے — خوشبو سحر کو جیسے نکلتی ہے پھول سے

لفظوں میں یوں ہو معنیٔ روشن کی آب و تاب — جس طرح عکس آئینہ میں جام میں گلاب
مضموں میں تناسبِ الفاظ لاجواب — تصریح بھی فصیح کنائے بھی انتخاب
یاں منتہی وہ سب ہیں جو علم و کمال ہیں — صدقِ علی یہ مصحفِ ناطق کے لال ہیں

دنداں کواکبِ فلکِ عز و شانِ حسن — گر ہیں تو ہیں یہی ہیں زمانے میں کانِ حسن
خالق نے موتیوں سے بھرا ہو دہانِ حسن — خود لال ہو صفات میں جن کی زبانِ حسن
کوسوں ضیا ہے وادیِ سینہ سرشت میں — گویا چمک رہے ہیں ستارے بہشت میں

بتیس وہ دُر وہ لعبتِ محبوبِ کردگار — اختر چمک سے جن کی خجل برق شرمسار
براق وہ درخشاں و ضیا بار و آبدار — بھولا ہیں ان سبھوں سے ہوا ان کا فرد وار
بسیرے نہیں نجومِ سعادت اثر نہیں — یہ شیرِ فاطمہ کے ہیں قطرے گہر نہیں

وہ ریشِ پاک اور وہ چہرے کی آب و تاب — نکلا ہے چیر کر شبِ یلدا کو آفتاب
کچھ جا بجا جو کھل گیا ہو ریش کا خضاب — رخصت ہو مل رہے ہیں گلے پیری و شباب
تا وقتِ عصر اور زمانِ حیات ہے — اب زندگی میں کوئی نہ دن ہے نہ رات ہے

سینے کا آئینہ ہے کہ نورِ خدا کا گھر
اس صدر میں بھرے ہوئے ہیں راز کے گہر
پنہاں جو دل میں ہے اسے پہچانتے ہیں وہ
ذکرِ گلو جو ہے تو گلے میں رکا ہے دم
لیتے ہوں بوسے جن کے رسولِ فلک حشم
سوکھی رگیں گلوئے مبارک کی کٹ گئیں

پھیر زباں دکھا کے کہا آب آب آب
قطرے بھی زباں نہ ہوئی آہ کامیاب
جلتی زمیں پہ لاشِ شہِ نیک خو رہی
وہ سر رکھا خدا نے شفاعت کا جس پہ تاج
وہ صدر جس کے علم کی عالم کو احتیاج
دشمن تو لاکھ اور اکیلے حضور تھے

وہ پاؤں سرکے کبھی جو ہٹے نہیں
دشوار ہے یہ امر کہ رکن رکیں ہٹے
ممکن ہے سخت پہاڑ کبھی ٹوٹتے نہیں
گھر کا خدا کے رکن رکیں ہے کہاں ہٹے
یہ لنگرِ سفینۂ دیں ہے کہاں ہٹے
زور اس سے آسماں کا بھی چلتا نہیں کبھی

اس دبدبے سے لشکرِ پیماں شکن میں آئے
یا بلبلِ اشتیاق میں گل کے چمن میں آئے
اگلی صفیں الٹ گئیں یوں پچھلی فوج پر
بھڑکے فرس پرے ہوئے ابتر علم ہٹے
نامی نشان چھوڑ کے ثابت قدم ہٹے
جا گریں خاک اڑ کے جو سوئے فلک گئی

یا وہ مدینہ علم کا حیدر ہے جس کا در
آئندہ و گزشتہ کی سب ہے انھیں خبر
جو بے زباں ہیں ان کی زباں جانتے ہیں وہ
حوروں کی گردنیں ہیں اسی جا دو سے خم
افسوس اس گلے پہ چلا خنجرِ ستم
افلاک گر پڑے نہ زمینیں الٹ گئیں

اے وا محمدا نہ کسی نے دیا جواب
آخر تڑپ کے رہ گیا وہ آسماں جناب
گردن گلے سے کٹنے پہ بھی قبلہ رو رہی
گردن وہ بزمِ لم یزلی کا جو ہے سراج
وہ ہاتھ جس سے خیر و عطا کا ہوا رواج
سارے وہ عضو ظلم کی تیغوں سے چور تھے

وہ کیا ہٹیں ہٹے تو صفِ فوج کیں ہٹے
سرکیں نہ آسماں ہٹے یا زمیں ہٹے
ثابت قدم جو ہیں وہ جگہ چھوڑتے نہیں
نقش اس قدم کا نقشِ نگیں ہے کہاں ہٹے
یہ قطبِ آسمان و زمیں ہے کہاں ہٹے
نقطہ ہے دائرے سے نکلتا نہیں کبھی

جیسے شکار کھیلنے کو شیر بن میں آئے
غل پڑ گیا کہ ہو اسد اللہ رن میں آئے
طوفاں میں موج گرتی ہے جس طرح موج پر
بڑھتے ہوئے جو بانیِ ظلم و ستم ہٹے
دریا سا فوج کے بادل بہم ہٹے
لشکر میں غل ہوا کہ زمیں بھی سرک گئی

چھپتے ہیں چکیوں سے نر از چھپے ہوئے
خالی ہیں مورچال تو سنگر چھپے ہوئے
تلوار اگر کھنچے تو خدا کی پناہ ہے
پل چل کو دیکھ کر یہ پکارا وہ حق شناس
سب مر گئے امید کسی کی ہو اب نہ آس
ماتم میں اپنی فکر نہ لڑکوں کا ہوش ہے
کیوں بھاگتے ہو بیکس و تنہا کی جنگ کیا
بے دست و پا کھائے لڑائی کا ڈھنگ کیا
پر خیبر کیا میں تم سے عوض لوں جہاد کا
یہ سن کے پھر جائے پرے فوج شام نے
چھوڑا ادھر نیام علی کی حسام نے
گھونگھٹ ہٹا تو برق سی چمکی لڑائی میں
گھوڑا جو بھاگا کر صف اول سے مل گیا
وہ پیلا جو فوج کے اس دل سے مل گیا
پھرتے ہوئے سروں پہ نہ سر تھے نہ ہاتھ تھے
وہ تیغ تیز جب صف ثانی سے مل گئی
لذت چھری کی تیز زبانی سے مل گئی
چمکی جو سر پہ برق تو بے فرق ہو گئے
کھا کھا گئی صفوں کو جدھر آئی ذوالفقار
سر پر جھک کے تا بہ کمر آئی ذوالفقار
یوں صنبر پنجتن میں گرفتار ہو گئے
وہ منہ کہ المحذر وہ روانی کہ الاماں
وہ دم وہ خم وہ تیز زبانی کہ الاماں
ناز اس کے سب کو بھائے کہ تم بھلے گئے

افسر سے فوج فوج سے افسر چھپے ہوئے
غربت میں یاد کرتے ہیں سب گھر چھپے ہوئے
دیکھو یہ سب کرشمہ تیغ نگاہ ہے
اے اہل شام اک متنفس سے یہ ہراس
اک میں ہوں اور حسرت دلِ اندوہ و یاس
خنجر سے کاٹ لو کہ یہ سر بار دوش ہے
جب مر گیا ہو دل تو دغا کی امنگ کیا
طاقت ہو گر تو شیر سے پھر کیا پلنگ کیا
لڑوں گا کچھ کہ حکم ہے مجھ کو جہاد کا
کالے نشان کھل گئے لشکر کے سامنے
جلوہ دیا عروس ظفر کو امام نے
نقد حیات لینے لگی وہ صفائی میں
تھا صاعقہ کہ شام کے بادل سے مل گیا
بے برگ و بر ہوئے یہ قرہبل سے مل گیا
گویا چھری لئے ملک الموت ساتھ تھے
خفت ہر اک کو اس کی گرانی سے مل گئی
دریا کی باڑھ گھاٹ کے پانی سے مل گئی
دریا میں خوں کے ڈوب کے غرق ہو گئے
گر چھپ گئی تو گاہ نظر آئی ذوالفقار
ذی کاٹ کر زمیں پہ اتر آئی ذوالفقار
اک جوش میں سوار و فرس چار ہو گئے
وہ گھاٹ الحفیظ وہ پانی کہ الاماں
وہ دل شکن وہ دشمن جانی کہ الاماں
چھوڑے نہ بے ہو چھپے جس کے سنگ گئے

تھی دست گاہ خاص اسے قتلِ عام میں
کس کس ادا سے چلتی تھی وہ فوجِ شام میں
کیا بس چلے کسی کا ہُوا جب بُری چلے
جوہر میں فرد تھی پہ زبانیں تھیں فوج فوج
پیتی تھی ہر لہو کبھی، کبھی جاتی تھی سوئے اوج
کرتی تھی کار تیغ جگر ذوالفقار کی
وہ فوج کا ہجوم وہ گرمی وہ لو وہ بن
بھڑکی تھی آگ جل رہے تھے ناریوں کے تن
ڈوبا تھا وہ پسینے میں جو سینہ زور تھا
ابرِ صفیں تھیں کینہ وروں کی اِدھر اُدھر
چھائی تھی اک گھٹا سپروں کی اِدھر اُدھر
غل تھا اُترنے گھاٹ میں دریا کی باڑھ کا
کاٹا سر اس کا اس کا جگر چاک کر دیا
جس پر گری جلا کے اسے خاک کر دیا
ڈر کے شرک و کفر نے سر کو فرو کیا
اللہ رے جنگ میں شہِ ذی قدر کی شکوہ
قہرِ خدا تھی برہمیٔ طبعِ حق پژوہ
حملوں میں ساری شان خدا کے ولی کی ہو
ساعد سے کچھ بلند جو کر لی تھی آستیں
نعرے کیے کہ گونجا تھا خیبر خم گئیں
دستِ علی سے تھے ہاتھ حسین دلیر کے
وہ آستیں چڑھی ہوئی ساعد وہ صاف صاف
ضربت کا شور تا فلک پہنچا تھا تا بہ قاف
ڈر تھا کہ پاؤں گاؤ کا ماہی سے ہٹ نہ جائے

بے دم ہوا جو آ گیا جوہر کے دام میں
دونوں زبانیں ایک سی تھیں اپنے کام میں
چلتی تھی یوں گلوں پہ کہ گویا چھری چلے
وہ شور اس کے آب کا وہ جوہروں کی موج
بجلی غضب کی کوند رہی تھی میانِ فوج
پرتو میں تیزیاں تھیں سروہی کے وار کی
دریا پہ شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
مثلِ صدف تھے زخم بھی کھولے ہوئے دہن
فوجوں میں ذوالفقار کے پانی کا شور تھا
جانیں ہوا تھیں فتنہ گروں کی اِدھر اُدھر
بوچھار تھی زمیں پہ سروں کی اِدھر اُدھر
برسا ہے نصف تپ کے مہینہ اساڑھ کا
بجلی کو اور آگ نے چالاک کر دیا
قصہ جو دین و کفر میں تھا پاک کر دیا
اسلام شاد تھا کہ مجھے خرسند کیا
جب جا قدم جمے نہ ہٹے پھر مثال کوہ
بے خوف جاں نہ تھا کوئی مجمع کوئی گروہ
فوجوں میں شور تھا یہ لڑائی علی کی ہے
فانوس سے بڑھا ہوا تھا نورِ شمعِ دیں
جنبش میں آسمان تزلزل میں تھی زمیں
قبضے میں انگلیاں تھیں کہ ناخن تھے شیر کے
اُگلی ہوئی تھی میان سے شمشیر خوش غلاف
وہ تہلکہ وہ زلزلہ وادیٔ مصاف
دہشت زمیں کو تھی کہ زمانہ الٹ نہ جائے

چالاکیاں بھی غیظ بھی ضرب بھی جنگ بھی　　بالا دوی براق کی دل کا ڈھنگ بھی
ہر میں اسد بھی بحرِ وغا میں نہنگ بھی　　گھوڑا بھی شیر نر بھی ہرن بھی پلنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے　　اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

وہ ساز اور وہ زینِ مرصع کی زیب و زین　　اس میں ہوا میں ارض و سما کا تھا فرق و بین
کلغی سے سر کی صاف عیاں فرِّ فرقدین　　سینے میں دل قوی تھا کہ ہے پشت پر حسینؑ
دعوے کہ ہیں براق کی توقیر پائے ہوں　　نازاں یہ ہے کہ بارِ امامت اٹھائے ہوں

وہ چھوٹی چھوٹی کانچیاں گول گول سم　　سرعت وہ تھی کہ عقل تھی یونانیوں کی گم
طاؤس کی طرح جو وغا میں چنور تھی دم　　آتی تھی آسماں سے ندا کہ تسلیم
پھرنا تجھے نصیب ہو راہِ ثواب میں　　قائم یہ دونوں پاؤں رہیں اس رکاب میں

وہ گشت اور وہ اس کے طرارے وہ آو جاؤ　　پانی پہ گر حباب تو آبِ رواں میں ناؤ
گھونگھٹ میں دیکھ لے اگر چال کا بناؤ　　دولہا کے دل میں پھر نہ رہے کچھ دلہن کی چاؤ
دعوے غلط خرام میں کبکِ دری کا ہے　　اس بادپا کے سائے میں جلوہ پری کا ہے

کوہی ہے وہ کہ تند رو کیا اس کی چال کیا　　طاؤس کیا ہمائے سعادت خصال کیا
کیا پیکِ عقل شاطرِ وہم و خیال کیا　　اس کے قدم کی گرد کو پہنچے مجال کیا
دیکھی نہیں کسی نے یہ چھل بل سمند میں　　پارا بھرا ہوا ہے ہر اک جوڑ بند میں

پیکاں ہیں دو کنوتیاں ہنگامِ دار و گیر　　حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
روئیں وہ نرم جلد وہ باریک و بے نظیر　　چینی پرند جس کے مقابل نہ ہے حریر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شہاب میں　　دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کی خواب میں

ہر چند تیز رو ہے بہت ادہمِ قلم　　پر اس کی شوخیوں کو یہ کیوں کر کرے رقم
کچھ کچھ مداد کی بھی روانی ہوئی ہے کم　　دوڑا بہت تو ذہن کا بھی بھر گیا ہے دم
تازی کو دی ہے بات تو لطفِ کلام ہے　　بس اے قلم عطر تری ترکی تمام ہے

گھوڑے سے بھی بڑھی ہوئی تھی تیغ آبگوں　　جب ہاتھ اٹھا تو قبضے سے ٹپکا زمیں پہ خوں
اٹھی ہوئی صفوں میں فغاں سب تھے سرنگوں　　دہشت سے زرد تھا ابنِ سعد سیہ دروں
اک شور تھا جو لہر ہے اس کی وہ ناگ ہے　　گھوڑے بھگا دو تیغ کے پانی میں آگ ہے

سر کاٹ کر جو تیغ علی ولی پھری
تھی شاخ نخل فتح کہ پھولی پھلی پھری
پھر بنا ذرہ جب سے سخی گئی
وحشت سے اس کی سخت جگر کانپتے تھے سب
قدسی وہاں سے دو تھے پر کانپتے تھے سب
ساتوں طبق جو ہلتے تھے خوف و دہشت سے
بے سر تھے وہ سوار جو بڑھتے تھے خیل خیل
جوہر چمک دکھاتے تھے سب صورت سہیل
آفت بپا تھی خانۂ تن سب خراب تھے
اک شور تھا کہ آئی ہے آفت جہان پر
ہونٹوں پہ دم اجل کی حرارت زبان پر
پریوں میں شور تھا کہ اجل سر پہ آئی ہو
تلوار رن میں گر کسی سرہنگ سے چلی
جس پر چلی وہ تیغ نئے رنگ سے چلی
ندرت کہ قاتل سبیل تھا بریوں کا ساتھ تھا
قاصر تھے ان کے عزم جو تھے اپنی فساد
ہر دم اشارہ کرتی تھی تیغ ظفر نہاد
ٹکڑے کیا ہے عرصے نامی نہنگ کو
جس فوج کی طرف وہ سلیمان حشم پھرا
چمکی اُدھر اُدھر رخ اہل ستم پھرا
صف صف پہ حشر آگیا مبہوت ہو گئے
وہ ہاتھ کی صفائیاں وہ تیغ کی تک
وہ آب و تاب گھاٹ کی وہ باڑھ کی لچک
منھ اپنے زخم کھولے تھے لطف غذا یہ تھا

دل پر غضب چھری تو جگر پر چلی چھری
کس کس کی نبض رن میں گلوں پر چلی چھری
قامت سے راستی وہ ادا سے کجی گئی
پتا ہوئے تھے برگ شجر کانپتے تھے سب
دریا میں تھے نہنگ مگر کانپتے تھے سب
گاؤ زمیں پلٹتی تھی ماہی کی پشت سے
پر تیغ مرتضےٰ کو ذرا اصلا خفیف و سیل
آتی تھی شور سے سوئے دریا ہوئی سبیل
موجیں بھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
انساں زمیں پہ دق تھے ملک آسمان پر
وحشت سے آ بنی تھی جنوں کی بھی جان پر
جس دم آگئے جناب سلیمانؑ وہاں سے
ظالم کا دم نکل گیا اس ڈھنگ سے چلی
سر پہ سوار کے جو پڑی تنگ سے چلی
جیسے وہ دو دو نقطہ ابھی دریا سیاہی باقی تھا
رشتے تھے قطع ہو گیا اُنس و رشتہ
سب مجھ کو سرگزشت جہاد علی ہے یاد
پھیلے ہوئے ہیں خیبر و خندق کی جنگ کو
تلوار کا نہ منھ نہ فرس کا تھا دم پھرا
جس صف پہ آئی سطر غلط پر قلم پھرا
ستر تن سے مثل نقطۂ شک وہ بہ گئے
ملتے تھے دل جہاں سے تڑپ کر تھا سنگ
تھا آب شور تیغ ہر اک زخم پر نمک
بسمل بھی ہونٹ چاٹتے تھے مزہ یہ تھا

رکتی نہ تھی دغا میں کسی درعہ پوش سے
کچھ ہو سکا نہ رن میں کسی سرفروش سے
غل تھا چلی یہ جب کہ وہ دام اجل میں ہے
اللہ رے رعب نعرۂ مولائے خوش خصال
لیٹی ہوئی تھیں پشت سے ڈھالوں کا تھا یہ حال
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں کمانیں مصاف میں
افتادہ تھے زمیں پہ ختانہائے سربلند
تھراتے تھے جو ڈر سے لعینوں کے بند بند
جب سہم سہم کر تو قدر انداز روتے تھے
ہر دم چمک دمک تھی زیادہ برش مزید
اس فوج میں بجا تھی جو تھی وحشت شدید
سفاک تھی اُپی ہوئی تھی بے دریغ تھی
گر سر پہ گاہ سینے پہ گاہے گلو پہ تھی
دریا پہ تھی نہ اس کی نظر آبجو پہ تھی
کاٹوں سروں کو درپئے قتل عدو ہوں
کاری جواں سپاہ کے ناکارہ ہو گئے
کڑکے کئی کمانوں کے آوارہ ہو گئے
سر کی وہ جب کہ برچھیوں سے پھل گرا لیے
گر طبع میں کسی کی روانی ہوئی تو کیا
بالفرض قوت ہمہ دانی ہوئی تو کیا
نقروں کا ذوالفقار کے مطلب ادا ہو
پھرتا ہے تیلیوں کے اشاروں پہ راہوار
قرباں اس جلال کے اس عزم کے نثار
انگشت مصطفیٰ ہے اُدھر بدر اس طرف

گرتی تھی تیغ ہاتھ سے اور ڈھال دوش سے
خود حرز بن گئی تھی وہ جوہر کے جوش سے
عجب اگر دعائے سیفی اسی کی عمل میں ہے
لرزاں تھیں برچھیاں قدم پیر کے مثال
تیغوں کے جوہروں کے کھڑے ہو گئے تھے بال
خنجر بھی منہ چھپائے ہوئے تھے غلاف میں
لاشوں سے راہ امن وامان ہو گئی تھی بند
پرچم علم کے کرتے تھے اعدا پہ ریشخند
سوفار کے ہنسی سے نہ لب بند ہوتے تھے
لوہے کو اس کے مان گیا لشکر یزید
نازل اسی کی شان میں ہے سورۂ حدید
جو عرش ذوالجلال سے اتری وہ تیغ تھی
جوہر کا تھا خیال نگہ آبرو پہ تھی
ہاں تھی اگر تو جنگ میں رغبت لہو پہ تھی
مطلب یہ تھا کہ معرکے میں سرخرو ہوں
پانچوں حواس سبعۂ سیارہ ہو گئے
پیکان تیر غنچۂ صد پارہ ہو گئے
خنجر تو کیا تھے تیغوں نے بھی منہ پھرا لیے
کیا کہہ سکے گا تیز زبانی ہوئی تو کیا
مثل انیس سحر بیانی ہوئی تو کیا
کٹ جائے ساری عمر تو اس کی ثنا نہ ہو
اس صف شکن کے ہاتھ میں ہو کبھی اس پرے کے پار
اک ہاتھ میں ہو تیغ، سپر اک میں استوار
شمس الضحیٰ اُدھر ہے شب قدر اس طرف

اس اضطراب میں پسر سعد نے کہا
دعوے مقابلے کا اگر ہے تجھے تو جا
قبضے میں اس کے زور خدا کے ولی کا ہے
مغرور نے کہا کہ میں جاتا ہوں دیکھ تو
حیدر کے دل کا خوں بہاتا ہوں دیکھ تو
کیا بات ہے شکست ابھی دے کے آؤں گا
ڈھاٹا شقی نے باندھ کے کھولا کمند کو
قبضے پہ رکھ کے دست تعدی پسند کو
بڑھتے ہی اک عربدہ اٹھا اس سپاہ سے
کڑکا کے اپنے گھوڑوں کو گرد آگئے سوار
فخریہ شعر پڑھ کے پکارا وہ نابکار
افراسیاب و رستم میدان جنگ ہوں
چھپتے ہیں اژدہے مری دہشت سے غار میں
رستم کو باندھ لیتا ہوں میں کارزار میں
بھبکا ہے میں نے سامنے برنا و پیر کے
گیتی کے چار دانگ میں برپا ہے میرا شور
بہرام ڈر سے کانپ رہا ہے میان گور
یاں زال کی نہ کچھ ہے حقیقت نہ گیو کی
فرمایا آپ نے یہ تعلی ہے کیا ضرور
آپ اپنی مدح واہ رے کم ظرف و بے شعور
دعوے کوئی درست نہیں بے دلیل کے
خوشبو کا اپنی گل نے کیا ہے کبھی بیاں
کھلتی ہے آپ مشک کی بو وقت امتحاں
سایہ بڑا ہے تجھ سے بگولہ دراز ہے

لشکر کے پاؤں اٹھ گئے میرا قصور کیا
فرزند مرتضیٰ سے کچھ آساں نہیں وغا
تو ہی پناہ مانگ کہ بیٹا علیؑ کا ہے
میدان میں رستمی جو دکھاتا ہوں دیکھ تو
سر کاٹ کر حسینؑ کا لاتا ہوں دیکھ تو
حمزہ کی ڈھال تیغ علیؑ لے کے آؤں گا
نیچا کیا وہیں سے سنان بلند کو
کوڑا کیا خیال تہمتن سمند کو
مرحب چلا نبرد کو شیر الہ سے
تھا بیچ میں وہ اور حسینؑ فلک وقار
بسم اللہ اے نبیرۂ محبوب کردگار
شیر خدا ہیں آپ تو میں بھی پلنگ ہوں
تمساح و ببر شرزہ جبال و بحار میں
سہراب میں یہ زور نہ اسفندیار میں
ڈھالوں کو روئیوں کی طرح چیر چیر کے
پنجے سے میں نے توڑ دیے سرکشوں کے زور
سیمرغ و فیل وہ پر پشہ ہیں پائے مور
تسمے سے باندھ لاتا ہوں گردن کو دیو کی
چپ رہ کہ تجھ کو پست نہ کر دے ترا غرور
تیرا نہیں یہ فہم غلط میں کا ہے قصور
جوہر کھنچے یہ کھلتے ہیں تیغ اصیل کے
شہرت ہوں میں یہ بھی کبھی کرتی ہو عیاں
کیا جھکتا ہے اپنی بلندی پہ آسماں
البتہ خاکسار جو ہے سرفراز ہے

پیدا کیا ہے ایک سے بہتر خدا نے ایک
مانا کہ تو شجاع ہے سب سے فزوں و لیک
گر پیل ہے تو آگے سلیماںؑ کے مور ہے
جعلی ہے سب یہ لاف و گزاف اے دروغ گو
او ہرزہ کار جھوٹ نہ بک آبرو نہ کھو
روکے ہیں جس نے فوج کے ریلے ہمیں ہیں وہ
ہم اپنی جرأتوں کے گواہوں کو گر بلائیں
خود اپنے پر کٹے ہوئے روح الامیںؑ دکھائیں
چھتر پہ چوٹ نیزۂ حیدر کو دیکھ لے
حملہ کیا یہ سنتے ہی ظلمت نے نور پر
آئی چمک کے تیغ جو اس پر غرور پر
قربان دستِ تیغ شہ ارجمند کے
خالی چڑھا کمان کیانی میں رکھ کے تیر
دہنی طرف اڑا جو سمندِ فلک سریر
جوہر عجیب قطع کے اس کی زباں میں تھے
کعب ادھر تھا جلوہ نما اور ادھر کنشت
نیزے کی ڈانڈ پر جو رکھا اس نے دستِ زشت
ششدر ہوئی وہ فوج جو محو نظارہ تھی
پھر گرز گاودسر کو اٹھایا شریر نے
روکی وہ ضرب ڈھال پہ اس قلعہ گیر نے
ظالم کے ہوش اڑ گئے کچھ نہ بن پڑی
دہنے میں لے کے تیغ کے ساتھ آپ نے سپر
گویا در آئے آخ گیر اے شیر نر
عاجز تھا ہر طرح وہ حسینِ بلیغ گر

دارِ فنا میں کوئی جو بد ہو تو کوئی نیک
یہ سر عزیز ہے تو سرک جا قدم نہ ٹیک
اس دستِ رعشہ دار میں حیدر کا زور ہے
افسانہ جانتے ہیں اسے ہیں شجاع جو
مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں رن میں دو
لڑتے ہیں لاکھ سے جو اکیلے ہمیں ہیں وہ
قرآں ہے کہ عرش سے قدسی زمیں پہ آئیں
بزدل جو ہیں وہ شیروں کی نظروں کی کیا تاب لائیں
کھل جائے گا ابھی درِ خیبر کو دیکھ لے
پھینکی کمند آنکھ بچا کر حضور پر
گویا کہ برق کوند گئی کوہِ طور پر
کٹ کر اسی پہ جب پڑے حلقے کمند کے
حلقے کو کھینچ لایا تا گوش تک شریر
حلقے کے بیچ میں تھی نہ وہ تیغ بے نظیر
چلہ نہ تیر میں تھا نہ گوشے کماں میں تھے
دوزخ تھا اس لعین کی طرف اس طرف بہشت
چمکی نئے طریق سے تیغِ قضا سرشت
راہیں بھی سب تھیں قطع سناں بھی دو پارہ تھی
لی ہاتھ میں سپر شہِ گردوں سریر نے
گویا دکھایا زور جناب امیر نے
یاں ہاتھ کچھ ہوا نہ جبیں پر شکن پڑی
جھٹکا دیا جو گرز کو بائیں سے تھام کر
دستِ لعیں سے چھوٹ گیا گرز گاودسر
یہ گاو زور یاں کہیں چلتی ہے شیر سے

فرمایا خودسری نے تجھے کر دیا ہے کور
دیکھا ہمارے بازوئے زخمی کا تو نے زور
قوت وہ دے تو پیل کو پامال کر دے مور
بے جا تھا یہ غرور یہ نخوت یہ زور و شور
انکار تیغ برق تجلی نہ کیجیو
توبہ کر اب کلام تعلّی نہ کیجیو

مغرور نے حسام کو کھینچا مثال سام
منہ کھولے اژدہے کی طرح رہ گیا نیام
سیدانیوں میں غل تھا کہ ہو روز ننگ و نام
ہاں اب لڑا دے جان کو اے پہلوانِ شام
گو بن کے جیت ہار لڑائی بگڑ گئی
بس کے ہے پھر ترا جو کوئی ضرب پڑ گئی

مطلع

اے شہسوارِ ملکِ سخن صفدری دکھا
گیتی کو زلزلہ ہو وہ زور آوری دکھا
جمعیت سپاہ کی پھر ابتری دکھا
ہاں زور و شورِ معرکۂ حیدری دکھا
کٹ جائیں رنگ سینۂ اعدا افگار ہوں
پٹ جھنے میں دونوں لب جو کھلیں ذوالفقار ہوں

گھوڑا ہو واں جہاں نہ رسائی ہوا کی ہو
جو نکلے منہ سے لفظ وہ قدرت خدا کی ہو
مصرع ہر ایک تیغ شہ لافتا کی ہو
جو چوٹ ہو بندھی ہوئی مشکل کشا کی ہو
نقشا ہو صاف تیغ علی کی صفائی کا
دکھلا دوں ہر ورق میں مرقع لڑائی کا

یوں کوند کر صفِ اعدا پہ آئے جائے
ہر استخواں کو شق ہا تیغ کھلائے جائے
جب تک کہ دم ہو خون کا دریا بہائے جائے
بے جوہروں کو جوہر ذاتی دکھائے جائے
غل ہو زراع اڑ گئی فتنہ فرو ہوا
ٹکڑے گریں زمیں پہ تو جانے کہ دو ہوا

اے تیغ آبدار زباں اور تیز ہو
سرگرم کشت و خون و قتال و ستیز ہو
دریا لہو کا وادیٔ ہنگامہ خیز ہو
لگ جائے آگ دشت میں یوں شعلہ ریز ہو
کوثر علیؑ سے پاؤں گا خلد بتول سے
ہاں جنگ فتح کر کے صلہ لوں رسول سے

جب حکم ہو کہ مانگ لے کیا مانگتا ہے تو
گر کر کہوں قدم پہ کہ دنیا میں آبرو
ارشاد اگر ہو اور بھی کوئی ہے آرزو
اس دم کروں یہ عرض کہ یا شاہ نیک خو
سب کچھ ہے اختیار شہ مشرقین میں
مسکن جناں میں قبر جوارِ حسینؑ میں

مرحب ادھر تو شیر کا فرزند اس طرف
عمرو اس طرف نبی کا جگر بند اس طرف
اس سمت ہو غلام خداوند اس طرف
گلے غرور کے ہیں ادھر بند اس طرف
ناصر کہاں عزیزوں کی لاشیں بھی دور ہیں
تلوار ہے سپر ہے فرس ہے حضور ہیں

گھوڑے کو اس نے گشت پہ ڈالا پہ دُور دُور
سَن سَن ہوا پہ ہاتھ لگا کر وہ پُر غرور
جب اس کے ساتھ کے سفہا غل مچاتے تھے
تعریف بے محل سے بڑھایا جو اس کا دل
دونوں طرف سے چلنے لگے وار جاں گسل
عسرت ہوئی خون شجاعوں کے گھٹ گئے
ڈٹی وہ تیغ ادھر یہ جھپک کر اُدھر گئی
بجلی سی کوند کر یہ بڑھی وہ ٹھہر گئی
آنچ اس کی تیوروں کو شفق کے جلاتی تھی
سیماب تھا ہوا تھا چھلاوہ تھا اہوار
قربان ذوالجناح شہنشاہ نامدار
جس طرح جائے شیر گرسنہ غزال پر
ملتی ہوئی کنوتیاں لال آنکھیں منہ میں کف
حیراں تھی اس کی تیز روی پر ادھر کی صف
ظالم سے معرکہ جو پڑا تھا لڑائی کا
گھوڑا کبھی نہ بھول کی جب پر چھری پڑی
ضرب اس کی جو پڑی وہ زرہ پر کڑی پڑی
قوت علیؑ کی ہاتھ میں ہے اس دلیر کے
تلوار اُدھر جھپک کے چلی آنکھ ادھر لڑی
جاری تھی وہ جو تیغ سے تیغ دو سر لڑی
ظالم کے سر پہ تیغ کا قبضہ جو پھر پڑا
بولے یہ مسکرا کے حسینؑ فلک حشم
جھک کر اٹھائے خود جو ہے سر زنش کا غم
آ جم کے لڑ کہ ہم بھی تو دیکھیں ہنر ترا

کس غیظ سے ہلانے لگا سیف بے شعور
انیاں بتا رہا تھا وہیں سے سوئے حضور
رہ رہ کے قبلۂ دو جہاں مسکراتے ہیں
گھوڑا اڑا کے آ گیا حضرت کے متصل
تیغوں کی برق و شرق سے بجلی ہوئی خجل
ڈھالوں کے پرزے اڑ گئے دستانے کٹ گئے
پستی سے یہ پھری تو وہ بالائے سر گئی
ندی تھی ایک دم میں چڑھی اور اتر گئی
اس تیغ کی ہوا بھی بیاں پر نہ آتی تھی
اس کو نہ چین تھا نہ اسے ایک جا قرار
جاتا تھا یوں حریف کے گھوڑے پہ بار بار
ہر بار تھیں کلائیاں گھوڑے کی یال پر
بجلی سا اس طرف تھا کبھی گاہ اس طرف
نتھنوں سے تھی نفس کی صدا یا شہ نجف
مطلب یہ تھا کہ وقت ہے مشکل کشائی کا
کھولی گرہ وہ تیغ نے جب کل جھڑی پڑی
فوجوں میں شور تھا کہ لڑائی بڑی پڑی
کیوں کر بچائیں صید کو پنجے سے شیر کے
پیتل سے چلی اور لڑ کر نظر لڑی
آپ اس قدر بڑھی کہ سپر سے سپر لڑی
جھجکا تو خود فرق ستم گر سے گر پڑا
تھا وار سرسری سر گردن کو کر نہ خم
سر جھک کے ہو چلی نہ اٹھانا ہیں اب قدم
بھاگا تو پاؤں گھوڑے کے ہوں گے نہ سر ترا

کھینچی جو اس نے باگ تو ٹھٹکنے لگا سمند
گر یوں نکل گیا تو کہیں گے یہ ہوش مند
بے زخم کھائے صاف جفا جو نکل گیا

مغفر اٹھا کے تیغ سے بڑھے امام دیں
شہ کی طرف اٹھا کے بہ صد غیظ تیغ کیں
دیتے ہی خود دست مبارک جو مڑ گیا

پستی میں آئی بڑھ کے جو وہ تیغ پُر شرر
اسوار جو کھڑے تھے وہ بھاگے اِدھر اُدھر
بھاگا جو جلد دے کہیں آنچ اس کی دھار کی

غلطے میں دیر تک جو رہے شاہِ تشنہ کام
ہاتھوں سے چھوڑ دی تھی جو رہوار کی لگام
غش میں سوار دوش نبی کا یہ حال تھا

دیکھا جو یہ کہ بھاگ گئے رن سے حیلہ ساز
مہلت ہے اے حسین پڑھو عصر کی نماز
فکر نجات امت خیر البشر کرو

ناگاہ سوئے لاشۂ پسر جا پڑی نظر
اکبر اٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر
بھولے پدر کو نیند میں قربان آپ کے

بیٹے ہو تم امام کے پوتے امام کے
کہتے ہیں پھر لپٹ کے یہ بے فوج شام کے
جاتی ہے اب نماز بھی اعدا جو پھر چڑھے ہیں

جا تش نا مد اذانی ہے اللہ کے آؤ
پھر کو مری نذر یہ جو باقی کہیں سے پاؤ
ہم سب کے کام آنے ہیں بیٹے ہیں روتے ہیں

سمجھے امام پاک کہ بھاگا یہ خود پسند
کس فکر میں تھے شاہ عدو گیر و صید بند
پہنچے ہیں آ کے شیر کے آہو نکل گیا

بے جنگ سر سے فرق پہ رکھ خود آہنیں
مغفر کو بائیں ہاتھ سے لینے لگا لعیں
مغفر تو ہاتھ میں سر تن سے اڑ گیا

گھوڑے کے پاؤں کٹ گئے مثل خیار تر
پھر پھر کے اضطراب میں کہتے تھے اہل شر
پچھتا گئے ہوئے سب چمک ذوالفقار کی

غرق عرق تھے کانپ رہا تھا بدن تمام
آنکھیں تھیں بند ہانپتا تھا اسپ تیز گام
بے تھامے خود سر سے اترنا محال تھا

تلوار رکھ کے میان میں بولے شہ حجاز
یہ آخری ہے بندگی رب بے نیاز
سوکھی زباں کو ذکر الٰہی میں تر کرو

چلائے دل کو تھام کے سلطان بحر و بر
سوتے ہو تم دھرے ہوئے رخسارہ خاک پر
آؤ نماز عصر پڑھو ساتھ باپ کے

کام آؤ مرتے دم پدر تشنہ کام کے
بٹھلا دو بڑھ کے مرے ہاتھوں کو تھام کے
دہشت ہے خود فرس سے جو اتریں تو گر پڑیں

پھنکتا ہے قلب جل رہے ہیں جگر کے گھاؤ
چلتے ہوئے عدم کے مسافر اٹھو تو جاؤ
بابا پھر ہوئے کہ نہ لیٹے : سوئے ہیں

کیا با فضا یہ سرد ترائی ہو اب اٹھو
ہم جاں بلب ہیں ختم لڑائی ہو اب اٹھو

نرغے میں فوج ظلم کے بھائی ہو اب اٹھو
عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہو اب اٹھو

غفلت کی تم کو نیند ہو شبیرؑ کیا کرے
میری طرح کسی کو نہ بیکس خدا کرے

تم جب سے چھوٹے ساعد و بازو میں درد ہے
گردن میں سر میں آنکھ میں ابرو میں درد ہے

دل میں کمر میں سینے میں پہلو میں درد ہے
رگ رگ میں کیا ہر ایک بن مو میں درد ہے

ہر مرتبہ رہے ہیں لہو میں نہائے ہیں
پیری میں نوجوانوں کے لاشے اٹھائے ہیں

چلایا فوج کو پسر سعد نابکار
لو رکھ لی میان میں شہ والا نے ذوالفقار

پلٹے پرے سواروں کے لے کر رسالہ دار
وہ خول باندھے آئے کماں دار بیس ہزار

تیر و خدنگوں میں تیغوں میں بھالوں میں گھر گئے
تنہا حسینؑ برچھیوں والوں میں گھر گئے

فریاد ہے وہ فوج کا دل اور اک حسینؑ
وہ بے شمار تیغوں کے پھل اور اک حسینؑ

وہ تیر جانستاں وہ جدل اور اک حسینؑ
وہ سیکڑوں پیام اجل اور اک حسینؑ

فوجوں میں شام کی سرتاپا گھرا ہوا
بےکس بھی وہ کہ جس سے زمانہ پھرا ہوا

ڈوبے ہوئے تھے خون میں گیسو حسینؑ کے
آنکھوں پہ کٹ کے آ پڑے ابرو حسینؑ کے

زخمی ہیں دونوں ساعد و بازو حسینؑ کے
تیروں نے چھان ڈالے تھے پہلو حسینؑ کے

تیغیں اٹھی ہوئی جو برابر سے چل گئیں
غش آ گیا تو دم سے رکابیں نکل گئیں

شہ کے مرتبے کو نہ جانا ہزار حیف
تیروں سے صدر پاک کو چھانا ہزار حیف

شانے تھے ناوکوں کا نشانا ہزار حیف
مظلوم کو وہ برچھیاں کھانا ہزار حیف

ٹوٹے تھے سب رسولؐ کے پیارے حسینؑ پر
کیا وقت پڑ گیا تھا تمھارے حسینؑ پر

گرتے ہیں آپ کون سنبھالے کوئی نہیں
سینے سے کون تیر نکالے کوئی نہیں

بے جان پڑے ہیں گود کے پالے کوئی نہیں
سب مر چکے ہیں چاہنے والے کوئی نہیں

بےکس ہیں اور سامنا فوج عدو کا ہے
منہ جس کا دیکھتے ہیں وہ پیاسا لہو کا ہے

کیوں کر کہوں کہ عرش خدا خاک پر گرا
خیر النسا کا ماہ لقا خاک پر گرا

سرتاج بادشاہ و گدا خاک پر گرا
زیں سے اللہ کے راہ نما خاک پر گرا

وہ وہ ہزار زخم تن چاک چاک پر
کیا گزری ہوگی جب کہ گرے ہوں گے خاک پر

سر کٹ کے جدا ہیں حال یہ ہو تن کا ہے غضب
پانی کا واں ہو کام کہ آہن کا ہے غضب
اس کے سوا شریک فوج میں بارہ شریر ہیں
فضہ نے جا کے خیمے میں رانڈوں کو دی خبر
بستر سے اٹھ کے گر پڑے سجادؑ نوحہ گر
بابا گر کے دوڑتی تھیں کہ لو وہ حسینؑ ہے
افسوس آفتاب لرزتا تھا جسم پاک
سر پر عصا ہے پاؤں میں موزے ردا نہ چاک
عباسؑ کا نور عین رو رہا تھا ساتھ تھا
چلاتی تھی ارے مرا بھائی ہو کس طرف
دریا کدھر ہے خون کا ترائی ہو کس طرف
ستہ دو اے زمیں کہ فلک کی ستائی ہوں
ریتی پہ مصطفےٰ کے جگر کا لہو گرا
سید گرا امام گرا نیک خو گرا
تاب اٹھنے بیٹھنے کی کہاں ہاتھ پاؤں میں
میں سیدہ ہوں رحم مری بیکسی پہ کھاؤ
دنیا میں تم خوشی رہو عقبیٰ میں چین پاؤ
یاں لٹ گئے فلک نے یہ دکھ ہم پہ ڈالے ہیں
آتی تھی جس میں وحی وہ گھر ہے ہمارا گھر
تاروں میں برج شمس و قمر ہے ہمارا گھر
حاکم سے جو خلاف وطن ہم سے چھٹ گیا
بے خانماں ہے تشنہ دہن ہے غریب ہے
اب دوست جو کوئی نہ کوئی اب حبیب ہے
تم سب کو پاس چاہیئے اس ذی وقار کا

اب مرحلہ ہے خنجر و گردن کا ہے غضب
و سامنا ہے شمر سے دشمن کا ہے غضب
یاں اک گلا ہے جس پہ کئی زخم تیر ہیں
ہے ہے مرے شہزادے کا کٹتا ہو تن سے سر
خیمے سے نکلیں بی بیاں بچوں کو چھوڑ کر
ہلتا تھا عرش حضرت زینبؑ کے بین سے
جائیں کدھر وہ فوج وہ صحرائے ہولناک
لٹکے ہوئے تھے دونوں طرف پیرہن کے چاک
اک ہاتھ میں یتیم سکینہ کا ہاتھ تھا
روتی ہوئی علیؑ کی کمائی ہے کس طرف
سونے کی جا حسینؑ نے پائی ہے کس طرف
میں اپنے پیارے بھائی سے ملنے کو آئی ہوں
اے آسماں زمیں پہ اب تک نہ تو گرا
وہ کعبۂ زمین و زماں قبلہ رو گرا
شاید نماز پڑھتے ہیں تیغوں کی چھاؤں میں
اے اہل قریہ بنت نبی کی مدد کو آؤ
سید کدھر ہے خون میں غلطاں مجھے بتاؤ
اے لوگو ہم مدینے کے رہنے والے ہیں
علم نبی کے شہر کا در ہے ہمارا گھر
تیغ خدا ہے حق کی سپر ہے ہمارا گھر
ہے ہے وہی بھرا ہوا گھر آج لٹ گیا
بیکس ہے داغ دیدہ ہے آفت نصیب ہے
اپنے وطن سے دور ہے مرتے قریب ہے
خادم یہ ہے تمھارے نبیؐ کے مزار کا

اے قبرِ مصطفیٰ کے مجاور ترے نثار
اے بیکس و غریب و مسافر ترے نثار

اے تشنہ کام و صابر و شاکر ترے نثار
اے دینِ حق کے حامی و ناصر ترے نثار

آئے تھے کربلا میں شہادت کے واسطے
اک دن میں گھر لٹا دیا امت کے واسطے

صدقے میں تیری لاش کے اے گلبدن حسینؑ
اے تشنہ لب حسینؑ غریب الوطن حسینؑ

اے جانِ طلب حسینؑ امامِ زمن حسینؑ
اے فاقہ کش حسینؑ اسیرِ محن حسینؑ

پیاسے گلے پہ خنجرِ شمرِ لعیں چلا
پانی بھی مرتے وقت ملا یا نہیں ملا

شہ کے کراہنے کی جو آنے لگی صدا
دوڑی ادھر نبی کی نواسی برہنہ پا

دیکھا بہن نے بھائی کا کٹتے ہوئے گلا
غم سے کلیجہ پھٹ گیا زہرا کی جائی کا

آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے گری بنت مرتضیٰ
اُس نے جو دیکھا نیزے پہ سر اپنے بھائی کا

بس اے انیسؔ قلب و جگر کو نہیں قرار
آگے نہ لکھ مصیبتِ شبیرِ نامدار

یہ بزم اور یہ آج کا پڑھنا ہو یادگار
رعشہ ہو دست و پا میں لرزتا ہو جسمِ زار

وہ یوں پڑھے جسے نہ ہو طاقت کلام کی
شائستہ ہے حسینؑ علیہ السلام کی

رباعیات

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں بنے قاسم نے
دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

کس غم میں یہ لذت ہو جو اس غم میں ہو
سینے کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر درِ اشک
رونے کا مزہ ماہِ محرم میں ہے

۲۷

۱۶۸
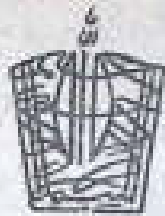
کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا
کیا درد ہے جز دل کوئی محرم نہیں جس کا
کیا داغ ہے جلنا کوئی دم کم نہیں جس کا
کیا غم ہے کہ آخر کبھی ماتم نہیں جس کا
کس داغ میں صدمہ ہے فراقِ دل و جاں کا
وہ داغ ضعیفی میں ہے فرزند جواں کا

جب باغِ جہاں اکبرِ ذی جاہ سے چھوٹا
پیری میں برابر کا پسر شاہ سے چھوٹا
فرزند جواں ابنِ ید اللہ سے چھوٹا
کیا اخترِ خورشید لقا ماہ سے چھوٹا
تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبیرؑ
ناموس میں ماتم ہے کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

ہے ہے علی اکبرؑ کا ادھر شور تھا گھر میں
اندھیر تھی دنیا شہِ والا کی نظر میں
فرماتے تھے سوزش ہو عجب داغِ پسر میں
اٹھتا ہے دھواں آگ بھڑکتی ہے جگر میں
پیغامِ اجل اکبرِ ناشاد کا غم ہے
عاجز ہے بشر جس سے وہ اولاد کا غم ہے

ان گیسوؤں والے کے بچھڑ جانے نے مارا
افسوس بڑھا ضعف گھٹا زور ہمارا
دنیا میں محمدؐ کا یہ ماتم ہے دوبارا
عالم ہے عجب جانِ جہاں آج سدھارا
صیاد بھی ہنسیں لاشۂ فرزندِ حسیں پر
کس عرش کے تارے کو سلا آئے زمیں پر

پیری پہ مری رحم کر اے خالقِ ذوالمنن
ملے جلد ہوا اب مرا حلق خنجر و گردن
قتلِ علی اکبرؑ کی خوشی کرتے ہیں دشمن
تجھ پر مرے اندوہ کا سب حال ہے روشن
مظلوم ہوں مجبور ہوں مجروح جگر ہوں
تو صبر عطا کر مجھے یارب کہ بشر ہوں

پھر لاشۂ اکبر نظر آئے تو نہ روؤں
برچھی جو کلیجے میں در آئے تو نہ روؤں
دل دردِ محبت سے بھر آئے تو نہ روؤں
سو بار جو منہ تک جگر آئے تو نہ روؤں
شکوہ نہ زباں سے غمِ اولاد میں نکلے
دم تن سے جو نکلے تو تری یاد میں نکلے

اک عمر کی دولت تھی جسے ہاتھ سے کھویا
ہر وقت رہا میں تری خوشنودی کا جویا
پالا جسے گودی میں وہ یوں خاک پہ سویا
میں لاش پہ بھی خوف سے تیرے نہیں رویا
قسمت نے جوانوں کو سبکدوش کیا ہے
مجھ کو تو اجل نے بھی فراموش کیا ہے

اس حال سے روتے ہوئے داخل ہوئے گھر میں
زخمی تنِ انور کی قبا خونِ پسر میں
سوزش دل پر داغ میں تھی درد جگر میں
خم آگیا تھا بارِ مصیبت سے کمر میں
پنہاں تھا جو فرزند جگر بند نگہ سے
سوئی زنِ انور پہ ٹپکتے تھے مژہ سے

بانو سے کہا رو کے خوشا حال تمہارا
صرف رہِ معبود ہوا مال تمہارا
مقبول ہوئی نذر یہ اقبال تمہارا
سجدے کرو پروان چڑھا لال تمہارا
دل خون ہے کلیجے پہ سناں کھا کے پھرے ہیں
ہم اس کی امانت اسے پہنچا کے پھرے ہیں

جیتے بھی تو آخر علی اکبر کبھی مرتے
گر بیاہ بھی ہوتا تو زمانے گزرتے
سینے سے کلیجے کو جدا ہم جو نہ کرتے
بگڑے ہوئے امت کے نہ پھر کام سنورتے
گر حلق سے اس شیر کے شمشیر نہ ملتی
یہ جبر نہ ہاتھ آتا یہ توقیر نہ ملتی

اکبر نے تو جاں اپنی جوانی میں گنوائی
تھی کون سی ایذا جو نہ اس لال نے پائی
افسوس کہ پیری میں ہمیں موت نہ آئی
تلوار نہ سر پر نہ سناں سینے پہ کھائی
غم کھائیں گے خونِ دلِ مجروح پئیں گے
کیا زور ہے جب تک وہ جلائے گا جئیں گے

دستور ہے مرتا ہے پدر آگے پسر کے
پہلے وہ اٹھے تھامنے والے تھے جو گھر کے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو پدر کے
افسوس لحد بھی نہ ملے گی ہمیں مر کے
گر نیزے پہ اور دشت میں تن ہوگا ہمارا
خاک اڑ کے پڑے گی یہ کفن ہوگا ہمارا

زینب سے کہا رخت کہن لاؤ تو پہنیں
ملبوسِ شہنشاہِ زمن لاؤ تو پہنیں
موت آگئی اب سر پہ کفن لاؤ تو پہنیں
کپڑے جو پھٹے ہوں وہ بہن لاؤ تو پہنیں
کٹ کے جو تن وادیٔ پرخار میں رہ جائے
شاید یہی پوشاک تنِ زار میں رہ جائے

اللہ نے بچپن میں مرے ناز اٹھائے — طفلی میں کسی نے شرف ایسے نہیں پائے
عریاں تھا کہ جبریل امیں عرش سے آئے — فردوس سے حلّے مرے پہنانے کو لائے
بیکس ہوں دل افگار ہوں آوارہ وطن ہوں — میں ہوں وہی شبیر کہ محتاج کفن ہوں

ناشاد بہن پاؤں پہ گر کر یہ پکاری — ماں جائے برادر تری غربت کے میں واری
بن بھائی کے ہوتی ہے یہ اللہ کی پیاری — گھر لٹ گیا کیونکر نہ کروں گریہ و زاری
رونے کو نجف تک بھی کھلے سر نہ گئی ہیں — خالی یہ بھرا گھر ہوا اور مر نہ گئی میں

بچپن تھا کہ اماں سے ہوئی پہلے جدائی — نانا کے لیے ماتمی صف میں نے بچھائی
روتی تھی پدر کو کہ سفر کر گئے بھائی — یثرب بھی چھٹا دیس سے پردیس میں آئی
غم دیکھوں بڑے بھائی کا ماں باپ کو روؤں — قسمت میں یہ لکھا تھا کہ میں آپ کو روؤں

فرمایا کہ دنیا میں نہیں موت سے چارا — رہ جاتے ہیں ماں باپ بچھڑ جاتا ہے پیارا
بھیجا علی اکبر تھا کسی کو بھی گوارا — وہ مر گئے اور کچھ نہ چلا زور ہمارا
دیکھا جسے آباد وہ گھر خاک بھی دیکھو — اب خانۂ پنجتن پاک بھی دیکھو

کس کس کی نہ دولت پہ زوال آ گیا زینب — پابند رضا تھا تو شرف پا گیا زینب
دنیا سے گیا جو تن تنہا گیا زینب — کھلتا نہیں وہ پھول جو مرجھا گیا زینب
جو منزل ہستی سے گیا پھر نہیں ملتا — یہ راہ وہ ہے جس کا مسافر نہیں ملتا

میں کون ہوں اک تشنہ لب بیکس و محتاج — بندہ تھا خدا کا سو ہوا ہوں میں طلب آج
وہ کیا ہوئے جو لوگ تھے کونین کے سرتاج — نے حیدر کرار ہیں نے صاحب معراج
کچھ پیٹنے رونے سے نہ ہاتھ آئے گا زینب — آیا ہے جو اس دہر میں وہ جائے گا زینب

کس طرح وہ بیکس نہ اجل کا ہو طلبگار — ناصر نہ ہو جس کا کوئی دنیا میں نہ غمخوار
اک جان حزیں لاکھ مصیبت میں گرفتار — اکبر ہیں نہ قاسم ہیں نہ عباس علمدار
کوشش ہے کہ سجدہ تہ شمشیر ادا ہو — تنہائی کا مرنا ہے خدا جانیے کیا ہو

قاتل جو چھری خشک گلے پہ مرے پھیرے — خالص رہے نیت کوئی تدبیر نہ گھیرے
کٹتے ہیں رگوں کے یہ سخن لب پہ ہو میرے — قربان حسین ابن علی نام پہ تیرے
بہنوں کی نہ ہو فکر نہ بچوں کی خبر ہو — اس صبر سے سر دوں کہ مہم عشق کی سر

فرما کے یہ ہتھیار سجے آپ نے تن پر
احمد کی قبا آپ نے پہنی جو کفن پر
عنبر سی خوشبو تنِ محبوبِ خدا کی
وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ
وہ زرد عبا نور کی وہ نور کا جامہ
کپڑے تنِ گلرنگ کی خوشبو سے بسے تھے
شمشیرِ یداللہ لگائی جو کمر سے
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے آپ جو گھر سے
اس غل میں جدا شہ سے نہ ہوتی تھی سکینہؑ
شہ کہتے تھے بی بی ہمیں رو رو کے نہ رلاؤ
وہ کہتی تھی ہمراہ مجھے لو تو جاؤ
نیند آئے گی جب آپ کی بو پاؤں گی بابا
فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغر
شب ہوئے گی اور دشت میں ہم ہوئیں گے بی بی
وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
اچھا نہ اگر کیجئے جلد آنے کا اقرار
کیسی ہیں یہ باتیں مرا دل روتا ہے بابا
اصغر کبھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں سوئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے
بیٹھے رہیں شہ زندہ کہ سب لخت جگر ہیں
شہ کہتے تھے صدمہ دلِ مضطر پہ ہے بی بی
اعدا کا یورش سبطِ پیمبر پہ ہے بی بی
چھوٹے نہ وہ جو جب کا جاوہ ہے سکینہؑ

غل پڑ گیا بس شاہِ شہدا چڑھتے ہیں رن پر
پیدا ہوا اک جلوۂ رحمت گلبن پر
پھولوں کی مہک آ گئی کلیوں سے قبا کی
تعریف میں خود جس کی سر افگندہ ہو خامہ
برسوں جو لکھیں ختم نہ ہو مدح کا نامہ
ڈالی کمر امت کی شفاعت پہ کسے تھے
سر پیٹ کے زینبؑ نے ردا پھینک دی سر سے
بچوں کی طرف تکتے تھے حسرت کی نظر سے
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو روتی تھی سکینہؑ
پھر پیار کریں ہم تمہیں منہ آگے تو لاؤ
میں کیا کروں میداں میں اگر جلکے نہ آؤ
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا
چھاتی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر
فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پر
اصغر مرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی
میں آپ کے بن روؤں گی نہ اب ایسے ابرار
مر جائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا
بہلایا اماں نے اگر چہ تک کے روئے
یہ پیار ہو جس پر اسے یوں ہاتھ سے کھوئے
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسر ہیں
ہفتم سے تباہی مرے سب گھر پہ ہے بی بی
جس نے تمہیں پیدا کیا وہ سر پہ ہے بی بی
ماں باپ سے پیارا اس کا زیادہ ہے سکینہؑ

لو روؤ نہ اب صبر کرو باپ کی جانی
کچھ دیتی ہو عباس کو پیغام زبانی
اُودے ہیں لب لعل یہ ہو تشنہ دہانی
ملتا ہے تو بی بی کے لئے لاتے ہیں پانی
محبوب الٰہی کے نواسے ہیں سکینہ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہ

دنیا ہو یہ شادی ہے کبھی اور کبھی آلام
راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
یکساں نہیں ہوتا کبھی آغاز کا انجام
وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس چھاتی پہ آرام
منہ ڈھک کے نہ اب رات کو رویا کرو بی بی
جب ہم نہ ہوں تم خاک پہ سویا کرو بی بی

سمجھا کے چلے آپ سکینہ کو غش آیا
غل تھا کہ اٹھا سر سے شہنشاہ کا سایا
ڈیوڑھی سے جو نکلا اسد اللہ کا جایا
رہوار پہ یک سیر کو روتا ہوا پایا
کس عالم تنہائی میں شبیر کا سفر تھا
بھائی نہ بھتیجا نہ ملازم نہ پسر تھا

سائے کی طرح جو نہ جدا ہوتی تھی دم بھر
وہ رات کی جاگی ہوئی سوتی تھی زمیں پر
گردوں کی طرف دیکھ کے فرماتے تھے سرور
تو سر پہ ہے تنہا نہیں فرزند پیمبر
کچھ کام نہ اس بے کس و ناشاد سے ہوگا
جو ہوگا وہ مولا تری امداد سے ہوگا

فرما کے یہ مولا جو قریب فرس آئے
نصرت کو صفیں باندھے ملک پیش و پس آئے
فریاد کناں جن بھی مثال جرس آئے
جنگل سے بڑھے پانچ جو دستے تو وحش آئے
ڈھالیں لئے سب ہاتھوں کو قبضوں پہ دھرے تھے
لشکر سے جنوں کے بھی کئی دشت بھرے تھے

تھی قوم پری جان بھی سرداری کو حاضر
فوجوں کے طلائے تھے خبرداری کو حاضر
لشکر تھا فرشتوں کا جگرداری کو حاضر
جبریل تھے خود غاشیہ برداری کو حاضر
تولے ہوئے نیزوں کو لڑائی پہ تلے تھے
رہوار تو ابلق تھے علم سبز کھلے تھے

اصرار کیا سب نے پہ حضرت نے نہ مانا
جز حق مدد غیر کو رد کرتے ہیں دانا
وہ شاہ کہ جس کے ید قدرت میں زمانا
کون آیا گیا کون یہ مطلق بھی نہ جانا
بندہ وہی بندہ ہے جو راضی ہو رضا پر
اوروں سے اسے کیا ہے تکیہ ہو خدا پر

کی عرض ملائک نے کہ یا شیر ابرار
ہم آپ کے نانا کی مدد کرتے تھے ہر بار
فرمایا وہ خواہاں تھے کہ مغلوب ہوں کفار
ہیں اپنی شہادت کے خدا سے ہم طلبگار
عباس آج ہماری کسی صورت نہ بچے گی
بالفرض بچا میں تو پھر اُمت نہ بچے گی

جعفر نے یہ کی عرض بصد اشک فشانی
کچھ کام تو لے اے اسد اللہ کے جانی
دریا جو خود آئے گا تو لب تر نہ کروں گا

جس وقت فلک پر ہو عیاں ماہِ محرم
جو بی بیاں ہیں روئیں گھروں میں مجھے باہم
سب پیر و جواں روئیں یہ انجام ہو میرا

دنیا میں مرے گا جو کسی شخص کا بھائی
جان اپنی بھتیجے نے کسی سے جو گنوائی
اولاد کا ماتم جسے ناشاد کرے گا

دس روز شب و روز ہو غل ہائے حسینا
زخم تبر و تیر و سناں کھائے حسینا
جب پانی پئیں اشک فشانی کو نہ بھولیں

زینب نے پکارا مرے ماں جائے برادر
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر
غش آئے گا دو گام پیادہ جو بڑھو گے

حضرت نے صدا دی کہ نہ خواہر نکلنا
للہ بہن کھولے ہوئے سر نہ نکلنا
کیا تم نے کہا دل مرا الٹا گیا زینب

رخصت ہوئے روتے ہوئے سارے ملک جن
آفت کا وہ تھا وقت قیامت کا وہ تھا دن
عباس کے حلقے جو لعیں دیکھ چکے تھے

وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
وہ گرد کا نقشہ میں شق لوؤں کا وہ چلنا
گرمی سے فرس میں بھی نہ وہ تیز تگی تھی

ہو حکم تو لے آؤں ابھی نہر سے پانی
فرمایا کہ مطلق نہیں اب تشنہ دہانی
اس تشنہ دہی کا تو ذرا سا ہوں تو پیاسا ہی مروں گا

ہر تعزیے خانے میں بپا ہو مرا ماتم
گھروں میں یہ ہو شور کہ ہے ہے شہِ عالم
مظلوم حسین ابن علی نام ہو میرا

یاد آئے گی عباس کی اور میری جدائی
روئے گا کہ قاسم نے سناں سینے پہ کھائی
اکبر سے جواں مرنے کو وہ یاد کرے گا

صدقے ترے اے فاطمہ کے جائے حسینا
سب پانی پئیں اور وہ تو پیاسے حسینا
بچے بھی مری تشنہ دہانی کو نہ بھولیں

ناشاد بہن لینے رکاب آئے برادر
صدقے ہو بہن گر نہیں پھر پائے برادر
اس ضعف میں رہوار پہ کس طرح چڑھو گے

جب تک کہ میں زندہ رہوں باہر نہ نکلنا
سر کھول کے کیا اوڑھ کے چادر نہ نکلنا
بھائی کی مناجات میں فرق آ گیا زینب

گھوڑے پہ چڑھا تھم کے وہ کونین کا محسن
سایا نہ کسی جا تھا نہ پانی کہیں ممکن
دریا بھی نظر بند تھا یوں گھاٹ رکے تھے

وہ گرم زرہ اور وہ ہتھیاروں کا جلنا
وہ بن میں پہاڑوں سے شراروں کا نکلنا
پیاسے تھے حسین آگ زمانے کو لگی تھی

فوجوں کے برابر جو شہِ بحر و بر آئے
غصے میں جو کھنچتے ہوئے ابرو نظر آئے
حسنِ خمِ ابرو تھا دو بالا مہِ نو سے
چہرہ وہ کہ رضواں کو دکھائے چمن ایسے
لب بند ہوئے جاتے ہیں غنچہ دہن ایسے
قرآن نہ اتر آتا تو قرأت بھی نہ ہوتی
منظورِ نظر گیسو و رخسارۂ تاباں
ہالے میں قمر گیسو و رخسارۂ تاباں
دیکھے نہ کبھی نورِ سحر دیکھ کے ان کو
آئینہ کا کیا منہ جو جبیں سے ہو مقابل
حیدر پہ تکلف صافیہ ہو جیب میں داخل
ہمسر ہوں وہ کیوں کر کوئی نسبت نہیں جن کو
آراستہ لشکر ہے اُدھر تلتے ہیں بھالے
بر کیش ہیں واں تیروں کو ترکش سے نکالے
خنجر وہ کلیجے پہ جو زہر کے بجھے ہیں
تلواریں لیے دشمنِ جاں ایک طرف ہیں
تیر ایک طرف گرز گراں ایک طرف ہیں
سر کٹنے کا دھڑکا نہیں وسواس نہیں ہے
بے سایہ جو ہے لاشۂ ہم شکلِ پیمبر
وا حسرت و دردا کہ نہیں لاش پہ چادر
تنہا جو وہ سادات ہزاروں سے لڑا ہو
فرماتے ہیں گرمی کی سبب اب مجھ کو نہیں تاب
مرجھائے ہیں اب باغِ علی کے گلِ شاداب
صابر ہوں میں ایسا ہی کہ غش آ نہیں جاتا

اللہ ری تمازت کہ پسینے میں تر آئے
غل تھا کہ علی تول کے تیغ دو سر آئے
چہرے میں زیادہ تھی ضیا مہر کی ضو سے
جنت کے گلستاں میں نہیں گلبدن ایسے
ہے شور جہاں میں نمک ایسا سخن ایسے
یہ خلق نہ ہوتے تو فصاحت بھی نہ ہوتی
ظلمت کی سحر گیسو و رخسارۂ تاباں
مشک و گلِ تر گیسو و رخسارۂ تاباں
دو راتوں میں دو چاند نظر آتے ہیں دن کو
مہتاب کہوں گر تو وہ ناقص ہے یہ کامل
خورشید بھی اصلاً نہیں تشبیہ کے قابل
یہ رات کو پیشانی سے محجوب وہ دن کو
قبضوں پہ ہیں چالاک جواں ہاتھوں کو ڈالے
فوجوں پہ تو فوجیں ہیں رسالوں پہ رسالے
شاہِ شہدا قلعۂ آہن میں گھرے ہیں
گھوڑے پہ شہِ کون و مکاں ایک طرف ہیں
آپ ایک طرف لاکھ جواں ایک طرف ہیں
فوجوں سے وغا اور کوئی پاس نہیں ہے
بکھرے ہوئے ہیں دھوپ میں زخمِ تنِ انور
سوتے ہیں لبِ نہر علمدار دلاور
مارا ہوا اک شیر ترائی میں پڑا ہے
ہیں تین شب و روز سے جنگل میں بے آب
کیوں کر وہ جیے جس سے بچھڑ جائیں یہ احباب
ان بھیڑوں کو اس دھوپ میں دیکھا نہیں جاتا

اتنی مجھے مہلت دو کہ قبریں تو بناؤں
سیّد انھیں سے بہر کفن چادریں لاؤں
اس خاک میں ان چاند سے ٹکڑوں کو چھپاؤں
یہ دفن ہوں میں قبر نہ پاؤں تو نہ پاؤں
قطرہ کوئی اس نہر کا پیاسے کو نہ دینا
تم نے بھی محمدؐ کے نواسے کو نہ دینا

کیا ان سے عداوت جو گئے دار فنا سے
کوتاہ ہیں چلنے سے قدم ہاتھ دغا سے
مطلب انھیں دریا سے نہ کچھ سر و ہوا سے
رحم ان کا طریقہ ہے جو ڈرتے ہیں خدا سے
مہماں تھے لڑے بھی تو یہ سب حق پہ لڑے ہیں
آخر یہ بشر ہیں کہ جو بے گور پڑے ہیں

مرتا ہے مسافر کبھی بستی میں کوئی گر
سب لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں مل کر
قرآں کوئی پڑھتا ہو کہ بے کس تھا یہ بے پر
لے آتا ہے تربت پہ کوئی پھولوں کی چادر
غم کرتے ہیں سب فاتحہ خوانی میں سوم کو
سیّد ہیں یہ اور شرم نہیں آتی ہے تم کو

اس میں کئی بچے تھے کہ ٹکڑے تھے جگر کے
نازک ہیں صباحت میں زیادہ گل تر سے
افتادہ ہیں اس دھوپ میں یہ تیغ و سپر سے
پوچھے کوئی یہ درد و الم میرے جگر سے
زخمی ہیں کہ تلواروں میں دم لے نہیں سکتے
زندہ ہوں میں اور ان کو کفن دے نہیں سکتا

یہ سن کے پکارا پسر سعد بد افعال
کیا کفن اور کیسی لحد فاطمہؑ کے لال
اکبر ہوں کہ ہوں قاسم و عباس خوش اقبال
ہم گھوڑوں کی ٹاپوں سے کریں گے انھیں پامال
سینوں پہ گل زخم ابھی اور کھلیں گے
سجّاد کو ٹکڑے بھی نہ لاشوں کے ملیں گے

حضرت نے کہا دور ہو او ظالم مردود!
اللہ شہیدوں کی حفاظت کو ہے موجود
یہ وہ ہیں کہ زہراؑ و نبیؐ جن سے ہیں خوشنود
ہر لاش کو گھیرے ہوئے ہے رحمت معبود
قبروں میں بھی جنت کے چمن ان کو ملیں گے
فردوس کے حلّوں کے کفن ان کو ملیں گے

میں دیر سے آمادہ ہوں تلوار کو تولے
کہتا ہے کہ علم فوج صفیں باندھ کے کھولے!
ماروں انھیں بیہوش ہیں کچھ دل کے پھپھولے
گر تن سے اڑا دوں کوئی اٹھنے سے جو بولے
آرام سفر کر گیا راحت نہیں باقی
پڑھتا ہوں کہ بس اب کوئی حجت نہیں باقی

یہ فوج ہے کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں
کیا ڈر انھیں بچپن میں جو تلواروں سے کھیلیں
الٹیں صفت کاہ اگر کوہ کو ریلیں
کوفہ تو ہو کیا شام کو اور روم کو لے لیں
چاہیں تو زمیں کے ابھی ساتوں طبق الٹیں
یوں الٹیں کہ جس طرح ہوا سے ورق الٹیں

کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں گنبدِ گرداں
ہم آج ہیں عالم میں قضا فہم و قدرداں
کس امر میں تقلیدِ محمدؐ نہیں کرتے
اللہ نے کونین کی شاہی ہمیں دی ہے
ہم میں بھی وہی دل وہی شوکت وہی جی ہے
سر تن سے کٹے جب تو مہم جنگ کی سر ہے
ہم دولتِ دنیا کبھی گھر میں نہیں رکھتے
رکھتے ہیں قدم خیر میں شر میں نہیں رکھتے
خلد رہِ معبود و حق و کسر ہے ہمارا
شہر اس کی تپ و تاب سے ویرانے ہوئے ہیں
منھ وہ ہے کہ تلواروں میں دندانے پڑے ہیں
کر دیتی ہے شق دشمنِ ایماں کے دلوں کو
برباد اسی تیغ سے سرکش کے ہوئے ہیں
عاجز ہے زرہ خود بھی سر جھکے ہوئے ہیں
باعث یہ نہ ہوتا تو سپر آرام نہ لیتے
مشہور جہاں عمرو و علیؑ کی ہے لڑائی
خندق کے ادھر کٹتے ہی تلوار جو کھائی
لاشے کا ادھر ڈھیر سرِ نحس ادھر تھا
کب میان سے شمشیر دو سر کی نہیں ہم نے
جب تک کہ زمیں خون سے بھر لی نہیں ہم نے
شمشیر و سپر بعدِ ظفر کھولتے ہیں ہم
بیضا ہم قضا تیغ ید اللہ کو جانو
بینائی ہو تو کوہِ گراں کاہ کو جانو
انگشت سے حلقے کو مروڑا ہے علیؑ نے

نہ ورقہ ہیں اک جزوِ کتابِ شہِ مرداں
حق بیں و حق آگاہ و سخن سنج و سخنداں
فاقوں میں سوالِ فقرا رد نہیں کرتے
امداد رسولوں کی مرے باپ نے کی ہے
سر بر سے ہیں جب تیغِ علیؑ میاں لی ہے
مر جائیے بے عزت یہ بہادر کی ظفر ہے
توقیر زر و مال نظر میں نہیں رکھتے
کچھ اور بجز تیغ کمر میں نہیں رکھتے
زیور رہے ہیں اور یہی زر ہے ہمارا
جب چمکی ہے یہ دیو بھی دیوانے ہوئے ہیں
لوہا وہ کہ جبریل جسے ملتے ہوئے ہیں
چڑھ آتی ہے تپ اس کے غزا روح جنوں کو
جاں بر جو ہوئے بھاگ گئے یا ہٹ کے اٹھے ہیں
اب تک پر جبریلِ امیں ٹکتے ہوئے ہیں
تھا خاتمہ گر ہاتھ علیؑ تھام نہ لیتے
زور اس کا کہ یہ دیو نے قوت نہیں پائی
گویا تھی ہمیشہ سے تن و سر میں جدائی
خندق کو جو دیکھو تو ہوتا یہ کہ تھا
لڑنے میں کبھی منہ پہ سپر لی نہیں ہم نے
کچھ اپنے سر و تن کی خبر لی نہیں ہم نے
جب صاف ہو میداں تو کمر کھولتے ہیں ہم
ہمت کا علیؑ فاطمہؑ کے ماہ کو جانو
عاجز نہ کبھی بندۂ اللہ کو جانو
خیبر کا در اک ہاتھ سے توڑا ہے علیؑ نے

اللہ رے زہد یہ پاکیزہ و طاہر
کھاتے تھے سدا نانِ جویں خلق سے باہر
اسبابِ شہنشاہِ دو عالم یہی بس تھا
بھاتا تھا شریکِ فقرا شاہ کو ہونا
ہے یاد نہیں بوریئے پر راتوں کو سونا
اک ریزۂ زر خانۂ حیدر سے نہ نکلا
پانی بھی نمک کوثر و تسنیم کا لائے
پیوند پہ پیوند جو ملبوس میں پائے
جو کچھ تھا وہ قبل اپنے شہنشاہ نے بھیجا
اللہ ہے عالم کو یہی خیال ہے میرا
یہ گوہر و یاقوت ہیں یہ لعل ہے میرا
آرام یہیں از رنج و محن بھی نہ ملے گا
ہم اپنے جو لشکر کے پرے تم کو دکھائیں
جرار کبھی تاب ٹھہرنے کی نہ لائیں
منظور ملائک کی جو امداد کروں میں
میں نے تو بھرے گھر کو تمھارے لیے چھوڑا
اس قبرِ منور کو تمھارے لیے چھوڑا
سنے ان کے نہ پہلو میں تڑپے بھائی کے جاہو
سچ ہے سخنِ حق میں عجب ہوتی ہے تاثیر
مولا نے سنبھل کر جو رکھی دوش پہ شمشیر
اک حشر بپا ہوگا جو یہ شیر لڑے گا
نقارۂ رزمی پہ پڑی چوب یکایک
تلواریں کھنچیں زہر میں سر ڈوب یکایک
رحم آیا نہ حسّاد کو دلی ابن ولی پر

آثار اذا زلزلت الارض سے تھے ظاہر
کچھ زر نہ سماتا تھا نظر میں نہ جواہر
قرآن تھا یہ تلوار تھی بس ایک فرس تھا
بھولا نہیں راتوں کو مناجات میں رونا
بستر تھا وہی دن کا وہی شب کا بچھونا
دنیا سے اٹھے جب تو کفن گھر سے نہ نکلا
جبریل امیں عرش سے روتے ہوئے آئے
سر پیٹ کے ہم بھائیوں نے اشک بہائے
کافور نبی نے کفن اللہ نے بھیجا
ریتی پہ پڑا ہے جو زر و مال ہے میرا
اس دشت میں جو مال ہے پامال ہو میرا
مجھ کو تو کوئی روز کفن بھی نہ ملے گا
تم کیا ہو نبی جان کی جانیں ابھی جائیں
مر جائیں ہزاروں تو ہزاروں کو غش آئیں
اک اپنے لیے لاکھوں کو برباد کروں میں
دربارِ پیمبر کو تمھارے لیے چھوڑا
بیماری میں دختر کو تمھارے لیے چھوڑا
قسمت میں یہ لکھا ہے مری قبر جدا ہو
تھرائے جگر رونے لگے فوج کے بے پیر
ہنس کر پسرِ سعد پکارا کہ چلیں تیر
سر خاک پہ لوٹیں گے بڑا کھیت پڑے گا
تھرانے لگا دشت پر آشوب یکایک
لشکر سے بڑھے فوج کے سرکوب یکایک
زغہ ہوا مظلوم حسین ابن علی پر

غل طبلوں کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
کالے وہ علم شام کے لشکر کی نشانی
اک تیر سے مرجانے میں عرصہ نہیں لگتا
تلوار اُدھر سید ابرار نے کھینچی
تصویرِ اجل برقِ شرربار نے کھینچی
گھبرا گئی صدمہ یہ ہوا گاؤ زمیں پر
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
چونک اُٹھے وہ سوتے تھے جو جاگے ہوئے شب کے
سردار قدم گاڑے تھے ہر چند زمیں پر
نعرہ کیا ضرغام شہ دیں نے کہ خبردار
صیحہ کیا جبرئیل امیں نے کہ خبردار
کھیتی نہیں پھر گرد یہ زد و کشت رہے گی
جنگل میں پہاڑوں کے جگر خوف سے کانپے
گھڑیال تھے پانی میں مگر خوف سے کانپے
گو قوتِ پرواز خدا داد تھی ان کو
چلاتے تھے ہر صف میں نقیبانِ جفاکیش
فرزندِ علی ہے یہ جگر خستہ و دل ریش
کوشش کی گھڑی جان لڑا دینے کا دن ہے
مولائے امم لشکرِ کینہ پہ آئے
گہ عمر پہ آئے تو کبھی زید پہ آئے
ہل چل تھی کہ طوفاں میں جہاز آتا ہو جیسے
سر گرنے لگے جسم سے چلنے لگی تلوار
افعی کی طرح زہر اگلنے لگی تلوار
پانی نے اثر زہر ہلاہل کا دکھایا

زہرے تھے جسے سن کے ہوئے جاتے تھے پانی
وہ تیر جگر دوز کمانیں وہ کیانی
رستم سے بھی جن کا کبھی چلہ نہیں کھنچتا
یا تیغِ دو سر حیدرِ کرار نے کھینچی
گردن طرفِ غار ہر اک مار نے کھینچی
سر رکھ دیے جھک جھک کے پہاڑوں نے زمیں پر
شیروں نے ترائی سے کنارہ کیا اب کے
دل ہل گئے رنگ اُڑ گئے کفارِ عرب کے
گر گر گئے کھل کھل کے کمربند زمیں پر
لشکر سے کہا شمرِ لعیں نے کہ خبردار
ماہی سے کہا گاؤ زمیں نے کہ خبردار
شانے میں مری ہوں گی نہ تری پشت رہے گی
گرنے لگے تھے یہ شجر خوف سے کانپے
تھے دور اولی اجنحہ پر خوف سے کانپے
رہ وادیٔ پر روح امیں یاد تھی ان کو
ہاں غازیو اس وقت بڑی جنگ ہے در پیش
سر کرتے ہیں سر سے کہ ہم کو ظفر اندیش
صفین کے کشتوں کا عوض لینے کا دن ہے
انبوہ عدا و حسد و سید پہ آئے
یوں آئے کہ جس طرح اسد صید پہ آئے
تیغ آتی تھی کنجشک پہ باز آتا ہے جیسے
جا در آئینے میں جا کے نکلنے لگی تلوار
پی پی کے لہو رنگ بدلنے لگی تلوار
ہر ضرب میں جلوہ حق و باطل کا دکھایا

ہر غول میں غل تھا یہ لڑائی ابھی نئی ہے
سر تن سے اترتے ہیں چڑھائی ابھی نئی ہے
چھپنے کی جگہ دامن صحرا میں نہیں ہے
تلواریں جو عاری ہیں تو بے آب سنانیں
اک منھ میں اسے حق نے جو دو دی ہیں زبانیں
مطلب تھا کہ اب دین کو کامل یہ کرے گی
بربادی ہوئی کفر کے لشکر کی اسی سے
کچھ چل نہ سکی مرحب و عنتر کی اسی سے
میدان ہر اک معرکے میں ہاتھ ہوا اس کے
جو سایۂ شمشیر ظفریاب میں آیا
فی الفور خلل زیست کے اسباب میں آیا
کچھ مطلب دل ہاتھ بھی اس سے نہ نکلا
جب مثل سموم آ کے نکل جاتی تھی بن سے
جو شیر تھے میدان کے ہرن بھاگ گئے رن سے
افعی نہ فقط ڈر کے دراڑوں میں چھپے تھے
اللہ رے مولا کی ہزاروں سے لڑائی
پرخاش پیادوں سے سواروں سے لڑائی
انبوہ میں سرگرم زد و کشت کہیں تھے
مقتل میں کوئی خاک پہ دم توڑ رہا تھا
ہٹ ہٹ کے کوئی دست ادب جوڑ رہا تھا
تلوار کے سائے سے ڈرے جاتے تھے اعدا
لاشیں تھیں بس دشت اک لاش پہ سر گرتے تھے سر پر
چار آئینے شانوں پہ کٹے تیر تبر پر
بے چلّے کماں گرز گراں پشت کے نیچے

رخسار سر و تن میں صفائی ابھی نئی ہے
یہ گھاٹ نیا ہے یہ ترائی ابھی نئی ہے
یہ باڑھ غضب کی کسی دریا میں نہیں ہے
بیکار کہیں میاں میں کمینوں کی کمانیں
اس رمز کو جو سیف زباں ہوں وہی جانیں
وہ شرک کو اور کفر کو باطل یہ کرے گی
گردن نہ بچی عمر سے خود سر کی اسی سے
چولیں ہوئیں ڈھیلی در خیبر کی اسی سے
جھنڈے کی طرح فتح و ظفر ساتھ ہوا اس کے
ماہی کی طرح موت کے قلاب میں آیا
جو آ گیا کاوے میں وہ گرداب میں آیا
دریا بھی دم تیغ کے دھارے سے نہ نکلا
پتوں کی طرح خاک پہ سر گرتے تھے تن سے
وحشی بھی چلے جاتے تھے بھاگے ہوئے بن سے
دب دب کے درندے بھی پہاڑوں میں چھپے تھے
فوجوں سے وغا ظلم شعاروں سے لڑائی
لشکر کی حدیں چار ہیں چاروں سے لڑائی
جو صف سے بڑھا تیغ بکف آپ ہی تھے
باقی کوئی ہستی کا چمن چھوڑ رہا تھا
گھوڑے کی ادھر باگ کوئی موڑ رہا تھا
بھاگا گر ہٹی کو لپس لپس کے ہٹے جاتے تھے اعدا
پاؤں پہ کبھی ہاتھ تو سینے تھے کمر پہ
خنجر تھے ابھی کے جو پھرے ان کے جگر پہ
تیغیں تہ گردن سپریں پشت کے نیچے

سیدھے جو نشاں تھے انھیں کیا تیغ نے الٹا
لشکر کا ورق وقتِ وغا تیغ نے الٹا
جو صاحبِ دفتر تھا وہ مقتل سے ہٹا تھا
چلاتے تھے گر گر کے یہ جن بیرِ الم کے
جل جاتے ہیں سامنے سے اسی برقِ دودم کے
ہے سیفِ خدا عرش سے تیغ اتری ہے ان کو
غالب کوئی ان پر کسی صورت نہیں رہتا
بے سر کے جو پابندِ اطاعت نہیں رہتا
حملوں سے یہ ہوتوں پہ اگر جان نہ لاتے
شیرِ اسدِ قلعہ شکن گونج رہا تھا
قرنا سے ادھر چرخِ کہن گونج رہا تھا
غل تھا کہ لہو خون سے گھٹ جانے کا دن ہے
کیا تیغ کی تعریف کرے کوئی زباں سے
واں قطعِ سخن خوب جو باہر ہو بیاں سے
یوں تیغ کبھی عرش سے اتری ہو کسی کو
سر کاٹ لیا فرق پہ جس حال میں پہنچی
مچھلی تھی کہ جوشن کے کبھی جال میں پہنچی
سمجھا یہ ہر اک برق گری دشمنِ دیں پر
اعضائے سوارانِ ستم بند جدا تھے
باپ ان سے جدا بیٹے فرزند جدا تھے
تنہا نہ سرِ اہلِ ستم کاٹ دیے تھے
اترا ہوا تھا جب تا بہ فلک جاتی تھی بجلی
جب بڑھتی تھی تلوار سرک جاتی تھی بجلی
گرجے ہیں یہ اس طرح مسلسل نہیں گرجے

اس صف کو بچا کر وہ پرا تیغ نے الٹا
گردن بھی الگ تھی جو گلا تیغ نے الٹا
جس فرد کے جھگڑے یہ نظر کی وہ جدا تھا
جانوں کو بچاؤ کہیں پھر تیغ نہ چمکے
رن پڑتا ہے رہتے ہیں یہ جب کھیت میں جم کے
جانیں وہی ان شیروں سے ہو سامنا جن کو
قائم قدمِ صاحبِ جرأت نہیں رہتا
کلمہ نہ پڑھے جو وہ سلامت نہیں رہتا
کافر تھے وہ جن جو وہاں ایمان نہ لاتے
جنبش تھی پہاڑوں کو یہ رن گونج رہا تھا
نعروں سے ادھر ظلم کا بن گونج رہا تھا
بجا گویا یہی گیتی کے الٹ جانے کا دن ہے
جن مانگیں اماں جان کی جس آن قضا ہے
دھوئی ہوئی کوثر میں زباں لائے کہاں سے
ہدیہ وہ خدا نے جسے بھیجا تھا علیؑ کو
چہرے پہ جو گھوڑے کے پڑی یال میں پہنچی
بیٹھے کے اڑانے کے لیے ڈھال میں پہنچی
بیخبر تو سپر میں تھا کلائی تھی زمیں پر
نیزے تھے تو کیا جسم کے سب بند جدا تھے
کیا وصل ہے پیوند سے پیوند جدا تھے
تلوار نے رشتے بھی بہم کاٹ دیے تھے
گرتی تھی سروں پر تو کڑک جاتی تھی بجلی
اس پار سے اس پار چمک جاتی تھی بجلی
نعرے گرہیں کر لیے کبھی بادل نہیں گرجے

شمشیر عدو کش کی ہوا کے وہ تھپیڑے
ڈوبے ہوئے تھے خون میں اس فوج کے بیڑے
گھوڑے کو بڑھانے کے لیے کیا کوئی چھیڑے
بوچھار سروں کی وہ لہو کے وہ تڑیڑے
ساون نہیں برسا ہے کہ بھادوں نہیں برسا
منھ برسا ہے ہر سال مگر یوں نہیں برسا

ڈھالوں کی گھٹا کا وہ اُدھر جھوم کے آنا
تلوار کی بجلی کا چمکتے ہوئے جانا
جنگل کی سیاہی تھی کہ تیرہ تھا زمانا
دریا کا گھٹا تھا کہ جیحوں کا دہانا
یوں سیل کبھی جانب صحرا نہیں آتی
ایسی کبھی برسات میں بہیا نہیں آتی

سب تھے سپر انداختہ تلوار کے آگے
دو چار کے پیچھے تھے تو دو چار کے آگے
یوں موت تھی اس صاعقہ کردار کے آگے
جس طرح پیادہ چلے اسوار کے آگے
غل تھا وہ ہرن کھیت سے جو آگے بڑھے ہیں
سر نذر کرو آپ لڑائی پہ چڑھے ہیں

تلوار ہیں ہزار دل ہیں پہ نایاب یہی ہے
بازوئے نصرت کا یہی آب یہی ہے
بجلی جسے کہتے ہیں وہ بیتاب یہی ہے
ہے باڑھ یہ دریائے تن آب یہی ہے
اس تال کو اس میل کو اس ساتھ کو دیکھو
تلوار کو کیا دیکھتے ہو ہاتھ کو دیکھو

ایسا ہے لڑائی کا چلن ہاتھ میں کس کے
ہے زور شہ قلعہ شکن ہاتھ میں کس کے
دیکھا ہے یہ بے ساختہ پن ہاتھ میں کس کے
یہ کاٹ یہ گردش ہو یہ گُن ہاتھ میں کس کے
تلوار تو کیا انگلیاں وہ تیغ دو سر ہیں
ہاتھوں کی لکیریں نہیں تو یہ ظفر ہیں

بجھ بجھ گئے بجلی سی چمک کر جدھر آئی
جل جل گئے شعلہ سی لپک کر جدھر آئی
کٹ کٹ گئے سینے سے سرک کر جدھر آئی
مر مر گئے مقتل میں چمک کر جدھر آئی
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی پری تھی
جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی

سہمے ہوئے تھے مار سیہ کنڈلیاں مارے
ہرنوں میں تھے جو شیر تو چیتوں میں بچارے
غل تھا کہ جلا دیں گے جہاں کو یہ شرارے
دنیا کی تباہی کے یہ انداز ہیں سارے
تلوار کے پانی سے یہ آتش زدگی ہے
مسکن سے چلو آگ بیاباں میں لگی ہے

ڈوبا تھا کوئی اور کوئی خون میں تر تھا
ہر نخل قد اس معرکے میں زیر و زبر تھا
ڈھالیں تھیں نہ ساعد تھے نہ بازو تھے نہ سر تھا
پتی تھی نہ شاخیں تھیں نہ شجر تھا نہ ثمر تھا
یوں باغ کی رونق کبھی جاتے نہیں دیکھی
ایسی بھی خزاں آج تک آتے نہیں دیکھی

جو برچھیاں بے پھل تھیں خجالت سے گڑی تھیں
عاری تھیں وہ تلواروں سے تیغیں جو لڑی تھیں
ٹھیں کند سنانیں بھی جو نیزے میں گڑی تھیں
جوشن پہ بھی ایسی کبھی کڑیاں نہ پڑی تھیں
ریتی پہ کٹی ڈھالوں کا پشتارا ہوا تھا
ہر پارۂ چار آئینہ صد پارا ہوا تھا

ٹکڑے ہیں کمانیں تو قدر انداز کریں کیا
آفت کا نشانہ ہیں ستم ساز کریں کیا
بے تیر ہیں ترکش کا دہن باز کریں کیا
اڑ جائیں پر تیر تو پرواز کریں کیا
جب چلے بھی تو گوشوں کی طرح ساتھ نہیں ہیں
جس پاس کماں رہ گئی ہو ہاتھ نہیں ہیں

دم ایک جگہ ہے تو عتاب ایک جگہ ہے
اک جا ہے ظفر فتح کا باب ایک جگہ ہے
برق ایک جگہ ہے تو سحاب ایک جگہ ہے
حیرت کی ہے آتش و آب ایک جگہ ہے
وہ نار جسے خوں کی روانی نہ بجھائے
یہ آگ وہی ہے جسے پانی نہ بجھائے

جس فرق پہ یہ صاعقہ کردار گری ہے
سر تن سے گرا ہاتھ سے تلوار گری ہے
اک بار کہیں برقِ شرربار گری ہے
سو بار یہ اٹھی ہے تو سو بار گری ہے
ٹالے یہ بلا سر سے جو کوئی تو قدم لے
اتنی بھی تو مہلت نہیں ملتی ہے کہ دم لے

مولا سا کوئی سائفِ سیادت نہیں ہے
صف کون سی ایسی ہے کہ جو صاف نہیں ہے
دنیا میں عدالت نہیں انصاف نہیں ہے
ایسا تو کوئی قاف سے تا قاف نہیں ہے
دکھلا گئے جوہر تھے جو خالق کے ولی کے
نے قتبل لڑا یوں نہ کوئی بعد علی کے

اللہ ری لڑائی میں سبک تازی شبدیز
شہباز بھی ہے قائل جانبازی شبدیز
وہ سینہ وہ گردن وہ سرافرازی شبدیز
وہ آنکھ وہ چہرہ وہ خوش اندازی شبدیز
جس طرح خمیدہ رہتی ہے طاؤس کی گردن
گردن سے یوہیں جھکتی ہے طاؤس کی گردن

آہو جو کہوں اس کو تو آہو ہے چکارا
ساتھ اس کے ہما کو نہیں پرواز کا یارا
وہ نعل وہ ہر کیل وہ سم معرکہ آرا
ہیکل وہ پری سمجھے جسے آنکھ کا تارا
دیکھی ہے سموں میں کسی گھوڑے کے یہ خوبی
اک جا ہیں ستارے بھی قمر بھی مہ نو بھی

اللہ ری جانبازی شبدیز وغا میں
تلوار کے چلنے سے بھی تھا تیز وغا میں
دل کا تھا اشارا اسے مہمیز وغا میں
ہر نعل تھا شمشیر شرر ریز وغا میں
ہاتھ اس کے جدھر آئے اجل پا گئی اس کو
اک ٹاپ پڑی جس پہ زمیں کھا گئی اس کو

تلوار کے مانند نہ بھرتا تھا دم اس کا گردن وہ صبو سی وہ منکے کا خم اس کا
دریا سے روانی میں فزوں تر قدم اس کا کس طرح کرے وصفِ کمیت قلم اس کا
دوڑاؤں کہاں تک فرسِ ذہنِ رسا کو کہہ دو کسی شاعر نے جو باندھا ہو ہوا کو

غل تھا کہ چھلاوے میں یہ چھل بل نہیں دیکھی پھرتی ہوئی یوں آج تلک کل نہیں دیکھی
باریک یہ جلد اور یہ ہیکل نہیں دیکھی ایسی تو کبھی خواب میں محمل نہیں دیکھی
نازک ہے کہ مہمیز کی طاقت نہیں رکھتا ابریشمِ چینی پہ ملاحت نہیں رکھتا

جو رگ ہے عوض خوں کے وہ سرعت سے بھری ہے جلدی جو ہے سب جلد ہی جودت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے ابلی ہوئی ہر آنکھ شرارت سے بھری ہے
اڑ جاتا تھا برچھوں میں کل جست کا پا کر تلواروں کے پنجے سے نکل جاتا تھا آ کر

جس جا پہ پھرے برق کی واں جلوہ گری کیا چلنے میں ہوا کیا ہے نسیمِ سحری کیا
یاں اوج سعادت کا ہما کیا ہے پری کیا طاؤس ہے کیا نسر ہو کیا کبک دری کیا
راکب جو ذرا چھیڑ دے اس برق شیم کو سائے کو نہ وہ پائے نہ یہ گردِ قدم کو

اس صف کو الٹ کر ادھر آیا ادھر آیا فوجوں کو پلٹ کر ادھر آیا ادھر آیا
جوں شیر جھپٹ کر ادھر آیا ادھر آیا بجلی سا سٹک کر ادھر آیا ادھر آیا
تھمتا ہے چھلاوہ بھی مگر یہ نہیں تھمتا طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا

پامال نہ ہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے سُم تر نہ ہوں گر قلزمِ زخار پہ دوڑے
اس طرح رگِ ابرِ گہربار پہ دوڑے جس طرح کہ نغمے کی صدا تار پہ دوڑے
اغراق ہے یاں کچھ نہ تعلّی شعرا کی کافی ہے یہ تعریف کہ قدرت ہے خدا کی

اک ظالمِ شامی سپہ شوم سے نکلا غدار بڑے ٹھاٹھ بڑی دھوم سے نکلا
لڑنے کے لیے خاصۂ قیّوم سے نکلا کشتوں کا عوض لینے کو معصوم سے نکلا
دو بھائی بھی اس کے شہ والا سے لڑے تھے سر اُن کے کہیں جسم کہیں رن میں پڑے تھے

غصّے سے غضب سرخ تھیں خونخوار کی آنکھیں بجلی سے چمکتی تھیں نہ غدار کی آنکھیں
دیکھی جو نہ تھیں حیدرِ کرار کی آنکھیں مستِ مئے نخوت تھیں جفاکار کی آنکھیں
سر کاٹنے سردار کا سودا تھا یہ سر میں غصّہ کہ تہمتن نہ سماتا تھا نظر میں

لو غور سے چلتی ہوئی صمصام کو دیکھو
تیغ و سپرِ شاہِ خوش انجام کو دیکھو
قربان رُخِ تابانِ شہِ جن و بشر کے
منھ سُرخ ہے سب خاطرِ اقدس ہو جو برہم
ابرو میں ہے چلتی ہوئی تلوار کا عالم
تو دیکھ لو اُس صاحبِ شمشیر کی آنکھیں
دبتا ہے سپر کٹتا ہو گھٹتا ہو وہ ظالم
بڑھ آتے ہیں جب آپ تو ہٹتا ہو وہ ظالم
شمشیر کھنچے پہ چھری پھیرے ہوئے ہے
غل تھا کبھی دیکھی نہیں ردّ و بدل ایسی
اب ہو گی زمانے میں نہ جنگ و جدل ایسی
بل جسم میں کس ہاتھ میں تلوار میں جب ہے
جب چلتی ہے سن سے شرر اٹھتے ہیں ہوا میں
کاٹے ہوئے تیروں کے پر اڑتے ہیں ہوا میں
کچھ شبہ و تشکیک غلط اس پہ نہیں ہے
تلوار چمک کر ادھر آئی جو ادھر سے
جیسے کہ جھلم کھل گئی زنجیر کمر سے
دنیا سے اسے رشتۂ تقدیر نے کھویا
مولا کی طبیعت جو ذرا جوش پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی تو کبھی دوش پہ آئی
جانے کی جہاں سے خبر آتی ہے کسی کو
سر پہ جو پڑی تیغ جبیں سے اتر آئی
بڑھ کر کمر دشمنِ دیں سے اتر آئی
خود بھی نہ تنِ توسنِ چالاک سے نکلا

بے رونقی ظالمِ ناکام کو دیکھو
اعجاز ہے اک جا سحر و شام کو دیکھو
خورشید مبیں بیچ میں ہے شام و سحر کے
رخساروں پہ بل کھائے ہیں گیسوئے پُرخم
پتلی کا یہ ہے رعب کہ تھراتے ہیں ضیغم
غصّے میں نہ دیکھی ہوں اگر شیر کی آنکھیں
گھوڑے کے قریب آکے پلٹتا ہو وہ ظالم
رد ہوتا ہو جب وار تو کٹتا ہو وہ ظالم
بھاگے تو کدھر جائے اجل گھیرے ہوئے ہے
چلتی نہیں تلوار کبھی برمحل ایسی
ہاتھ ایسا زبردست تو برقِ اجل ایسی
سو سر کا جو دشمن ہو تو اک وار سے سب ہے
ذرّے بھی ادھر کے ادھر اڑتے ہیں ہوا میں
پرکالۂ قرصِ سپر اڑتے ہیں ہوا میں
اس ڈھال کے سو ٹکڑے ہیں خط اس پہ نہیں ہے
برسی تو زرہ گر گئی خود اڑ گیا سر سے
پہلو سے سپر بھاگی کلائی پہ سپر سے
دستانے کو بھی ہاتھ سے بے پر نے کھویا!
تلوار اجل بن کے زرہ پوش پہ آئی
آفت کمر و صدر و تن و توش پہ آئی
گرتی ہوئی بجلی نظر آتی ہے کسی کو
کیا ذکر جبیں صدرِ لعیں سے اتر آئی
کٹ کر بندِ کمر خانۂ زیں سے اتر آئی
بجلی سا چمکتا ہوا اچپل خاک سے نکلا

تکبیر کا نعرہ جو کیا آپ نے تن کے
صاف آئی صدا تیغ سے یہ چرخ کہن کے

اے بخت جگر بادشہ قلعہ شکن کے
روتے ہیں یونہی فوج سے جو شیر ہیں بن کے

تو صبر میں اوّل ہے خوش انجام ہے شبیر
اب سجدے میں جھک عصر کا ہنگام ہے شبیر

سن کر یہ صدا آپ نے تلوار کو روکا
تلوار کو کیا برق شرربار کو روکا

بے چین تھا یہ اسپ وفادار کو روکا
گردوں کی طرف دیکھ کے رہوار کو روکا

فرمایا کہ جینے سے دل اب تنگ ہو گھوڑے
تھم جا کہ بس اب خاتمۂ جنگ ہو گھوڑے

اب سینے کو وقفِ تبر و تیر کریں گے
اب طاعتِ معبود کی تدبیر کریں گے

اب عصر کی نیت میں نہ تاخیر کریں گے
اب سجدۂ باری تہِ شمشیر کریں گے

ایذا ہو کہ دکھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
سر دے کے بس اب جائیں گے درگاہِ خدا میں

عاشق کو نہیں دوریٔ معشوق گوارا
سر جلد کٹاؤ یہ ہے خالق کا اشارا

مشتاقِ اجل ہے اسداللہ کا پیارا
اب خنجرِ بے آب ہے اور حلق ہمارا

طالب ہوں رضامندیٔ ربِ دوسرا کا
صد شکر کہ وقت آ گیا وعدے کی وفا کا

یہ کہہ کے رکھی میان میں شبیر نے تلوار
حکم شہ والا سے کھڑا ہو گیا رہوار

بجلی جو تھمی ہونے لگی تیروں کی بوچھار
دو لاکھ کے نرغے میں گھرے سید ابرار

مجروح ہوا صدر بھی زخمی ہوا سر بھی
چلنے لگیں تیغیں بھی سنانیں بھی تبر بھی

کیوں چرخ یہ حال اس کا جو تھا خلق کا والی
اک چاند پہ اندھی یہ گھٹا ظلم کی کالی

وہ ناوکِ دلدوز وہ جسم شہ عالی
حلقہ کوئی جوشن کا نہیں تیر سے خالی

طاری ہے غشی دل کو سنبھالا نہیں جاتا
اک تیر بھی سینے سے نکالا نہیں جاتا

مظلوم مسافر پہ یہ بیداد صد افسوس
اک جان ہزاروں ستم ایجاد صد افسوس

لوٹے ہوئے ہیں پیاسے پہ جلاد صد افسوس
شہ کی کوئی سنتا نہیں فریاد صد افسوس

جز نیزہ و تیغ و تبر آتا نہیں کوئی
فرزندِ محمد کو بچاتا نہیں کوئی

بے جان ہیں رہوار پہ آقائے خوش اوقات
بند آنکھیں ہیں خوں بہتا ہے کی جاتی نہیں بات

سر پیٹتے ہیں اہلِ حرم لٹتے ہیں سادات
حامی نہیں کوئی کوئی پرساں نہیں ہیہات

حالِ شہِ آوارہ وطن دیکھ رہی تھی
تلواروں میں بھائی کو بہن دیکھ رہی تھی

وہ خاک پہ گھوڑے سے گرے سبطِ پیمبرؐ
سر پیٹتی مقتل کو چلی زینبؑ مضطر
سنسنانے لگے خوف سے شمر مرداں نکل آئے
چلائے ملک کہ قیامت ہوئی برپا
آندھی ہوئی اک غرب کی جانب سے ہویدا
تیرہ ہوا دن اڑنے لگی خاک جہاں میں
اس حشر میں احمدؐ کی نواسی کا یہ تھا حال
چلاتی تھی سر پیٹ کے اے فاطمہؑ کے لال
کیا کیا مجھے صدمے یہ جدائی نہیں دیتی
بھیا مجھے رستہ نہیں ملتا کدھر آؤں
بھیا تمھیں اس بھیڑ میں کس طرح سے پاؤں
کس سے کہوں جو نانا کی سواری نہیں آئی
میں کس کو پکاروں کہ ترس پیاسے پہ کھاؤ
اے اہلِ زراعت تمھیں امداد کو آؤ
کام آؤ غریبوں کے تو احسان ہے تمھارا
شہ نے جو سنی زاری زینبؑ تہِ خنجر
کیا قہر ہے تم رن میں چلی آئیں کھلے سر
مسلوب رضامندی معبود ہے زینبؑ
کس طرح اٹھیں سینۂ زخمی پہ ہے جلاد
ماں مرے پہلو میں ہیں اے زینبؑ ناشاد
گریاں و حزیں خاصۂ قیوم کھڑے ہیں
یہ سنتے ہی دوڑی طرفِ لاشِ مطہر
اٹھے یہ نہ یہ کچھ تھی کہ برپا ہوا محشر
سب تیر اسی طرح سے سینے میں گڑے ہیں

تھرائی زمیں ہلنے لگا عرشِ منور
یاں شمرِ ستمگار بڑھا کھینچ کے خنجر
مرقد سے نبیؐ چاک گریباں نکل آئے
گھبرا کے درختوں سے اڑے طائرِ صحرا
تھرانے لگے کوہ ابلنے لگے دریا
غل ہائے حسینا کا اٹھا کون و مکاں میں
گرتی تھی کبھی اٹھتی تھی بکھرے ہوئے بال
ہے ہے تمھیں تلواروں میں گھیرے ہیں بد افعال
لاش آپ کی زینبؑ کو دکھائی نہیں دیتی
کیوں کر تمھیں جلادوں کے پنجے سے چھڑاؤں
سب قتل ہوئے بہرِ مدد کس کو بلاؤں
بھیا مجھے آواز تمھاری نہیں آئی
لی جن سے زمیں مول انھیں لوگوں کو بلاؤ
لٹتی ہوئی کھیتی کو محمدؐ کی بچاؤ
یہ بے وطن اس دشت میں مہماں ہے تمھارا
گھبرا کے صدا دی کہ ادھر آؤ نہ خواہر
مشغول ہے امت کی دعا میں یہ برادر
تنہا نہیں اللہ تو موجود ہے زینبؑ
نانا مجھے گودی میں لیے کرتے ہیں فریاد
روتے ہیں بڑے بھائی بھی یہ دیکھ کے بیداد
بابا بھی سرہانے مرے مغموم کھڑے ہیں
چلائی کہ ہمشیر بھی آتی ہے برادر
دیکھا کہ لیے جاتا ہے قاتل سرِ سرور
اور جلتی زمیں پر شہِ دلگیر پڑے ہیں

ہاں پیٹ کے سر روتے ہیں وہ جو اہلِ عزا ہیں
مقتل میں کھلے سر حرمِ شیرِ خدا ہیں
سر کٹ چکا سختیِ دلِ زہراؑ و علیؑ کا
عمامۂ حضرت لیے جاتا ہے کوئی آہ
ہاتھوں سے قبا کھینچ رہا ہے کوئی گمراہ
اب لشکرِ کیں لاش کو پامال کرے گا

یاں احمدِ مختار بھی سرگرمِ بکا ہیں
خاک اڑتی ہو جنباں طبقِ ارض و سما ہیں
اب لٹتا ہے ملبوسِ کہن سبطِ نبیؐ کا
بھاگا ہے کوئی لے کے عبائے شہِ ذیجاہ
عریاں ہے زمیں پر تنِ فرزندِ ید اللہ
بعد اس کے ستم لاش پہ قتال کرے گا

خاموش انیس آگے نہیں طاقتِ تحریر
خالق سے دعا مانگ کہ اے مالکِ تقدیر

عالم جسے روتا ہے وہ مظلوم ہے شبیر
دکھلا مجھے آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر

محبوب ہوں زوّارِ امامِ دوسرا ہیں
مر جاؤں تو مدفن ہو جوارِ شہدا ہیں

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ

وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
کھلا اب کوئی ہمارا نہیں
فرس سے کسی نے اتارا نہیں
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

مرثیہ نمبر ۱۰۳

یہ مرثیہ پہلے جناب میر عسکری صاحب رشک (میر صاحب اعلی اللہ مقامہ کے مجھلے صاحب زادے) اپنے نام سے پڑھا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ مرثیہ میر صاحب ہی کے نام سے پڑھا جانے لگا۔ اور [illegible] صاحب نے اپنے مجموعے میں بھی شامل کیا ہے

(منتخب نقوی)

مطلع

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحرِ مواجِ فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ذرے کو انجم کر دوں
گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں
دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

اس ثناخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح
جدِ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مداح
باپ مداح کا مداح ہے دادا مداح
عمِ ذی قدر ثناخوانوں میں یکتا مداح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

طبع ہر ایک کی موزوں قدِ زیبا موزوں
صورتِ سروِ ازل سے ہیں سراپا موزوں
نثر ہے جمع نہیں نظم ہے مطلق موزوں
کہیں سکتا نہیں آ سکتا کجا ناموزوں
تول لے عقل کے میزاں میں جو فہمیدہ ہے
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب — نام سے دھوئے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہرا و عشقِ علی عاشقِ رب — متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے — اس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال — جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالامال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال — معجزہ گر اسے کہیے نہ تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے — لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ ربّانی ہے

کیوں نہ ہو بندۂ موروثِ مولا ہوں میں — قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں — مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں — اپنے رتبے پہ نہ کیوں فخر و مباہات کروں

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب — شوقِ مداحیٔ شبیر عطا کر یارب
سلکِ گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یارب — نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب
جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو — لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور — ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
عقل ہو محو ہے کشش ہو قلمِ طرفہ حور — ایک اک حرف میں ہو صنعتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے — نقش اثر رنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ — شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ — خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی — بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی — لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی — یعنی موقع ہو جہاں جیسا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہو مضمون بھی عالی ہووے — مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

بے تکی عیب مگر حسن ہو ابرو کے لیے — سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے — زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لیے
داند آنکس کہ فصاحت بکلامے دارد — ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا
یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنواں ہے جدا
مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقّت بھی ہو تعریف بھی ہو

مطلع
ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں
رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں
جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جب وقت ظہور
زمزمہ کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور
یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رُخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت میں جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو
دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ھو یا ھو
فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کوکو کو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

مطلع
آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں
اس طرف طبل بجے یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں ان کی
وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں ان کی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں ان کی
حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں ان کی
ذکرِ خالق میں لب ان کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ
کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرّار تھے سبحان اللہ
زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
گر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے
لائقِ مدح و سزاوار سرافرازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پر
زہد میں حضرتِ سلماں کے برابر تھا کوئی
صدقِ گفتار میں عمّارؓ کا ہمسر تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
وہ تخشّع وہ تضرّع وہ قیام اور وہ قعود
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود
یوں بٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز
سر تو سجادوں پہ تھے عرشِ معلّےٰ پہ نماز
چاند شرمندہ ہو چہرے کی تجلّی ایسے
جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار
دشت میں نکہتِ فردوس بریں آنے لگی
لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک
کہتے تھے صلِّ علیٰ عرش پہ اللہ کے ملک
کہیئے پستی اسے جو اوج ہما نے دیکھا
اس طرح جب علمِ دلبرِ زہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے
رنجِ لشکر کو علمِ خیرِ بشر آیا تھا

عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
گو بہت کم تھے پہ آمادہ جانبازی تھے
صابر ایسے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر
دولتِ فقر و قناعت میں ابوذرؓ تھا کوئی
حمزۂ عصر کوئی مالکِ اشترؓ تھا کوئی
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے
سر کٹے پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
جس طرح تیغِ دو دم دستِ سپاہی میں رہے
آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو
وہ تذلّل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِّ ودود
گھر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
شیر دل منتخبِ دہر وحید و ممتاز
نے امام ایسا ہوا پھر نہ مقتدی ایسے
کس کے کرتوں کو بصد شوق لگائے تھے بیاد
علمِ فوج کو عباسؑ نے کھولا اک بار
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی
شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہو خورشیدِ فلک
دنگ تھے سب وہ سماں تھا سما تا بہ سمک
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا
کس سے پھر معرکۂ رزم میں لہرا جائے
لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
سورۂ نصر پئے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علمدار کہ جو شیر الٰہی کا خلف
گوہر بحر وفا نیر دیں دُرِّ نجف
نجل حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف
کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لیے
علم کے لیے تھے اور علم ان کے لیے

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی
اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی
جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علمدار مگر بچوں کی سقائی کی

وہ ہنسی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں
سب انھیں عاشق شاہ شہدا کہتے ہیں
جو بہادر ہیں وہ شمشیر خدا کہتے ہیں
ان کو قبلہ تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں
عشق سرور و علمدار کا افسانہ ہے
وہ چراغ رہ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبر مہ رو سا جوان نایاب
کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمد ایام شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگس شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شب معراج میں محبوب خدا کو دیکھا

اے خوشا حسن رخ یوسف کنعان حسن
راحت روح حسین ابن علی جان حسن
جسم میں زور علی طبع میں احسان حسن
ہمہ تن خلق حسن محسن حسن شان حسن
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ اسد اللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے لفوں کے بال
نیزے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانند ہلال
گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکر کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی سارا اسد اللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہو رنگ
ولولہ صف کے الٹنے کا لڑائی کی امنگ
جسم پر تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

منظر

یک بیک طبل بجا فوج کے گرجے بادل
کوہ تھرّائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل
مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے جاوش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

شور میدانیوں میں تھا کہ لبِ شیر دکھو
نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرے دکھو
رستمو داد وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے

شور سادات میں تھا یا شہِ مرداں مدد ے
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مدد ے
تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں
لاشے مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے پاس

سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی
ہنس کے منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا

عرض عباس نے کی جوش پہ خونخواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور
ان سے منظور نہ تھی جنگ پر اب ہوں مجبور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی
واہ رے حرب خوشا ضرب یہ جاں بازی
تن و سر لوٹتے رن میں نظر آتے تھے

جس پہ غصے میں گئے صید یہ شہباز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا
ہاتھ منہ کٹ گئے سر اڑ گئے جی چھوٹ گئے

نیزہ بازی کرو راہواروں کو پھیرو دیکھو!
غازیو صف سے بڑھو غول سے گھیرو دیکھو
سامنا حیدرِ کرار کی اولاد کا ہے

کعبۂ دیں مدد ے قبلۂ ایماں مدد ے
دمِ تائید ہے اے فخرِ سلیماں مدد ے
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا

سینۂ صاف پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
تیرے فرزند کی تائید کریں مر جائیں
سر ہوں نیزے پہ سرِ حضرتِ شبیر کے پاس

ہجوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ یکبار آئی
تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

تیر سب کھاتے ہیں روکے ہوئے تلواروں کو
مصلحت ہو تو رضا دیجیے غمخواروں کو
ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور
خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

غل تھا شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
اڑ گیا ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
ایک حملے میں قدم فوج کے اٹھ جاتے تھے

یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گیا
نہ اٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم نبرد
سر کو نہوڑا کے بعد اسبط نبی نے دم سرد
جوک الفتی کبھی سینے میں تو دل میں کبھی درد
سرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گل رو تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی، کوئی مرادوں والا
کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا
کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجواں کون سا خوش رو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور ایسی چھپٹی وہ تلواریں
موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب جو شیر کا زہرہ ہے جسے وہ للکاریں
بجلیاں کوندتی ہیں کیسے نیزہ ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
نیچے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

بپا ہنگامہ رہا صبح سے تا وقت زوال
لاش پر لاش گری بھر گیا میدان قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے پرے تھے پامال
سرخرو خلق سے اٹھے اسد اللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی فوج میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

قاسم و اکبر و عباس کا اللہ رے جہاد
الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد
قتل ہر اک ضرب پہ تھا ہوئی دنیا برباد
دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں عرش مقام ان کے ہیں
آج تک عالم ایجاد میں نام ان کے ہیں

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا
تنا تنا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا
ابن زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جاں باز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابن علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے
سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے نخلِ گلِ تر مرجھائے
مر گئے پر نہ عزیزوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نے سایا تھا

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال
زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال
کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے دعا کو کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں
مرنے والے نہیں بچتے جو سنائیں کھائیں
پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں ہے یاور و ناصر ہوں میں
لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی
یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوویں جس میں
سن کے ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب
قلب مضطر آگیا ہر گز نہ رہی ضبط کی تاب
اشک خالی اسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
تھم کے چلائے کہ اے زینبؑ و امِ کلثومؑ
اب مرے قتل کے درپے ہیں یہ سب لشکرِ شوم
نہیں ملتا جو زمانے سے گزر جاتا ہے
یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
رو کے چلائی سکینہؑ کہ شہِ والا آؤ
آؤ اچھے مرے بابا ہیں تمہارے واری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم
دیکھ کر پردے سے کہنے لگی یہ زینبؑ زار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار
تم نے پالا تھا جسے ہم اسے رو آئے ہیں

جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
کاٹ لیں آپ سر تن سے تو فرصت پائیں
حکم ہے خیمۂ السدس کے جلا دینے کا
نہ تو لڑنے میں نہ مر جانے میں قاصر ہوں میں
شہر و صحرا ابھی تمہارا ہے مسافر ہوں میں
کلمہ گو ہو! یہ تمہارے نبی کا گھر ہے
جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک سے عالی
ان کو دیکھو کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں
گر کہوں ان کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسینِ مظلوم
ہاں جگا دو اسے غش ہو جو سکینہؑ معصوم
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے
شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پر دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
میں تجھے ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ
دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
ہاتھ پھیلا کے کہو آ مری بیٹی پیاری
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے آؤ تم
ابنِ زہرا تری مظلومی و غربت کے نثار
شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب مونس و یار
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منھ دکھائیں گے کسے سب ہے یہ ندامت زینبؑ
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینبؑ

نہ تو سر کھولو نہ منھ پیٹو نہ فریاد کرو
صبر سے خوش ہے خدا اُسے مری غمخوار بہن

اپنی ماں کا ہے طریقہ تمھیں درکار بہن
تا زیرِ ورے ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا بعدِ سلام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گلفام

نا و منجدھار میں ہے شورِ تلاطم جب تو
کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام

رن میں گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے آئے جو امام
سر جھکے ان کے جو کامل تھے ہمہ دانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسا ہوں میں

چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اُس کا پیارا ہوں جو ہو ساقیٔ حوضِ کوثر

اُس کا فرزند ہوں کی جس نے فہم بدر کی سر
صاحبِ تخت ہوئے تیغ علی تاج بلا

وہ علی حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی روزِ غدیر

وہ علی سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی
بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ للہ

اب کوئی ساتھ نہ یاور ہے نہ لشکر نہ سپاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے

گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینبؑ
بھائی جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینبؑ!

بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو
سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار بہن

پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن
سُن کے یہ کانوں سے زار و کہ ستم اس پہ نہ ہو

غش تھے تم پھر گئے دروازے تک آ کے امام
کاٹو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام

نا خدا جاتا ہے گھر جانے بس اب تم جانو
چڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام

رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
اڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں

اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں
اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر

اُس کا دلبر ہوں نبیؐ جس کو بنے دختر
دوشِ احمدؐ پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علیؑ جس کی رسولوں سے سوا ہے توقیر

وہ علیؑ گھر میں خدا کے ہو ولادت جس کی
قتل کیوں کرتے ہو تم کون سا ہے میرا گناہ

تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
یاد رکھو میرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر
چوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبیرؑ
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو کھنچی تیغ دو سر فوج پہ آفت آئی
فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی
چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور
دم بدم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی
ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اسے ڈستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہو دھارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار
موت ہر غول کو برباد کئے جاتی تھی

تیغیں عاری ہوئیں ڈھالوں کے اڑے پرکالے
جو بڑھے ہاتھ سپر دست قلم کر ڈالے
صف بہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث آتے ہیں
جب کبھی جائزۂ فوجِ ستم لیتی ہوں
دو زبانوں سے سدا کارِ قلم لیتی ہوں
ہر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں

حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
لو خبردار چمکتی ہو علیؑ کی شمشیر
لو صفیں باندھ کے روکو تو حسین آتا ہے
لو ہلا تالۂ عرش قیامت آئی
نعرے غاشیہ برداری کو شوکت آئی
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر
مثلِ طاؤس اڑا گاہ اِدھر گاہ اُدھر
جھوم کر پھرتا تھا گویا کہ پری پھرتی تھی
برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
کبھی ابرو کے اندر کبھی باہر چمکی
مینہ سروں کا صفِ دشمن پہ برستے دیکھا

گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کبھی ایسا نہیں دم خم نہ تو میں دیکھا
نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
غضبِ [illegible] اللہ علیہ کے عیاں تھے آثار
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لئے جاتی تھی

بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں
موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
چہرے کٹ جاتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
طبلقیں کٹتی ہیں جب چہرے نفری ہوتے ہیں

وہ برش اور وہ چمک اور وہ صفائی اُس کی
اس کا بازو جو اڑایا تو کلائی اُس کی
صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منہ کبھی سوفاروں پر
گر کے اس غول سے اٹھی تو اس انبوہ میں تھی
کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا
برشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
زرہ کی خود پہ وہ اور نہ سر پہ ٹھہری
نہ جبیں پہ نہ گلے پہ نہ جگر پہ ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
وہ چمک اس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو
کبھی جوشن تو کبھی صدرِ کشادہ کاٹا
تنِ تنہا شہِ دیں لاکھ سواروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے
گرچہ عالم تھا ہزاروں پہ وہی غالب ہو
تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال
دھوپ وہ دھوپ کہ کملائے ہوئے تھے تازہ نہال
سنگ ریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی

کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی
جس کی گردن سے وہ گزری اجل آئی اس کی
سر پہ چمکی تو کمر سے اسے جاتے دیکھا
پیدلوں پر کبھی آئی کبھی اسواروں پر
کبھی سر کاٹ کے آ پہونچی کمانداروں پر
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی
کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ منہ صاف رہا
نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پہ ٹھہری
کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پہ ٹھہری
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی
یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اترنے کا نہیں
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جو
اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
جب چلی ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
جو دل و جانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہو
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لال
لو وہ لو جس کی حرارت سے تھے جھلسے غزال
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی
تیغ حیدر نے کبھی کی نہ صفائی میں کبھی
کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں
روک لے وار، جگر کیا کسی بے پیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہ دیں کو پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو
باپ اس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
اسد اللہ کے صدقے شہ والا کے نثار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار
کیوں نہ ہوں احمد مرسل کے نواسے تھے حسینؑ

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا
الاماں خوب سزا جنگ کی پائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام
اے محمد کے جگر بند امام ابن امام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا

آج ہے آٹھ بہشتوں کی نئی تیاری
شب سے حوریں ہیں مکلل بجواہر ساری
پیشوائی کو رسول ثقلین آتے ہیں
تھم گئے سن کے یہ آواز شہ جن و بشر
عبد ہو جلد اگر ذبح کریں بانی شر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے

ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
جس پہ اک بار چلی اس کو دوپارا دیکھا
رخش وہ رخش کہ برق کی سرعت جس میں
ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
زور وہ جس میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

تن تنہا کی وغا لشکر کیں سے پوچھو
ضرب شمشیر دو سر روح امیں سے پوچھو
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں
وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا
آپ کرتے ہیں بدوں سے بھی بھلائی مولا
بخشئے آفت نااہل کی تقصیروں کو
یہ وغا تیرے زمانے میں بشر کا نہیں کام
لوح محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہریں جاری
خانۂ دوست میں ہو دوست کی مہمانداری
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں
روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
شمر ظالم ہے کدھر کھینچ کے آئے خنجر
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں لانے لگے تیغ دو دم
رہ گیا سر کو جھکا کر فرس تیز قدم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گلِ تر خاروں میں
چھدے تیروں سے کمانداروں نے چھاتی چھانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامے کے
برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے
ایک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پہ گہرے
خون میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رخ سارا تھا
ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم
بہتے تھے پہلوؤں سے خون کے دریا پیہم
مارے تلواروں کے مہلت تھی نہ دم لینے کی
دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسینؑ
در سے چلاتی تھی زینب کہ کہاں بھیا حسینؑ
فاطمہ رو رہی ہے ہاتھوں سے پہلو تھامے
ہائے شبیر ترا تن اور ستم کے بھالے
اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہرا پالے
کون فریاد سنے بے سر و ساماں کی
نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
غش سے کچھ دیر میں چونکا جو علی کا پیارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا

ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم
چھپ گئے سبطِ نبیؐ ظلم کی تلواروں میں
نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
پیچ کٹ کٹ کے گرا جاتے تھے عمامے کے
کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
جزو ہر اک تنِ شبیرؑ کا سی پارہ تھا
غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم
کوششیں ہوتی تھیں کعبے کے گرا دینے کی
بیر سے بیکس و بے بس نے دکھ پائے حسینؑ
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسینؑ
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے
کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
کون سپر ترے تلواروں کی آفت ٹالے
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی
گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
نیزہ سینے پہ سنان ابنِ انس نے مارا
یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی
جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
آسماں ہل گئے تھرا گئی مقتل کی زمیں
پاؤں تو سر آپ پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنتِ علیؑ چلائی
ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ہو ہو بھائی

ضرب اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی

اٹھ کے وہ دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسینؑ
فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسینؑ

کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسینؑ
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسینؑ

مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بیوہ اعدا میں کھڑی ہے بھائی

بس انیس آ گئے نزدیک زینبِؑ ناشاد کے بین
قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں ہے لاشِ حسینؑ

قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین
گھر جلا قید ہوئی آلِ رسول الثقلین

کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

۲۶

دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے
کھلوا دیے فردوس کے در عقدہ کشا نے
زانو پہ رکھا سر کو امامِ دوسرا نے
اعلیٰ کیا اس کو بزرگوں کی دعا نے
سب جس کے طلب گار تھے جنت میں وہ حر تھا
حورانِ جناں گرد تھیں اور بیچ میں حر تھا

چرچا تھا کہ مہمانِ حسینؑ آتا ہے دیکھو
دنیا سے بصد زینت و زین آتا ہے دیکھو
مولائے شہِ بدر و حنین آتا ہے دیکھو
شیدائے رسولِ ثقلین آتا ہے دیکھو
دم نکلا ہے گودی میں شہنشاہِ زمن کی
سونگھو اسے خوشبو ہے یہ زہراؑ کے چمن کی

اللہ کے لشکر کا ہراول ہے یہ غازی
بعد اس کے ہیں سب کشتہ، اول ہے یہ غازی
خاکِ قدمِ احمدِ مرسل ہے یہ غازی
رتبے میں ملائک سے بھی افضل ہے یہ غازی
اس پر نظرِ لطفِ شہنشاہِ نجف ہے
آنکھیں ہم اگر فرش کریں عین شرف ہے

اللہ کی درگاہ کا مقبول ہے یہ بھی
مقبول نہ کیوں ہو کہ مقتول ہے یہ بھی
مجرم پہ کرم شاہ کا معمول ہے یہ بھی
گلدستۂ اسلام کا اک پھول ہے یہ بھی
نیکوں سے بدی وہ نہیں کرتا جو بھلا ہے
مرجھا کے یہ پھولا ہے خزاں ہو کے پھلا ہے

کیا اصل تھی اس نخل کی اور کیا ثمر آیا
اللہ کی قدرت یہ کہاں تھا کدھر آیا
تو شام کا بھولا ہوا وقتِ سحر آیا
تلواروں کے دریا سے سلامت اتر آیا
نیزوں کو عصا تیغوں کو گل کر دیا اس نے
آتش کو چمن خار کو گل کر دیا اس نے

کس لشکر بد خو سے بچھڑ کر نکل آیا
تنہا ہوا تلوار پکڑ کر نکل آیا
کعبے کی طرف دیر میں گر دیر سے پہنچا

حوروں کے وہ چہرے وہ ضیائے دُرِ دنداں
باتوں کی ملاحت لبِ شیریں سے وہ چھلاں
سودا ہو پری دیکھ لے گر حور کی آنکھیں
ہاتوں پہ وہ کوثر کے چھلکتے ہوئے ساغر
شیشے وہ بلوریں وہ چھلکتے ہوئے ساغر
پژمردہ اگر غنچۂ خاطر ہو تو کھل جائے

وہ نرگسی آنکھیں وہ ان آنکھوں کے اشارے
دیکھو اس طرف سے حضرت شبیر کے پیارے
سیراب ہو گر مے سے اگر تشنہ دہن ہے
حوریں کریں شوقیہ سخن واہ ری قسمت
سر گود میں لیں شاہِ زمن واہ ری قسمت
مرنا وہ کہ عالم کے خبرگیر سرہانے

اللہ ری وفائے رفقائے شہِ ذی جاہ
سر دیتے تھے ہنس ہنس کے برائے شہِ ذیجاہ
دنیا کی نہ جانب ہیں نہ دنیا کی طرف ہیں
مرنے پہ کسے تھا کہ ایک ایک سے پہلے
دیتا تھا بصد شوق سر ایک ایک سے پہلے
دشوار انھیں زیست کی ایک ایک گھڑی تھی

ایماں شہِ والا کی ولا جانتے تھے وہ
جینے کو ہوس دم کو ہوا جانتے تھے وہ
فرق اطاعت میں وہ ناکام نہ لائے
کچھ

ڈھالا کہ ستمگاروں سے لڑ کر نکل آیا
نیزہ تھا کہ ہر قلب میں گڑ کر نکل آیا
شمشیر نے اسے روکا تھا مگر خیر سے پہنچا

کوئی متبسم کوئی حیراں کوئی خنداں
سُن پائیں تو چاٹا کریں ہونٹوں کو سخنداں
سورج کی چمک چاند کا مصحف نور کی آنکھیں
پانی وہ خنک اور وہ چھلکتے ہوئے ساغر
وہ مشک کی خوشبو وہ مہکتے ہوئے ساغر
برسوں نہ لگے پیاس گر اک جام بھی مل جائے

اللہ سایۂ طوبیٰ سے چلیں اب گھر میں ہمارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے
وہ کوثر و تسنیم ہے یہ نہر لبن ہے
مشتاق ہو جنت کا چمن واہ ری قسمت
بھائی کہیں حضرت کی بہن واہ ری قسمت
پہلو میں علی حضرتِ شبیر سرہانے

دل سینوں میں لبریز ولائے شہِ ذی جاہ
کرتے تھے سفر چوم کے پائے شہِ ذی جاہ
مرتے ہوئے آنکھیں شہِ والا کی طرف ہیں
کر دیتا تھا سینہ سپر ایک ایک سے پہلے
کرتا تھا دلِ شہ میں گھر ایک ایک سے پہلے
کوثر سے نظر خلد سے جان ان کی لڑی تھی

مر جانے کو تو عین وفا جانتے تھے وہ
فاقوں کے بیاں کو بھی گلا جانتے تھے وہ
پانی کا زبانوں پہ کبھی نام نہ لائے

وہ اپنی صف ظاہر کے حبیبوں جو تھے فسردہ — دنیا میں کسے ملتے ہیں اس طرح کے ہمدرد
اعدا کے لیے تیغ ہلالی دم ناوردہ — پیری میں اولوالعزم بڑھاپے میں جواں مرد
سب چھوٹے مگر دامن حضرت نہیں چھوڑا — مرنے پہ بھی اب تک در دولت نہیں چھوڑا

جب دے چکے سب غیر عزیزوں کی طرح سر — بے جاں ہوئے وہ دو بھانجے شاہ کے دلبر
مرنے پہ کمر باندھے تھے قاسم سے بے پر — کہتی تھی جھکائے ہوئے سر شاہ کی خواہر
ہے سخت عجب دونوں کی دانائی سے مجھ کو — ان بیٹوں نے محجوب کیا بھائی سے مجھ کو

سب جاتے ہیں اور ان کی وہ رخصت نہیں لیتے — مر جانے کی ماموں سے اجازت نہیں لیتے
شہ سے سرافرازی کا خلعت نہیں لیتے — سر دے کے جو ملتی ہے وہ دولت نہیں لیتے
پانی نہ ملے گر دم آخر نہ ملے گا — کہہ دے کوئی دنیا انھیں دن پھر نہ ملے گا

کم عمر ہیں عزت کی وہ کیا بات کو جانیں — سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے ہیں زبانیں
ہے ہے انھیں شبیر سے پیاری ہوئیں جانیں — پچھتائیں گے روئیں گے نہ کہنا مرا مانیں
اب تیر جگر گوشۂ زہرا پہ چلیں گے — جب وقت نکل جائے گا پھر ہاتھ ملیں گے

وہ نام پہ مرتے ہیں جو ہیں عاقل و ذی ہوش — سب دل میں کہیں گے کہ رہے جنگ سے روپوش
موقع ہو تو گویا کہیں رستے بھی ہیں خاموش — کیا جان کا ہے دھیان شجاعت ہو جب جوش
فرق ان کے تہور میں کسی طور نہیں ہے — باعث یہ لڑکپن کا ہے کچھ اور نہیں ہے

یہ ذکر تھا نوشاہ جو روتے ہوئے آئے — مادر نے جو پوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے
اب جاتے ہیں لڑنے کو پھوپھی جان کے جائے — ان بھائیوں سے پہلے نہ ہم خوں میں نہائے
اب بھی نہیں پیغام اجل آ نہیں جاتا — یوں روتے ہیں شبیر کہ دیکھا نہیں جاتا

زینب نے کہا میری مراد آئی سدھاریں — تیغوں میں گرا دیں مرے فرزند کی دھاریں
دشمن جو ہوں فرزند علی کے انھیں ماریں — لڑنے پہ چڑھیں شمر کا سر تن سے اتاریں
یہ کس کا لہو دیکھ کے وہ جوش میں آئے — جب مر چکے دو بھائی تو وہ ہوش میں آئے

خیمے میں یہ باتیں تھیں کہ آئے وہ دلاور — دیکھا کہ الگ بیٹھی ہوئی روتی ہے مادر
ساتھ اپنے انھیں لے گئی بانوئے مضطر — کی عرض کہ چھاتی سے لگا لو انھیں خواہر
یہ نذر سر لائق الطاف و عطا ہیں — تقصیر ہوئی کیا جو حضور ان سے خفا ہیں

منہ پھیر کے کہنے لگیں یہ شاہ کی ہمشیر
شکوہ ہے مقدر کا کچھ ان کی نہیں تقصیر
الطاف تو کیجئے مجھے کیوں کر نہ گلا ہو
حُر کون تھا اور کون تھا جن قین بجلی
کیوں کر یہ بھلا اور مضطر کو تسلی
آفت ہے یگانے ہی جو ہمت نہ کریں گے
فرزند حسنؑ مرنے کو جا لیں تو یہ جائیں
ہمشکل نبیؐ برچھیاں کھا لیں تو یہ جائیں
کھلتا نہیں کچھ جوش شجاعت انھیں کیوں ہو
کیوں روتے ہیں کیا چھن گئی سر سے مرے چادر
وقت آئے تو دکھلائیں گے تلوار کے جوہر
جب کوئی نہ ہوئے گا تو یہ جنگ کریں گے
تلواروں میں ہم دم جو عشق کا بھرتے ہیں وفادار
موقع ہو تو دنیا سے گزرتے ہیں وفادار
خنجر دلِ زہراؑ پہ جو چل لیں تو سدھاریں
میں سمجھی تھی پہلے ہی یہ ڈھونڈیں گے بہانا
لازم تھا اسی وقت انھیں نیچے میں آنا
جب تیغ میں تاثیر زبانوں میں نہیں ہے
کم عمر ہیں بچے ہیں یہ کیا وقت کو جانیں
واں تیغوں میں تابش ہو کڑکتی ہوں کمانیں
مذکور بزرگان خوش اوقات تو رہ جائے
ماں کو تو سبک کر چکے کہنے کی نظر ہے
پوچھے کوئی ان سے کہ یہ کیوں آتے ہیں گھر میں
فوجوں میں بھی طور تھے خالق کے ولی کے

غیرت کی ہے جا غیر تو ہوں فدیۂ شبیر
منہ پھیر لیں وہ قتل سے جو ہوں صاحب شمشیر
وہ پہلے نہ بیدم ہوں لہو جن میں ملا ہو
ہے عرش تلک جن کے ستاروں کی تجلی
منفعل ہیں یہ کوتاہیاں گھر میں یہ تعلی
یہ کس نے کہا تھا کہ ہمیں پہلے مریں گے
عباسؑ علیؑ خوں میں نہا لیں تو یہ جائیں
لاشے ابھی شہزادوں کے آ لیں تو یہ جائیں
حضرت تو سلامت ہیں یہ عجلت انھیں کیوں ہو
خالی ابھی ہونے دیں محمدؐ کا بھرا گھر
جرأت میں وہ جعفرؑ ہیں شجاعت میں یہ حیدرؑ
کیا عیب ہے پہلے نہ مرے بعد مریں گے
سر دینے میں سبقت نہیں کرتے ہیں وفادار
سرور سے پہلے کہیں مرتے ہیں وفادار
ماں خیمے سے سر ننگے نکل لیں تو سدھاریں
کچھ منہ کا نوالہ نہیں تلواروں کا کھانا
سچ ہے کہ وفاداروں سے خالی ہو زمانا
غیروں میں اب الفت ہے یگانوں میں نہیں ہے
رُخ زرد ہیں لب خشک ہیں سوکھی ہیں زبانیں
جو نام پہ مرتے ہیں وہ دیتے ہیں جانیں
جانیں نہ رہیں گر نہ رہیں بات تو رہ جائے
میں لٹ گئی اس رنج و مصیبت کے سفر میں
کھولیں اسے باندھے ہیں جو ہتھیار کمر میں
لو ناز ہے اس پہ کہ نواسے ہیں علیؑ کے

تو آئے ہوں خیبر کے کسی در کو تو کہہ دیں
تا کو نہ جگا آئے ہوں لشکر کو تو کہہ دیں
چپ کیوں ہیں یا جو نصرت کی خبر لے کے پھرے ہیں
یہ ذکر تھا جو خیمے میں داخل ہوئے شبیر
فرمایا شکایت کے سخن کیجیو نہ ہمشیر
تلواروں میں ہر دم مرے قدموں پہ جھکے تھے
افلاک شجاعت کے یہی دو ہیں شہنشاہ
پوچھے کوئی مجھ سے تمہیں قدر ان کی نہیں آہ
لیتی تھی زمیں غیظ سے خالق کے ولی سے
مالک ہو تم ان دونوں سے بگڑو کہ خفا ہو
ایسے ہیں کہ حق دودھ کا ان سے نہ ادا ہو
سمجھا کہ ان ہاتھوں سے انہیں کھووگی زینب
کس طرح میں اس دولت بیدار کو کھوتا
موت آتی تو رہنے کے میں وحشت ہی آتا
کچھ بس نہیں چلتا جو اجل آتی ہے زینب
دو داغ جگر سوز ہیں تحریر کروں کیا
کرتی ہے اکیلا مجھے تقدیر کروں کیا
صدمہ اسے ہوتا ہے زیادہ جسے روکوں
زینب نے کہا آپ الم ان کا نہ کیجے
قربان ہیں سب جائیے یا کہ بھیجیے
بیٹے بھی فدا آپ پہ ہیں میں بھی فدا ہوں
تقریر کے وہ بولے کہ ہماری نہیں تقصیر
فرمایا شجاعت کے منافی ہے یہ تقریر
جاتے ہوئے کس وقت کو آقا نے نہ روکا

مارا ہو جو مرحب سے دلاور کو تو کہہ دیں
خوشنود کیا ہو جو برادر کو تو کہہ دیں
کیا شام کے سردار کا سر لے کے پھرے ہیں
دیکھا کہ ہیں بیٹوں سے خفا زینب دلگیر
ملتے ہیں کہے ایسے پسر صاحب توقیر
یہ شیر دلاور مرے روکے سے رکے تھے
رکھتے انہیں پروردے ہیں جو تھے اسداللہ
تم تو شہ مرداں کی جلالت سے ہو آگاہ
یہ اور کی چتون نہیں تیور ہیں علی کے
بہتر ہے وہ غصہ جو مناسب ہو بجا ہو
میں کیا کروں جب دونوں کی تقصیر بجا ہو
جب یہ نہ ملیں گے تو بہت روؤگی زینب
جیتا میں جو ان میں سے کوئی پاس نہ ہوتا
روتے یہ مری لاش پہ میں ان کو نہ روتا
موت ان کو مرے گھر سے لیے جاتی ہے زینب
بچوں کے بچا لینے کی تدبیر کروں کیا
رکتے نہیں یہ صاحب شمشیر کروں کیا
مشکل ہے مجھے کس کو رضا دوں کسے روکوں
طالب ہیں تو بہتر ہے اجازت انہیں دیجے
گر دھیان ہے میرا تو قسم رونے کی لیجے
دیر اتنی ہوئی کیوں، میں اسی پہ تو خفا ہوں
قسمت میں خجالت تھی نہ یاور ہوئی تقدیر
مسلم کے پسر کب ہے کہ تھے صاحب شمشیر
روکا تھیں ان کو شہ والا نے نہ روکا

جو مرد ہیں، پہلے وہی مر جاتے ہیں پیارو
صدقے گئی اُلجھی ہوئی زلفیں تو سنوارو
سر دے کے جسے پاتے ہیں وہ راہ یہی ہے

پوشاک بدل کر جو سجے جنگ کے ہتیار
مجرے کو جھکے اُن کے جو وہ آئنہ رخسار
فرمایا ادا سر سے کرو حق شہِ دیں کا

فوجوں کو مرے دودھ کی تاثیر دکھانا
مظلومیتِ حضرتِ شبیرؑ دکھانا
تلواریں اگر لاکھ چلیں سر نہ فرو ہو

حیدرؑ کی شجاعت کا معترف ہے زمانا
سنبھل سنبھل کے تم اِن چھاتیوں پہ برچھیاں کھانا
ظلمت ہو ستمگر پہ یہ سزاوار نہیں ہے

بلوہ ہو تو پروا نہ رہے بھائی پہ بھائی
دکھلائیو ان چھوٹے سے ہاتھوں کی صفائی
گر مر گئے تو قبر بھی عزت بھی ملے گی

دم ہونٹوں پہ آجائے اگر پیاس کے مارے
پانی کو ترستے رفقا مر گئے سارے
تلواریں ہیں موجوں کی روانی نہ سمجھنا

کی عرض یہی ہوئے گا اے مادرِ غمخوار
اس پیاس میں صابر ہیں غلامانِ وفادار
دیکھیے گا سزا فرق اطاعت میں اگر آئے

یہ کہتے ہوئے خیمے سے صفدر نکل آئے
رومال رکھے آنکھوں پہ اکبرؑ نکل آئے
قدموں پہ جھکے وہ جو شہنشاہِ زمن کے

آزردہ تھی پر خیر خوشی اب ہوئی عائد
واری یہ تمنا ہے کہ سر ماموں پہ وارو
صدقے گئی شادی کا یہی بیاہ یہی ہے

غل تھا کہ چلے شاہ کی ہمشیر کے دلدار
سینے میں تڑپنے لگا زینبؑ کے دلِ زار
تو جاؤ مبارک ہو سفر خلدِ بریں کا

دادا کی طرح جوہرِ شمشیر دکھانا
تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھانا
جو سامنے آجائے وہ اک ضرب میں دو ہو

فوجوں پہ اسی دبدبہ و شان سے جانا
جرأت کے منافی ہو سپر چہرے پہ لانا
جو منہ کو چھپاتا ہے وہ مردوار نہیں ہے

مثلِ جسد و روح نہ دم بھر ہو جدائی
جانیں جو لڑاؤ گے تو سر ہو گی لڑائی
ہیں دودھ بھی بخشوں گی شہادت بھی ملے گی

غش کھا کے جو گرو بھی تو دریا کے کنارے
یہ آبِ رواں بند ہو ماموں پہ بٹھائے
دریا ہے لہو کا اسے پانی نہ سمجھنا

کیا بات ہے جیتے ہیں تو مرنا نہیں دشوار
دریا کو نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار
پھر دیکھیں نہ منہ آپ جو رخ پر سپر آئے

اک برج سے دو چاند برابر نکل آئے
شبیرؑ بھی روتے ہوئے باہر نکل آئے
کس جبر سے رخصت کیا بیٹوں کو بہن کے

شرما کے کہا جاؤ خدا حافظ و ناصر شمشیر و سناں کھاؤ خدا حافظ و ناصر
اب دل کو نہ تڑپاؤ خدا حافظ و ناصر چھاتی سے لگو آؤ خدا حافظ و ناصر
ناشاد پر ارمان مرے گھر سے چلے ہو گھوڑوں پہ چڑھا دوں میں کہ گودی میں پلے ہو
تھامے جو رکے بازوؤں کو قاسمؑ و اکبرؑ گھوڑوں پہ چڑھے زینبؑ ناشاد کے دلبر
الفت سے چلے ساتھ علمدارِ دلاور تب کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ صفدر
کچھ ذوقِ شہادت نہیں ور آپ ٹھہر جائیں آقا یہ مصیبت ہے حضور آپ ٹھہر جائیں

فرمایا کہ دل سینے میں ٹھہرے تو میں ٹھہروں وہ زخم نہ ہوں دل پہ جو گہرے تو میں ٹھہروں
دریا سے ہٹا لوں جو یہ پہرے تو میں ٹھہروں پانی ہوں ستمگاروں کے نہرے تو میں ٹھہروں
لازم ہے کہ جاؤں تو صفیں توڑ کے جاؤں زینبؑ سے کہوں کیا جو بھتیجے چھوڑ کے جاؤں
جھکنے لگے گھوڑوں پہ جو وہ آئینہ رخسار مغموم تھے بسکہ حضرت عباسؑ علمدار
رن میں چلے جنسِ شہادت کے طلبگار باگیں جو اٹھائیں تو ہوا ہو گئے رہوار
ساتھ ان کے ہرن جست میں نے گشت میں پہنچے اڑتے ہوئے طاؤسِ چمن دشت میں پہنچے

یوں آئے کہ جس طرح نسیمِ چمن آئے گھوڑے تھے کہ دو آہوئے چینِ ختن آئے
سنولائے ہوئے دھوپ میں گل پیرہن آئے فوجوں میں ہوا شور کہ وہ صف شکن آئے
شیر آتے ہیں لشکر سے ولی ابنِ ولی کے حضرت نے صدا دی کہ نواسے ہیں علی کے
دو صاعقے لشکر پہ چمکتے ہوئے آئے شعلے تھے کہ آندھی میں لپکتے ہوئے آئے
دو شیر صفِ جنگ کو تکتے ہوئے آئے دو گل تھے ہوا پر کہ مہکتے ہوئے آئے
تھا شور کہ ہوش اڑتے ہیں یاں کبکِ دری کے گھوڑے نہیں جھونکے ہیں نسیمِ سحری کے

وہ گردنیں گھوڑوں کی وہ سم اور وہ سینے غل تھا کہ یہ سینے کبھی دیکھے ہیں کسی نے
چاروں وہ قدم اور وہ رکابوں کے قرینے کرسی کے یہ پائے ہیں تو ہیں عرش کے زینے
سرعت میں ہے راہِ جبل و بحر مراد ایک بلقیس کا تخت ایک سلیماںؑ کی بساط ایک
آہو ہیں کہ سرگرم تگ و دو ہیں زمیں پر وہ شیر نہائے ہوئے رو رو ہیں زمیں پر
نعل ان کے آٹھ مہِ نو ہیں زمیں پر کلیاں نہ کہو اخترِ پرضو ہیں زمیں پر
طاؤس میں یہ جلوہ ہے نہ یہ چال نہیں ہے پریوں کے کھلے بال ہیں یہ یال نہیں ہے

کیا دونوں کو اسپانِ سبک تاز ملے تھے
فتراک نہیں یا تھے پر پرواز ملے تھے
شیروں کا بھی یہ رعب دمِ جنگ نہیں ہے
غصے میں جو ہر بار شیر جاتے ہیں اچھل کے
اس طرح قدم خاک پہ رکھتے ہیں سنبھل کے
ہر گام پہ اڑ جانے کو تیار ہیں دونوں
زینوں پہ جو ہیں عرش الٰہی کے ستارے
خوش فہم ہیں ایسے کہ سمجھتے ہیں اشارے
کم سن ہیں یہ مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں
ہر چند ہیں دونوں کے رکابوں سے جدا پاؤں
ہیں راہِ رہ جادۂ تسلیم و رضا پاؤں
شوکت جو دکھاتے ہیں سمندوں کو بڑھا کر
وہ برق ہے صرصر وہ چھلاوا یہ پری ہے
سرعت جسے کہتے ہیں وہ رگ رگ میں بھری ہے
نعل ان کے کہیں برق ہیں شمشیر کہیں ہیں
گھوڑے ہیں کہ طاؤس شہادت کے چمن کے
گردن کے یہ تو ہے وہ ٹوٹے ہوئے منکے
دونوں کے پسینے میں بھی سب عطر کی بو ہے
وہ شان وہ اجلال وہ شیروں کی نگاہیں
دعوے کہ فنا کر دیں ابھی ہم جسے چاہیں
فوجوں کو بھگایا ہے تو ہم بڑھ کے نکلتے ہیں
فوجوں کی صفائی جو نہ دیکھی ہو تو دیکھو
ہاں قلعہ کشائی جو نہ دیکھی ہو تو دیکھو
یہ منہ کبھی تیغوں سے پھیرے ہیں نہ پھیریں گے

جانبازوں کو رہوار بھی جانباز ملے تھے
زینت کے لئے سازِ خدا ساز ملے تھے
رستم کا کمربند ہے یہ تنگ نہیں ہے
آنکھوں نے نیا حسن دکھایا ہے ابلق کے
گر ہاتھ میں ہو جام لبالب تو نہ چھلکے
بچوں کی سواری سے خبردار ہیں دونوں
جب پڑیاں کھنچتی ہیں تو پھرتے ہیں طرارے
ہیں شاہ سوار آپ یہ اللہ کے پیارے
کس حسن سے رہواروں کے سر باندھے ہوئے ہیں
منہ ملتی ہیں قدموں پہ رکتی جو ہوا پاؤں
کیا ان پہ کیا باگ پہ کیا ہاتھ پہ کیا پاؤں
حضرت نے سکھایا ہے یہ کاندھوں پہ چڑھا کر
وہ آہوئے صحرا ہے تو یہ کبک دری ہے
ہر گام نئی چال نئی جلوہ گری ہے
آہو کہیں چلتے ہیں کہیں خیر کہیں ہیں
باریک وہ جلد ہیں کہ گل پھول سمن کے
گھونگھٹ میں بھی پیدا ہیں سب انداز دلھن کے
رفتار میں گرمی یہ پری زادوں کی خو ہے
نعرے جو کئے بند ہوئیں اُن کی رہیں
ہمت وہ کہ جو منہ سے کہیں اس کو نبا ہیں
سرکے نہیں جب کھیت میں یہ پاؤں جمے ہیں
لشکر میں روانی جو نہ دیکھی ہو تو دیکھو
بچوں کی لڑائی جو نہ دیکھی ہو تو دیکھو
مرتے ہوئے دشمن قدم بڑھ کے گریں گے

تم سب میں شجاعت کا دھنی جو ہو وہ نکلے
بدخواہ امام مدنی جو ہو وہ نکلے
آمادہ شمشیر زنی جو ہو وہ نکلے
سر دفتر لشکر شکنی جو ہو وہ نکلے
تنہا نہیں آ سکتی تو فوجیں ہم آئیں
کیوں دیر ہے گر تم نہیں بڑھتے تو ہم آئیں

تم لاکھ ہو ہم وہ ہیں جو راضی ہیں رضا پر
لاکھوں ہوں تو کیا ہیں نظر اپنی ہے خدا پر
کھل جائیں نشاں بجنے لگے طبل وغا پر
جلدی ہے کہ صدقے ہوں امام دوسرا پر
دیر اب نہ کرو جان لڑائی میں لڑی ہے
ہم پیاسے ہیں دو روز کے اور دھوپ کڑی ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ خدنگ آئے اُدھر سے
شمعوں کی طرح اُڑ کے تفنگ آئے اُدھر سے
سر سنگ جفا جو پئے جنگ آئے اُدھر سے
یاں سے جو بڑھے لعل تو سنگ آئے اُدھر سے
ڈھالیں تھیں بہم گرز بھی ہاتھوں میں تُلے تھے
نیزے بھی لچکتے تھے پھریرے بھی کھلے تھے

کڑکیں وہ کمانیں کہ ہوا فوج کا کڑکا
تیغوں کی سفیدی تھی کہ تھا نور کا تڑکا
گہ بجھ گیا خورشید کا شعلہ کبھی بھڑکا
ہر دل کو ہلا دیتا تھا سر کٹنے کا دھڑکا
نعرے تھے کہ حیدر کے دلیروں سے وغا ہے
گھوڑے بھی بھڑکتے ہیں کہ شیروں سے وغا ہے

دانتوں میں شجاعان عرب ڈاڑھیاں لیے
وہ صورتیں خونخوار وہ گھوڑے وہ رکابے
وہ گردنیں وہ سر تھے کہ سکوں میں قرابے
وہ آگ کے پتلے تھے تو خنجر تھے شہابے
خوں آل محمد کا بہایا تھا انھیں نے
سادات کے خیموں کو جلایا تھا انھیں نے

قبضوں پہ اِدھر ہاتھ سلحشوروں نے ڈالے
تیر آئے کمانوں سے بڑھے ظلم کے بھالے
یاں تیغے شیروں نے نیاموں سے نکالے
فوجوں پہ چلے شاہ کی آغوش کے پالے
اک برق گری لشکر بدخو کی صفوں پر
دو شیروں نے حملہ کیا آہو کی صفوں پر

ترچھے ہوا لشکر وہ صف ادھر تھی یہ ادھر جا
آفت تھی نہ کس صف میں قیامت تھی نہ کس جا
بل چل ہوئی دو شیر گئے فوج میں جس جا
لشکر میں یہ تھا شور کہ دنیا ہے نجس جا
سمجھے تھے کہ شبیر کا سر ہاتھ لگے گا
جانیں تو بچیں اب کسے زر ہاتھ لگے گا

اے سیف زباں تازہ لڑائی مجھے دکھلا
اے تیغ علی قلعہ کشائی مجھے دکھلا
شمشیر طلاقت کی صفائی مجھے دکھلا
اے ذہن رسا اپنی رسائی مجھے دکھلا
کشتی کو ہے موجود وہ صفدر جو علی سے
پھر کھینچ وہ تلوار جو سو بار چلی ہے

یا شیرِ خدا سیفِ دو دم دیجئے مجھ کو
سر برزہ ہو لشکر وہ حشم دیجئے مجھ کو
نیزے سپہِ شام کے ہٹتے نظر آئیں
کوثر کا بھرا جام پلا دیجئے مولا
ہر غنچۂ خاطر کو کھلا دیجئے مولا

میں وہ نہیں یا خلق میں انصاف نہیں ہے
گو پیر ہوں پر زورِ جوانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں پر تیز زبانی ہے ابھی تک
جوہر ہے وہی باڑھ وہی گھاٹ وہی ہے
تصویرِ پریشانیِ کفار دکھا دوں
جعفر کو ابھی جنگ پہ تیار دکھا دوں

رخ سب قدر اندازوں کے پھرتے نظر آئیں
لو پیچھے شہزادوں کے چلتے ہیں خبردار
رنگ افعیِ خونخوار بدلتے ہیں خبردار
جل جاتا ہے وہ آنچ ذرا لگتی ہے جس کو
دو ناگ ہیں پُر زہر کہ لہراتے ہیں سر پر
نکلے جو زمیں سے تو جگہ پاتے ہیں سر پر

کچھ پڑھ کے بھی پھونکے گا جو ناری تو جلے گا
بے مثل و عدیل ایک ہے یکتائے زماں ایک
اک آتشِ جاں سوز ہے اور آبِ رواں ایک
میان اس کا الگ ہے تو غلاف اس کا جدا ہے
نصرت کا وہ یہ فتح کے گنجینے کا مشتاق
وہ سر کا یہ چار آئینے میں سینے کا مشتاق
وہ تیر کے دل سے نکل آیا ہے جگر سے

یا شاہِ نجف طبل و علم دیجئے مجھ کو
میداں جو نہ چھوڑے وہ قدم دیجئے مجھ کو
سب فوج کے جی کر ابھی کٹتے نظر آئیں
بالائے ولا اور ولا دیجئے مولا
شمشیرِ فصاحت کو جلا دیجئے مولا

مدت سے جو ہوں چپ تو زباں صاف نہیں ہے
سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
قبضے میں وہ تیغِ صفہانی ہے ابھی تک
کہنہ تو ہے شمشیر مگر کاٹ وہی ہے
غیظ و غضبِ حیدرِ کرار دکھا دوں
ہر بند پہ چلتی ہوئی تلوار دکھا دوں

سرداروں کے سر خاک پہ گرتے نظر آئیں
دو بانیوں سے ناگ نکلتے ہیں خبردار
دو مارِ سیہ زہر اگلتے ہیں خبردار
پڑ جاتے ہیں نیل ان کی ہوا لگتی ہے جس کو
گہ پاؤں پہ آتے ہیں کبھی جاتے ہیں سر پر
جاتا ہے لہو گرم ہوا کھاتے ہیں سر پر

اعجاز ہے ان پر کوئی افسوں نہ چلے گا
ان باغیوں پہ بادِ سموم ایک خزاں ایک
گھاٹ ایک ہے خم ایک چمک ایک زباں ایک
اک جان و دو قالب اسے کہئے تو بجا ہے
ایماں کا وہ دیں کے آئینے کا مشتاق
جویندہ وہ دم کا یہ لہو پینے کا مشتاق
جوشن سے اسے لاگ اسے بیر سپر سے

وہ پنجۂ خسانی کبھی جا کے پھر آئے
اعدا کا لہو خاک پہ برسا کے پھر آئے
گہ سن سے گئے اور کبھی ابر کے پھر آئے
دم سے کے لہو پی کے صفیں کھا کے پھر آئے

محمدوش جو راہیں تھیں وہ شفاف ہوئی ہیں
کیا ہاتھ منجھے ہیں صفیں صاف ہوئی ہیں
وہ ہاتھ وہ ان چھوٹی سی تلواروں کا پرتو
چلنے میں جو بجلی تو ٹھہرنے میں مہ نو
سر پٹ ہیں وہ یک رنگی اسپان تگ و دو
دو ہاتھ جدھر چل گئے سر اڑ گئے سو سو
چلتی تھی غضب تیز ہوا دشت بلا میں
کیا چیز تھے تیغے ثمر اڑتے تھے ہوا میں

تیروں کو جو چلوں میں کمانداروں نے جوڑا
تیر آئے تو بد کیشوں نے منہ سہم کے موڑا
دونوں نے بزرگوں کے طریقے کو نہ چھوڑا
صف ایک نے الٹی تو دیا ایک نے توڑا
تلواروں کی گھاتوں میں تنا ور رہے دونوں
موجیں بھی جو آئیں تو برابر رہے دونوں

گر برق کہوں برق میں یہ تاب کہاں ہے
پانی میں روانی ہو پہ یہ آب کہاں ہے
آئینے میں جو ہر ہے پہ یہ داب کہاں ہے
آتش ہے تو آتش میں بھلا آب کہاں ہے
خم ہے پہ دم ایسا تو مہ نو میں نہیں ہے
ایسی تو چمک مہر کی پرتو میں نہیں ہے

ڈرتی ہوئی صف صف شکن دیکھ کے بھاگے
حیدر کی لڑائی کا چلن دیکھ کے بھاگے
نامرد فراق سر و تن دیکھ کے بھاگے
بپھرے ہوئے شیروں کو ہرن دیکھ کے بھاگے
دریا پہ بھی ڈر سے کوئی پیرا نہیں جاتا
بھاگڑ میں یہ ہے شور کہ ٹھہرا نہیں جاتا

بڑھ کر سپر اس بھائی نے کاٹی تو سر اس نے
زخمی کیا دشمن کا دل اس نے جگر اس نے
صدر اس نے کیا چاک تو کاٹی کمر اس نے
دکھلائے علی کے چلن اس نے ہنر اس نے
مطلب تھا کہ نے عمر کو نے زید کو چھوڑیں
دو شیر جب ایسے ہوں تو کب صید کو چھوڑیں

کیا دخل جو قابو میں سوار آ کے نکل جائے
کیا جان جو بھاگڑ میں جگہ پا کے نکل جائے
کیا تاب جو گھوڑا کوئی جھمکا کے نکل جائے
کیا منہ ہے جو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
جز کنج لحد اور کہیں امن نہیں تھا
ٹھکانا جسے رستے پہ وہ پیوند زمیں تھا

یہ شوکت اسپان سبک رو نہیں دیکھی
یہ جست یہ سرعت یہ تگ و دو نہیں دیکھی
گردوں نے یہ تیزی مہ نو نہیں دیکھی
چلتی ہوئی تلواروں میں یہ ضو نہیں دیکھی
کالا تھا جو دن دھوپ بھی سیماب ہوئی تھی
لشکر کی سیاہی شب مہتاب ہوئی تھی

تھا شور کہ دریا یہ روانی نہیں رکھتا
یہ کاٹ کسی تیغ کا پانی نہیں رکھتا
خنجر کوئی یہ تیز زبانی نہیں رکھتا
ایک ایک وہ یکتا ہو کہ ثانی نہیں رکھتا
جب ان کا اٹھانا تھا پیمبر کے علم کو
یہ چھین کے لے جائیں گے لشکر کے علم کو

بہتے ہوئے دریا کی روانی ہے انھیں میں
پاں کند ہیں سب تیز زبانی ہو انھیں میں
بجلی کی طرح شعلہ فشانی ہے انھیں میں
جو آگ کو بجھ کاٹے وہ پانی ہے انھیں میں
موجوں کا تلاطم ہے کہ جیسے لب جو کی
ٹاپو ہے وہ لاشوں کا یہ ندی ہے لہو کی

بہتے ہوئے دریا کا بھی کیا زور گھٹا ہے
ڈھالوں کی سیاہی ہو کہ گھنگھور گھٹا ہے
مقتل میں برستا ہے لہو زور گھٹا ہے
تلواریں برستی ہیں سلح شور گھٹا ہے
ڈوبی ہوئی ہے خوں میں پڑی فوج عدو کی
بوچھار سروں کی ہے دو ریزے میں لہو کی

سینوں کو سنانوں سے ملا دیتے ہیں دونوں
ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتے ہیں دونوں
آئینۂ نصرت کو جلا دیتے ہیں دونوں
پانی انھیں تیغوں کا پلا دیتے ہیں دونوں
یوں مرتے ہیں کرتے ہیں برائی جو بھلوں سے
تھا زہر ہلاہل کہ اترتا تھا گلوں سے

بے دست تھا نیزوں کو ادھر جس نے اٹھایا
جان اس کی گئی زخم جگر جس نے اٹھایا
ضرب اس پہ چلی فوج میں سر جس نے اٹھایا
پہونچے سے اڑا ہاتھ تبر جس نے اٹھایا
کیسے قدر انداز خطا کار کہاں کے
ترکش تھا نہ چلہ تھا نہ گوشے تھے کماں کے

چھوڑا تھا بڑے بھائی سے خوں ریز زیادہ
کچھ ہاتھ بھی کچھ تیغ بھی تیز زیادہ
سرتیز زیادہ وہ شور انگیز زیادہ
اس گھوڑے سے گھوڑا بھی سبک خیز زیادہ
حیدر کی شجاعت بھی جلالت بھی غضب بھی
غصہ بھی تہور بھی برادر کا ادب بھی

بڑھ آئے کمیں سے جو کماندار سمٹ کر
پہونچے وہیں شہزادوں کے رہوار سمٹ کر
تھرائے تھے ڈر سے جو خطاکار سمٹ کر
چلے بھی اتر جاتے تھے ہر بار سمٹ کر
سرکش گئے اب شکل کہاں امن و اماں کی
تیروں کے نہ وہ نخل نہ شاخیں تھیں کماں کی

سر ایک سے لڑنے میں دو چند ایک نے کاٹے
تیر ایک نے اور تیروں کے بند ایک نے کاٹے
سب حلقہ گیر آئے کمند ایک نے کاٹے
قلموں کی طرح پائے سمند ایک نے کاٹے
جاں بازیاں دیکھیں کہ جگر داری کو دیکھیں
جعفر ہوں تو ان ہاتھوں کی طیاری کو دیکھیں

باندھا کسی برچھیت نے نیزے کا اگر بند
وا کر دیا بس ناخنِ تدبیر سے ہر بند

نعرہ تھا کہ ہم عقدہ کشا کے ہیں جگر بند
کھولیں اسے خیبر سا اگر ہو کوئی در بند

بھولے ہو تم اس پر کہ تومند نہیں ہیں
یہ ہاتھ کسی معرکے میں بند نہیں ہیں

تلواروں میں ہر دم سپر اک بھائی کی تھا ایک
اک ہوتا تھا جتیاب جو ہوتا تھا جدا ایک

رہواروں میں تھا ایک سے چالاک سوا ایک
چلنے میں ہوا ایک تو اڑنے میں ہما ایک

دیکھا انھیں جس نے تو ہوئے ہوش گم اس کے
نعل اس کے نہ لگتے تھے زمیں پر نہ سم اس کے

غل تھا کہ نہ دیکھی تھی وغا آج تک ایسی
آفت کسی لشکر پہ نہ ڈالے فلک ایسی

دوزخ کے بھی شعلوں میں نہ ہوگی لپک ایسی
زائل ہوئی جاتی ہے بصارت چمک ایسی

آفت تھی قیامت تھی اسے یا اسے روکیں
دو بجلیاں گرتی ہیں برابر کسے روکیں

وہ غل عربی باجوں کا تیغوں کی وہ جھنکار
قرنا کی صدا وہ کہ ہلے گنبدِ دوّار

کالی وہ گھٹا شام کے لشکر کی دھواں دھار
جھڑ جھڑ کے یہ کڑکیت صدا دیتے تھے ہر بار

ہاں آج نبردِ سپرِ شام کا دن ہے
اے لشکریو! نام کرو، نام کا دن ہے

اے فوجِ ظفر موج کے جرّار جوانو
دو شیر کے بچے ہیں یہ ہشیار جوانو

یہ وقت کے ہیں جعفرِ طیّار جوانو
لشکر کے نشانوں سے خبردار جوانو

پہنچے بھی یہ کاٹیں گے مڑوڑیں گے علم کو
پنجہ جو بڑھایا تو نہ چھوڑیں گے علم کو

جس غول پہ جس صف پہ چلے تیغے ان کے
بے جاں ہوئے وہ وار چلے دونوں پہ جن کے

کشتہ کیا گنتی کی، سواروں کو جو گن کے
تھرّانے لگے دانتوں میں سب اب کے تنکے

فوجیں وہ کہاں اور کہاں تشنہ دہاں دو
دو لاکھ کے لشکر میں یہ غل تھا کہ اماں دو

یہ کہتے تھے لشکر کا نشاں دو تو اماں دیں
دنیا کی محبت پہ نہ جاں دو تو اماں دیں

ہاں تیغ کی حضرت کو زباں دو تو اماں دیں
اصغر کو جو یہ آبِ رواں دو تو اماں دیں

خونِ پسرِ سعد بہا دو تو رکیں ہم
ہاں شمر کا سر کاٹ کے لا دو تو رکیں ہم

بتلا دو ہمیں خولیِ خونخوار کدھر ہے
شیث ابنِ ربیعی سا جفاکار کدھر ہے

ارزق جسے کہتے ہیں وہ مکّار کدھر ہے
کیوں حرملۂ سرکش و غدّار کدھر ہے

ہم تیغے چمکا کے بڑھاتے ہیں فرس کو
ہاں بھیج دو میداں میں سنان ابنِ انس کو

تھراتے ہیں سن سن کے یہ نعرے وہ جفاجو
ڈھالوں میں چھپا تھا پسر سعد سیہ رو
کہتا تھا کہ ان بچوں میں ہے شیر کی خوبو
ٹکڑے مرے کر دیتے اگر پاتیں گے قابو
آفت میں مددگار ہو رنجوں سے بچاؤ
یارو مجھے ان شیروں کے پنجوں سے بچاؤ

یہ سنتے ہی سب شام کا بادل امنڈ آیا
اک دل کا ہٹانا تھا کہ اک دل امنڈ آیا
اک ظلم کا دریا سوئے مقتل امنڈ آیا
نیزوں کا نیستاں تھا کہ جنگل امنڈ آیا
پاس آکے لڑا ایک نہ اس فوج عدو میں
نہلا دیا بوچھار نے تیروں کی لہو میں

زخمی ہوئے جب خیر تو لشکر میں در آئے
آفت ہوئی برپا غضب آیا جدھر آئے
وہ پہنچے جب ان سے کسی غول پہ آئے
ہاتھ اڑ کے گئے واں تو ادھر کٹ کے سر آئے
دونوں کے فرس ابر کہیں برق کہیں تھے
دستانے کہیں خود کہیں فرق کہیں تھے

شیروں نے پرے فوج بد آئین کے توڑے
گویا کہ پرے خیبر و صفین کے توڑے
ہاتھ آیا تو بازو کسی بے دین کے توڑے
جھنجھلائے تو لشکر کے نشاں چھین کے توڑے
چھینٹیں بھی ادھر خون کی شہزادوں کی آئیں
کیا دھجیاں علموں کے پھریروں کی اڑائیں

بیٹھی تھیں پس پردہ ادھر زینبؑ ناچار
چہرہ تھا کبھی زرد کبھی سرخ تھے رخسار
بیتابی میں فقط یہ فرماتی تھیں ہر بار
تو دیکھ تو پہنچے ہیں کہاں تک مرے دلدار
کھائے ہیں ابھی زخم نہ گھوڑوں سے گرے ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ فوجوں میں گھرے ہیں

نکلی جو عصا تھام کے وہ خیمے کے باہر
خم تھی کمر اور منھ عرق شرم سے تھا تر
چلنے میں قدم کانپتے تھے ضعف سے تھرتھر
ہلتا تھا ضعیفی کے سبب سے سر انور
کیوں کر یہ نہ ہو خادمۂ آل عبا تھی
برقع نہ عصا نہ قبا نہ ردا تھی

شہزادوں کی سب معرکہ آرائی بھی دیکھی
جرأت بھی جلالت بھی توانائی بھی دیکھی
دانائی بھی غربت بھی شکیبائی بھی دیکھی
جانبازی بھی مظلومی بھی تنہائی بھی دیکھی
شیروں کو لہو میں بھی نہاتے ہوئے دیکھا
آگے جو بڑھے تیر بھی کھاتے ہوئے دیکھا

روتی ہوئی خیمے میں جو آئی وہ دل افگار
زینب نے کہا قتل ہوئے کیا مرے دلدار؟
کی عرض نہیں تو ابھی لڑتے ہیں وہ جرار
آفت ہے بپا بھاگتے پھرتے ہیں جفاکار
وہ کون سا یکتا ہے جو ہم رنگ نہیں ہے
سب کہتے ہیں ہم طوفاں سے یہ جنگ نہیں ہے

بے سر اسے کرتے ہیں جسے پاتے ہیں دونوں
ڈھالوں کی گھٹا میں کبھی گھر جاتے ہیں دونوں
کس چشم کی پتلی میں وہ کاوا نہیں پھرتا
لاکھوں تہ و بالا ہیں وہ بچے کئے ٹالیں
زرہوں پہ نہ چار آئینے ہاتھوں میں ڈھالیں
تلواروں میں بھائی کی سپر ہوتا ہے بھائی
قائم رہے ان بھائیوں کی خلق میں جوڑی
اٹھا جو پرا اس نے تو صف اس نے بھی توڑی
تیور وہی آواز وہی آن وہی تھی
سادات ہیں ان اپنے خوزادوں کی ہیں پڑی
تلواریں بھی ان بچوں سے ہو گئیں عاری
نیچے کہیں اس شان سے توسن پہ چڑھے ہیں
چھایا ہوا تھا چار طرف شام کا بادل
تلواریں علم ہاتھوں میں تھیں ابرو پہ تھے بل
ایک ایک کی آنکھیں تھیں کہ دو ساغر خوں تھے
تیغیں وہ کہ مغفر ہے کی ڈھالوں کے نہ موڑیں
ہم خیبر بہ رستم تو کلائی کو مروڑیں
ہر دم تھا اشارہ پسر سعد لعیں سے
تلوار اٹھا کر جو چلے خوں بہ دلاور
اللہ نہ فرمائیے تکلیف برادر
رہ لیں اگر ان دونوں کو لڑنے کی ہوس ہے
بی بی وہ جلالت مجھے بھولے گی نہ وہ شان
بیٹا تو نے جو خاطر سے کہا خیر مری جان
دکھلا دیئے انداز وغا نے اب وجد کے

سب جانتے ہیں جب تیغ چمکاتے ہیں دونوں
لڑ بھڑ کے کبھی صاف نکل آتے ہیں دونوں
یوں پھرتے ہیں گھوڑے کہ چھلاوا نہیں پھرتا
تلواریں ادھر ہیں تو ادھر نیزوں کی بھالیں
مہلت نہیں جو سینوں سے تیروں کو نکالیں
بہتا ہے جو بھائی کا لہو روتا ہے بھائی
بل چل تھی ادھر باگ جدھر رخش کی موڑی
چھوٹے نے کوئی بات علی کی نہیں چھوڑی
نعرہ کر دہی تو تیور وہی شان وہی تھی
حملوں میں ہے شوکت اسد اللہ کی ساری
خود غیرت گلشن تو فرس باد بہاری
میداں نے تو یہ جب آکے علی رن پہ چڑھے ہیں
یہ تھی وہیں لڑنے کے لیے آئے جو دو دل
نعروں سے فلک گونج اٹھا ہل گیا جنگل
کچھ مرحب و عنتر سے بھی دلبر یہ فزوں تھے
نیزے وہ قیامت کہ دل کوہ کو توڑیں
حملہ کریں جس پر نہ سلامت اسے چھوڑیں
اک نیزے میں دونوں کو اٹھا لیتے ہیں زیں سے
چھوٹے نے یہ کی عرض بڑے بھائی سے جھک کر
آئے ہیں تو جاتے ہیں کہاں اب یہ ستمگر
بھیا یہ غلام آپ کا ان کے لیے بس ہے
اے شیر کے بچے تری ہمت کے میں قربان
گھوڑے کا اڑانا تھا کہ لے لیا میدان
غل تھا کہ غزال آ گئے پنجے میں اسد کے

اک ضرب میں ہاتھ اس کے اڑائے تو سر اس کا
ٹکڑے تھا دل اس کا تو لہو تھا جگر اس کا
دم بھر میں نہ عنترہ تھا نہ شورش رہی سر پا
سن کر یہ بیاں شاد ہوئیں زینبؑ خوش خو
ہر بی بی سے ارشاد کیا پونچھ کے آنسو
آنکھوں سے رہے تشنہ دہن کام کیا ہے
سب بی بیاں بولیں کہ یہ آپ کا اقبال
پروردگی توقیر نسب حشمت و اجلال
بھائی کے سوا مجھ کو نہیں فکر کسی کی
یہ ذکر ابھی تھا کہ صدا رونے کی آئی
لوٹی گئی ہے پھوپھی اماں کی کمائی
روتے ہوئے عباسؑ بھی ہمراہ گئے ہیں
یہ سنتے ہی قبلے کی طرف جھک گئیں زینبؑ
طالب تھی میں جس کی وہ بر آیا مرا مطلب
لٹنے سے محمد کی کمائی کو بچایا
کس منہ سے ترا شکر کروں بار خدایا
گر بیاہ فلک نے نہ دکھایا نہ دکھایا
عالم میں جو دکھ ان کے لیے سب نے بھرے ہیں
فضہ کی صدا آئی اے پیٹنے والو
روتی ہیں کہاں بانوئے عالم کو بلاؤ
مقتل سے حسینؑ ابن علیؑ لائے ہیں لاش
دوڑ تک گئی ماں بین کی کھولے ہوئے سر
اک لاش کو لائے تھے علمدار دلاور
جنباں تھی زمیں غل تھا پسر بادہ بکا کا

اس نخل کی شاخیں تھیں نہ اور ثمر اس کا
دم سینے سے نکلا ادھر اس کا ادھر اس کا
ساتھ آئی تھی اور ساتھ گئی قعر سقر میں
پھر جوش محبت سے رہا دل پہ نہ قابو
میدان سے مڑ کے نہیں اب تک مرے گل رو
سنتی ہوں کہ چھوٹے نے بڑا نام کیا ہے
ان دونوں کا سوچو بھی کیا ہے سن و سال
فرمایا کہ ہاں صاحب غیرت ہیں مرے لال
عزت سے وہ مر جائیں یہی ہے حالت اسی کی
دروازے سے اک چیخ یہ آواز سنائی
مارے گئے دونو ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
خود لاشیں اٹھانے کے لیے شاہ گئے ہیں
سجدے سے اٹھیں جب تو کہا شکر ہے یارب
سب مٹ گئے دل کے کوئی تشویش نہیں اب
سب قتل ہوں پر تو مرے عباس کو بچائے
تو نے مرے دو بچوں کو پروان چڑھایا!
جو رتبہ ہے اعلائے شہادت سے وہ پایا!
تو رحم کر ان پر کہ یہ مظلوم رہے ہیں
سب مل کے اٹھے مرے شہزادوں کو بٹھاؤ
لوٹا گیا گھر رانڈ کا جنازا بانو پہ ڈالو
سیدانیاں ڈیوڑھی پہ چلو آتی ہیں لاش
لاشوں کو لیے خیمے میں داخل ہوئے سرور
لپٹائے تھے چھاتی سے کوئی گلے سے شہ صفدر
لب تھا کہ کس سینہ پہ شاہ شہدا کا

ماتم تھا کہ برباد یہ گھر ہو گیا ہے
زہرا کے نواسوں کا سفر ہو گیا ہے
کس کی نظر بد کا گزر ہو گیا ہے
یہ چاند ہر اک خون میں تر ہو گیا ہے
تقدیر میں سر پیٹنا تھا نوحہ گری تھی
خالی ہوئی وہ گود جو بچوں سے بھری تھی

لاشوں کو شہ دیں صف ماتم پہ جو لائے
سب اہل حرم پیٹتے روتے ہوئے آئے
زینب نے نہ فریاد کی نے اشک بہائے
بیٹھی رہیں سر زانوئے اقدس پہ جھکائے
لب خشک تھے منہ زرد مژہ آنکھوں سے تر تھی
نے اپنی نہ بھائی کی نہ لاشوں کی خبر تھی

بانو جو قریب آئی تو بولی یہ وہ مغموم
بی بی تجھے کچھ آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم
کس جا علی اکبر ہیں کدھر ہیں شہ مظلوم
کس کی خبر آئی ہے کہ ماتم کی ہے یہ دھوم
پردیس میں بیٹے سے کسے یاس ہوئی ہے
یہ کون سی ماں بیٹوں سے بے آس ہوئی ہے

فرزند ہوا بچوں کو مرے رن میں سدھارے
کیا جانیے سر ماموں پہ وارے کہ نہ وارے
دھڑکا ہے کہ کس میں بہت وہ مرے پیارے
دریا پہ کہیں جا نہ پڑیں پیاس کے مارے
سر دے کے پھریں یا دھوم ہو ثابت قدمی کی
ہیں دودھ نہ بخشوں گی جو لڑنے میں کمی کی

بولے یہ بصد درد علی اکبر ذی شاں
حاضر ہے یہ مجروح غلام اے پھوپھی اماں
شبیر پکارے کہ بہن میں ترے قرباں
زندہ تھا سحر تک مگر اب ہے یہ بے جاں
فوجوں کو بھگایا ہے ہزاروں سے لڑے ہیں
یہ عون و محمد ہیں جو بے جان پڑے ہیں

ہوش آ گیا زینب کو صدا بھائی کی سن کر
کی عرض یہ سب آپ کا صدقہ ہے برادر
خوشنود ہیں آقا تو رضامند ہے مادر
تو بخش دیا دودھ انھیں یا شہ صفدر
یہ آپ پہ قربان ہوئے راہ خدا میں
نام ان کے خدا عرش پہ لکھے شہدا میں

حضرت نے کہا روو گے ان کو لگا کر
اب پاس تمھارے نہیں یہ آئیں گے جا کر
پانی نہ پیا نزع میں بھی برچھیاں کھا کر
رخصت ہوئے ماموں کو لب خشک دکھا کر
کس سے کہوں جیسے یہ وفادار پسر تھے
دم نکلے تو دونوں کے مرے پاؤں پہ سر تھے

بانو نے رکھے زانوئے زینب پہ سر ان کے
جو بیبیاں تھیں آ گئے منہ کو جگر ان کے
زینب نے جو کی جھک کے رخوں پر نظر ان کے
دکھلائی دیے چاند سے منہ خوں میں تر ان کے
رخسار بھی مجروح تھے ابرو بھی کٹے تھے
شانے بھی جدا چاند سے بازو بھی کٹے تھے

منہ چھپا تیوں پہ رکھ کے یہ ناشاد پکاری / آرام میں ہو یا ہے غشی پیاس کی طاری
ہوتا ہے بیاں شوکت و ہمت کا تمھاری / تسلیم کرو قبلۂ کونین کو واری
سمجھی ہیں کہ باعث ہے یہ بیداری شب کا / پیارے یہ طریقہ نہیں ارباب ادب کا

تعریف امام دوسرا کرتے ہیں اٹھو / عباسؑ علمدار ثنا کرتے ہیں اٹھو
ہمشکل نبیؐ مدح و ثنا کرتے ہیں اٹھو / سب لوگ نہ اٹھنے کا گلا کرتے ہیں اٹھو
آقا سے مصیبت میں جدا ہو نہیں جاتے / صدقے گئی یوں جنگ کے دن سو نہیں جاتے

تم تو کہیں یوں رات کو غافل نہیں سوتے / پانی نہیں کھلتے ہے یہاں چہروں کو دھوتے
اب تم نہ ملو گے جو کوئی جان بھی کھوئے / قسمت میں یہ لکھا تھا کہ ماں لاشوں پہ روئے
سر دے کے مرے حق سے ادا ہو کے بچھڑے ہو / سمجھی ہیں کہ ماموں پہ فدا ہو کے بچھڑے ہو

احسنت مرے صف شکن نیک خصالو / گل پیرہنو تشنہ لبو گیسوؤں والو
غش آتا ہے پیارو مجھے اٹھو اٹھو کے سنبھالو / دو چھوٹی سی باہیں تو گلے میں مرے ڈالو
مظلوم ہو دربار میں عادل کے سدھارو / جاتے ہو تو ماں سے گلے مل کے سدھارو

پیارو تم اکیلے کبھی نکلے نہیں گھر سے / رستے سے نہ واقف نہ صعوبات سفر سے
راہیں بھی وہ خالی نہیں جو خوف و خطر سے / جو خاصۂ باری ہیں وہ تھراتے ہیں ڈر سے
اس خوف سے راتوں کو نہ سوتے تھے محمدؐ / جب موت کا ذکر آتا تھا روتے تھے محمدؐ

بھولی نہیں اب تک مجھے بیتابی حیدرؑ / دم بھر شب حضرت کو نہ تکیہ پہ رکھا سر
دالان سے جاتے تھے کبھی حجرے کے اندر / روتے ہوئے حجرے سے کبھی آتے تھے باہر
اٹھتی تھی جب آواز بکا آتی تھی مجھ کو / اعضا کے لرزنے کی صدا آتی تھی مجھ کو

میں عرض یہ کرتی تھی کہ یا شاہ خوش انجام / کیا ہے کہ نہ لیٹے نہ کیا آپ نے آرام
فرماتے تھے کس طرح نہ گھبرائے یہ ناکام / سرکار سے آیا ہو جب موت کا پیغام
وہ کون ہے اعمال کا دھڑکا نہیں جس کو / در پیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

بیٹی میں ہزاروں سے رہا معرکہ آرا / مرحب کو تہ تیغ کیا عمر کو مارا
تھا پیر علم آگ سے دوزخ کا کنارا / گو وا میں تو لشکر تہ و بالا ہوا سارا
کل تھا مرے ڈر سے زبانوں پہ جنوں کی / ہر ضرب میں بن جاتی تھی جانوں پہ جنوں کی

کس سے کہوں جو آج مجھے خوف ہے طاری
جو ہڈیاں ہیں تن میں گھلی جاتی ہیں ساری
مجرم کے لیے قبر کی منزل بھی ہے بھاری
وہ تنگ مکاں رحم کرے خالق باری
لب کھل نہیں سکتے ہیں زباں ہل نہیں سکتی
کروٹ بھی بدلنے کو جگہ مل نہیں سکتی

قہار کی جانب سے جو ہیں حکم پہ معمور
نرمی و ترحم نہیں ان لوگوں کا دستور
بیزار بدی سے عمل خیر سے مسرور
نے رفق و مدارا نہ رعایت انھیں منظور
آنکھیں وہ دکھائیں گے جو خاموش رہوں گا
واقف نہیں کیا پوچھیں گے اور کیا میں کہوں گا

ہے ہے یہی رستہ مجھیں درپیش ہے پیارو
تم مرد ہو جرار ہو ہمت کو نہ ہارو
اب آنکھوں سے چھپ جاؤ گے اے عرش کے تارو
بچو! مجھے منزل کا پتا دے کے سدھارو
ویرانی میں یا گلشن ہستی میں رہو گے
تم آج کی شب کون سی بستی میں رہو گے

تجویز ہے قبروں کی کہاں میں نہیں آگاہ
غربت میں مرو گے یہ لکھی مجھ کو خبر آہ
یہ دہر ہے بے مہر یہ دنیا ہے گزرگاہ
جاتا ہے یہیں دست گدا ہو کہ شہنشاہ
ماموں کی نہ تقصیر نہ کچھ اس میں ہے ماں کی
قبریں بھی ملیں گی نہیں ہو خاک جہاں کی

یہ پھول سے تن اور وہ سر تیز سنانیں
وہ تیر قیامت کے غضب کی وہ کمانیں
گل برگ سے ہونٹوں پہ یہ خشکیدہ زبانیں
نکلیں کہو کیوں کر تن مجروح سے جانیں
رخ زرد ہیں اور خاک پہ گیسو بھی اٹے ہیں
مرتے ہوئے تڑپو گے کہ سب زخم پھٹے ہیں

کیا لکھی خبر اس کی کہ جدا ہو گے بچو
میں رووں گی اور تم نہ مجھے روؤ گے بچو!
پردیس میں دنیا سے مجھے کھوؤ گے بچو
تڑپوں گی میں اور قبر میں تم سوؤ گے بچو
بیداری میں گزریں گے کہ سونے میں کٹیں گے
اب زیست کے دن دن مجھے رونے میں کٹیں گے

اب جینے سے ارماں کا بھی دل سیر ہے پیارو
جیتی ہوں پہ قسمت کا مری پھیر ہے پیارو
تم مر گئے دنیا مجھے اندھیر ہے پیارو
کیا جانیں مری موت میں کیا دیر ہے پیارو
ہے کون سی دولت جسے کھونے کو رہی ہوں
معلوم نہیں اب کسے رونے کو رہی ہوں

اب دھیان مرا شام و سحر کون رکھے گا
الفت کی محبت کی نظر کون رکھے گا
پردیس میں اب ان کی خبر کون رکھے گا
جھک جھک کے مرے پاؤں پہ سر کون رکھے گا
سب ہوں گے مگر گود کے پالے نہ ملیں گے
اب تم سے مجھے چاہنے والے نہ ملیں گے

ہر سال بہار آئے گی کھل جائیں گے سب گل — سرسبز جو اماں چمن ہوئیں گے بالکل
سبزہ کہیں ہوگا کہیں نسریں کہیں سنبل — وہ سرو ہمائیں وہ خوش الحانی بلبل
دنیا کے نہ بستان فرحناک میں ہوں گے — گل باغ میں، تم زیر زمیں خاک میں ہوں گے

حضرت کو لڑائی کے پیام آتے ہیں اٹھو — خیمے کی طرف ساکن شام آتے ہیں اٹھو
و تیر ستم سوئے امام آتے ہیں اٹھو — جرار بُرے وقت میں کام آتے ہیں اٹھو
جلدی سے قباؤں کو پہنتے ہوئے نکلو — شمشیر و سپر تھامے تنتے ہوئے نکلو

تاریکی میں واری تمہیں نیند آئے گی کیونکر — شب ہوگی تو بچوں کو یہاں پائے گی کیونکر
اور دل بیتاب کو سمجھائے گی کیونکر — واں تک مرے رونے کی صدا جائے گی کیونکر
بکلوں جو تجسس کو تو بیجا نہیں واری — ماں ہوں مرا اچھّر کا کلیجا نہیں واری

تم دونوں نے جاں اپنی مرے بھائی پہ واری — شرمندۂ احساں ہوں یہ دکھ درد کی ماری
کس منھ سے شہیدوں میں کروں شکر گزاری — ماں پیٹے تھی پر آج سے لونڈی ہوں تمہاری
بہتر ہو اگر مجھ پہ چھری چل گئی پیارو — کچھ تو مرے بھائی کی بلا ٹل گئی پیارو

اس دائی نے کی تھی گلہ آمیز جو تقریر — اس وقت نہ تھی ہوش میں بیکس و دلگیر
منظور یہ تھا سچلے ہو تم فدیۂ شبیر — شرمندہ ہوں محجوب ہوں بخشو مری تقصیر
روتے تھے کہ اماں میں خفا ہونے کی خو ہے — گھٹ گھٹ کہا تھا، کلیجا مرا اس غم سے لہو ہے

چلتے ہوئے منظور تلافی تھی میں قربان — رونے کچھ اس کے نہ رہا مجھ کو ذرا دھیان
لو صدقے گئی جوڑتی ہوں ہاتھ میں اے ماں — نانی سے شکایت مری کیجو نہ مری جان
سمجھی تھی کہ نوج شہ والا میں رہو گے — کیا جانتی تھی آج نہ دنیا میں رہو گے

جنگل میں قیام آج کہاں ہوگا بتاؤ — ماں صدقے، مقام آج کہاں ہوگا بتاؤ
دن تم کو تمام آج کہاں ہوگا بتاؤ — بستر سر شام آج کہاں ہوگا بتاؤ
ہموار زمیں شب کے بچھونے کو ملے گی — کیسی بے زمیں جو تمہیں سونے کو ملے گی

ہمراہ نہ تکیے ہیں نہ راحت کا بچھونا — دو بھائی ہو تم ایک جگہ رات کو سونا
معلوم ہے چھوٹے کا مجھے چونک کے رونا — صدقے گئی غافل مرے بچّے سے نہ ہونا
بے ماں کے سحر رونے میں ہو جاتی ہے اس کو — پہلو مرا ملتا ہے تو نیند آتی ہے اس کو

ٹکڑے تھے کلیجے یہ بیاں درد کا سن کر
بانو نے کہا مشتبہ کو بین سے اٹھ کر
فرزند کا غم خالقِ عالم نہ دکھائے
اکبر سے کہا تم پھوپی اماں کو سنبھالو
شہزادی کو غش آیا ہے اے پیٹنے والو
پردہ ہو کہ وہ شے نہ اٹھاتے ہوئے دیکھے
کیا لاشوں کے جانے کا کچھ حال نہیں آہ
اللہ ہی زینبؑ کی مصیبت سے ہے آگاہ

اک حشر تھا یہ بیبیاں سب پیٹتی تھیں سر
مر جائے گی ماں لاشوں کو لے جائیے باہر
اللہ کسی ماں کو یہ ماتم نہ دکھائے
عباسؑ کدھر ہیں انھیں باہر سے بلا لو
ہے ہے نہ کرو، خاکِ عزا سر پہ نہ ڈالو
ماں خیمے سے بچوں کو نہ جاتے ہوئے دیکھے
در تک گئے سب پیٹتے روتے حرمِ شاہ
گزرے کسی مادر پہ نہ یہ صدمۂ جاں کاہ

بالائے زمیں عرش کے تاروں کو نہ دیکھا
غش سے جو کھلی آنکھ تو پیاروں کو نہ دیکھا

تمام شد